

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم)

اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں

شَمَائِلُ التَّرْمِذِي

تأليف

إمام المحدثين الحافظ الحجة محمد بن عيسى بن سورة الترمذي ر.ل.ه

٢٠٠-٢٧٩ هـ

مع اردو ترجمہ و شرح

خصائل نبوی

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی قدس سرہ

۱۳۱۵-۱۴۰۲ھ



شعبہ نشر و اشاعت
جمہوریہ کوئٹہ، خیبر پختونخوا، اسلام آباد، پاکستان

وَإِنَّكَ لَعَلَىٰ خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم)

اور بے شک آپ اخلاق کے اعلیٰ پیمانہ پر ہیں۔

شَمَائِلُ تَرْمِذِي

تأليف

إمام المحدثين الحافظ الحجة محمد بن عيسى بن سورة الترمذي رحمته

٢٠٠-٢٧٩ هـ

مع اردو ترجمہ و شرح

خَصَائِلُ نَبَوِيَّ

از

شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی رحمته

١٣١٥-١٤٠٢ هـ

تصحیح شدہ، جدید رنگین طباعت



الطبعة الأولى: ١٤٣٠هـ - ٢٠٠٩م

عدد الصفحات: ٥٠٦

السعر: ٢٦٥/- روبية

مكتبة البشري
للطباعة والنشر والتوزيع

AL-BUSHRA Publishers
Choudhri Mohammad Ali Charitable
Trust (Regd.)

Z-3 Oversease Bungalows Gulistan-e-Jouhar
Karachi - Pakistan

+92-21-7740738

هاتف

+92-21-4023113

فاكس

www.ibnabbasaisha.edu.pk

الموقع على الإنترنت

al-bushra@cyber.net.pk

البريد الإلكتروني

يطلب من

مكتبة البشري، كراتشي +92-321-2196170

مكتبة الحرمين، أردو بازار لاهور +92-321-4399313

المصباح، 16 أردو بازار لاهور 7223210 - 042-7124656

بك ليند، سٹی پلازہ، کالج روڈ، راولپنڈی 5557926 - 051-5773341

دار الإخلاص، نزد قصہ خواتی بازار پشاور 091-2567539

ويطلب من جميع المكتبات المشهورة

بسم الله الرحمن الرحيم

عرض ناشر

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى

”خصائل نبوی“ شمائل ترمذی کی شرح ہے جو حضرت شیخ الحدیث قطب العالم مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہ نے اپنے ایک بزرگ کی فرمائش پر تحریر فرمائی۔ جب حضرت شیخ کی عمر مبارک ۲۹ برس تھی۔ اس شرح میں جن باتوں کا اہتمام کیا گیا ہے ان کی تفصیل حضرت نے تمہید کے زیر عنوان درج فرمائی ہے۔

آنحضرت سید المرسلین، و خاتم النبیین و امام المستقین، و محبوب رب العالمین ﷺ کی ذات قدسی صفات محبوبیت کبریٰ کی حامل ہے، روئے زمین پر آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی بھی محبوب نہیں ہوا، اور صحابہ کرام علیہم الرضوان سے بڑھ کر کوئی عاشق جاثر چشم فلک نے نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے اخلاق و عادات اور خصائل و شمائل، حسن و محبوبیت کا پیکر ہیں اور آپ ﷺ کی ہر ایک ادا سے شانِ محبوبیت جلوہ گر ہے۔

حضرت نور اللہ مرقدہ کی یہ کتاب ”درس محبت“ ہے جس میں محبوب رب العالمین ﷺ کی شانِ محبوبیت کو اس طرح نمایاں کیا گیا ہے کہ قارئین کے قلب سے بے ساختہ محبت جھلکنے لگتی ہے۔ بقول حضرت عارفی نور اللہ مرقدہ:

یہاں تک بڑھ گئی وارفتگی شوقِ نظارہ حجاباتِ نظر سے پھوٹ نکلا حسنِ جاناناں

بہارِ حسن کو یوں جذب کرلوں دیدہ و دل میں محبت پر مرا ذوقِ نظر معیار ہو جائے

اس کتاب میں آنحضرت ﷺ کی شانِ محبوبیت کا مشاہدہ قارئین کرام ہر جگہ ملاحظہ کریں گے۔ اس لئے حضرت نور اللہ مرقدہ اپنے احباب کو اس کتاب کے مطالعہ کی بے بدلتا تاکید فرماتے رہے۔ لہذا ضرورت ہے کہ عام مسلمان بھی اسے اپنے مطالعہ میں رکھے تاکہ آنحضرت ﷺ کی محبت اس کے دل میں جاگزیں ہو۔

”خصائل نبوی“ ہند و پاک کے بہت سے مطالع سے شائع ہو رہی ہے، لیکن پاکستان کے بہت سے ناشرین نے کتاب کے عربی حواشی کو جو نہایت بیش قیمت علمی فوائد پر مشتمل تھے، حذف کر دیا جو کہ اہل علم کا بڑا نقصان تھا۔

مکتبۃ البشری نے اس کتاب کو از سر نو دو رنگوں میں کمپیوٹر کمپوزنگ کے ساتھ، مراجعت و تحقیق کے بعد شائع کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ اس نئی طباعت میں جن اُمور کا لحاظ کیا گیا وہ حسب ذیل ہیں:

- ☆ عربی و اردو عنوانات کو سرخ رکھا گیا ہے۔
- ☆ متن و حاشیہ میں احادیث کے ارقام کو جو کہ ایک باب کے ذیل میں ہیں اور لفظ حدیث، عن وغیرہ کو بھی سرخ کیا گیا ہے۔
- ☆ کتاب کے ہیڈر میں عنوان اور ذیلی عنوان کا اضافہ کیا گیا ہے۔
- ☆ بقدر ضرورت وضاحت کے لئے شرح المواہب اللدنیہ للشیخ ابراہیم الباجوری سے انتخاب کیا گیا ہے جس کے لئے [] کی علامت اختیار کی گئی ہے۔

(ادارۃ البشری)

- اُن کلمات کا ذکر جو حضور اقدس ﷺ کھانے سے قبل
اور بعد فرمایا کرتے تھے ۱۹۶
- حضور اقدس ﷺ کے پیالہ کا ذکر ۲۰۱
- حضور اقدس ﷺ کے پھلوں کا ذکر ۲۰۳
- حضور اقدس ﷺ کے پینے کی
چیزوں کے احوال ۲۰۸
- حضور اقدس ﷺ کے پینے کا طرز ۲۱۲
- حضور اقدس ﷺ کے
خوشبو لگانے کا ذکر ۲۲۰
- حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کا ذکر ۲۲۷
- حضور اقدس ﷺ کے ہنسنے کا ذکر ۲۳۲
- حضور اقدس ﷺ کے مزاج اور
دل لگی کے بیان میں ۲۴۲
- حضور اقدس ﷺ کے ارشادات در باب اشعار .. ۲۵۰
- حضور اقدس ﷺ کی کلمات کو
قصہ گوئی فرمانا ۲۶۵
- حضور اقدس ﷺ کے سونے کا ذکر ۲۸۰
- حضور اقدس ﷺ کی عبادت کا ذکر ۲۸۷
- چاشت کی نماز کا ذکر ۳۱۹
- حضور اقدس ﷺ کے نوافل گھر میں
پڑھنے کا ذکر ۳۲۷
- حضور اقدس ﷺ کے روزوں کا ذکر ۳۲۹
- حضور اقدس ﷺ کی قراءت کا ذکر ۳۳۹
- حضور اقدس ﷺ کی گریہ وزاری کا ذکر ۳۵۶
- حضور اقدس ﷺ کے بسترے کا بیان ۳۶۶
- حضور اقدس ﷺ کی کثرت تواضع فرمانے
کے بارے میں ۳۶۹
- حضور اقدس ﷺ کے اخلاق و عادات میں ۳۹۰
- حضور اقدس ﷺ کی حیا کا ذکر ۴۱۶
- حضور اقدس ﷺ کے سینگلی پچھنے
لگوانے کا ذکر ۴۱۹
- حضور اقدس ﷺ کے بعض نام اور
بعض القاب کا ذکر ۴۲۶
- حضور اقدس ﷺ کے گذر اوقات کا ذکر ۴۳۱
- حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف کا ذکر ۴۵۳
- حضور اقدس ﷺ کے وصال کا ذکر ۴۵۷
- حضور اقدس ﷺ کی میراث کا ذکر ۴۷۹
- حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا تذکرہ ... ۴۹۱

تمہید

بسم الله الرحمن الرحيم. نحمده ونصلی علی رسولہ الکریم

حامد آؤ مصلیاً و مسلماً۔ بندۂ ناچیز کو اواخر سن ۱۳۴۳ھ میں بائताल حکم حضرت اقدس آقائی و مولائی حضرت الحاج مولانا ظلیل احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ و بڑو مضجعہ بذل المجهود فی حل ابی داؤد کی طباعت کے لئے متفرق طور پر چند روز شہر دہلی رہنے کا اتفاق ہوا۔ وہاں میرے ایک کرم فرما جناب محترم محمد عثمان خاں صاحب زاد مجدہم نے شمال ترمذی کے مختصر سے ترجمہ کا حکم کیا۔ میں اپنی نااہلیت کا معترف ہرگز بھی اس کا اہل نہیں تھا اور اسی وجہ سے اس سے قبل کسی تحریر یا تقریر کی کبھی نوبت بھی نہیں آئی تھی، لیکن ممدوح نے اپنے حسنِ ظن کی بنا پر میری کسی معذرت کو بھی قبول نہ کیا۔ میں اپنے بجز و قصور کی وجہ سے ہرگز بھی ائताल نہ کرتا۔ مگر چوں کہ موصوف کے میرے والد ماجد صاحب نور اللہ مرقدہ و بڑو مضجعہ سے خصوصی مراسم تھے اور بمقتضائے حدیث

(ان من ابر اللہ صلة الرجل اهل و ذآبیہ بعد ان یولی. رواہ مسلم)

ترجمہ: ”بہترین صلہ رحمی والد کے بعد اس کے دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک ہے۔“

اس لئے مجھے اس کے بغیر چارہ کار ہی نہ ہوا کہ اپنی حیثیت کے موافق مختصر سا ترجمہ لکھ کر پیش کروں اور ناظرین سے اپنے اقرارِ بجز کے بعد عرض کروں کہ ان اوراق کی پریشانی، عبارت اور الفاظ کی غرابت، مضامین کے تشبہ سے تسامع فرماتے ہوئے اصل مقصد اور آقائے عالم سید البشر نبی اکرم علیہ الف الف صلوات و تحیات کے اخلاق، اوصاف، عادات، معمولات کی طرف توجہ فرمائیں کہ عقلمند شخص بد نما برقعہ کی وجہ سے حسین چہرہ سے بے توجہی نہیں کرتا اور سمجھدار آدمی بد مزہ چھلکے کی وجہ سے لذیذ گوشت کو نہیں پھینکتا۔

اس ترجمہ میں چند امور کا خاص طور سے اہتمام کیا گیا ہے۔

نمبر ۱: اکثر مضامین اکابر قدما کے کلام سے لئے گئے ہیں اور خود رائی وغیرہ سے احتراز کیا گیا۔

نمبر ۲: جمع الوسائل ملا علی قاری حنفی کی، مناوی شیخ عبدالرؤف مصری کی، مواہب لدنیہ شیخ ابراہیم

نیجوری کی، تہذیب التہذیب حافظ ابن حجر عسقلانی کی، اس رسالہ کا زیادہ تر ماخذ رہی ہیں۔

نمبر ۳: ترجمہ چونکہ عوام کے لئے کیا گیا اس لئے مطلب خیز ترجمہ کیا گیا، لفظی ترجمہ کی پابندی نہیں کی گئی۔

نمبر ۴: ترجمہ سے زائد امور بطور فائدہ کے ذکر کئے گئے اور ان کے شروع میں ”فائدہ“ کا لفظ بھی لکھ دیا۔

نمبر ۵: اکثر جگہ ترجمہ سے زائد امور جو رابطہ کے لئے پڑھائے گئے وہ (توس) میں لکھے گئے۔

نمبر ۶: احادیث کا اگر بظاہر آپس میں تعارض معلوم ہوا تو اس کو مختصر طور سے رفع کیا گیا۔

نمبر ۷: اختلاف مذاہب کا بھی مختصر طور پر کہیں کہیں ذکر کیا گیا، مگر مذہب حنفیہ کو اکثر جگہ خاص طور سے ذکر کیا ہے کہ قرب و جوار کے باشندے اکثر حنفی ہیں۔

نمبر ۸: حنفیہ کے قول کی دلیل بھی کہیں کہیں حسب ضرورت مختصر طریقہ سے بیان کی گئی۔

نمبر ۹: جس جگہ حدیث میں کسی غزوہ یا قصہ کی طرف اشارہ تھا فائدہ میں اس قصہ کو مختصر طور سے ذکر کر دیا گیا۔

نمبر ۱۰: جس حدیث کی باب سے مناسبت خفی تھی اس کو بھی واضح کیا گیا۔

نمبر ۱۱: جو مضامین خاص طلبہ کے لئے مفید تھے اور عوام کو کارآمد نہیں تھے ان کو عربی حاشیہ میں لکھا گیا، بالخصوص سند حدیث کے متعلق اگر راوی کا نام ضبط کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی یا عربی عبارت میں کسی نحوی ترکیب کے ذکر کی ضرورت سمجھی گئی۔

نمبر ۱۲: جو مضامین اختصار کی وجہ سے یہاں ذکر نہیں کئے گئے، اکثر جگہ ان کتب کا حوالہ لکھ دیا جہاں وہ مفصل مل سکتے ہیں تاکہ شائقین کو تلاش میں سہولت رہے۔

نمبر ۱۳: ان سب امور میں اختصار کو نہایت مد نظر رکھا گیا کہ پڑھنے والوں کی طبائع طول سے اکتانہ جائیں۔
وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

ذکر یا عفی عنہ کاندہلوی۔ مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ وارد حال دہلی ۸ جمادی الاخریٰ سن ۱۳۴۴ھ جمعہ

بسم الله الرحمن الرحيم

باب ما جاء في خلق رسول الله ﷺ

بفتح فسكون

الحمد لله وسلام على عباده الذين اصطفى. قال الشيخ الحافظ أبو عيسى محمد بن عيسى بن سورة الترمذي: أي الثناء الحسن صفة عباده برگزاری كنيته مثلث التاء

باب - حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کا بیان

فائدہ: مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں وہ احادیث ذکر فرمائی ہیں جو حضور اقدس ﷺ کے حلیہ مبارک کے بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے جمال مبارک کو کماحقہ تعبیر کر دینا ناممکن ہے، نور مجسم کی تصویر کشی قابو سے باہر ہے،

باب: [باب الأحاديث التي جاءت في خلق رسول الله ﷺ، أي ما ورد فيه من الأحاديث. والباب لغة: ما يتوصل منه إلى المقصود، واصطلاحاً: الألفاظ المخصوصة باعتبار دلالتها على المعاني المخصوصة؛ لأنها توصل إلى المقصود].

خلق: [الصورة والشكل، المراد هنا صورة الإنسان الظاهرة] بفتح فسكون، يستعمل في الإيجاد والمخلوق، والمراد هنا صورة الإنسان الظاهرة المدركة بالبصر، كالبياض والطول. والخلق بضمعين: صورة الإنسان الباطنة المدركة بالبصيرة كالعلم والحلم. وإنما قدم المصنف الكلام على الأول مع أن الثاني أشرف؛ لأن الصفات الظاهرة أول ما يدرك من صفات الكمال، ولأنها كالدليل على الباطنة، فإن الظاهر عنوان الباطن، ورعاية للترقي من غير الأشرف إلى الأشرف، وللترتيب الوجودي؛ إذ الظاهر مقدم في الوجود على الباطن، وإنما كانت الصفات الباطنة أشرف من الظاهرة؛ لأن مناط الكمال إنما هو الباطن.

الحمد: اختلفت النسخ في وجود هذه الخطبة، فتوجد في بعضها ولا توجد في بعض، والأولى إبقاؤها لما يوجد في بعض النسخ، فلا يبقى إذاً حاجة الجواب عن الإشكال المشهور، إلا أنه يورد على هذه الخطبة بعض الإيرادات، مثل: انفراد السلام عن الصلوة على مذهب من كره ذلك، واستقلال السلام على غير الأنبياء إن أريد العموم بعباده الذين اصطفى، وهذا المختصر لا يتحملها.

الشيخ: من كان أستاذاً كاملاً في فن يصح أن يقتدى به ولو كان شاباً، ولا يختص بسن دون سن، هو مصدر شاخ يشيخ، حمل عليه مبالغة، أو صفة على زنة "سيد" فخفف، قاله المناوي. والحافظ في اصطلاحهم: من أحاط علمه بمائة ألف حديث متنا وسندا، وهو أحد المراتب الخمسة للمحدثين: أولها الطالب، وهو: المبتدي، ثم المحدث، وهو: من تحمل روايته، ثم الحافظ، وقد ذكر، ثم الحجة، وهو: من أحاط بثلاث مائة ألف حديث، ثم الحاكم، وهو: من أحاط بجميع الأحاديث المروية.

أبو عيسى: وقد ورد النهي عن التكني به فيحمل على أنه لم يبلغه، أو لم يصححه، أو رجح الجواز؛ لما ورد أن المغيرة بن شعبة رضي الله عنه كناه بذلك النبي ﷺ. **الترمذي:** قال النووي: فيه ثلاثة أوجه: كسر التاء والميم وهو الأشهر، وضمهما، وفتح التاء وكسر الميم، وقال المناوي: في الراجح من هذه اللغات خلاف، نسبة إلى بلدة قديمة بطرف نهر بلخ المسمى بجيحون.

أخبرنا أبو رجاء قتيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس، عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن، عن أنس بن مالك رضي الله عنه أنه سمعه يقول: كان رسول الله ﷺ ليس بالطويل البائن، ولا بالقصير، بالفتح والمدة
 حمر كان [والله الطول]

لیکن اپنی ہمت و وسعت کے موافق حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کو ضبط فرمایا جس کا کچھ بیان یہ ہے۔ قرطبی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جمال ظاہر نہیں کیا گیا، ورنہ آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی طاقت نہ رکھتے:

آنچه خواباں همه دارند تو تہاداری

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا امت پر نہایت ہی بڑا احسان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات معنوی و معارف کے ساتھ ساتھ کمالات ظاہری حسن و جمال کی بھی امت تک تبلیغ فرمائی کہ یہ ”منم و خیال یارے“ کے لئے معین و مددگار ہوتا ہے۔ نامراد عاشق جب وصال سے محروم ہوتا ہے تو محبوب کے گھر بار خد و خال کو یاد کر کے اپنے کو تسلی دیا کرتا ہے اور عادات و حالات ہی سے دل بہلایا کرتا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے چار سوا احادیث لے کر اس رسالہ کو مرتب فرمایا اور ان چار سوا احادیث کو چھپن بابوں پر تقسیم فرما کر اس باب اول میں چودہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے قد کے تھے نہ پستہ قد (جس کو ٹھکانا کہتے ہیں، بلکہ آپ کا قد مبارک درمیانہ تھا) اور نیز رنگ کے اعتبار سے نہ بالکل سفید تھے چونہ کی طرح، نہ بالکل گندم گوں کہ سانولہ پن آجائے (بلکہ چودہویں رات کے چاند سے زیادہ روشن پر نور اور کچھ ملاحت لئے ہوئے تھے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ بالکل علاچدار (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھونگریالہ پن تھا) چالیس برس کی عمر ہو جانے پر حق تعالیٰ جل جلالہ نے آپ کو نبی بنایا اور پھر دس برس مکہ مکرمہ میں رہے (اس میں کلام ہے جیسا کہ فوائد میں آتا ہے۔ اس مدت کے درمیان میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی بھی نازل ہوتی رہی) اس کے بعد دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا اور پھر ساٹھ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وصال فرمایا۔

أنه سمعه أي: سمع ربيعة أسساً. والغرض أن ربيعة أخذ هذا الحديث بطريق التحديث لا بالإخبار قاله القاري، قيل: ويحتمل أن الضميرين لمالك وقتيبة قاله المناوي. قلت: ولكن فيه بعد.

البائن. [الظاهر طوله، فهو بمعنى: البعيد عن حد الاعتدال] البائن باهزمة دون الباء من باد بمعنى: ظهر، أو بمعنى: بعد. وفي تخصيص الطول بالبائن دون القصير بمقابلته إشارة إلى أنه ﷺ كان ربةً لكانه إلى الطول أقرب. ولا: عطف على قوله: بالطويل، و"لا" زائدة لتأكيد النفي.

ولا بالأبيض الأمهق، ولا بالآدم، ولا بالجعد القَطَط، ولا بالسَّبَط، بعثه الله تعالى على رأس أربعين سنة، فأقام بمكة عشر سنين، وبالمدينة عشر سنين، فتوفاه الله تعالى على رأس ستين سنة، وليس في رأسه ولحيته عشرون شعرة يتضاء.
رسولا بعد الهجرة شديد الجعرة

اس وقت آپ کے سر اور آپ کی داڑھی میں بیس بل بھی سفید نہ تھے (اس کا مفصل بیان "باب فی شب رسول اللہ ﷺ" میں آئیگا۔
فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا قد مبارک درمیانہ تھا لیکن میانہ پن کے ساتھ کسی قدر طول کی طرف کو مائل۔ چنانچہ ہند بن ابی ہالہ وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے۔ ان دونوں روایتوں پر اس حدیث سے اشکال ہوتا ہے جس میں آیا ہے کہ حضور ﷺ جب کسی جماعت میں کھڑے ہوتے تو سب سے زیادہ بلند نظر آتے، لیکن یہ درازی قد کی وجہ سے نہ تھا بلکہ معجزہ کے طور پر تھا تا کہ حضور اکرم ﷺ سے جیسا کمالات معنویہ میں کوئی بلند مرتبہ نہیں ہے، اسی طرح صورت ظاہری میں بھی کوئی بلند محسوس نہ ہو۔ نیز حضور اقدس ﷺ کا نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام دس برس اس حدیث میں ذکر ہوا ہے اور اسی بنا پر حضور ﷺ کی عمر ساٹھ سال کی ذکر کی گئی ہے لیکن یہ روایت اُن سب روایات کے خلاف ہے جن میں حضور ﷺ کا قیام تیرہ برس بتلایا گیا ہے، اور تریسٹھ سال کی عمر ذکر کی گئی۔ بعض روایات میں پینسٹھ سال کی عمر آئی ہے، چنانچہ اواخر کتاب میں تینوں روایتیں آنے والی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تریسٹھ سال کی روایتیں زیادہ ہیں۔

ولا بالأبيض. [أي: الشديد البياض بحيث يكون حاليا عن الحمرة والبور، فلا يباي أنه أبيض مشرب حمرة] [الأمهق أي: شديد البياض، فأنفي راجع إلى القيد فقط، ورواية المصنف في جامعه "أمهق ليس بأبيض" مقبولة كما ذهب إليه الحافظ، أو وهم كما قاله عياض، أو مؤول بأن المهقة قد يطلق على الحصرة أيضا. بالآدم: [الأسمر أي: ليس بشديد السمرة] أصده "آدم" بمرتين على وزن أعل. أبدلت النائية ألما، أي شديد الأدمة أي السمرة، فالمفني الشدة فلا يباي [ثبت السمرة في الخبر الآتي، وما يؤيد ذلك رواية البيهقي: كان أبيض بياضه إلى السمرة.

ولا بالجعد القَطَط. [الشعر المتوي المنقسط] هذا وصف له ﷺ باعتبار شعره، والجعد بفتح فسكون والقَطَط بفتحين على الأشهر شديد الجعرة، وفي التهذيب: القَطَط: شعر الزبح، قال الرمحشري: العال على العرب جعودة الشعر وعلى العجم سوطته، وقد أحسن الله لرسوله الشمائل، وجمع فيه ما تفرق في غيره من المصائل. بالسَّبَط. [الشعر المنسط المسترسل] ستين: وفي رواية: توفي وهو اس خمس وستين سنة، وفي أخرى: ثلاث وستين وهي أصحها وأشهرها كما سيأتي في باب مستقل في آخر الكتاب.

حدثنا حميد بن مسعدة البصري، حدثنا عبد الوهاب الثقفي، عن حميد، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ **رَبْعَةً** مصر، وليس بالطويل ولا بالقصير، **حَسَنَ** صوب **الجسم** عمرنا، وكان شعره ليس بجعدٍ ولا سبط، **أَسْمَرُ** يا متوسط الطول اللون، إذا مشى **يَتَكَفَّأُ**.

علماء نے ان احادیث میں دو طرح جمع فرمایا ہے: اول یہ کہ حضور ﷺ کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملی اور تین سال بعد رسالت ملی۔ اس کے بعد دس سال مکہ مکرمہ قیام ہوا، اس بنا پر اس حدیث میں ان تین سال کا ذکر چھوٹ گیا جو نبوت اور رسالت کے درمیان تھے۔ دوسری توجیہ یہ کی جاتی ہے کہ عموماً اعداد میں کسر کو شمار نہیں کیا جاتا، اسی بنا پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں دونوں جگہ دہائیں ذکر کر دیں اور کسر کو چھوڑ دیا، اور پینسٹھ سال والی روایت میں سن ولادت اور سن وفات کو مستقل شمار کیا گیا۔ غرض سب روایات کا حاصل ایک ہی ہے اور چونکہ حضور ﷺ کی عمر شریف اصح قول کے موافق تریسٹھ سال کی ہوئی اس لئے باقی روایات کو بھی اسی طرف راجع کیا جائے گا۔

(۲) دوسری روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم ﷺ درمیانہ قد تھے، نہ زیادہ طویل نہ کچھ ٹھکنے، نہایت خوبصورت معتدل بدن والے۔ حضور ﷺ کے بال نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور ٹھنکر یا لہ پن تھا)

مر کر کسی کی زلف پر معوم ہو تجھے فرقت کی رات کتنی ہے کس پیچ و تاب میں

نیز آپ گندی رنگ تھے۔ جب حضور ﷺ راستہ چلتے تو آگے کو جھکتے ہوئے چلتے۔

رَبْعَةً فتح الرائ وسكون الموحدة، وجور فتحها، متوسط بين الصوي وقصير، والتأنيث باعتبار نفس بفتح: رجل ربة، وامرأة ربة **حَسَنَ** **الجسم** [معتدل الخلق، متناسب الأعضاء، لا تعنه لسمه أو اهراس] تعميم بعد تخصيص، أو مراد تحسنه نفى عيبه الجسم واهرا، قال بعضهم: الحسن عبارة عن كل مذهب مرغوب فيه حساً أو عقلاً. ماوي
إذا مشى يتكفأ: إذا صرفية لا شرفية، والعاص فيها الفعل بعدها، وتكفأ تشديد اللام بعده همز، وقد يترك همزه تحفيما أي. يتمايل إلى قدام، وفسره بعضهم بكونه يسرع في مشيه، والأول أظهر، ويؤيد ما في الخبر الآتي كأي شخص من صلب، فهو من قوهم. كفات الإناء إذا قلته، وفي بعض النسخ: إذا مشى يتوكأ أي يعتمد على رجليه.

حدثنا محمد بن بشر، يعني العبدی، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق قال:
سمعت البراء بن عازب رضی اللہ عنہ **يقول: كان رسول الله ﷺ رجلاً مربوعاً،**

بصم الجیم وکسرھا متکسر الشعر

فائدہ: اس حدیث میں خود حضرت انس رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کے رنگ مبارک کو گندی فرماتے ہیں۔ پہلی روایت بھی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی تھی، اس میں اس کی نفی کی گئی تھی، وہاں ترجمہ میں اس کی طرف اشارہ بھی کر دیا تھا۔ دونوں میں کچھ تعارض نہیں، حاصل دونوں روایتوں کا یہ ہے کہ حضور ﷺ کا رنگ بالکل گندی نہیں تھا کہ جس کی وجہ سے روشنی اور حسن میں کچھ کمی آئے، بلکہ وہ چمک دمک اور خوب روئی تھی کہ اپنے ساتھ تھوڑی سی گندمیت بھی مائے ہوئے تھی۔ نیز اس حدیث میں حضور ﷺ کی رفتار کے بارے میں بتکففاً کا لفظ واقع ہوا ہے، اس کے ترجمہ میں علماء کے مختلف اقوال ہیں: بعض لوگ جلدی چلنے کا ترجمہ فرماتے ہیں، اور بعض لوگ آگے کو جھکنے کا ترجمہ کرتے ہیں، اور بعض شراح قوت سے قدم اٹھانے کا ترجمہ کرتے ہیں، تینوں ترجمہ صحیح ہیں، اس لئے کہ حضور اقدس ﷺ کی رفتار تینوں صفتوں کے ساتھ متصف ہوتی تھی، اور لفظ بھی تینوں معنی کو محتمل ہے۔ حضور والا تیز رفتاری کے ساتھ چلتے تھے، محبوبین زمانہ کی طرح عورتوں کی چال نہیں چلتے تھے۔ نیز حضور کی عادت جھک کر چنے کی تھی، متکبرانہ رفتار سینہ نکال کر نہیں چلتے تھے۔ نیز مردانہ رفتار پاؤں زمین سے اٹھا کر چلتے تھے نہ یہ کہ زمین پر پاؤں گھسیٹتے ہوئے چلیں۔

(۳) حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرد میانہ قد تھے (قدرے درازی مائل، جیسا کہ

العبدی بسمة إلى عبد قيس، قبيلة مشهورة من ربيعة. **رحلا** قال البيهقري: بضم الجيم في جميع الروايات، خبر صورة توطئة لما هو حمر حقيقة؛ إذ هو المقصود بالإفادة، كقوله تعالى: **ذَاتُ نَهْمٍ فَاتٌ لَا مَقْهُوبٌ** (احشر: ۱۳) وهذا مبي عن أن المراد بالرجل المعنى المتأد، وهو الذكر البالغ، وفيه أنه لا يليق بصحابي أن يصفه بثلث و م بسمع من أحد منهم وصفه به، فالأحسن كما قاله بعضهم: أن المراد وصف شعره بالرجولة، وهي. **التكسر القليل**، يقال: شعر رجل بصم الجيم، كما يقال ففتحها وكسرھا وسكوھا، أي: فيه تكسر قليل. **وسطه القاري** بفتح القاء وكسر الجيم، ثم قال: ووقع في الروايات المعتمدة بضم الجيم، فيحتمل أن يكون المراد منه المعنى المتأد وهو المقابل للمرأة، ويحتمل أن يراد به شعره الأطهر، إذ لرجل بكسر الجيم وفتحها وصفها وسكوھا معنى واحد، وهو: اندي في شعره تكسر يسير، كما يفهم من كلام الحفاظ ابن حجر في شرح البهاري، ويؤيده ما صح في بعض النسخ بكسر الجيم، وكان هذا المعنى أصوب؛ إذ لا يليق حال الصحابي وصفه **بثلث** بالرجل.

بُعَيْدَ مَا بَيْنَ الْمُنْكَبِينَ، عَظِيمِ الْجُمَّةِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنِهِ، عَلَيْهِ حُلَّةٌ حُمْرَاءُ، مَا رَأَيْتُ شَيْئاً قَطُّ

أَحْسَنَ مِنْهُ. **حدثنا** محمود بن غيلان قال: حدثنا وكيع، حدثنا سفيان، بفتح مسكون

پہلے گزر چکا) آپ کے دونوں مونڈھوں (کندھوں) کے درمیان قدرے اوڑوں سے زیادہ فاصلہ تھا (جس سے سینہ مبارک کا چوڑا ہونا بھی معلوم ہو گیا) گنجان بالوں والے تھے جو کان کی لوتک آتے تھے، آپ پر ایک سُرخ دھاری کا جوڑا یعنی لنگی اور چادر تھی۔ میں نے آپ سے زیادہ حسین کبھی کوئی چیز نہیں دیکھی۔ **فائدہ:** اس حدیث میں رجلاً مربوطاً کا لفظ ہے جس کا ترجمہ جیم کے پیش کے ساتھ مرد کا کیا گیا، یہ صحیح ہو سکتا ہے، اس قسم کے الفاظ کلام عرب میں ربط کے واسطے آجاتے ہیں، لیکن چونکہ اس میں کوئی خاص صفت نہیں ظاہر ہوتی اس لئے بعض محدثین کی رائے ہے کہ یہ لفظ جیم کے زیر کے ساتھ ہے جس کے معنی سیدھے پن اور نیڑھے پن کے درمیان کے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس صورت میں یہ صفت حضور اقدس ﷺ کے بالوں کی ہوگی جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ حضور ﷺ کے بال مبارک کچھ تھوڑی سی پیچیدگی لئے ہوئے تھے۔ اس حدیث سے بعض علماء نے سُرخ کپڑے کا مرد کے لئے مطلقاً پہننا جائز قرار دیا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک اس میں تفصیل ہے، جو کپڑے کی تعیین کے بعد علماء سے تحقیق کی جاسکتی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ صحابی نے اس حدیث میں ”کسی چیز کو آپ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا“ اس لئے کہا تا کہ انسان کے علاوہ چاند سورج وغیرہ ہر چیز کو شامل ہو جائے۔

بعيد ما بين المنكبين [عريض أعنى الظهر، ويبرمه أنه عريض الصدر]. **الجمّة**. [ما سقط من شعر الرأس و وصل إلى المنكبين] **بصم الحميم** وتشديد الميم، ما وصل من شعر الرأس إلى المنكبين، وعلى هذا يشكّل قوله: إلى شحمة أذنيه، فقيل: المراد بالجمّة: الوفرة محاراً، وقيل: الحار والحرور متعلق بعظيم لا جمّة، وسعى: العظيم من جمته يصل إلى شحمة أذنيه، وما برل عنها إلى المنكبين يكون حقيقاً على العادة من أن الشعر كلما برل حفاً.

حلة حمراء [ثوب له ظهارة وبطانة، وقيل: الحمة هي إزار ورداء] قال البيهقوري: أخرج ابن الخوزي من طريق ابن حبان وغيره أن النبي ﷺ اشترى حلة سبع وعشرين باقة فلبسها. شيا قال شيئا دون إنساناً؛ ليشمل غير البشر كالشمس والقمر، وغير بقط إشارة إلى أنه كان كذلك من المهد إلى المجد؛ لأن معنى ”قط“ الرمس الماصي، ولا يستعمل إلا في البهي، وهو بفتح القاف وصم الطاء المشددة، وقد تخفف الطاء المصعومة، وقد تصم القاف اتعاضاً لصمة الطاء المشددة أو المحففة، وجاءت ساكنة الصاء، فهذه خمس لعات أشهرها الأولى، وقد صرحوا بأن من كمال الإيمان اعتقاد أنه لم يجمع في بدن إنسان من المحاسن الطاهرة ما اجتمع في بدنه ﷺ. ومع ذلك فلم يظهر تمام الحسن وإلا لما طقت الأعين رؤيته ﷺ قلت: أو غيره منه تبارك وتعالى كما حكاها الشاه ولي الله الدهلوي في الدر الثمين عن منام والده.

عن أبي إسحاق، عن^(۱) البراء بن عازب رضی اللہ عنہ قال: ما رأيت من ذي لَمَّةٍ في حُلَّةٍ حمراء أحسنَ من رسول الله ﷺ، له شعر يضرب منكبيه، بُعِيد ما بين المنكبين، لم يكن بالقصير ولا بالطويل. **حدثنا** محمد بن إسماعيل، حدثنا أبو نعيم، حدثنا المسعودي، عن عثمان بن مسلم بن هُرْمُز، عن نافع بن جبیر بن مطعم، **عن** علي بن أبي طالب رضی اللہ عنہ قال: لم يكن النبي ﷺ بالطويل ولا بالقصير،

(۴) حضرت براء ہی سے یہ بھی روایت ہے کہ میں نے کسی پنٹھوں والے کو سُرخ جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا۔ حضور ﷺ کے بال مونڈھوں تک آرہے تھے۔ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان کا حصہ ذرا زیادہ چوڑا تھا اور آپ نہ زیادہ لمبے تھے نہ ٹھگنے۔ **فائدہ:** حضور ﷺ کے بالوں کے بارے میں یہ روایت پہلی روایت سے مختلف ہوگئی، اس لئے کہ اُس میں کان کی لوتک ذکر کیا تھا۔ لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ بال ایک حالت پر نہیں رہا کرتے، کبھی کم ہوتے ہیں، کبھی زائد ہو جاتے ہیں، اور قصد ابھی کم کئے جاتے ہیں، کبھی بڑھائے جاتے ہیں۔

(۵) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ کوتاہ قد، ہتھیلیاں اور دونوں پاؤں پر گوشت تھے (یہ صفات مردوں کے لئے محمود ہیں، اس لئے کہ قوت اور شجاعت کی علامت ہیں، عورتوں کے لئے مذموم ہیں) حضور ﷺ کا سر مبارک بھی بڑا تھا اور اعضا کے جوڑ کی ہڈیاں بھی بڑی تھیں۔ سینہ سے لے کر ناف تک بالوں کی ایک باریک دھاری تھی۔

لَمَّةٌ: [فهي ما جاوز شحمة الأذن، سواء وصل إلى المنكبين أولاً، وقيل: إنها بين الجمة والوفرة، فهي ما نزل عن الوفرة ولم يصل إلى الجمة] بكسر اللام وتشديد الميم. قال القاري: الوفرة: الشعر إلى شحمي الأذن، واللمة دون الجمة، سميت بذلك؛ لأنها ألت بالمنكبين، والجمة: بضم الجيم وتشديد الميم من شعر الرأس ما سقط على المنكبين. وسيأتي في باب شعره ﷺ من البسط. وقال البيهقي: هذه الثلاثة قد اضطرب أهل اللغة في تفسيرها، وأقرب ما وفق به أن فيها لغات، وكل كتاب اقتصر على شيء منها كما يشير إليه كلام القاموس في مواضع.

نعيم بضم نون وفتح عين مهملة فضل بن دكين مصعراً. **المسعودي:** هو عبد الرحمن بن عبد الله بن عقبة بن عبد الله بن مسعود، ولذلك نسب إليه. **هُرْمُز:** بضم أوله وثالثه وسكون ثابيه وبالزاء المعجمة، بصرف ولا بصرف.

شَنْشُ الْكَفَّينِ وَالْقَدَمَيْنِ، ضَخْمُ الرَّأْسِ، ضَخْمُ الْكَرَادِيسِ، طَوِيلُ الْمَسْرُوتِ، إِذَا مَشَى تَكْفَأُ تَكْفَأً
 كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ **حَدَّثَنَا** سَفِيَّانُ بْنُ وَكَيْعٍ، **حَدَّثَنَا** أَبِي، عَنْ
 الْمَسْعُودِيِّ بِهَذَا الْإِسْنَادِ نَحْوَهُ بِمَعْنَاهُ. **حَدَّثَنَا** أَحْمَدُ بْنُ عَبْدِ الضَّيْبِ الْبَصْرِيُّ وَعَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ
 وَأَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ - وَهُوَ ابْنُ أَبِي حَلِيمَةَ - وَالْمَعْنَى وَاحِدٌ، قَالُوا: **حَدَّثَنَا** عَيْسَى بْنُ يُونُسَ

جب حضور اقدس ﷺ چلتے تھے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے نیچے کو اتر رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور
 اقدس ﷺ جیسا نہ حضور ﷺ سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔ **فائدہ:** اس قسم کی عبارت سے کہ ”میں نے فلاں جیسا کبھی
 نہیں دیکھا“ مبالغہ مقصود ہوا کرتا ہے اس کے مثل نہ ہونے میں، لیکن حضور کے اوصاف میں مبالغہ نہیں، اس لئے کہ وہاں
 کمالِ جمال ہی تعبیر سے باہر ہے۔ مناوی نے لکھا ہے کہ ہر شخص یہ اعتقاد رکھنے کا مکلف ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا جسم مبارک
 جن اوصافِ جمیلہ کے ساتھ متصف ہے، کوئی دوسرا ان اوصاف میں حضور ﷺ جیسا نہیں ہو سکتا۔ اور یہ محض اعتقادی چیز
 نہیں ہے، سیر، احادیث و تواتر کی کتابیں اس سے لبریز ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ نے کمالاتِ باطنیہ کے ساتھ جمالِ ظاہری بھی
 علی الوجہ الاتم عطا فرمایا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دو شعر نقل کئے گئے ہیں، جن کا مطلب یہ ہے کہ زینب کا سہیلیاں اگر حضور
 اقدس ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے دلوں کو کاٹ دیتیں۔ بالکل سچ فرمایا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم مرد و عورت
 حضور ﷺ کے عشق میں جس قدر غرق تھے اس کا کچھ شائبہ دیکھ نہ سکتے تھے تو میرے رسالہ ”حکایت صحابہ“ کا باب ۸ دیکھو۔

شَنْشُ بِالرَّوْفِ حَرٌّ مُبْتَدَأٌ مَحْدُوفٌ، وَالنَّشْشُ بِأَمَثَلَةِ كَمَا فِي إِشْرُوحٍ، وَصَطَحُ السِّيَاطِ بِالْمُنْشَاةِ الْعَوْقِيَّةِ، وَفَسْرُهُ الْأَصْمَعِيُّ كَمَا
 سَيَأْتِي عِنْدَ الْمُصَنِّفِ بِعَيْطِ الْأَصَابِعِ مِنَ الْكَفَّينِ وَالْقَدَمَيْنِ، وَفَسْرُهُ ابْنُ حَجَرٍ: بَعِيطُ الْأَصَابِعِ وَرَاحَةُ، وَهُوَ الْمُنَادِرُ قَالَهُ
 الْبَيْهَقِيُّ. الْكَرَادِيسُ [هِيَ رُؤُوسُ الْعِظَامِ، وَقِيلَ: مَجْمَعُ الْعِظَامِ كَالرَّكَّةِ وَالْمَكْبِ] جَمْعُ كَرْدُوسٍ كَعَصْمُورٍ: رَأْسُ الْعِظْمِ، وَقِيلَ:
 مَجْمَعُ الْعِظَامِ كَالرَّكَّةِ وَالْمَكْبِ. الْمَسْرُوتَةُ [الشَّعْرُ الدَّقِيقُ الَّذِي يَدُورُ مِنَ الصَّدْرِ وَيَتَهَيَّئُ إِلَى الْمَسْرَةِ]. تَكْفَأُ إِذَا بَاهَمَرَا فِيهِمَا فَيَقْرَأُ
 الْمَصْدَرُ بِضَمِّ انْفَاءٍ كَتَقَدَّمَ، أَوْ بِلَا هَرَمٍ فَيَقْرَأُ بِكُسْرَاهَا كَتَسَمَّى تَسْمِيًا، وَعَلَى كُلِّ هُوَ مَصْدَرٌ مُؤَكَّدٌ، وَقَوْلُهُ: كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مَا فِي جَامِعِ
 التَّكْفُوفِ. وَهُوَ الضَّمِيرُ لِلْحُسَيْنِ أَوْ لِأَبِيهِ مُحَمَّدٍ مَخْتَلَفٌ عِنْدَ الشَّرَاحِ، وَكُتِبَ الرَّجُلُ يُؤَيِّدُ الْأَوَّلَ وَكَذَا يُؤَيِّدُهُ مَا فِي جَامِعِ
 الْمُصَنِّفِ بِلَفْظِ حَدَّثَنَا أَبُو جَعْفَرٍ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ بْنِ أَبِي حَلِيمَةَ، وَصَفَهُ بِهِ؛ لِأَنَّ مُحَمَّدَ بْنَ الْحُسَيْنِ أَوْ جَعْفَرَ رَجُلًا آخَرَ
 أَيْضًا فِي الرِّوَاةِ، كَمَا يَطْهَرُ مِنَ كُتُبِ الرَّجُلِ، وَهُوَ أَيْضًا مِنْ هَذِهِ الطَّبَقَةِ، فَسَهَ الْمُصَنِّفُ لِيَتَمَيَّزَ عَنْهُ.

عن عمر بن عبد الله مولى غفرة قال: **حدثني** إبراهيم بن محمد - من ولد علي بن أبي طالب **عليه السلام** - قال: كان علي إذا وصف رسول الله ﷺ قال: لم يكن رسول الله ﷺ بالطويل الممّغط، ولا بالقصير المتردد، وكان ربعة من القوم، ولم يكن بالجد القطط، ولا بالسبط، كان جعدا رجلا، ولم يكن بالمطهم ^[المتهم في القصر] ولا بالمكثم، وكان في وجهه تلوير، أبيض مشرب، ^[متور الوجه] أذعج العينين، ^[أي شيء منه] أهدب ^[أي شيء منه] الأشفار، ^[أي شيء منه] جليل المشاش ^[بلفظ المفعول فقط] والكند، ^[أي شيء منه]

(۶) ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں) وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور ﷺ کے خلیہ مبارک کا بیان فرماتے تو کہا کرتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ لمبے تھے نہ زیادہ پستہ قد، بلکہ میانہ قد لوگوں میں تھے۔ حضور ﷺ کے بال نہ بالکل چھپدار تھے نہ بالکل سیدھے، بلکہ تھوڑی سے پیچیدگی لئے ہوئے تھے، نہ آپ موٹے بدن کے تھے نہ گول چہرہ کے، البتہ تھوڑی سی گولائی آپ کے چہرہ میں تھی (یعنی چہرہ انور نہ بالکل گول تھا نہ بالکل لمبا بلکہ دونوں کے درمیان تھا) حضور کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں اور پلکیں دراز، بدن کے جوڑوں کے ملنے کی ہڈیاں موٹی تھیں (مثلاً کمر اور گھٹنے) ایسے ہی دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ کے بدن مبارک پر (معمولی طور سے زائد) بال نہیں تھے (یعنی بعض آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے

ابراہیم بن محمد هو ابن محمد ابن الحنفية - وهي أمة لعلي بن أبي طالب - من سبي بني حبيشة - وإبراهيم هذا لم يسمع من عني بطاهره، ولذا قال المصنف في جامعه بعد إيراد الحديث: إسناده ليس متصل. **الممّغط** [الناس الطاهر] بضم الميم وفتح الثانية مشددة وبكسر العين المعجمة بعدها طاء مهملة، وأصله المنمّغط، قلبت النون ميما وأدغمت في الميم، والممّغط: مذ شيء ليس كذا، في القاموس. وفي جامع الأصول: المحدثون يشددون العين، أي مع تخفيف الميم الثانية، فهو اسم مفعول من التممّغط. رجلا: بكسر الجيم وقد يضم كما مرّ سابقا.

المطهم [الباد كثر اللحم أي: كثير البدن متفاحش السمن] الرواية فيه بلفظ اسم المفعول فقط. **مشرب** أي: حمرة كما في رواية، هو بالتحفيف من الإشراب، وهو: خلط لون بلون، وفي نسخة بالشد من التشريب، وهو مبالغة في الإشراب. **أذعج العينين** [شديد سواد العينين، وقيل: شديد بياض البياض وسواد السواد]. المشاش بالضم معجمتين بينهما ألف، جمع مشاشة بالضم والتخفيف، وهي رؤوس العظام. والكند عناء فوقية تمتع وتكسر. مجتمع الكمين، قاله الماوي.

أَجْرَدٌ، ذُو مَسْرُوبَةٍ، شَتْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، إِذَا مَشَى تَقَلَّعَ كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ فِي صَبَبٍ، وَإِذَا التَفَتَ التَفَتَ مَعًا، بَيْنَ كَتْفَيْهِ خَاتَمُ النَّبُوءَةِ، وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، أَجُودُ النَّاسِ صَدْرًا، وَأَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً، وَأَلْيَنُهُمْ عَرِيكَةً، وَأَكْرَمُهُمْ عَشِيرَةً، مَنْ رَأَاهُ بِدِيهَةِ هَابِهِ، وَمَنْ خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ، يَقُولُ نَاعْتُهُ: لَمْ أَرُقْ لَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ صلى الله عليه وسلم. قَالَ أَبُو عِيسَى رحمته الله: سَمِعْتُ أَبَا جَعْفَرٍ مُحَمَّدَ بْنَ الْحُسَيْنِ يَقُولُ: سَمِعْتُ الْأَصْمَعِيَّ يَقُولُ فِي تَفْسِيرِ صِفَةِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم: الْمُتَمَغِّطُ: الدَّاهِبُ طُولًا، بهاء لُحْمَةً مما أهل اللغة

بدن پر بال زیادہ ہو جاتے ہیں، حضور اقدس ﷺ کے بدن پر خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازو پنڈلیاں وغیرہ، ان کے علاوہ اور کہیں بال نہیں تھے) آپ کے سینے سے ناف تک بالوں کی لکیر تھی، آپ کے ہاتھ اور قدم مبارک پر گوشت تھے۔ جب آپ تشریف لے جتے تو قدموں کو قوت سے اٹھاتے گویا کہ ہستی کی طرف چل رہے ہیں۔ جب آپ کسی کی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے (یعنی یہ کہ صرف گردن پھیر کر کسی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے تھے، اس لئے کہ اس طرح دوسرے کے ساتھ لا پرواہی ظاہر ہوتی ہے اور بعض اوقات متکبرانہ حالت ہو جاتی ہے، بلکہ سیزہ مبارک سمیت اس طرف توجہ فرماتے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بھی فرمایا ہے کہ جب آپ توجہ فرماتے تو تمام چہرہ سے فرماتے، کن آنکھوں سے نہیں ملاحظہ فرماتے تھے، مگر یہ مطلب اچھا نہیں) آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ آپ ختم کرنے والے تھے نبیوں کے، آپ سب سے زیادہ نخی دل والے تھے اور سب سے زیادہ سچی زبان والے۔

أَجْرَدٌ: [قَبِيلُ الشَّعْرِ حَيْثُ لَمْ يَعْثُ الشَّعْرُ جَمِيعَ جَسَدِهِ] أَي: غَيْرُ أَشْعَرٍ، وَهُوَ مِنْ يَعْثُ الشَّعْرُ سَائِرُ بَدَنِهِ فَلَا أَجْرَدَ خِلَافُهُ، وَلَيْسَ الْمَعْنَى أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ عَلَى بَدَنِهِ شَعْرٌ؛ لِأَنَّهُ كَثُ الثَّلْحِيَّةِ، طَوِيلِ اسْتِرْبَةِ، وَكَانَ الشَّعْرُ عَنِ الْمَوَاضِعِ مِنْ بَدَنِهِ كَمَا تَرَى، فَلَا أَجْرَدِيَّةَ بِاعْتِدَارِ أَعْلَى الْمَوَاضِعِ. التَّفَتَ مَعًا. [تَجْمِيعُ أَجْرَانِهِ حَيْثُ لَا يَمُوتُ عَقْبُهُ بِمَنْةٍ أَوْ يَسْرَةِ إِذَا بَطَرَ إِلَى الشَّيْءِ].
هَجَّةٌ [اللسان ومراوده الكلام] عشيرة عشيرة على ورر قبيّة ومعناه، وفي بعض النسخ: عشرة بكسر أولها وسكون ثانيها أي: صحبة، ويؤيده ما سبقه المصنف عن الأصمعي، وكلا المعنيين صحيح في حقه؛ لأن قبيلته أشرف ومخالفته أكرم. ناعته [أي: واصفه] الناعت اسم فاعل من نعت: إذا وصفه، قال الخافظ أبو موسى: النعت وصف الشيء بما فيه من حسن ماله الخليل، ولا يقال في المذموم إلا تنكف متكف، فيقول نعت سوء، فأما الوصف فيقال فيهما، أي: في الحمود والمذموم.

قال: وسمعت أعرابيا يقول في كلامه: تَمَعَّطُ في نَشَابَتِهِ أي: مَدَّهَا مَدًّا شَدِيدًا. والمتَرَدَّد: الدَّخَلَ بَعْضُهُ فِي بَعْضٍ قَصْرًا. وَأَمَّا الْقَطِطُ: فَالشَّدِيدُ الْجَعُودَةُ. وَالرَّجُلُ: الَّذِي فِي شَعْرِهِ حُجُونَةٌ، أي: تَنَنُّ قَلِيلًا. وَأَمَّا الْمَطَهَّمُ: فَالْبَازِلُ الْكَثِيرُ اللَّحْمِ. وَالْمَكْتَمُ: الْمَلُورُ الْوَجْهَ. وَالْمُشْرَبُ: الَّذِي فِي بَيَاضِهِ حُمْرَةٌ. وَالأَدْعَجُ: الشَّدِيدُ سَوَادِ الْعَيْنِ. وَالْأَهْدَابُ: الطَّوِيلُ الْأَشْفَارِ. وَالْكَئِدُ: بِمَجْتَمَعَةِ الْكَفَّيْنِ، وَهُوَ الْكَاهِلُ. وَالْمَسْرُوبَةُ: هُوَ الشَّعْرُ الدَّقِيقُ الَّذِي كَأَنَّهُ قَضِيبٌ مِنَ الصَّدْرِ إِلَى السَّرَةِ. وَالشَّشَنُ: الْغَلِيزُ الْأَصَابِعُ مِنَ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ. وَالتَّقْلُعُ: أَنْ يَمْشِيَ بِقُوَّةٍ.

سيف المصنف الدقيق، وقيل: العود

سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے اور سب سے زیادہ شریف گھرانے والے تھے۔ (غرض آپ دل و زبان، طبیعت، خاندان، اوصاف ذاتی اور نسبی ہر چیز میں سب سے افضل تھے) آپ کو جو شخص یا ایک دیکھتا مرغوب ہو جاتا تھا (یعنی آپ کا وقار اس قدر زیادہ تھا کہ اول وہ میں دیکھنے والا رعب کی وجہ سے ہیبت میں آ جاتا تھا) ازل تو جمال و خوبصورتی کے لئے بھی رعب ہوتا ہے۔

شوق افزوں مانع عرض تمنا دابِ حسن بار ہا دل نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

اس کے ساتھ جب کمالات کا اضافہ ہو تو پھر رعب کا کیا پوچھنا۔ اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کو جو مخصوص چیزیں عطا ہوئیں، ان میں رعب بھی اللہ کی طرف سے عطا کیا گیا (البتہ جو شخص پہچان کر میل جول کرتا تھا وہ (آپ کے اخلاقِ کریمہ و اوصافِ جمیلہ کا گھائل ہو کر) آپ کو محبوب بنا لیتا تھا۔ آپ کا خلیہ بیان کرنے والا صرف یہ کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور اکرم ﷺ جیسا باجمال و باکمال نہ حضور سے پہلے دیکھا نہ بعد میں دیکھا۔ (ﷺ))

قال. أي الأصمعي، و وهم من رعم أن فاعله أبو جعفر، وأبعد من جَوَّز احتمال الرجوع إلى المصنف قاله القاري، وهذا استدلال الأصمعي فيما قاله قبل كلامه. يعني يقول الأعرابي في أثناء كلامه: تمعط فلان في نشابته، أي: مدها، والنشابة بضم النون وتشديد الشين المعجمة وموحدة وناء التأنيث، ودوها: السهم، وإضافة المدة إليها بجمار. لأنها لا تمتد، وإنما بمد وتر القوس. واعتراض عني المصنف بأنه ليس في الحديث لفظ "التمعط" حتى يتعرض له وإنما فيه لفظ "الانمعاط". وأجيب: بأنه من توضيح الشيء بتوضيح نظيره.

وَالصَّبَبُ: الْحَدُورُ، تَقُولُ: انْخَدَرْنَا فِي صَبُوبٍ وَصَبَبٍ. وَقَوْلُهُ: جَلِيلُ الْمُشَاشِ: يُرِيدُ رُؤُوسَ الْمَنَاقِبِ. وَالْعِشْرَةُ: الصُّحْبَةُ، وَالْعَشِيرُ: الصَّاحِبُ. وَالْبِدَاهَةُ: الْمَفَاجَأَةُ، يَقَالُ: بَدَّهْتُهُ بِأَمْرٍ أَيْ: فَجَأْتُهُ. **حَدَّثَنَا** سَفِيَانُ بْنُ وَكَيْعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عَمِيرٍ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعَجَلِيُّ إِمْلَاءً عَلَيْنَا مِنْ كِتَابِهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ مِنْ وَلَدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ يُكْنَى أَبُو عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ ابْنِ أَبِي هَالَةَ، **عَنِ** الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ ^{بِحَفْظِ أَبِي سَمٍ} قَالَ: سَأَلْتُ خَالَي ^{بِحَفْظِ أَبِي سَمٍ} هَنْدَ ^{بِحَفْظِ أَبِي سَمٍ} سَأَلْتُ خَالَي هَنْدَ ^{بِحَفْظِ أَبِي سَمٍ}

(۱) حضرت حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیہ مبارک دریافت کیا، اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیہ مبارک کو بہت ہی کثرت اور وضاحت سے بیان کیا کرتے تھے۔ مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ اُن اوصافِ جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی ذکر کریں تاکہ میں اُن کے بیان کو اپنے لئے حجت اور سند بناؤں، اور اُن اوصافِ جمیلہ کو ذہن نشین کرنے اور ممکن ہو سکے تو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کروں (حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی عمر حضور کے وصال کے وقت سات سال کی تھی، اس لئے حضور کے اوصافِ جمیلہ میں اپنی کم سنی کی وجہ سے تامل اور کمالِ تحفظ کا موقع نہیں ملا تھا)، مومن جان نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیہ شریف کے متعلق یہ فرمایا کہ آپ خود اپنی ذات و صفات کے اعتبار سے بھی شاندار تھے اور دوسروں کی نظروں میں بھی بڑے رتبہ والے تھے، آپ کا چہرہ مبارک ماہ بدر کی طرح چمکتا تھا،

صَوَّبُ أَيْ: مَكَانٌ مَحْدَرٌ، وَهُوَ يَمْنَحُ الصَّادَ الْمَهْمَةَ وَصَمَهَا أَيْضًا، وَيَقَالُ: نَاصِمٌ جَمْعُ صَبٍ مُتَحَتِّينَ، وَلَمْ يَدْعَمْ الصَّبَبُ؛ لِأَنَّهُ يَشْتَبُهُ بِالصَّبِّ الَّذِي يُعْنَى الْعَاشِقُ. **عَمِيرٌ** بِالتَّصْغِيرِ فِيهِمَا عَمِيٌّ مَا احْتَارَهُ احْفَظْتُ ابْنَ حَجَرٍ فِي تَقْرِيبِهِ، قَالَ الْقَارِي: وَوَقَعَ فِي سَحَابِ الشَّمَائِلِ مَكْتَرًا، وَكَدًا أَوْ رَدَّةَ الْمَزْيِ فِي تَهْدِيهِ، وَلَدَهِيٌّ فِي مِيرَانِهِ وَكَدًا فِي شَعَاءِ قَاصِي عِيَاضٍ عَمِيٍّ مَا فِي نَعْصِ الْخَوَاشِي، وَكَتَبَهُ فِي تَهْدِيدِ التَّهْدِيدِ لِمَقْدَرِ 'عَمَرٍ' لَا وَو، وَكَدًا فِي أَكْثَرِ سَحَابِ الشَّمَائِلِ، قَالَ الْقَارِي فِي مَوَاصِعٍ مِنْ شَرْحِهِ: صَوَابُهُ عَمِيرٌ. إِمْلَاءٌ أَيْ: إِلْقَاءٌ، وَهُوَ مُصَدَّرٌ حَدَّثًا مِنْ غَيْرِ حِفْظِهِ، أَوْ تَمْيِيرٌ، أَوْ حَارٌّ مَعْنَى: مُمَيَّا عَلَيْهِ، قَالَ ابْنُ سَوَّادٍ، وَالْإِمْلَاءُ: إِلْقَاءُ أَحَدِثَ عَمِيٍّ الْكَاتِبِ لِيَكْتُبَ، وَالْإِمْلَاءُ قَدْ يَكُونُ مِنْ حِفْظِهِ وَقَدْ يَكُونُ بِالْكَتَابِ، وَفِيهِ رِيَاذَةُ الْإِحْتِيَاطِ، فَهَيْدُهُ بَدَلْتُ. أَيْ: اسْمُهُ هَدَّ كَاسَمَ أَبِيهِ وَاسْمُ جَدِّهِ، فَهَذَا عَمِيٌّ يُوَافِقُ اسْمَهُ اسْمُ أَبِيهِ وَجَدَّهُ، كَدًا فِي الشُّرُوحِ، لَكِنَّ الْمَحْدَثِينَ تَكَلَّمُوا عَلَى هَذَا الْإِسْنَادِ.

ابن أبي هالة - وكان وصفاً - عن حلية رسول الله ﷺ، وأنا أشتهي أن يصف لي منها شيئاً
 أتعلق به، فقال: كان رسول الله ﷺ ^{حال من معبود} فحماً مفحماً، يتلأأ وجهه تالؤ القمر ليلة البدر، أطول من
 المربع، وأقصر من المشذب، عظيم الهامة، ^{أي معضماً عند السرة [يصفه ويشرق]} رجل الشعر، ^{أي في شعره تكسر وتثني} إن انفردت عقيقته فرق وإلا فلا،

آپ کا قد مبارک بالکل متوسط قد والے آدمی سے کسی قدر طویل تھا لیکن زیادہ لمبے قد والے سے پست تھا، سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، بال مبارک کسی قدر بل کھائے ہوئے تھے۔ اگر سر کے بالوں میں اتفاقاً خود مانگ نکل آتی تو مانگ رہنے دیتے ورنہ آپ خود مانگ نکالنے کا اہتمام نہ فرماتے تھے۔ (یہ مشہور ترجمہ ہے، اس بنا پر یہ اشکال پیش آتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کا قصداً مانگ نکالنا روایات سے ثابت ہے، اس اشکال کے جواب میں علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس کو ابتدائے زمانہ پر حمل کیا جائے کہ اولاً حضور ﷺ کو اہتمام نہیں تھا، لیکن بندۂ ناچیز کے نزدیک یہ جواب اس لئے مشکل ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ مشرکین کی مخالفت اور اہل کتاب کی موافقت کی وجہ سے مانگ نہ نکالنے کی تھی، اس کے بعد پھر مانگ نکالنی شروع فرمادی، اس لئے اچھا ترجمہ جس کو بعض علماء نے ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ اگر بسولت مانگ نکل آتی تو نکال لیتے تھے اور اگر کسی وجہ سے بسولت نہ نکلتی اور کنگھی وغیرہ کی ضرورت ہوتی تو اس وقت نہ نکالتے، کسی دوسرے وقت جب کنگھی وغیرہ موجود ہوتی تو نکال لیتے) جس زمانہ میں حضور ﷺ کے بال مبارک زیادہ ہوتے تھے تو کان کی لوسے متجاوز ہو جاتے تھے۔ آپ کا رنگ نہایت چمکدار تھا اور پیٹانی کشادہ۔ آپ کے ابرو خمدار، باریک اور گنجان تھے۔ دونوں ابرو جدا جدا تھے ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی جو غصہ کے وقت ابھر جاتی تھی،

فحماً: [عظیم فی نفسه]۔ مفحماً: [معظم فی صدور الرجال]۔ أطول: من المربع، أي: الحقيقي، فلا ينافي ما سبق من أنه عظم كان مربعاً، وهذا دليل على أنه عظم كان مائلاً إلى الطول. المشذب: [الدائس الطويل] على صيغة المفعول من التشذيب، أصله: السحلة الصويلة التي شذب عنها جريدها، أي: قطع. عقيقته: [شعر الرأس الذي على الناصية] أي: شعر رأسه، وأصل العقيقة الشعر الذي يكون على رأس المولود عند الولادة، وبه سميت الديحة عقيقة قال القاري. العقيقة: الشعر الذي يوند عليه المولود قبل أن يحلق في اليوم السابع، فإذا حلق وست ثياب فوال عه اسم العقيقة، وربما سمي الشعر عقيقة بعد الحلق أيضاً على الجار. وبهذا جاء هذا الحديث؛ لئلا يرم أن يكون شعره باقياً من حين ولادته؛ فإنه مستبعد جداً، اللهم إلا أن يقال. إنه من الكرامات الإلهية؛ لئلا يذبح باسم الآهة الصلصالية، وقد ورد أنه عقى عن نفسه بعد السوة.

يَجَاوِزُ شَعْرُهُ شَحْمَةً أُذُنِهِ إِذَا هُوَ وَقَرَهُ، أَزْهَرَ اللَّوْنَ، وَاسَعَ الْحَبِينَ، أَزَجَّ الْحَوَاجِبَ، سَوَابِغَ مِنْ غَيْرِ
 قَرْنٍ، بَيْنَهُمَا عِرْقٌ يُدْرِيهِ الْغَضَبُ، أَقْنَى الْعَرْنَيْنِ، لَهُ نَوْرٌ يَعْلُوهُ، يَحْسَبُهُ مَنْ لَمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشْمٌ، كَثَّ
 اللَّحْيَةُ، سَهْلُ الْخَدَيْنِ،

آپ کی ناک بلندی مائل تھی اور اس پر ایک چمک اور نور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ کو بڑی ناک والا سمجھتا، (لیکن غور سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے ورنہ فی نفسہ زیادہ بلند نہیں ہے) آپ کی داڑھی مبارک بھرپور اور منجان بالوں کی تھی، آنکھ کی پتلی نہایت سیاہ تھی، رخسار مبارک ہموار ہلکے تھے، گوشت لٹکے ہوئے نہیں تھے، آپ کا دہن مبارک اعتدال کے ساتھ فراخ تھا (یعنی تنگ منہ نہ تھا) آپ کے دندان مبارک باریک آبدار تھے اور ان میں سے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فصل بھی تھا، سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، آپ کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی جیسا کہ مورق کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی، آپ کے سب اعضاء نہایت معتدل اور پُر گوشت تھے اور بدن گنھا ہوا تھا۔ پیٹ اور سینہ مبارک ہموار تھا لیکن سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔ آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان قدرے زیادہ فصل تھا، جوڑوں کی ہڈیاں قوی اور بڑی تھیں (جو قوت کی دلیل ہوتی ہے) کپڑا اتارنے کی حالت میں آپ کا بدن روشن و چمکدار نظر آتا تھا (یابہ کہ بدن کا وہ حصہ بھی جو کپڑوں سے باہر رہتا تھا، روشن اور چمکدار تھا، چہ جائیکہ وہ حصہ جو کپڑوں میں محفوظ ہو۔ بندہ کے نزدیک یہ ترجمہ اچھا ہے)

وَالْأَيُّ وَإِنْ لَمْ تَتَفَرَّقْ بِنَفْسِهَا فَلَا يَفْرَقُهَا بَلْ يَتَرَكُهَا عَنِ حَاوَاهَا، ثُمَّ اسْتَأْنَفَ بِقَوْلِهِ: يَجَاوِزُ شَعْرُهُ. أَزَجَّ: [أَيُّ: اسْتَفْوَاسَ الْحَاجِبِينَ أَوْ دَقَّةَ الْحَاجِبِينَ مَعَ سَبُوحِهِمَا] الزَّجَجُ بَزَايَ وَجِيمِينَ: دَقَّةُ الْحَاجِبِينَ مَعَ طُولِ كَمَا فِي الْقَامُوسِ، أَوْ دَقَّةَ الْحَاجِبِينَ مَعَ سَوْعِهِمَا كَمَا فِي الْفَائِقِ، وَإِنَّمَا قَالَ: "أَزَجَّ الْحَوَاجِبَ" دُونَ مَزَجِ الْحَوَاجِبِ؛ لِأَنَّ الزَّجَجَ حَقِيقَةُ وَالتَّزْجِيعَ صَعْفَةٌ، وَالْحَلَقَةُ أَشْرَفُ. قَرْنٍ [اِقْتِرَانُ الْحَاجِبِينَ بَحِثٍ يَلْتَقِي صِرَافَهُمَا]. يَدْرَهُ مِنَ الْإِدْرَارِ عَلَى الرِّوَايَةِ الصَّحِيحَةِ أَيُّ: يَجْعَلُهُ الْغَضَبُ مِمَّا لَنَا قَالَهُ الْقَارِي، أَيُّ: يَصِيرُ الْعِرْقُ مِمَّا لَنَا عَصاً كَمَا يَصِيرُ الصَّرْعُ مِمَّا لَنَا.

أَقْنَى الْعَرْنَيْنِ [أَيُّ: طَوِيلُ الْأُفْرِ مَعَ دَقَّةِ أُرْبَتِهِ، وَمَعَ حَدِّ فِي وَسْطِهِ] الْعَرْنَيْنِ: قَالَ الْمَاوِي: بِكَسْرِ الْمُهْمَلَةِ وَسُكُونِ الرَّاءِ وَكَسْرِ النُّونِ الْأُولَى: مَا صَلَبَ مِنْ عَظْمِ الْأَنْفِ أَوْ كَلَهُ أَوْ مَانَحَتْ مَحْتَمِعُ الْحَاجِبِينَ أَوْ أَوَّلُهُ.

ضَلِيعَ الْفَمِ، مُفْلَجَ الْأَسْنَانِ، دَقِيقَ الْمَسْرُوبَةِ، كَأَنَّ عُنُقَهُ جِيدٌ دُمِيَّةٌ فِي صَفَاءِ الْفَضَّةِ، مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ.
 بَادِنٌ، مُتَمَاسِكٌ، سَوَاءٌ الْبَطْنُ وَالصَّدْرُ، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمُنْكَبِينَ، ضَخْمُ الْكَرَادِيسِ،
بمست بعضه بعضاً صورة الصورة

ناف اور سینہ کے درمیان ایک لکیر کی طرح سے بالوں کی باریک دھاری تھی، اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ
 بالوں سے خالی تھا، البتہ دونوں بازو اور کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے، آپ کی کلاہیاں وراز تھیں اور ہتھیلیاں
 فراخ، نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدم گداز پر گوشت تھے۔ ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب کے ساتھ لمبی تھیں۔ آپ کے تلوے
 قدرے گہرے تھے اور قدم ہموار تھے کہ پانی اُن کے صاف سٹرا ہونے اور ان کی ملاست کی وجہ سے ان پر ٹھہرتا نہیں تھا
 فوراً ڈھل جاتا تھا۔ جب آپ چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور آگے کو جھک کر تشریف لے جاتے، قدم زمین پر آہستہ پرتا
 زور سے نہیں پرتا تھا۔ آپ تیز رفتار تھے اور ذرا کشادہ قدم رکھتے، چھوٹے چھوٹے قدم نہیں رکھتے تھے۔ جب آپ چلتے تو
 ایسا معلوم ہوتا گویا پستی میں آتر رہے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے بدن سے پھر کر توجہ فرماتے۔ آپ کی نظر
 نیچی رہتی تھی، آپ کی نگاہ بہ نسبت آسمان کے زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی۔ (اس میں یہ اشکال ہے کہ ابو داؤد شریف میں
 روایت ہے کہ حضور ﷺ آسمان کی طرف اکثر دیکھا کرتے تھے، دونوں میں تطبیق یہ ہے کہ عادت شریفہ تو زمین ہی کی
 طرف نگاہ رکھنے کی تھی لیکن چونکہ وحی کا بھی انتظار رہتا تھا، اس لئے اس کے انتظار میں گاہ بگاہ آسمان کی طرف بھی ملاحظہ
 فرماتے تھے ورنہ عام اوقات میں عادت شریفہ نیچی نظر رہنے کی تھی۔

ضليع الفم: [أي: عظيم الفم وواسعه؛ لأن سعته دليل على فصاحته.] مفلج الأسنان: [أي: ما بين أسنانه انفراج] مفلج
 بصيغة المفعول، والفالج: انفراج ما بين الشنايا، والظاهر اختصاص الانفراج بالشنايا، ويؤيده إضافته إلى الشنيتين في بعض
 الروايات، وما قاله العصام: إنه يحتمل الانفراج مطلقاً يرده أن المقام مقام المدح، وقد صرح جمع من شراح الشفاء أن
 انفراج جميع الأسنان عيب. المسروبة. يفتح اسم وسكون السين المهملة وضم الراء وتفتح: شعر ما بين الصدر والسرة.
 معتدل الخلق [أي: معتدل الصورة الظاهرة بحيث أن أعضائه متناسبة غير متنافرة]. بادن [أي: سمين سمناً معتدلاً]
 الرواية إلى ههنا بالصب، ومن ههنا إلى آخر الحديث بالرفع، قاله انقاري عن الحفي، والمعنى: أنه عاكف كان سمياً
 معتدلاً، يعني لم يكن سمياً جداً ولا نحيفاً جداً قاله البيهقوري. متماسك. [أي: بمسك بعضه بعضاً من غير ارتعاش
 وارتعاد وإن كبر في العمر.] البطن: بإصافة السواء إلى البطن والصدر وبدون الإصافة، فيكونان مرفوعين على القاعدة.

أَنور المتجرد، موصول مابين اللبّة والسرّة بشعرٍ يجري كالخطّ، عاري التّديّن والبطن مما سوى ذلك، أشعر الذّراعين والمكبين وأعالي الصدر، طويل الزّندين، رَحْبُ الرّاحَةِ، شُنْ الكفّين والقدمين، سَائِلُ الأطراف - أَوْ قَالَ: سَائِلُ الأطراف - خُمْصَانُ الْأَحْمَصَيْنِ، مَسِيحُ الْقَدَمَيْنِ يَنْبُو عَنْهُمَا الْمَاءُ، إِذَا زَالَ زَالَ قَلْعًا، يَخْطُو تَكْفِيًا، ويمشي هَوْنًا،

ادھر قاتل کی نظریں شرم سے اوپر نہیں اٹھتیں ادھر بے لکھڑا ہے ہاتھ پر میت لئے دل کی آپ کی عادت شریفہ عموماً گوشہ چشم سے دیکھنے کی تھی (یعنی غایت شرم و حیا کی وجہ سے پوری آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے۔) چلنے میں صحبہ کو اپنے آگے کر دیتے تھے اور آپ پیچھے رہ جاتے، جس سے ملتے سلام کرنے میں خود ابتدا فرماتے۔
فائدہ: حضور ﷺ کا پیچھے رہ جانا علماء نے اس کو تواضع پر حمل فرمایا ہے۔ لیکن بندہ ناچیز کے نزدیک اگر یہ حالت سفر پر محمول ہو تو انسب ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ سفر میں پسماندگان اور ضعیف کی خبر گیری کے لئے آپ پیچھے رہا کرتے تھے۔ یہ حدیث بہت طویل ہے جس میں حضور اکرم ﷺ کا خلیہ، اخلاق، عادات، جملہ انواع مذکور ہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے مضامین کی مناسبتوں سے اس کو کئی بابوں میں ذکر کیا ہے، چنانچہ اس کا کچھ حصہ حضور ﷺ کی گفتگو کے باب میں اور کچھ حصہ حضور ﷺ کی تواضع کے ذکر میں آئے گا۔

نور المتجرد [بیر العصور المتجرد عن الشعر أو عن الثوب]. اللبّة [وسط الصدر، القرّة التي فوق الصدر، أو موضع القلادة منه] قال 'أو قال: سائل شئت من إراوي، "وسائل الأطراف" بالمهملّة، أي: طويلها، وسائل بالمعجمة، قريب منه، من شئت أميران: ارتفعت، أي: كان مرتفع الأصراف بلا انقصاص ولا احديدب. سائل الأطراف [أي: صوبها صولاً معتدلاً].
خُصَصَ الْأَحْمَصَيْنِ [أي: شديد تحافيهما عن الأرض، وهذه الشدة لا تخرجه عن حد الاعتدال] الْأَحْمَصُ مِنَ الْقَدَمِ موضع لا يصبق بالأرض منها عند الوطئ، وأخمصان: امتاع منه، أي: أن ذلك موضع من أسفل قدميه شديد التحافي عن الأرض. مجمع البحار. وقال السيحوري: خمصان كعثمان، وبصمتين، وفتح فسكون.
مَسِيحُ الْقَدَمَيْنِ [أي: أَمْلَسَهُمَا وَمَسَوِيَهُمَا بِلَا تَكْسُر وَلَا تَشَقُّق]. **فَدَعَا** [امتاع الشيء من أصله، أو تخويله عن محله، والمعنى: أنه إذا مشى رفع رجليه بقوة كأنه يقع شيئاً من الأرض] بفتح القاف وسكون اللام، أي: رفع رجليه عن الأرض رفعاً باثماً بقوة، لا كمن يمشي احتيلاً فانه القاري، يعني: إذا راى عن موضعه وذهب ويمشي رسول الله ﷺ رفع رجليه بقوة. **هَوْنًا**: [الهون: الرفق واللين، أي: كان يمشي برفق ولين وثبت].

فَرِيعَ الْمَشْيَةِ إِذَا مَشَى كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، وَإِذَا التَّفَتَ التَّفَتَ جَمِيعاً، خَافِضُ الطَّرْفِ، نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَكْثَرُ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ، جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ، يَسُوقُ أَصْحَابَهُ، وَيَبْدَأُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ. **حدثنا** أبو موسى محمد بن المثنى، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: **سمعت** جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ضَلِيلَ الْفَمِّ، أَشْكَلَ الْعَيْنِ، مَنُهِوَسَ الْعَقِبِ، قَالَ شُعْبَةُ: قُلْتَ لِسَمَاكِ: مَا ضَلِيلَ الْفَمِّ؟ قَالَ: عَظِيمُ الْفَمِّ، قُلْتَ: مَا أَشْكَلُ الْعَيْنِ؟ قَالَ: طَوِيلُ شَقِّ الْعَيْنِ. قُلْتَ: مَا مَنُهِوَسَ الْعَقِبِ؟ قَالَ: قَلِيلُ لَحْمِ الْعَقِبِ. **حدثنا** هَنَادُ بْنُ السَّرِيِّ، حَدَّثَنَا عَبَّاسُ بْنُ الْقَاسِمِ، عَنْ أَشْعَثَ - يَعْنِي ابْنَ سَوَّارٍ - عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ:

(۸) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ فراخ دہن تھے، آپ کی آنکھوں کی سفیدی میں سُرخ ڈورے پڑے ہوئے تھے، ایزنی مبارک پر گوشت بہت کم تھا۔ **فائدہ:** اہل عرب مرد کے لئے فراخ دہنی پسندیدہ سمجھتے ہیں، اور بعض لوگوں کے نزدیک اس جگہ فراخ دہنی سے فصاحت مراد ہے۔ آنکھوں کی تعریف میں جو ترجمہ کیا گیا وہ صحیح قول کے موافق لکھا گیا، ورنہ اس حدیث کے ترجمہ میں امام ترمذی **رحمۃ اللہ علیہ** نے اس حدیث کے ایک راوی سے فراخ چشم کا ترجمہ نقل کیا ہے، وہ اہل لغت کے نزدیک غلط ہے۔

نہار آلودہ آنکھوں پر ہزاروں میکدے قربان وہ قاتل بے پئے ہی رات دن مخمور رہتا ہے

(۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ چاندنی رات میں حضور اقدس ﷺ کو دیکھ رہا تھا،

دریغ: [واسع الخطوة]. يسوق أصحابه [أي: يقدمهم بين يديه]. يبدأ من الدأءة، وفي بعض النسخ: ييدر ضم الداء والراء المهملتين، والمعنى متقارب. طويل هذا التفسير حلت عنه كتب اللغة المتداولة، ومن ثم جعله القاضي عياض وهمًا، والصواب ما اتفق عليه العلماء وجميع أصحاب العريب: أن الشككة حمرة في بياض العين. هناد بتشديد النون، آخره دال مهملة، و"السري" فتح السين المهملة المشددة، وكسر الراء المهملة، بعدها ياء مشددة. والحديث - على ما قاله السائي خطأ، وإنما هو مسند إلى البراء، ورد بأن البخاري صحيح إسناده إلى البراء وجابر كليهما.

رأيت رسول الله ﷺ في ليلة إضحيانٍ وعليه حلّة حمراء، فجعلتُ أنظر إليه وإلى القمر، فلَهُو عندي أحسن من القمر. **حدثنا** سفيان بن وكيع، حدثنا حميد بن عبد الرحمن الرؤاسي، عن زهير، **عن** أبي إسحاق قال: سأل رجل البراء بن عازب: أكان وجه رسول الله ﷺ مثل السيف؟ قال: لا، بل مثل القمر. **حدثنا** أبو داود المصاحفي سليمان بن سلم، حدثنا النضر بن شميل، عن صالح بن أبي الأخضر، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة،

حضور ﷺ اس وقت سُرخ جوڑا زیب تن فرما تھے، میں کبھی چاند کو دیکھتا تھا اور کبھی آپ کو، بالآخر میں نے یہ ہی فیصلہ کیا کہ حضور اکرم ﷺ چاند سے کہیں زیادہ جمیل و حسین اور منور ہیں۔

دیرو حرم میں روشنی شمس و قمر سے ہو تو کیا مجھ کو تو تم پسند ہو اپنی نظر کو کیا کروں

(۱۰) ابواسحاق کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضرت براء سے پوچھا کہ کیا حضور اقدس ﷺ کا چہرہ مبارک تلوار کی طرح شفاف تھا؟ انھوں نے کہا کہ نہیں بلکہ بدر کی طرح روشن گولائی لئے ہوئے تھا۔ **فائدہ:** تلوار کی تشبیہ میں یہ نقصان تھا کہ اس سے زیادہ طویل ہونے کا شبہ پیدا ہوتا تھا، نیز اس کی چمک میں سفیدی غالب ہوتی ہے نورانیت نہیں۔ اس لئے حضرت براء غلیظ نے تلوار سے انکار کر کے چاند سے تشبیہ دی۔ یہ تشبیہات سب تقریبی ہیں ورنہ ایک چاند کیا ہزار چاند میں بھی حضور اقدس ﷺ جیسا نور نہیں ہو سکتا۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے کہ اگر تجھے مدوح کو عیب ہی لگانا ہے تو اسے چودھویں رات کے چاند سے تشبیہ دے دے، اس کے عیب لگانے کے لئے یہ ہی کافی ہے۔

ليلة اصحان [ليلة مقمرة من أوها إلى آخرها ولا عيم فيها] 'اليلة' بالتوسين و'إضحيان' بكسر الهمزة، وسكون الصاد المعجمة، وكسر الحاء المهملة، وتحفيف التحتانية، آخره نون موحدة، مصروف وإن كان فيه الألف والنون رائدتين، أي: ليلة مقمرة من أؤها إلى آخرها. **الرؤاسي** بضم الراء وفتح الهمزة آخره سين مهملة بعدها ياء مسبوقة لحدده رؤاس، وهو الحارث بن كلاب بن ربيعة. وقيل: مسوب إلى بيع الرؤس، وهو غلط رواية ودراية.

مثل السيف [أي: من الاستشارة والاستطالة]. **المصاحفي** قال السجوري. بفتح الميم وكسر الحاء، نسبة إلى المصاحف، لعله لكتائنه ها أو بيعه، وكان القياس أن يسبب إلى المرد، وهو مصحف بثلاث ميم.

عن^(۱۱) ابي هريرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ أبيض كأنما صيغ من فضة، رجل الشعر. اختلف في اسمه على أربعين قولاً
حدثنا قتيبة بن سعيد قال: أخبرنا الليث بن سعد، عن أبي الزبير، عن محمد بن مسلم عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: عُرِضَ عليّ الأنبياء، فإذا موسى عليه السلام ضرب من الرجال كأنه من رجال شنوءة، ورأيت عيسى بن مريم عليه السلام فإذا أقرب من رأيت به شبهة عروة بن مسعود، قبيلة في اليمن

(۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر صاف شفاف حسین و خوبصورت تھے گویا کہ چاندی سے آپ کا بدن ڈھالا گیا ہے۔ آپ کے بال مبارک قدرے خمدار گھٹنگریالے تھے۔ **فائدہ:** سب سے پہلی روایت جو حضرت انس رضی اللہ عنہ کی گزر چکی ہے، اس میں بالکل سفید رنگ کی نفی کی گئی تھی اس لئے اس حدیث سے یہ مراد نہیں کہ چاندی کی طرح سے بالکل سفید رنگ تھے بلکہ سفیدی سُرخ مائل تھی اور چمک و حُسن غالب تھا۔

(۱۲) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ مجھ پر سب انبیاء علیہم السلام پیش کئے گئے یعنی مجھے دکھائے گئے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو میں نے دیکھا تو وہ ذرا پتلے ڈبلے بدن کے آدمی ہیں گویا کہ قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تو ان سب لوگوں میں سے جو میری نظر میں سے ہیں عروہ بن مسعود ان سے زیادہ ملتے جلتے معلوم ہوئے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے میں خود ہی ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ہوں، ایسے ہی جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا تو ان کے ساتھ زیادہ مشابہ ان لوگوں میں سے جو میری نظر میں ہیں دجیہ کہلی ہیں۔

صیع من فضة [أي: لأنه كان يعلو بياضه النور والاشراق]. **عرص عليّ** أي: في ليلة المعراج كما يدلّ عليه رواية البحاري، أو في المنام كما يدلّ عليه روايته الأخرى **صرب** بفتح الضاد المعجمة وسكون الراء، أي: حميف اللحم و"من الرجال" صفة صرب. قاله القاري. **شنوءة** بفتح المعجمة وصمّ الون، ثم واو ساكنة، ثم همزة مفتوحة بعدها تاء، قبيلة من اليمن أو من قحطان، وهم متوسّطون بين الخفة والسمن. **مريم** [بست عمران، من ذرية سليمان، يسها وبنيه أربعة وعشرون أباً].

عروة بن مسعود [الثقفي لا اهزلي، الذي أرسلته قريش يوم الحديبية، ففقد معه الصلح وهو كافر، ثم أسلم سنة تسع من الهجرة] أي: الثقفي لا الهذلي كما توهم، ولا يخفي عليك أن "أقرب" مبتدأ، خبره عروة و"من" موصولة، عائدها محذوف، أي: أقرب الذي رأيت، و"نه" متعلق بـ "شها" المصوب على أنه ميمير لمسمة وصلة القرب محذوفة أي إليه أو منه.

ورأيت إبراهيم عليه السلام فإذا أقرب من رأيت به شبهاً صاحبكم - يعني نفسه الكريمة - ورأيت جبريل عليه السلام فإذا أقرب من رأيت به شبهاً دحية. **حدثنا** محمد بن بشار وسفيان بن وكيع - المعنى واحد - قالوا أخبرنا يزيد بن هارون، **عن** سعيد الجريري قال: سمعت أبا الطفيل يقول: رأيت رسول الله ﷺ وما بقي على وجه الأرض أحد رآه غيري. قلت: صفه لي، قال: كان أبيض مليحاً مقصداً، صلوات الله وسلامه عليه.

فائدہ: یہ حضور اقدس ﷺ کا انبیا کو دیکھنا یا شب معراج میں ہوا ہے یا خواب کی حالت میں ہوا ہے۔ بخاری شریف میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں اور اس اختلاف میں کوئی اشکال نہیں ہے، اس لئے کہ ہو سکتا ہے کہ دونوں مرتبہ دیکھا ہو، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں ہلکے بدن کا ترجمہ اپنے نزدیک رائج قول پر کیا ورنہ بعض علماء نے اس کے ترجمہ میں اور بھی اقوال فرمائے ہیں۔ ان تین انبیا کا ذکر اس لئے فرمایا کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام بنی اسرائیل کے انبیا میں سے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام علاوہ ازیں کہ حضور ﷺ کے اجداد میں تھے جمہ عرب ان کو مانتے تھے۔ (۱۳) سعید جریری کہتے ہیں کہ میں نے ابو الطفیل رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضور اقدس ﷺ کے دیکھنے والوں میں اب روئے زمین پر میرے سوا کوئی نہیں رہا۔ میں نے اُن سے کہا کہ مجھ سے حضور ﷺ کا کچھ حدیث بیان کیجئے۔ انھوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ سفید رنگ تھے ملاحظہ کے ساتھ یعنی سُرخ مائل اور معتدل جسم والے تھے۔

دحیہ كسدره وقد يفتح أوله، معناه في الأصل: رئيس أحد، صحابي مشهور، وكان جبرئيل عليه السلام يأتي عالياً عني صورته؛ لأن عادة العرب قبل الإسلام إذا أرسلوا رسولا إلى مدث لا يرسلونه إلا مثل دحية في الحال أو الفصاحة، فإنه كان بارعاً في الحال حتى نصرت به الأمثال، قاله البيهقري. **أبو الطفيل** عامر بن واثقة، كان من جماعة عليّ وعتيبة، ولد عام الهجرة أو عام أحد، ومات سنة عشر ومائة على الصحيح عني ما قاله البيهقري في شرح اسمائيل، واحتاراه الحافظ في تقريبه فيصح حينئذ قوله: ما بقي عني وجه الأرض أحد رآه غيري. **مليحاً** [أي: يُبيض مشرب خمرة]. **مقصداً** بتشديد الصاد مفتوحة عني أنه سم مفعول من باب التفعيل أي: متوسطاً، يقال: رجل مقصد، أي: متوسط، كما يقال: رجل قصد أي: وسط، قال تعالى: ﴿وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ﴾ (النحل: ۹)

حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا إبراهيم بن المنذر الحزامي، أخبرنا عبد العزيز بن ثابت الزهري،
كذا في السخ، والصواب عبد العزيز بن أبي ثابت
 حدثني إسماعيل بن إبراهيم ابن أخي موسى بن عتبة، عن موسى بن عتبة، عن كريب،
 عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ **أفْلَحَ الشَّيْطَانِ**، إذا تكلم رُئي كالنور يخرج من بين ثناياه

فائدہ: ابو الطفیل رضی اللہ عنہ نے صحابہ میں سب سے اخیر میں وفات پائی ہے۔ ان کی وفات ایک سو دس ہجری میں ہوئی ہے۔ اسی بنا پر انھوں نے کہا کہ اب میرے سوا کوئی دیکھنے والا نہیں رہا۔ علماء فرماتے ہیں کہ روئے زمین کی قید اس لئے لگائی کہ آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کے دیکھنے والوں میں موجود تھے۔

(۱۴) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے دانت کچھ کشادہ تھے، یعنی ان میں کسی قدر ریختیں تھیں گنجان نہ تھے۔ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تکلم فرماتے تو ایک نور سا ظاہر ہوتا جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔ **فائدہ:** علماء کے نزدیک مشہور یہ ہے کہ یہ تشبیہ ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کو جو دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا اس کو نور کے ساتھ تشبیہ دی ہے، لیکن علامہ مناوی کی رائے یہ ہے کہ کوئی جتنی چیز تھی تشبیہ نہیں جو بطور معجزہ کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دانتوں کے درمیان سے نکلتی تھی۔

حسینوں کو بھی کتنا سہل ہے بجلی گرا دینا

حیا سے سر جھکا لینا اسے مسکرا دینا

الغرض خلیہ مبارک میں ہر ہر چیز کمالِ حُسن کو پہنچی ہوئی تھی۔

گلچین بہارِ تُوڑ دامالِ گلہ دارو

دامانِ نگہِ تنگ و گلِ حُسن تو بسیار

یعنی جیسے آپ جمالِ معنوی میں منتہا پر تھے، ایسے ہی جمالِ ظاہری میں بھی انتہا پر تھے۔

اللَّهُمَّ صَلِّ عَلَى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَآلِهِ بِقَدْرِ حُسْنِهِ وَجَمَالِهِ

الحزامی بحاء مہملۃ مکسورۃ وراي بعدها ألف مہم، نسۃ إلى جدہ حرام، فإنہ إبراهيم بن المنذر بن المعيرة بن عبد الله بن خالد بن حرام القرشي. **أفْلَحَ** [فرجة بين اثنايَا والرَّباعيات]. **الشَّيْطَانِ** [تثنية ثنية بتشديد الياء]. **كالنور** أي: يرى شيء أبيض له صفاء، يلمع كالنور، معجزة له ﷺ، هكذا قالت الشراخ، ولا مانع من ذلك، ولا يبعد عندي أن يكون هذا من كمالِ جماله، فمن يبلغ من الحسن أقصاه يطهر في كلامه لمعة، وهو مشاهد.

باب ما جاء في خاتم النبوة

حدثنا قتيبة بن سعيد، قال: أخبرنا حاتم بن إسماعيل، عن الجعد بن عبد الرحمن قال: سمعت السائب بن يزيد يقول: ذهبت بي خالتي إلى رسول الله ﷺ فقالت: يا رسول الله! لم يدر اسمها

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی مہر نبوت کا بیان

فائدہ: یہ مضمون حضور اقدس ﷺ کے حلیہ شریف کے ذیل میں ہونے کی وجہ سے پہلے باب کا جزو ہونا چاہئے تھا مگر شدتِ اہتمام کی وجہ سے اور نیز اس وجہ سے کہ یہ معجزہ اور علاماتِ نبوت سے بھی ہے، اس کو علیحدہ ذکر کیا جاتا ہے۔ مہر نبوت حضور اقدس ﷺ کے بدن پر ولادت ہی کے وقت سے تھی جیسا کہ فتح الباری نے بواسطہ یعقوب بن حسن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے نقل کیا ہے اور حضور کی وفات میں جب بعض صحابہ کو شک ہوا تو حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے مہر نبوت کے نہ ہونے سے وصال پر استدلال کیا کہ اس وقت وہ نہیں رہی تھی، چنانچہ منادی نے اس فقرہ کو مفصل نقل کیا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس مہر نبوت پر کچھ لکھا ہوا تھا یا نہیں۔ ابن حبان وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے کہ اس پر (محمد رسول اللہ) لکھا ہوا تھا اور بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر (سُرُفَاتُ الْمَنْصُور) لکھا ہوا تھا جس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم جہاں چاہے جاؤ تمہاری مدد کی جائے گی۔ بعض اکابر کی رائے یہ ہے کہ یہ روایتیں ثبوت کے درجہ کو نہیں پہنچی ہیں۔ اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) سائب بن یزید کہتے ہیں کہ مجھ کو میری خالہ حضور اقدس ﷺ کے پاس لے گئیں اور عرض کیا کہ یہ میرا بھانجا بیمار ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لئے دعائے برکت فرمائی (بعض علماء کے نزدیک حضور ﷺ کا سر پر

حاتم [آی: باب بین ما ورد في شأنه من الأحبار، وفي أفرده باب مع أنه من حمّة الخلق اهتمامًا بشأنه لتعيره عن غيره بكونه معجزة، وكونه علامة على أنه النبي الموعود به في آخر الزمان، الطابع الذي حتم به جبريل عليه السلام حين شق صدره الشريف، فإنه أتى به من حمّة علامة به حينئذ، فظهر بها خاتم النبوة الذي هو قطعة لحم] هو بفتح التاء وكسرها، والكسر أشهر، وإضافته للنبوة؛ لكونه من آياتها.

إِنَّ ابْنَ أَحْيَى وَجَعْتُ، فَمَسَحَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ رَأْسِي، وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ، وَتَوَضَّأْتُ، فَشَرِبْتُ مِنْ وَضْوءِهِ، وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ، فَنَظَرْتُ إِلَى الْخَاتَمِ الَّذِي بَيْنَ كَتِفَيْهِ، فَإِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ.

ہاتھ پھیرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے سر میں کوئی تکلیف تھی۔ لیکن بندہ ضعیف کے نزدیک اچھا یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا ان کے سر پر ہاتھ پھیرنا شفقت کے لئے تھا، اس لئے کہ سنہ ۲ ہجری میں ان کی ولادت ہے تو حضور اقدس ﷺ کے وصال کے وقت تک بھی ان کی عمر آٹھ نو سال سے زائد کی نہیں تھی، اس لئے یہ ہاتھ پھیرنا شفقت کا تھا جیسے کہ بزرگوں کا معمول ہوتا ہے، اور علاج کے لئے حضور اقدس ﷺ نے وضو کا پانی پلویا، جیسا کہ آگے آتا ہے یا کوئی اور تجویز فرمائی، بالخصوص جب کہ بخاری شریف کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاؤں میں کوئی تکلیف تھی) اور حضور اکرم ﷺ نے وضو فرمایا تو میں نے حضور اقدس ﷺ کے وضو کا پانی پیا (حضور اقدس ﷺ کا یہ وضو ممکن ہے کہ اپنی کسی غرض سے ہو لیکن ظاہر یہ ہے کہ ان کی دوا اور پانی پلانے ہی کی غرض سے حضور ﷺ نے وضو فرمایا) میں اتفاقاً یا قصداً حضور ﷺ کے پس پشت کھڑا ہوا تو میں نے مہر نبوت دیکھی جو مسہری کی گھنڈیوں جیسی تھی (جو کبوتر کے بیضے کی برابر بیضی شکل میں اس پردہ میں لگی ہوئی ہوتی ہے جو مسہری پر لٹکایا جاتا ہے۔ علامہ اس لفظ کے ترجمہ میں مختلف ہوئے ہیں،

وجع: [أي: ذو وجع، وهو يقع على كل مرض] بفتح الواو وكسر الجيم أي: ذو وجع، وكان ذلك الوجع في لحم قدمه؛ بدليل أنه وقع في البخاري في أكثر الروايات "وقع" بالقاف بدل الجيم، والوقع بالتحريك: هو وجع لحم القدم، قبل: يقتضي مسحه ﷺ لرأسه أن مرضه كان برأسه، ودفع بأنه لا مانع من الجمع. قال العسقلاني: وفي بعض الروايات "وقع" بلفظ الماضي، قال ابن بطال: المعروف عندنا بفتح القاف والعين، فيحتمل أن يكون معناه: وقع في الأرض فوصل إلى ما حصل، قاله القاري. رأسي: يخص الرأس بالمسح؛ لأنه مدار البقاء والصحة ومأط السلامة يدور على سلامة الدماغ، وبه وبين الأعضاء الرئيسة ارتباط واشتراك، ولأنه أشرف أعضاء البدن. ومن أثر مسحه أن رأسه لم يزل أسود مع شيب ما سواه.

رز: [واحد الأزرار التي توضع في العرى التي تكون للحجبة] بتقدم الرء المكسورة على الرء المهملة المشددة على ماصوبه النووي، وقيل: بتقدم الرء المهملة. قيل: الأول أوفق بظاهر الحديث لكن الرواية لا تساعد، فعلى الأول "الرر" واحد الأزرار، و"الحجلة" ففتحبتين، وقيل: بالنصم أو بالكسر مع سكون الجيم، قبة صغيرة تعلق على السرير، وعلى الثاني "الرز": البيص، و"الحجلة": الطائر المعروف. الحجلة: [قبة صغيرة تعلق على السرير، وقيل الطائر المعروف (القبة) وررها بيضها.]

حدثنا سعيد بن يعقوب الطالقاني، أخبرنا أيوب ابن جابر، عن سِمَاك بن حَرْب، **عن** جابر بن سَمُرَةَ ^{عنه من عشرة}، قال: رأيت الخاتم بين كَفَيْ رسول الله ﷺ **غُدَّة حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ**. **حدثنا** أبو مُصْعَب المدني، أخبرنا يوسف بن الماجشون، عن أبيه، عن عاصم بن عمر بن قتادة، **عن** جدته رُمَيْثَةَ ^{نسبة إلى مذهب الرسول} قالت: سمعت رسول الله ﷺ ^{معرب ما هو} يقول: **غُدَّة حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ** ^{هذا التشبيه في المقدار لا في اللون}.

جس کا میں نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ بعض لوگوں نے اور طرح سے ترجمہ فرمایا ہے لیکن امام نووی **رحمہ اللہ** نے جو مسم شریف کے مشہور شارح ہیں، انہوں نے ان ہی معنی کو ترجیح دی ہے) **فائدہ**: اس حدیث میں اگر وضو کے پانی سے وضو کا بچا ہوا پانی مراد ہے تب تو کوئی اشکال و اختلاف ہی نہیں، اور اگر وضو کا وہ پانی مراد ہے جو بدن سے دھو کر گرتا ہے جس کو ماء مستعمل کہتے ہیں تب بھی کوئی اشکال اس جگہ اس لئے نہیں کہ حضور اقدس **رحمہ اللہ** کے توفضلات تک بھی پاک ہیں پھر ماء مستعمل کا کیا ذکر۔

(۲) جابر بن سرہ **رحمہ اللہ** فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس **رحمہ اللہ** کی مہر نبوت کو آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان دیکھا جو سُرخ رسولی جیسی تھی اور مقدار میں کبوتر کے انڈے جیسی تھی۔ **فائدہ**: مہر نبوت کی مقدار اور رنگ میں روایتیں کچھ مختلف ہیں۔ قرطبی نے ان میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ وہ کم و زیادہ بھی ہو جاتی تھی اور رنگ میں مختلف ہوتی رہتی تھی۔ بندہ ناچیز کے نزدیک دوسری طرح جمع یہ بھی ممکن ہے کہ حقیقت میں یہ سب تشبیہات ہیں اور تشبیہ ہر شخص کی اپنے ذہن کے موافق ہوتی ہے جو تقریبی حالت ہوتی ہے اور تقریب کے اختلاف میں اشکال نہیں ہوتا۔ بندہ کے نزدیک یہ توجیہ زیادہ مناسب ہے۔

(۳) زمیہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس **رحمہ اللہ** سے یہ مضمون سنا، اور میں اس وقت حضور اقدس **رحمہ اللہ** کے اتنی قریب تھی کہ اگر چاہتی تو مہر نبوت کو چوم لیتی۔ وہ مضمون یہ ہے کہ حضور اقدس **رحمہ اللہ** سعد بن معاذ کے حق میں یہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ان کی موت کی وجہ سے حق تعالیٰ **رحمہ اللہ** کا عرش بھی ان کی روح کی خوشی میں جھوم گیا۔

الطالقاني بكسر اللام وقد تفتح، نسبة إلى طالقان بلدة من بلاد قزوين. **غُدَّة** [قصة اللحم، أي: لحم يحدث بين الحد واللحم يتحرك بالتحريك، أو كل قطعة لحم صلبة تحدث عن داء بين الجلد واللحم] بضم المعجمة وتشديد الدال المهملة، لحم يحدث بين الجلد واللحم يتحرك بالتحريك قانه ساوي، وكونه حمراء معناه: مائلة إلى الحمرة؛ لئلا ينافي رواية مسلم أنه كان على لون جسده **رحمہ اللہ**، قانه القاري. **رميثة** بضم الراء المهملة وفتح الميم وسكون الياء، صحابة لها حديثان: أحدهما هذا، والثاني في صوة الصحن، روت عن عائشة، حرج لها أسناني، قاله البيهقري وغيره.

– ولو أشاء أن أقبل الخاتم الذي بين كتفيه من قربه لفعلت – يقول لسعد بن معاذ يوم مات:
 "اهتزله عرش الرحمن".
 (ص ۵۷)

فائدہ: اس میں اختلاف ہے کہ عرش کی حرکت کی کیا وجہ اور کیا معنی۔ مشہور قول یہ ہے جس کے موافق ترجمہ لکھا گیا۔ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے کہ عرش کے جھومنے سے مراد اہل عرش ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ عرش سے مراد سعد کا اپنا تخت ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر راجح قول اول ہی ہے۔ یہ سعد بن معاذ بڑے جلیل القدر صحابہ میں ہیں ان کے اور بھی فضائل کتب حدیث میں آتے ہیں۔ ہجرت سے قبل نبی اکرم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو تعلیم و تبلیغ کے لئے مدینہ طیبہ بھیجا تھا ان کے ہاتھ پر یہ مسلمان ہوئے، اپنی برادری کے سردار تھے اس لئے ان کے مسلمان ہوتے ہی تمام خاندان اسی روز مسلمان ہو گیا، سب سے اول جس خاندان نے مدینہ منورہ میں اسلام قبول کیا وہ یہی خاندان ہے۔ سنہ ۵ ہجری میں ان کا وصال سینتیس سال کی عمر میں ہوا۔ ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ کی نماز میں شریک ہوئے تھے لیکن باوجود ان سب کے حدیث شریف میں آتا ہے کہ قبر کی تھوڑی دیر کی ٹنگی ان کیلئے بھی پیش آئی۔ بڑی عبرت کی جگہ ہے، آدمی کو عذاب قبر سے کسی طرح غافل نہیں ہونا چاہئے، ہر وقت اس سے توبہ کرتے رہنا چاہئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب کسی قبر پر گزر ہوتا تو اس قدر روتے کہ داڑھی مبارک تر ہو جاتی تھی، کسی نے عرض کیا کہ جنت اور دوزخ کا بھی تذکرہ ہوتا ہے اس پر تو آپ نہیں روتے اس پر اس قدر روتے ہیں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں سب سے پہلی منزل ہے جو اس سے نجات پالے اس کے لئے اس کے بعد کی ساری منزلیں سہل ہو جاتی ہیں اور جو اس کے عذاب سے خلاصی نہ پاسکے اس کے لئے اس کے بعد کی منزلیں اور بھی زیادہ دشوار ہوتی ہیں۔

ولو أشاء: جملة معترضة بين الحال – وهو جملة يقول إلخ – وبين صاحبها – وهو رسول الله – والغرض منه ﷺ بيان قرعها منه جداً تحقيقاً لسماعها، وعبرت بالمصارع إشارة إلى أن تلك الحال كالشاهدة. ثم الحديث لا يدل على جواز النظر إلى الأجنية فلا حاجة إلى الجواب، ولو سلم فيمكن أن يأول مثل أنه كان مخصوصاً له ﷺ. لسعد بن معاذ: [كان من عظماء الصحابة، شهد بدرًا وثبت مع المصطفى ﷺ يوم أحد، ورُمي يوم الحندق في أنحله فلم يرقا الدّم حتى مات، ودفن بالقيع، وشهد حجارته سبعون ألف ملك]. يوم مات: يحتمل أن يكون من قوله ﷺ، فهو ظرف لقوله: اهتز، والظاهر أنه من كلام ربيعة، فظرف نقوها. يقول. اهتزله عرش الرحمن: [استشارا وسرورا بقدم روحه، وقيل: حملة عرش الرحمن].

حدثنا أحمد بن عبدۃ الضبی، وعليّ بن حجر، وغير واحد قالوا: أخبرنا عیسیٰ بن یونس، عن عمر بن عبد اللہ مولى غفرة قال: حدثني إبراهيم بن محمد من ولد علي بن أبي طالب عليه السلام قال: كان علي عليه السلام إذا وصف رسول الله ﷺ - فذكر الحديث بطوله - وقال: بين كتفيه خاتم النبوة، وهو خاتم النبیین. **حدثنا** محمد بن بشر أخبرنا أبو عاصم، أخبرنا عزرة بن ثابت، حدثني علباء بن أحمر قال: حدثني عمرو بن أخطب الأنصاري قال: قال لي رسول الله ﷺ: يا أبا زيد! ادن مني فامسح ظهري، فمسحت ظهره،

نیز میں نے حضور سے یہ بھی سنا ہے کہ میں نے جتنے منظر دیکھے ہیں قبر کا منظر سب سے زیادہ ہونک پایا۔ (مشکوٰۃ) اللہمّ احفظنا منه۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس جگہ حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے تھمتے سے نہیں بلکہ اس حدیث میں مہر نبوت کا ذکر آگیا اس لئے انہوں نے ذکر فرمادیا، اور حضرت زبید کی غرض مہر نبوت کے بیان کرنے سے اپنے قریب ہونے کا بیان ہے کہ میں بہت ہی قریب تھی جب کہ میں نے یہ مضمون سنا، سننے میں کسی قسم کی غلطی وغیرہ کا احتمال نہیں۔

(۴) ابراہیم بن محمد جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضور اقدس ﷺ کی صفت بیان کیا کرتے تو یہ یہ صفتیں بیان کرتے اور حدیث مذکورہ سابق ذکر کی۔ منجملہ ان کے یہ بھی کہتے کہ حضور کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت تھی اور آپ خاتم النبیین تھے۔ **فائدہ:** یہ حدیث پہلے باب میں مفصل گزر چکی ہے اس لئے یہاں مختصر طور سے اس کی طرف اشارہ کر دیا۔ اور چونکہ اس میں مہر نبوت کا ذکر تھا اس لئے اس کو خاص طور سے ذکر کر دیا۔ یہ وہی حدیث ہے جو باب اول کے آٹھویں نمبر پر گزری ہے۔

بطوله قال انقاري واماوي تقدم الحديث بطوله في اسب الاول. عشاء. بكسر العين المهمة وسكون اللام بعدها موحدة ومدة. يا أبا زيد هكدا في بعض السج بدور اثمرة، وفي بعضها باهمزة، قال القاري: يكتب بعير ألف لكن يقرأ بها، قال ميرك: وقد يترك في اللفظ أيضاً تحميراً، والحديث أخرجه ابن سعد بن سعد بن سعد عن أبي رمعة بلفظ: قال: قال لي رسول الله ﷺ يا أبا رمعة! ادن مني، فامسح ظهري، فدنوت منه فمسحت ظهره، ثم وضعت أصابعي على خاتم فعمرتها، فلما له ما الخاتم؟ قال: قال شعير مجتمع عند كتفه. فقيل: يحتمل أن يكون أحد الصريقين وهماً، وقيل: يحتمل أن يكون لمحدث صريقان. =

فوقعت أصابعي على الخاتم، قلت: وما الخاتم؟ قال: شعراتٌ مُجَمَّعاتٌ. **حدثنا** أبو عمَّار الحسين بن حُرَيْثٍ الخُزَاعِيُّ، أخبرنا علي بن حسين بن واقد، حدثني أبي، حدثني عبد الله بن بُريدة ^{سنة إلى عزرة القبيدة} قال: **سمعت** أبي بُريدة يقول: جاء سلمان الفارسي إلى رسول الله ﷺ حين قديم المدينة بمائدة ^{بدل من لفظ أبي}

(۵) علماء ابن احر کہتے ہیں کہ مجھ سے عمرو بن اخطب صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ قصہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے مجھ سے کمر ملنے کے لئے ارشاد فرمایا، میں نے حضور ﷺ کی کمر ملنی شروع کی تو اتفاقاً میری انگلی مہر نبوت پر لگ گئی۔ علماء کہتے ہیں کہ میں نے عمرو سے پوچھا کہ مہر نبوت کیا چیز تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ چند بالوں کا مجموعہ تھا۔ **فائدہ:** یہ پہلی روایت کے خلاف نہیں ہوئی اس لئے کہ اس کے اطراف میں بال بھی تھے، انہوں نے صرف ان کا ذکر کر دیا۔ (۶) بريدة بن الحبيب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایک خوان لے کر آئے جس پر تازہ کھجوریں تھیں، اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ سلمان یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر صدقہ ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ صدقہ نہیں کھاتے اس لئے میرے پاس سے اٹھاؤ۔ (اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ "ہم لوگ" سے کیا مراد ہے۔ بعض کے نزدیک حضور اقدس ﷺ کی ذات اور جمع کے لفظ سے تشریفاً تعبیر فرمایا، اور بعض کے نزدیک جماعت انبیاء مراد ہے، اور بعض کے نزدیک حضور اور حضور کے وہ اقارب جن کو زکوٰۃ کا مال جائز نہیں، وہ مراد ہیں۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک یہ تیسرا احتمال رائج ہے، اور علامہ مناوی کے اعتراضات جو اس تیسری صورت میں ہیں زیادہ وقیع نہیں) دوسرے دن پھر ایسا ہی واقعہ پیش آیا کہ سلمان کھجوروں کا طباق لائے اور حضور اقدس ﷺ کے سوال پر سلمان نے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ آپ کے لئے ہدیہ ہے۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ہاتھ بڑھاؤ۔ (اور حضور اقدس ﷺ نے خود بھی نوش فرمایا، چنانچہ بخجوری نے اس کی تصریح کی ہے۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا اس طرح پر دونوں دن لاتا یہ حقیقت

= وذكر انقاري في جمع الوسائل: حديث ابن سعد هذا بلفظ أبي رمثة، ثم قال: قال ميرك: والطاهران إحدى الروايتين وهم، والمرجح رواية الترمذي؛ لأنه أوثق من ابن سعد. وقال الماوي: قال العصام: يطهران إحدى الروايتين وهم، ويرجح رواية الترمذي؛ لأن عزرة حفيد أبي زيد فهو أعلم بحديثه.

مجمعات. [أي دو شعرات مجتمعات.] عائدة. هي خواف عليه طعام، وإلا فهو خواف لا مائدة، فهي من الأشياء التي تختلف أسماءها باختلاف الأوصاف كاللستان، فإنه لا يقال له: حديقة إلا إذا كان عليه حائط

عليها رُطِب، فوضعها بين يدي رسول الله ﷺ فقال: يا سلمان! ما هذا؟ فقال: صدقة عليك وعلى أصحابك، فقال: ادفعتها فإننا لاناكل الصدقة،

میں حضور اقدس ﷺ کے آقا بنانے کا امتحان تھا، اس لئے کہ سلمان رضی اللہ عنہ پُرانے زمانہ کے علماء میں تھے۔ اڑھائی سو برس اور بعض کے قول پر ساڑھے تین سو برس کی ان کی عمر ہوئی ہے۔ انہوں نے حضور اقدس ﷺ کی علامات میں جو پہلی کتب میں پڑھ رکھی تھیں، یہ بھی دیکھا تھا کہ وہ صدقہ نوش نہیں فرماتے اور ہدیہ قبول فرماتے ہیں اور آپ کے دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔ پہلی دونوں علامتیں دیکھنے کے بعد) پھر حضور اقدس ﷺ کی پشت پر مہر نبوت دیکھی تو سلمان ہو گئے (سلمان رضی اللہ عنہ اس وقت یہود بنی قریظہ کے غلام بنے ہوئے تھے) حضور ﷺ نے اُن کو خریدا (مجازاً خریدا کے لفظ سے تعبیر کر دیا ورنہ حقیقت میں انہوں نے سلمان کو مکاتب بنایا تھا۔ مکاتب بنانا اس کو کہتے ہیں کہ آقا غلام سے یہ معاملہ کرے کہ اتنی مقدار جو آپس میں طے ہو جائے، کما کر دید و پھر تم آزاد ہو۔ اور بدل کتابت بہت سے درامم قرار پائے) اور نیز یہ کہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ ان کے لئے (تین سو) کھجور کے درخت لگائیں اور اُن درختوں کے پھل لانے تک ان کی خبر گیری کریں۔

عليها رطب: لا يخالف ما رواه أحمد والبخاري بسند جيد عن سلمان: فاحتطبت حطباً فبعته فصنعت به طعاماً، فأتيت به النبي ﷺ، وما رواه الطبراني: فاشترت لحم جزور بدرهم، ثم طبخته فجعته قصعة من ثريد فاحتمتها على عاتقي؛ لا احتمال تعدد الواقعة، أو أن المائدة كانت مشتملة على كلها. قس: إن كان لفظ 'فأمن به' في جميع الروايات فالظاهر هو الثاني. عليك: قيل: في التعبير بـ 'على' ههنا، واللام فيما سيأتي إشارة إلى الفرق بين الصدقة وهدية بأن المقصود من الصدقة الترحم، ومن الهدية الإكرام. ادفعتها: أي: فرقها بنفسك على مستحفيها، وفي نسخة: 'أرفعها' بالراء، وعليها عامة الشراح، قال البيهقري: ظاهره أنه أمره برفعها مطلقاً ولم يأكل منها أصحابه، ووجه بعضهم بأن المتصدق تصدق به عليه وعليهم، وحصته لم تخرج عن ملك المتصدق وهي غير متميزة، لكن المعروف في كتب السير وهو الصحيح كما قاله الولي العراقي أنه قال لأصحابه: كلوا وأمسك. رواه أحمد والطبراني بطرق عديدة، وحمل هذا الحديث على أن المراد: أرفعها عني لا مطلقاً، فلا ينافي أن أصحابه أكلوه، لكن بعد أن جعلها سلمان صدقة عليهم كذا قال العصام، وتعنه المناوي بأنه لا دليل في الحديث على هذه العدة. فالأولى أن يقار: إن من حصائصه ﷺ التصرف في مال الغير. وقال القاري: أعرب العصام، ووجه عرابته لا يحصى؛ لأن فيه وفي أمثاله يكتفي بالعلم بالمرضى قس: ولا إشكال على رواية 'أدفعها' بالداد، أي قال له فرقها أنت وقال لأصحابه: كلوا الصدقة قال القاري: الصدقة: محة يمسحها الماسح طمساً شواب الآخرة وتكون من الأعلى على الأدنى، ففيه نوع من رؤية تدلُّ الأحد والترحم عليه، والهدية: مبيحة يطلب بها التحبُّب إلى الأحد والتقرب إليه، فمفهوم الصدقة مشعر بأنه لا يبيح نالِي ﷺ

قال: فرفعها، فجاء الغد بمثله، فوضعه بين يدي رسول الله ﷺ، فقال: ما هذا يا سلمان؟ فقال: هدية لك، فقال رسول الله ﷺ لأصحابه: أبسطوا. ثم نظر إلى الخاتم على ظهر رسول الله ﷺ

پس حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے وہ درخت لگائے، حضور کا معجزہ تھا کہ سب درخت اسی سال پھل لے آئے مگر ایک درخت نہ پھلا۔ تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کا لگایا ہوا تھا حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک کا نہ تھا، حضور نے اس کو نکالا اور دوبارہ اپنے دست مبارک سے لگایا۔ حضور کا دوسرا معجزہ یہ ہوا کہ بے موسم درخت لگایا بھی اسی سال پھل لے آیا۔ فائدہ: اس حدیث میں علماء نے بہت سی علمی تحقیقات فرمائی ہیں۔ مثلاً یہ کہ جب سلمان غلام تھے تو اُن کا صدقہ اور ہدیہ جائز تھا یا نہیں، نیز ہدیہ اور صدقہ میں فرق کیا کیا ہیں وغیرہ وغیرہ، طویل بحثیں ہونے کی وجہ سے اختصاراً ترک کر دی گئیں، البتہ اس حدیث سے حضور کا ایک خاص معمول معلوم ہوا کہ ہدایا میں خدام و حضار کو شریک فرمایا کرتے تھے اور یہ حضور کا خاص معمول تھا، ہزاروں واقعات حدیث کی کتبوں میں اس معمول کے مذکور ہیں، اس مضمون میں حضور کا ایک ارشاد بھی نقل کیا جاتا ہے کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے (اھدایا مشترکۃ) ہدیے جو دیے جاتے ہیں وہ پاس بیٹھنے والوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ محدثانہ حیثیت سے اس حدیث کے الفاظ میں اختلاف ہے اور کلام بھی ہے یعنی ضعیف ہے مگر مضمون کے اعتبار سے واقعات سے تائید ہوتی ہے۔ یہ بات کہ کس قسم کے ہدیے مراد ہیں اور پاس بیٹھنے والوں سے کون مراد ہیں، تفصیل طلب ہے۔ ملا علی قاری نے لکھا ہے کہ ایک شیخ وقت کے پاس کوئی شخص ہدیہ لایا ایک پاس بیٹھنے والے نے عرض کیا اھدایا مشترکۃ۔ انہوں نے فرمایا کہ شرک کے خواہاں نہیں، ہم تو وحدت پسند کرتے ہیں، یہ سب تمہاری نذر ہے۔

الغد [مراد من الغد: وقت آخر، وإن لم يكن هو اليوم بعد اليوم الأول]. أبسطوا [اتسعوا وأعدوا المائدة ليؤكل منها، انصرفوا ليتسع المجلس] قيل: يؤخذ منه أن يستحب للمهدي له أن يعطي الحاضرين عما أهدي إليه، وتأيد حديث ضعيف: من أهدي له هدية فحسبواؤه شركاؤه، والمراد بالشركاء الذين يداومون مجلسه لا كل من حضر، إذ ذلك قاله الترمذي في الأصول. ثم قيل في تعبيره بـ"ثم" إشارة إلى تراخيه من الأمرين المتقدمين كما هو مصرح في الروايات، وفي جمع الفوائد من حديث سلمان المفصل بعد وصوله إلى المدينة المنورة، قال: فأقمت بها إلى أن هاجر النبي ﷺ، فأتيته بشيء عدي وهو بقاء، فقلت له: هذه صدقة، فقال ﷺ لأصحابه: كنوا وأمسك يده. فقلت في نفسي: هذه واحدة، ثم انصرفت فجمعت شيئاً وتحولت ﷺ إلى المدينة فحنته، فقلت: هذه هدية أكرمتك بها، فأكل منها. فقلت في نفسي: هذه ثنتان، ثم جئت وهو بالبقيع جالس في أصحابه. الحديث.

فَإَمِنْ بِهِ. وَكَانَ لِلْيَهُودِ، فَاشْتَرَاهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ بِكَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا، عَلَى أَنْ يَغْرِسَ لَهُمْ نَخِيلًا، فَيَعْمَلُ سَلَمَانٌ فِيهِ، حَتَّى تُطْعَمَ، فَعَرَّسَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ

وہ مقدار میں اتنا تھا کہ ان صاحب سے اُنھ بھی نہ سکا تو اپنے ایک خادم کو حکم دیا کہ یہ ان کے گھر پہنچا دو۔ اس نے پہنچا دیا۔ اسی طرح ایک مرتبہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں واقعہ پیش آیا کہ کچھ نقدی بدیہ پیش کیا گیا، حاضرین میں سے کسی نے عرض کیا اہدایا مشترکہ۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ اس سے خاص قسم کے ہدایا مراد ہیں، اور یہ فرما کر خادم سے ارشاد فرمایا کہ اس کو اٹھا کر رکھ دو۔ علماء نے لکھا ہے کہ دونوں واقعے اپنی اپنی جگہ پر نہایت ہی موزوں ہیں۔ ایک زاہد صوفی کے وہی مناسب تھا جو انھوں نے کیا اور ایک فقیہ کے یہی مناسب تھا۔ اور یہ سچ ہے امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ فقہ کے مشہور امام ہیں، اگر وہ ایسا نہ کرتے تو ایک شرعی مسئلہ بن جاتا کہ ہدایا میں شرکت ضروری ہو جاتی اور امت کو دقت ہوتی۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب اپنی مبشرات اور منامات میں لکھی، اس میں بہت سے عجیب واقعات ہیں، منجملہ اُن کے اپنے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا یہ واقعہ بھی لکھا کہ ایک مرتبہ ابتدائی زمانہ میں مجھے شوق ہوا کہ ہمیشہ روزہ رکھا کروں، اُس کے بعد علماء کے اختلاف کی وجہ سے مجھے تردد ہوا۔ خواب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حضور نے ایک روٹی مرحمت فرمائی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ بھی تشریف فرما تھے، انھوں نے فرمایا: اہدایا مشترکہ میں نے وہ روٹی سامنے کر دی انھوں نے ایک ٹکڑا اس میں سے لے لیا، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اہدایا مشترکہ میں نے ان کے سامنے بھی پیش کر دی انھوں نے بھی ایک ٹکڑا اس میں سے لے لیا، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا اہدایا مشترکہ میں نے عرض کیا کہ اگر اس کو آپ ہی حضرات نے تقسیم فرمایا تو اس فقیر کے لئے کیا بچے گا۔

فَإَمِنْ بِهِ [مترج علی مجموع ما سبق من الآيات الثلاث، فلما تمت الآيات و كملت العلامات آمن به.]
وَكَانَ لِلْيَهُودِ [أي: والحال أنه كان رفيقا لليهود (يهود بني قريظة) ولعنه كان مشتركا بين جمع منهم، أو كان لواحد منهم]
فَاشْتَرَاهُ أَي: تسب في كتابة اليهود لأمره بذلك فتحور بالشرء، وقصة كتابته مشهورة وكان كتابته على شبيثين: كذا وكذا درهما، واحتسبت الرويات في تعيينها، وعلى غرس التحل المذكور. درهما [في بعض الرويات أنه أربعون أوقية، قيل: من فضة، وقيل: من ذهب] عَلَى أَنْ يَغْرِسَ [أي مع أن يغرس، فكأنه على شبيثين: الأوقية المذكورة، وغرس الحنن مع العمل فيه حتى يطعم.] حَتَّى تُطْعَمَ [أي حتى ينثر، حتى تؤكل ثمرة.]

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابہ میں ہیں، حدیث میں آیا ہے کہ جب قرآن شریف کی آیت ﴿لَا يَكُونُ لَكُمْ مَوْلَاكُمْ﴾ (سورہ محمد ۳۸) نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم (ایمان لانے سے) اور گردانی کرو گے تو اللہ جل ثنا تعہداری جگہ ایک دوسری قوم کو لے آئے گا جو تم جیسی نہ ہوگی۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہوں گے جو ہماری جگہ آئیں گے؟ حضور اقدس ﷺ نے حضرت سلمان کے کندھے پر ہاتھ مار کر ارشاد فرمایا کہ یہ اور اس کی قوم۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر ایمان ثریا پر معصن ہوتا تو فارس کے کچھ لوگ اُس کو وہاں سے بھی لے لیتے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی شان میں بشارت ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ خود اپنے ایمان لانے کا مفضل قصہ نقل فرماتے ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہے، اور اس میں اُن علامات کا بھی ذکر ہے جن کا انہوں نے امتحان لیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ: میں صوبہ اصبہان میں ایک جگہ کاربنے والا ہوں جس کا نام ”جے“ تھا، میرا باپ اس جگہ کا چودھری اور سردار تھا، اور مجھ سے بہت ہی زیادہ اس کو محبت تھی، میں نے اپنے قدیم مذہب مجوسیت میں اتنی زیادہ کوشش کی کہ میں آتشکدہ کا محافظ بن گیا، مجھے باپ نے ایک مرتبہ اپنی جائیداد کی طرف بھیجا، راستہ میں میرا گزر نصاریٰ کے گرجے پر ہوا، میں سیر کے لئے اس میں چلا گیا، میں نے ان کو نماز پڑھتے دیکھا تو مجھے وہ پسند آگئی اور اس دین کو پسند کرنے لگا، شام تک میں وہیں رہا، ان سے میں نے دریافت کیا کہ اس دین کا مرکز کہاں ہے؟ انھوں نے کہا ملک شام میں ہے۔ رات کو میں گھر واپس آیا، گھر والوں نے پوچھا کہ تو تمام دن کہاں رہا؟ میں نے تمام قصہ سنایا، باپ نے کہا کہ بیٹا وہ دین اچھا نہیں ہے، تیرا اور تیرے بڑوں کا جو دین ہے وہی بہتر ہے۔

میں نے کہا ہرگز نہیں وہی دین بہتر ہے۔ باپ کو میری طرف سے خدشہ ہو گیا کہ کہیں چلانا جائے اس لئے میرے پاؤں میں ایک بیڑی ڈال دی اور گھر میں قید کر دیا، میں نے ان عیسائیوں کے پاس کھلا بھیجا کہ جب شام سے سوداگر لوگ جو اکثر آتے رہتے تھے، آئیں تو مجھے اطلاع کرا دیں، چنانچہ کچھ سوداگر آئے اور اُن عیسائیوں نے مجھے اطلاع کرا دی، جب وہ سوداگر واپس جانے لگے تو میں نے اپنے پاؤں کی بیڑی کاٹ دی اور بھاگ کر اُن کے ساتھ شام چلا گیا، وہاں پہنچ کر میں نے تحقیق کی کہ اس مذہب کا سب سے زیادہ ماہر کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ گرجا میں فلاں پشپ ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ مجھے تمہارے دین میں داخل ہونے کی رغبت ہے اور تمہاری خدمت میں رہنا چاہتا ہوں، اُس نے منظور کر لیا۔ میں اس کے پاس رہنے لگا،

لیکن وہ کچھ اچھا آدمی نہ نکلا۔ لوگوں کو صدقہ کی ترغیب دیتا اور جو کچھ جمع ہوتا اس کو اپنے خزانہ میں رکھ لیتا، غریبوں کو کچھ نہ دیتا۔ وہ مر گیا اس کی جگہ دوسرے شخص کو بٹھایا گیا وہ اس سے بہتر تھا اور دنیا سے بے رغبت تھا۔ میں اس کی خدمت میں رہنے لگا اور اس سے مجھے محبت ہو گئی۔ بالآخر وہ بھی مرنے لگا تو میں نے اس سے پوچھا کہ مجھے کسی کے پاس رہنے کی وصیت کر دو۔ اس نے کہا کہ میرے طریقہ پر صرف ایک شخص دنیا میں ہے اُس کے سوا کوئی نہیں ہے، وہ ”موصل“ میں رہتا ہے، تو اس کے پاس چلے جانا۔ میں اس کے مرنے کے بعد موصل چلا گیا اور اس سے جا کر اپنا قصہ سنایا، اس نے اپنی خدمت میں رکھ لیا، وہ بھی بہترین آدمی تھا۔ آخر اس کی بھی وفات ہونے لگی تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اُس نے کہا فلاں شخص کے پاس ”نعمین“ میں چلے جانا۔ میں اس کے پاس چلا گیا اور اس سے اپنا قصہ سنایا، اس نے اپنے پاس رکھ لیا۔ وہ بھی اچھا آدمی تھا۔ جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو میں نے اُس سے پوچھا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اُس نے کہا ”غوریا“ میں فلاں شخص کے پاس چلے جانا۔ میں وہاں چلا گیا اور اس کے پاس اسی طرح رہنے لگا، وہاں میں نے کچھ کمائی کا دھندا بھی کیا جس سے میرے پاس چند گائیں اور کچھ بکریاں جمع ہو گئیں۔ جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب میں کہاں جاؤں؟ اس نے کہا کہ اب خدا کی قسم! کوئی شخص اس طریقہ کا جس پر ہم لوگ ہیں، عالم نہیں رہا، البتہ نبی آخر الزمان کے پیدا ہونے کا زمانہ قریب آگیا، جو دین ابراہیمی پر ہونگے، عرب میں پیدا ہونگے، اور ان کی ہجرت کی جگہ ایسی زمین ہے جہاں کھجوروں کی پیداوار بکثرت ہے اور اس کے دونوں جانب کنکر ملی زمین ہے، وہ ہدیہ نوش فرمائیں گے اور صدقہ نہیں کھائیں گے، اُن کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی (یہ اُن کی علامات ہیں اسی وجہ سے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے اُن علامات کی تحقیق کی تھی) پس اگر تجھ سے ہو سکے تو اس سرزمین پر پہنچ جانا۔ اُس کے انتقال کے بعد قبیلہ بنو کلب کے چند تاجروں کا وہاں گزر ہوا، میں نے اُن سے کہا کہ اگر تم مجھے اپنے ساتھ عرب لے چو تو اس کے بدلے میں یہ گائیں اور بکریاں تمہاری نذر ہیں، انھوں نے قبول کر لیا اور مجھے واوی القری (یعنی مکہ مکرمہ) لے آئے اور وہ گائے اور بکریاں میں نے ان کو دیدیں، لیکن انھوں نے مجھ پر یہ ظلم کیا کہ مجھے مکہ مکرمہ میں اپنا غلام ظاہر کیا اور مجھے بیچ دیا۔ بنو قریظہ کے ایک یہودی نے مجھے خرید لیا اور اپنے ساتھ اپنے وطن مدینہ طیبہ لے آیا۔ مدینہ طیبہ کو دیکھتے ہی میں نے ان علامتوں سے جو مجھے غوریا کے ساتھی (پادری) نے بتائی تھیں، پہچان لیا کہ یہی وہ جگہ ہے۔ میں وہاں رہتا رہا کہ اتنے میں حضور اقدس ﷺ مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لے گئے۔ حضور اس وقت تک قبا ہی میں تشریف فرما تھے۔ میں نے حضور کی خبر سن کر جو کچھ میرے پاس تھا وہ لے جا کر پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ صدقہ کا مال ہے۔ حضور نے خود تناول نہیں فرمایا، صبح (فقرا)

التخل إلا نخلة واحدة، غرسها عمر رضی اللہ عنہ فحملت النخل من عامها ولم تحمِل نخلة، فقال رسول الله ﷺ: ما شأن هذه النخلة؟ فقال عمر: يا رسول الله! أنا غرستها،

سے کہا کہ تم کھاؤ۔ میں نے اپنے دل میں کہا ایک علامت تو پوری نکلی، پھر میں مدینہ واپس آگیا اور کچھ جمع کیا کہ اس دوران میں حضور بھی مدینہ منورہ پہنچ گئے، میں نے کچھ (کھجوریں اور کھانا وغیرہ) پیش کیا اور عرض کیا کہ یہ ہدیہ ہے۔ حضور نے اس میں سے تناول فرمایا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری علامت بھی پوری ہوگئی۔ اُس کے بعد میں ایک مرتبہ حاضر خدمت ہوا اس وقت حضور اقدس ﷺ (ایک صحابی کے جنازہ میں شرکت کی وجہ سے) بیچ میں تشریف فرما تھے، میں نے سلام کیا اور پشت کی طرف گھومنے لگا، آپ سمجھ گئے اور اپنی چادر مبارک کمر سے ہٹا دی۔ میں نے مہر نبوت کو دیکھا، میں جوش میں اس پر جھک گیا، اس کو چوم رہا تھا اور رو رہا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا سامنے آؤ۔ میں سامنے حاضر ہوا اور حاضر ہو کر سارا قصہ سنایا۔ اُس کے بعد میں اپنی غلامی کے مشاغل میں پھنسا رہا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنے آقا سے مکاتب کا معاملہ کر لو۔ میں نے اس سے معاملہ کر لیا اس نے دو چیزیں بدل کتابت قرار دیں: ایک یہ کہ چالیس اوقیہ نقد سونا (ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے اور ایک درہم تقریباً تین سے چار ماشہ کا) دوسری یہ کہ تین سو درخت کھجور کے لگاؤں اور ان کی پرورش کروں یہاں تک کہ کھانے کے قابل ہو جائیں۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے لگائے جس کا قصہ شامل میں موجود ہے اور اتفاق سے کسی جگہ سے سونا حضور اقدس ﷺ کے پاس آگیا، حضور نے حضرت سلمان کو مرحمت فرمادیا کہ اس کو جا کر اپنی بدل کتابت میں دے دو۔ انھوں نے عرض کیا کہ حضور! یہ کیا کافی ہوگا وہ بہت زیادہ مقدار ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا حق تعالیٰ جل جلالہ اسی سے عجب نہیں پورا فرمادیں، چنانچہ میں لے گیا اور اس میں سے وزن کر کے چالیس اوقیہ سونا اس کو تول دیا (جمع الفوائد) اس قصہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ شامل کی روایت میں حضور اقدس ﷺ کا حضرت سلمان کو خریدنا اسی لحاظ سے کہا گیا کہ ان کا بدل کتابت حضور ہی نے ادا فرمایا، اپنے دست مبارک سے درخت لگائے اور خود ہی اپنے پاس سے وہ سونا عطا فرمایا جو بدل میں قرار پایا تھا۔

عمر: قيل: إن قصّة عرس عمر وعدم حملها من عامها غير منقولة إلا عند الترمذي، وليس فيما سواه من إخبار سلمان، فحملت الحل من عامها. [أي: أثمرت من عامها الذي عُرست فيه عني خلاف المعتاد استعجالاً لتخليص سلمان من الرق].
نخلة: [على سس ما هو المتعارف]. النخلة: [الذي منعها من الحمل مع صوابها].

فنزعه رسول الله ﷺ، فغرسها، فحملت من عامه. **حدثنا** محمد بن بشار، أخبرنا بشر بن الوضاح، أخبرنا أبو عقيل الدورقي، **عن** أبي نصره قال: سألت أبا سعيد الخدري عن خاتم رسول الله ﷺ - يعني خاتم النبوة - فقال: كأن في ظهره **بضعة ناشرة**. **حدثنا** أبو الأشعث أحمد بن المقدم العجلي البصري، أخبرنا حماد بن زيد، أخبرنا عاصم الأحول، **عن** عبد الله بن سرجس قال: أتيت رسول الله ﷺ وهو في ناس من أصحابه،

حضرت سلمان **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ دس سے زیادہ آقاؤں کی غلامی میں وہ رہے ہیں۔ غزوہ خندق میں انھیں کے مشورہ سے خندق کھدوائی گئی ورنہ عرب میں اس سے پہلے خندق کا دستور نہ تھا نہ لوگ خندق کو جانتے تھے۔

(۷) ابو نصرہ کہتے ہیں کہ میں نے ابو سعید خدری **رضی اللہ عنہ** سے حضور اکرم **ﷺ** کی مہر نبوت کے بارے میں پوچھا تو انھوں نے یہ بتلایا کہ آپ کی پشت پر ایک گوشت کا انبر اہو نکلا تھا۔

(۸) عبد اللہ بن سر جس کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس **ﷺ** کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور **ﷺ** کے پاس اُس وقت مجمع تھا، میں نے اس طرح حضور کے پس پشت چکر لگایا (راوی نے اس جگہ غالباً چکر لگا کر فعلی صورت بیان کی) حضور **ﷺ** میرا منہ سمجھ گئے اور اپنی پشت مبارک سے چادر اتار دی۔ میں نے مہر نبوت کی جگہ کو آپ کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کے ہم شکل دیکھا جس کے چاروں طرف تل تھے جو گویا متوں کے برابر معلوم ہوتے تھے۔ پھر میں حضور **ﷺ** کے سامنے آیا اور میں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے (یا اللہ تعالیٰ نے آپ کی مغفرت فرمادی، جیسا کہ سورہ فتح میں اللہ **تعالیٰ** کا ارشاد ہے: **لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ**) حضور **ﷺ** نے فرمایا اللہ تیری بھی مغفرت فرمائے۔

فغرسها [في غير الوقت المعلوم لعرس النحر، فهذه معجزة.] **أبو عقيل** يفتح العين المهمة وكسر ثابته. والدورقي. سنة لدورق، يفتح الدال المهمة وسكون الواو، بدة بفارس. **أبي نصره** يفتح نون وسكون صاد معجمة على الصحيح، ومن ضبطه بموحدة فمهملة ساكنة فقد علط، واسمه المنذر بن مالك.

بضعة بالنصب على أنه نحر كان، واسمه صمير بن الحاتم. وهو يفتح اياء وقد تكسر، قطعة لحم، و الناشرة: المرتفعة. **ناشرة** [مرتفعة، والمقصود قطعة لحم مرتفعة في أعنى الطهر.] **سرجس** كرجس، وقيل: كجعفر مع عن الصرف؛ بعمية والعجمة، قاله البيهقوري.

فَدَرْتُ هَكَذَا مِنْ خَلْفِهِ، فَعَرَفَ الَّذِي أُرِيدُ، فَالْقَى الرَّدَاءَ عَنْ ظَهْرِهِ، فَرَأَيْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلَى كَفِّهِ مِثْلَ الْجُمُعِ حَوْلَهَا خِيَلَانٌ ^{لعله إشارة إلى كمية الدوران} كَأَنَّهُا ثَائِلِيلٌ، فَرَجَعْتُ حَتَّى اسْتَقْبَلْتَهُ، فَقُلْتُ: غَفَرَ اللَّهُ لَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ! فَقَالَ: وَلَكَ، فَقَالَ الْقَوْمُ: ^{مع حان} اسْتَغْفِرْكَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ؟ فَقَالَ: نَعَمْ وَلَكُمْ، ثُمَّ قَلَا هَذِهِ الْآيَةُ: ﴿وَاسْتَغْفِرْ لِدُنْيِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ﴾ (محمد: ١٩)

لوگوں نے مجھ سے کہا کہ حضور ﷺ نے تیرے لئے دعائے مغفرت فرمائی؟ میں نے کہا ہاں اور تم سب کے لئے بھی، اس لئے کہ اللہ ﷻ نے حکم فرمایا ہے کہ اے محمد (ﷺ)! مغفرت کی دعا کرو اپنے لئے بھی اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے لئے بھی (اس لئے حضور تو سب ہی کے لئے دعائے مغفرت فرما چکے ہیں)

مثل الجمع [مثل جمع الكف، وهذه هيئة الخاتم بعد جمع الأصابع، ويفهم من ذلك أن فيه خطوطاً كما في الأصابع المجموعة] مثل الجمع بضم الميم، وجوز الكسائي كسرهما، هو: هيئة بعد جمع الأصابع. وخیال جمع حال؛ هي: فقط تضرب إلى اسود. وثائيل كمص بيح، جمع ثوبون كعصمور: حراح صغير نحو الحبيصة يظهر على الجسد، له ثوب واستدارة. حولها خيالات [أي حول الخاتم فقط، تضرب إلى السود وتسمى شامات]. يا رسول الله [شكر لنعمة التي صنعها النبي ﷺ معه]. القوم فقيل: المراد بالقوم الصحابة، فقاتل هذا القول هو عبد الله وهو الظاهر، وقيل الذين يحدثهم عبد الله بن سرجس، فقاتل هذا الكلام هو عاصم الأحول، قاله القاري. ثم تلا يعني أمثالاً هذه الآية؛ لأنه لا يعكس أن الله تعالى أمره بشيء ولم يمثله النبي ﷺ. هذا. وأدعيته ﷺ في الاستعمار للأمة معروفة.

باب ما جاء في شعر رسول الله ﷺ

حدثنا علي بن حجر، أخبرنا إسماعيل بن إبراهيم، عن حميد، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان شعرُ رسول الله ﷺ إلى نصف أذنيه. **حدثنا هناد بن السري**، أخبرنا عبد الرحمن بن أبي الزناد، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كنتُ أغتسل أنا ورسول الله ﷺ من إناء واحد،

باب حضور اکرم ﷺ کے سرمبارک کے بالوں کا بیان

فائدہ: حضور اکرم ﷺ کے پنٹھوں کی مقدار میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، جیسا کہ پہلے بھی گزر چکا اور ان میں کچھ تعارض نہیں، اس لئے کہ بال بڑھنے والی چیز ہے، ایک زمانہ میں اگر کان کی لو تک تھے تو دوسرے زمانہ میں اس سے زائد، اس لئے کہ حضور ﷺ کا سر منڈانا چند مرتبہ ثابت ہے، تو جس نے قریب کا زمانہ نقل کیا اس نے چھوٹے بال نقل کئے اور جس نے بال منڈے ہوئے عرصہ ہو جانے کے وقت کو نقل کیا اس نے زیادہ بال نقل کئے۔ بعض علماء نے اس طرح پر بھی جمع فرمایا ہے کہ سرمبارک کے اگلے حصہ کے بال نصف کانوں تک پہنچ جاتے تھے اور وسط سر کے اس سے نیچے تک اور اخیر سر کے مونڈھوں کے قریب تک۔

اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے بال نصف کانوں تک تھے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں اور حضور ﷺ ایک ہی برتن میں غسل کیا کرتے، اور حضور اقدس ﷺ کے بال ایسے پنٹھوں سے جو کان کی لو تک ہوا کرتے ہیں، اُن سے زیادہ تھے اور اُن سے کم تھے جو مونڈھوں تک ہوتے ہیں،

باب [أي: باب بيان ما ورد في مقداره طولاً وكثرة، وغير ذلك من الأحبار.] **سعر** [هو ما يست على الجسم، ليس من الصوف ولا وبر.] فيه روايتان، وفتح العين أفصح والسكون أشهر، واحداً شعرة. **حجر** بضم الحاء المهملة وسكون الحيم نصف أدسه أي: في بعض الأحيان. قال البيهقي: وفي شرح المصابيح: م يحق الي رأسه في سبي الفجرة إلا في عام الحديبية وعمره القضاء وحجة الوداع، ولم يقصر شعره إلا مرة واحدة كما في الصحيحين. **السري** بتشديد الين، وقوله: "السري" بفتح السين المهملة وكسر الراء وتشديد التحتانية **عن** **اسه** [أي: عروة بن الرير، وهو أحد الفقهاء امدية السبعة] كتب اغسل أفادت الحكاية الماضية بصيغة المصارع استحضاراً للصورة، وإشارة إلى تكراره واستمراره أي: اعتسلت معه متكرراً.

وكان له شعر فوق الجمّة و دون الوفرة. **حدثنا أحمد بن منيع، أخبرنا أبو قطن، حدثنا شعبة،** **عن أبي إسحاق، عن البراء بن عازب** **رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ مَرْبُوعاً،** ما يصل إلى شحمة الأذن كديع يعتدلين

یعنی نہ زیادہ لمبے تھے نہ چھوٹے، بلکہ متوسط درجہ کے تھے۔ **فائدہ:** اس حدیث سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ہر دو حضرات ننگے نہاتے تھے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا محل ستر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا محل شرم کبھی نہیں دیکھا، نیز برتن کے ایک ہونے سے بھی اس پر حجت نہیں، اس کی کئی صورتیں ایسی ممکن ہیں کہ غسل بھی ہو جائے اور دوسرے کے سامنے ننگا بھی نہ ہونا پڑے، نیز اس حدیث سے عورت اور مرد کا ایک برتن سے اکٹھے نہانا ثابت ہوتا ہے۔ علماء کا امام نووی کے قول کے موافق اس صورت کے جواز پر اجماع ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مرد پہلے غسل کرے اس کے بچے ہوئے پانی سے عورت غسل کر لے، یہ بھی بالاتفاق سب کے نزدیک جائز ہے۔ تیسری صورت اس کا عکس ہے کہ عورت پہلے نہائے مرد اس کے بچے ہوئے سے نہائے، یہ صورت حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ سب حضرات کے نزدیک جائز ہے، حنابلہ اس کو جائز نہیں بتلاتے، البتہ اگر عورت کے غسل کے وقت مرد وہاں موجود ہو تو وہ بھی جائز فرماتے ہیں، اُن حضرات کا استدلال اور جمہور کی طرف سے اس کا جواب علمی بحث ہونے کی وجہ سے یہاں سے ترک کر دیے گئے، مختصراً عربی حاشیہ میں ذکر کیے گئے۔ لیکن جب ایک معتمد امام کا خلاف ہے اور حدیث میں بھی اس کی ممانعت آئی ہے تو اُس میں احتیاط اولیٰ ہے۔

(۳) حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم متوسط القامہ (درمیانے قد) تھے، آپ کے دونوں شانوں کا درمیان

الحمة الخ بضم الحیم وتشديد الميم: ما وصل من شعر الرأس إلى المنكبين، والوفرة: ما لم يصل إليهما، واللمة: ما جاوز شحمة الأذن، سواء وصل إلى المنكبين أو لا، وقيل: بها بين الحمة والوفرة، فعلى هذا ترتيبها "لخ" أي: الوفرة، ثم اللمة، ثم الحمة. وهذه الثلاثة قد اضطرب أقوال أهل اللغة في تفسيرها، وأقرب ما وفق به أن فيها لغات، كما يظهر من القاموس والجمع، وآياتاً كان فالعرض: أن شعره صلی اللہ علیہ وسلم كان وسطاً، لا أطول ولا أقصر. ثم في الحديث دليل على جواز فصل المرأة كما قال به الثلاثة، خلافاً للحنابلة، إذ قالوا: لا يجوز فصلها إلا أن تستعمل بمحضرة؛ لرواية هي عن فضل المرأة، وأجيب عنها: بالصعف، أو أن المراد بالفضل المستعمل، أو غير ذلك، كما بسط في بذل المجهود في حل أبي داود. البراء: تقدم حديثه مفصلاً في الباب الأول، وأعاده هناك مختصراً للترجمة فيه.

بُعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، وَكَانَتْ جُمَّتُهُ تَضْرِبُ شَحْمَةَ أُذُنِهِ. **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَخْبَرَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ بْنُ حَازِمٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، **عَنْ** قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنْسٍ: كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ؟ قَالَ: لَا يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبِطِ، كَانَ يَبْلُغُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنِهِ. **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ يَحْيَى بْنُ أَبِي عُمَرَ الْمَكِّي، أَخْبَرَنَا سَفْيَانُ بْنُ عَيِّنَةَ، عَنْ ابْنِ أَبِي نَجِيحٍ، **عَنْ** بَجَاهِدٍ، **عَنْ** أُمِّ هَانِئِ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ قَالَتْ: قَدِمَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ عَلَيْنَا مَكَّةَ قَدَمَةً وَلَهُ أَرْبَعُ عَدَائِرٍ. **حَدَّثَنَا** سُوَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ ثَابِتِ الْبُنَانِيِّ **عَنْ** أَنْسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ شَعْرَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنِهِ.

وسیع تھا، آپ کے بال کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔ **فائدہ:** یہ حدیث خلیہ شریف میں مفضل گذر بھی چکی ہے، بالوں کے ذکر کی وجہ سے یہاں پھر اس کو مختصراً ذکر کر دیا گیا۔

(۴) قدوہ نبیؐ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے پوچھا کہ حضور اکرم ﷺ کے بال مبارک کیسے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ نہ بالکل پیچیدہ نہ بالکل کھلے ہوئے بلکہ تھوڑی سی پیچیدگی اور گھنگریالہ پن لئے ہوئے تھے جو کانوں کی لو تک پہنچتے تھے۔

(۵) ام ہانیؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہجرت کے بعد ایک مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے تو آپ کے بال چار حصہ مینڈھیوں کے طور پر ہو رہے تھے۔ **فائدہ:** مشہور قول کے موافق ہجرت کے بعد حضور اکرم ﷺ کی مکہ مکرمہ میں تشریف آوری چار مرتبہ ہوئی اول عمرہ القضا میں جو سنہ سات ہجری میں تھا، پھر فتح مکہ میں سنہ آٹھ ہجری، پھر اسی سفر میں عمرہ الجبرائتہ کے لئے، پھر سنہ دس ہجری میں حج کے لئے۔ یہ تشریف آوری جس کا اس حدیث شریف میں ذکر ہے بیجوری کے قول کے موافق فتح مکہ کے وقت ہوئی اور یہی مظاہر حق میں لکھا ہے، بعض علماء نے اور اوقات بھی تحریر فرمائے ہیں۔ مردوں کے لئے عورتوں کی طرح سے مینڈھیاں مکروہ ہیں۔ اس حدیث میں مینڈھیوں سے وہی مراد لی جائے جس میں تشبیہ نہ ہو کہ تشبیہ کی حضور نے خود ہی ممانعت فرمائی ہے۔

(۶) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے بال نصف کانوں تک ہوتے تھے۔

حدثنا سُوَيْد بن نصر، أخبرنا عبد الله بن المبارك، عن يونس بن يزيد، عن الزهري، أخبرنا عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن عبد الله، **عن** ^(٧) ابن عباس **رضي الله عنهما** أن رسول الله ﷺ كان يسدل شعره، وكان المشركون يفرقون رؤوسهم، وكان أهل الكتاب يسدلون رؤوسهم، وكان يحب موافقة أهل الكتب فيما لم يؤمر فيه بشيء، ثم فرق رسول الله ﷺ رأسه. **حدثنا** محمد بن بشار، أخبرنا عبد الرحمن بن مهدي، عن إبراهيم بن نافع المكي، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد، **عن** ^(٨) أم هانئ **رضي الله عنها** قالت: رأيت رسول الله ﷺ ذا ضفائر أربع.

(۷) حضرت ابن عباس **رضي الله عنهما** فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اولاً بالوں کو بغیر مانگ نکالے دیے ہی چھوڑ دیا کرتے تھے، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ مشرکین مانگ نکالا کرتے تھے اور اہل کتاب نہیں نکالتے تھے۔ حضور اقدس **صلی اللہ علیہ وسلم** ابتداءً اُن امور میں جن میں کوئی حکم نازل نہیں ہوتا تھا اہل کتاب کی موافقت کو پسند فرماتے تھے، لیکن اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا اس لئے حضور اقدس **صلی اللہ علیہ وسلم** مخالفت اہل کتاب فرمانے لگے۔

(۸) ام ہانی **رضی اللہ عنہا** فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اکرم **صلی اللہ علیہ وسلم** کو چار گیسوؤں والا دیکھا۔ **فائدہ:** بظاہر یہ حدیث وہی حدیث ہے جو پہلے گزر چکی ہے۔

يسدل [يرسل شعره حول رأسه، وقيل: على الحين]. [يحب قيل: كان ذلك لتمسك أولئك بقايا شرائع الرُّسُل، وهؤلاء وثبوت لا مستند لهم إلا ما وجدوا عليه آباءهم، وقيل: كان ذلك ابتلاءاً لقلوبهم كما تألَّهُم باستئصال قبلتهم لئلا غلبت عليهم الشقوة؛ فكما ارداد تأليفاً اردادوا بصراً، وقال بعضهم: إن تلك المحبة كانت قبل اشتجار الإسلام وقوته، فلما فتحت مكة واستقر الأمر أحب مخالفتهم وأمر بمخالفتهم، كما في صبيغ الشيب، وصوم السبت وعاشوراء، وغير ذلك من الأحكام. **فرق:** [أي: ألقى شعره إلى جانب رأسه] قالوا: الفرق سعة؛ لأنه الذي رجع إليه رسول الله ﷺ، والظاهر أنه رجع بوحى؛ لقوله: 'ما لم يؤمر' وقال القاضي عياض: سح السدر فلا يحور فعله، قال: ويحتمل حوار الفرق لا وحوبه. قال ابن حجر: والذي يتجه أن حمل حوار السدل حيث لم يقصد به التشبه بالنساء، وإلا حرم من غير نزاع، ويؤيد حوار السدل ما روي أن من الصحابة من يسدل، ومنهم من يفرق، ولم يُعْب بعضهم على بعض، فهو كان الفرق واجباً لما سدلوا، وقال القرطبي: إنه مستحب، وهو قول مالك والجمهور. قاله القاري.

باب ما جاء في ترجل رسول الله ﷺ

حدثنا إسحاق بن موسى الأنصاري، حدثنا معن بن عيسى، حدثنا مالك بن أنس، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كنت أرجلُ رأس رسول الله ﷺ وأنا حائض. حدثنا يوسف بن عيسى، أخبرنا وكيع، أخبرنا الربيع بن صبيح الرجل، عن يزيد بن أبان هو الرقاشي، عن أنس بن مالك قال: كان رسول الله ﷺ يكثر دهن رأسه وتسريح لحيته،

باب حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھا کرنے کا بیان

فائدہ۔ بالوں میں کنگھا کرنا مستحب ہے، حضور ﷺ نے اس کی ترغیب بھی فرمائی ہے اور خود بھی اپنے بالوں میں کنگھا کیا کرتے تھے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی حالانکہ میں حائض ہوتی تھی۔ **فائدہ:** اس حدیث سے علماء نے یہ مسئلہ ثابت فرمایا ہے کہ حائضہ کو حالت حیض میں مرد کی خدمت کرنا جائز ہے، حیض سے اس میں کوئی کمی نہیں آتی، صحبت وغیرہ البتہ ناجائز ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے سر مبارک پر اکثر تیل کا استعمال فرماتے تھے، اور اپنی داڑھی مبارک میں اکثر کنگھی کیا کرتے تھے، اور اپنے سر مبارک پر ایک کپڑا ڈال لیا کرتے تھے جو تیل کے کثرت استعمال سے ایسا ہوتا تھا جیسے تیلی کا کپڑا ہو۔

ترجل: الترحيل: تسريح الشعر ونحسيه كما في النهاية، وفي المشارق: رجل شعره إذا مشطه ماء أو دهن يلبس، ويرسل الثائر ويمد المنقبص. قال الحفاظ ابن حجر نقلا عن ابن بطلان: هو من باب الطافة، وقد دبدب الشارع إليه بقوله: الطافة من الدين، وقال تعالى: سورة الأعراف: ۳۱ ولأن الطاهر عبود الباطن. ان يفتح الفمرة وتخفيف الموحدة كسحاب، وقيل: بكسر الأول وتشديد الثاني، غير منصرف عند الأكثر، وصرفه بعضهم حتى قال: من لم يصرف "أبان" فهو أتان. **الرفسي** بفتح الراء وحقة قاف وشين معجمه، نسبة إلى رقاش بست صيغة، كذا في المعني فانه القاري، وقال الماوي: نسبة إلى بست قيس بن ثعلبة بن عكاية، أو إلى أولادها. **دهن رأسه** [أي: يكثر دهن رأسه بالترتيد]

ويكثر القناع حتى كان ثوبه ثوب زيات. **حدثنا** هناد بن السري، أخبرنا أبو الأحوص، عن أشعث بن أبي الشعثاء، عن أبيه، عن مسروق، **عن** عائشة رضي الله عنها قالت: إن كان رسول الله ﷺ ليحب التيمن في طهوره إذا تطهر، وفي ترحله إذا ترحل، وفي انتعاله إذا انتعل. **حدثنا** محمد بن بشار، أخبرنا يحيى بن سعيد، عن هشام بن حسان، عن الحسن البصري، الأصمعي

فائدہ: یعنی تیل سے چونکہ کپڑے خراب ہو جاتے ہیں جو حضور انور ﷺ کی نظافت کے خلاف ہے اس لئے اس کی حفاظت کیلئے حضور ﷺ ایک کپڑا سر پر ڈال لیتے تھے تاکہ عمامہ وغیرہ خراب نہ ہو۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ اپنے وضو کرنے میں، کنگھی کرنے میں، جوتا پہننے میں (غرض ہر امر میں) دائیں کو مقدم رکھتے تھے، یعنی پہلے دائیں جانب کنگھا کرتے پھر بائیں جانب۔ **فائدہ:** ان تین چیزوں کی جو حدیث میں ذکر کی گئی ہیں کچھ قید نہیں، بلکہ حضور اقدس ﷺ ہر چیز کو دائیں سے ابتدا کرنا پسند فرماتے تھے اسی وجہ سے ترجمہ میں ہر چیز کا اضافہ کر دیا۔ اور اس کا اصل قاعدہ یہ ہے کہ: جس چیز کا وجود زینت اور شرافت ہے اس کے پہننے میں دایاں مقدم ہوتا ہے جیسے کپڑا، جوتا اور نکالنے میں بایاں مقدم۔ اور جس چیز کا وجود زینت نہیں اس کے کرنے میں بایاں مقدم کرنا چاہئے جیسے بیت الحلا جانا کہ اس میں جاتے وقت بایاں پاؤں مقدم ہونا چاہئے اور نکلتے وقت دایاں، برخلاف مسجد کے کہ اس کا قیام شرافت اور بزرگی ہے اس لئے مسجد میں داخل ہوتے وقت دایاں پاؤں اول داخل کرنا چاہئے اور نکلتے وقت بایاں پاؤں اول نکالنا چاہئے۔

الصاع [خرقة توضع على الرأس حين استعمال الدهن؛ تنقي العمامة منه.] ثوبه المراد بذاك الثوب القناع، لا مطلق الثوب، فلا يافي نظافته **۱۵** وقال اجري: الربيع بن صبيح كان عابداً لكنه ضعيف في الحديث، وقال ابن حبان: كان عابداً، ولم يكن الحديث من صاعته، فوقع في حديثه المساكير، قيل: ومن مناكيره في هذا الحديث. كان ثوبه ثوب زيات، لكن قال القاري والمساوي: له شواهد، وذكرنا شواهد بعدة طرق. أبو الأحوص خاء وصاد مهملتين، قيل: اسمه عون بن مالک، والمشهور سلام بن سليم بتخفيف اللام في الأول والتصغير في الثاني كما صطه القاري، قال المساوي: سلام ككلام. ان كان محمقة من الثقيلة؛ بدليل اللام الفارقة بين المحففة والنافية، وضمير الشأن بعدها محذوف. **حسان** صيغة مفاعلة من الحسن فيصرف؛ لأن بونه حيثنؤ أصلية، فان كان من الحسن بتشديد السين فلا يصرف؛ للعلمية وريادة الألف والون، ونظيره ما قيل لبعض: انصرف عما؟ قال: نعم إن هجوته، لا إن مدحتَه، يعني لأنه على الأول من العموة، وعلى الثاني من العفة.

عن عبد الله بن مغفل رضي الله عنه قال: عن معجمه هي رسول الله ﷺ عن الترجل عن معجمه إلا غيباً. **حدثنا الحسن بن عرفة قال:** عن معجمه حدثنا عبد السلام بن حرب، عن يزيد بن أبي خالد، عن أبي العلاء الأودي، عن معجمه عن حميد بن عبد الرحمن، عن رجل من أصحاب النبي ﷺ، أن النبي ﷺ كان يترجل غيباً.

(۴) عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کنگھی کرنے کو منع فرماتے تھے مگر گاہے گاہے۔

فائدہ: قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گاہے گاہے سے مراد تیسرا دن ہے۔ ابو داؤد شریف میں ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ سے بھی روزانہ کنگھا کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ ممانعت جب ہے جب کوئی ضرورت اس کی مقتضی نہ ہو، ورنہ کچھ مضائقہ نہیں ہے۔

(۵) حمید بن عبد الرحمن ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ حضور ﷺ گاہے گاہے کنگھی کیا کرتے تھے۔

إلا غيباً معجمة مكسورة وموحدة مشددة، ورود الإبل الماء يوماً وتركه يوماً، ثم استعمن في فعل الشيء حياء وتركه حياء، والمراد هي دوام التمريح قال ابن العربي: مولاته تصنع، وتركه تدنس، وإعدبه سة
عن رجل م يسم، وإهام الصحابي لا يصرّ عدائهم. واحتف في اسمه فقبل: هو الحکم بن عمرو، وقيل: عبد الله بن سرجس، وقيل: عبد الله بن مغفل.

باب ما جاء في شيب رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن بشار، أخبرنا أبو داود، أخبرنا همام، عن قتادة قال: قلت لأنس بن مالك: هل خضب رسول الله ﷺ؟ قال: لم يبلغ ذلك، إنما كان شيباً في صدغيه، ولكن أبو بكر

خضب بالحناء والكتم.
بكر المهمة وتشديد البول

باب حضور اقدس ﷺ کے سفید بال آجانے کا ذکر

فائدہ: اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ خضاب کیا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہ پہنچی تھی کہ خضاب کی نوبت آتی۔ سفیدی حضور اقدس ﷺ کے صرف دونوں کنپٹیوں میں تھوڑی سی تھی البتہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حنا اور کتم سے خضاب فرمایا کرتے تھے۔ فائدہ: کتم ایک گھاس ہے جس سے خضاب کیا جاتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سیاہ ہوتا ہے اور مہندی کے ساتھ ملا کر سُرخ ہوتا ہے، اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ صرف کتم کا خضاب سبز ہوتا ہے اور مہندی کے ساتھ ملا کر مکمل بسیاہی ہو جاتا ہے۔

شيب الخ هو ايصاص الشعر المسود كما في المصباح، ويطبق على يباص الشعر والشرع الأبيض أيضاً. قال البيهقي: ثنا سنان: إنما أحره عن الترجل؛ لأن الترجل عمل يقتدى به فيه خلاف الشيب، وقدم الشعر عليهما؛ لأهما من عوارص الشعر. أبو داود الطيالسي، ومام هاء مفتوحة ثم ميم مشددة، ابن يحيى العوذلي. هل خضب: [أي: هل غير بياض رأسه وخيته ولونه بالحناء ونحوه؟ الخضب كالخضاب بمعنى: تلوين الشعر بحمرة]. صدغيه: [تثنية صدغ، وهو ما بين الحائط العين إلى أصل الأذن، ويسمى الشعر الذي تدلى على هذا الموضع.

والكتم. قال القاري: بفتحين، والتاء مخففة، وقال أبو عبيد: تشديد التاء، والمشهور التخفيف. واحتملوا في تفسيره: معي بعض كتب اللعة: هو ورق يشبه ورق الأس يصنع به، وفي المهدب: هو الوسمة، وفي الصحاح: هو ست يخلط مع الوسمة ليعضاب، وفي النهاية: يشبه أن يكون معنى الحديث: خضب بكل منهما منفرداً عن الآخر، فإن الخضاب بمما يجعل الشعر أسود، وقد صح النهي عن السواد، قالوا معنى أو. وقال العسقلاني: الكتم الصرف يوجب سواداً مائلاً إلى الحمرة، والحناء توجب الحمرة، فاستعملهما يوجب ما بين السواد والحمرة، قالوا: وعلى أصله، وفي المغرب عن الأزهري: الكتم: نت فيه حمرة، ومنه حديث أبي بكر رضی اللہ عنہ: كان يحضب بالحناء والكتم، وقد جرب الحناء والكتم جميعاً فلم يسود، بل يغير صفرة الحناء وحمرة إلى الخضرة.

حدثنا إسحاق بن منصور ويحيى بن موسى قالاً: حدثنا عبد الرزاق، عن معمر، عن ثابت، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: ما عدّدتُ في رأس رسول الله ﷺ ولحيته إلا أربع عشرة شعرة بيضاء. **حدثنا** محمد بن المثنى، أخبرنا أبو داود، أخبرنا شعبة، عن سمالك بن حرب قال: **سمعت** جابر بن سمره (۳) يسأل عن شيب رسول الله ﷺ.

بسم الله الرحمن الرحيم

ملاحظی قاری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ غلبہ کا اعتبار ہوتا ہے، اگر غلبہ کتم کا ہوتا ہے تو خضاب سیاہ ہو جاتا ہے اور اگر غلبہ مہندی کا ہوتا ہے تو سُرخ۔ الغرض خضاب دونوں سے جائز ہے مگر سیاہ نہیں ہونا چاہئے اس لئے کہ سیاہ خضاب کی ممانعت احادیث سے ثابت ہے۔ (۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے سر مبارک اور داڑھی شریف میں چودہ سے زائد سفید بال نہیں گنے۔ **فائدہ:** حضور ﷺ کے سفید بال بہت ہی کم تھے لیکن ان کی تعداد میں اختلاف ہے، اس روایت سے چودہ معلوم ہوتے ہیں، بعض روایات سے سترہ، اٹھارہ اور بعض سے تقریباً بیس معلوم ہوتے ہیں۔ یہ کچھ ایسا اختلاف نہیں مختلف زمانوں پر بھی محمول ہو سکتی ہیں اور گننے کے فرق پر بھی حمل کی جاسکتی ہیں۔ سفید بالوں کی قلت سب میں مقصود ہے۔

(۳) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے حضور اقدس ﷺ کے سفید بالوں کے بارے میں سوال کیا تو انھوں نے فرمایا کہ جب حضور اقدس ﷺ تیل کا استعمال فرماتے تھے تو وہ محسوس نہیں ہوتے تھے ورنہ کچھ سفیدی کہیں کہیں محسوس ہوتی تھی۔ **فائدہ:** تیل کے استعمال کے وقت میں چونکہ سب بال چمکنے لگتے تھے اس لئے بالوں کی سفیدی تیل کی چمک میں غلوٹ ہو جاتی تھی، یا اس وجہ سے کہ تیل کی وجہ سے بال جم جاتے تھے تو سفید بال اپنی قلت کی وجہ سے مستور ہو جاتے تھے، اور جب تیل لگا ہوا نہیں ہوتا تھا تو وہ منتشر ہونے کی وجہ سے ظاہر ہو جاتے تھے۔

أربع عشرة بفتح الحرفين لسركيب، واشين ساكبة، قال الحففي: هذا لا ينافي ما صدر عنه في صدر اكتاب: يس في رأسه ولحيته عشرون شعرة بيضاء؛ لأن هذا السب عام، قال لماوي: ولا ينافي حديث من عمر الانبي ائاما كان شبيه نوحاً من عشرين؛ لأن الأربع عشرة حواً من العشرين؛ لكونها أكثر من نصفها، نعم روى البيهقي عن أنس نفسه: ما كان في رأسه ولحيته إلا سبع عشرة أو ثمان عشرة شعرة بيضاء، وجمع باختلاف الأرقام، وأن الأول إحسان عن عده، والثاني إخبار عن الواقع.

فقال: كان إذا دهن رأسه لم يُر منه شيب، وإذا لم يدهن رُئي منه. **حدثنا** محمد بن عمر بن الوليد ^{مصارعه بأخر كات الثلاث} الكندي الكوفي، أخبرنا يحيى بن آدم، عن شريك، عن عبيد الله بن عمر، عن نافع، ^(۴) عن ابن عمر ^{بن عبد الله بن أبي شريك} قال: إنما كان شيب رسول الله ﷺ ^{بن جعفر بن عاصم بن عمر بن خطاب} نحواً من عشرين شعرة بيضاء. **حدثنا** أبو كريب محمد بن العلاء، أخبرنا معاوية بن هشام، عن شيبان، عن أبي إسحاق، عن عكرمة، ^{مصدق} عن ابن عباس ^{رضي الله عنه} **فائدہ:** یہ پہلے گزر چکا کہ یہ روایت

(۴) ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔ **فائدہ:** یہ پہلے گزر چکا کہ یہ روایت اوروں کے کچھ خلاف نہیں۔

(۵) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ بوڑھے ہو گئے (اس کی کیا وجہ؟ حالانکہ آپ کا اعتدال اس کا مقتضی تھا کہ آپ جوان ہی رہتے، یا آپ کی عمر شریف کا مقتضی یہ تھا کہ آپ اس وقت تک جوان ہوتے) حضور نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۃ ہود، سورۃ واقعہ، سورۃ مرسلات، سورۃ عم یسئاء لون، سورۃ اذا الشمس کورت، ان سورتوں نے بوڑھا بنا دیا۔ **فائدہ:** ان سورتوں کی قید نہیں، ان کے علاوہ سورۃ حاقہ، سورۃ قارعہ، سورۃ غاشیہ وغیرہ کا بھی ذکر آیا ہے۔ مقصود وہ سب سورتیں ہیں جن میں دہشت اثر امور کا ذکر ہے۔ جیسے قیامت، جہنم، صور، شقی لوگوں کا انجام وغیرہ وغیرہ۔ اسی لئے ایک حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو امور میں جانتا ہوں اگر تمہیں معلوم ہو جاتے تو ہنسنا بہت ہی کم کر دیتے اور اکثر اوقات روتے رہا کرتے، حتیٰ کہ بیبیوں کے پاس جانا بھی چھوڑ دیتے۔ (او کما قال)

دهن قال المناوي عن الفسطلاني: كذا وقع في أصل سماعة من الثلاثي المجرد، وكذا قونه: لم يدهن. وفي بعض النسخ: دهن من الافتعال، وعنى التقديرين يكون رأسه مفعولاً، لكن في المعرب: دهن رأسه إذا صلاه بالدهن، وادهن من غير ذكر المفعول، وادهن شاربه خطأ. وأطال الكلام فيه القاري في جمع الوسائل. لم يرمه قال القاري والمناوي وغيرهما: لم يرمه؛ لاتناس بياضه بلمعان الشعر من الدهن، والأوجه عندي ما قال الطيبي: إنه عند الادهاان كان يجمع شعره، ويصم بعضه إلى بعض، وكانت الشعرات البيض من قنتها لا تبين، فإذا شعث رأسه ظهرت.

الكندي بكسر الكاف نسبة لكندة، محلة بالكوفة، لا القبيلة كما توهم. قاله البيهقوري تبعاً للمناوي. قنت: قال اسمعاني في الأنساب: نسبة إلى كندة قبيلة مشهورة باليمن، وعد منها رجالا ليس هذا منه، وقال القاري: منسوب إلى كندة: قبيلة من قبائل العرب، ومحلة بالكوفة.

قال: قال أبو بكر: يا رسول الله! قد شبت، قال: "شيتني هود، والواقعة، والمرسلات، وعم يتساءلون، وإذا الشمس كورت". **حدثنا** سفیان بن وکیع، أخبرنا محمد بن بشر، عن علي بن صالح، عن أبي إسحاق، **عن** **أبي جحيفة** قال: قالوا: يا رسول الله! نراك قد شبت. قال: شيتني هود وأخواها. **حدثنا** علي بن حجر، أنبأنا شعيب بن صفوان، **عن** عبد الملك بن عمير،

شرح سنۃ میں لکھا ہے کہ ایک صاحب کو حضور ﷺ کی خواب میں زیارت ہوئی، انھوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! مجھے یہ حدیث پہنچی کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا بنا دیا، کیا بات ہے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا اس میں ایک آیت ہے، ہود (ثوری) یعنی دین پر ایسے مستقیم رہو جیسا کہ حکم ہے، اور ظاہر ہے کہ حکم کے موافق پوری استقامت بہت ہی مشکل امر ہے۔ اسی لئے صوفیاء نے لکھا ہے کہ استقامت ہزار کرامتوں سے افضل ہے۔

(۶) ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، لوگوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ پر کچھ ضعیف وغیرہ اثر بڑھاپے کا محسوس ہونے لگا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے سورۃ ہود جیسی سورتوں نے ضعیف کر دیا۔ **فائدہ:** ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ دولت کدہ سے تشریف لارہے تھے اور داڑھی مبارک پر ہاتھ پھیر رہے تھے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ پر قربان، کس قدر جدی آپ پر بڑھاپا آگیا اور یہ کہہ کر رونے لگے، آنسو جاری ہو رہے تھے۔

قد شبت [أي: قد طهر فيك الشيب، ومراده: السوا من السبب المقتضي شيب، مع أن مرجه اعتدت فيه الطباع، وعتداها يستلزم عدم اشيب] كسر الشين المعجمة وسكون الموحدة وتاء حصب، أي: طهر فيك آثار اشيب من النقص وضعف البدن قبل أوامه، وهو لا ينافي ما سبق من هي اشيب؛ لأن القصد منه نفي احتياجه إلى احصاء. **سنن** النسبة محاربة؛ لكونها مسا من ناب: أمت الربيع النفل، والمعنى: ما في هذه السور من أحوال القيامة وأهواها. قال التوريشي: يريد أن اهتمامي بما في هذه السور من أهوا يوم القيامة ومثلات الوار بالأمم السابقة أحد مي ما أحده حتى شبت قبل أوام اشيب، قل اسواي: راد الصبراني في رواية: واحاقه، وزاد اس مردويه في أخرى: وهل أثار حديث الغاشية، راد اس سعيد في أخرى: والقارعة، وسأل سائل، وفي أخرى: وقترت اساعة **أبي جحيفة** يضم حيم ثم جاء مهملة مصعراً هو وهب السواي، يحبه علي ۛ وجعله على بيت المال وسماه وهب الخير.

عن إِيَادِ بْنِ لَقِيطِ الْعَجَلِيِّ، عَنْ أَبِي رَمْثَةَ التَّمِيمِيِّ - تِيمِ الرِّبَابِ - قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَمَعِيَ ابْنُ لِي،

حضور نے فرمایا سورۃ ہود جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ زَمْشَرِی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں میں نے ایک کتاب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص شام کے وقت بالکل سیاہ بال جوان تھا، ایک ہی رات میں بالکل سفید ہو گیا، لوگوں نے پوچھا تو اس نے کہا کہ میں نے رات قیامت کا منظر دیکھا ہے کہ لوگ زنجیروں سے کھینچ کر جہنم میں ڈالے جا رہے ہیں، اس کی دہشت مجھ پر کچھ ایسی غالب ہوئی کہ اس نے ایک ہی رات میں مجھے اس حالت پر پہنچا دیا۔ اللہ اکبر۔

(۷) ابورمہ تیمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے بیٹے کو ساتھ لئے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لوگوں نے مجھے حضور ﷺ کا بتلایا (کہ یہ تشریف فرما ہیں، غالباً یہ پہلے سے پہچانتے نہ ہو گئے) میں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو مجھے معایہ کہنا پڑا کہ واقعی یہ اللہ کے سچے نبی ہیں، اس وقت حضور نے دو سبز کپڑے پہن رکھے تھے (یعنی حضور کی لنگی بھی سبز تھی اور چادر بھی سبز) اور آپ کے چند بالوں پر کچھ بڑھاپے کے آثار غالب ہو گئے تھے لیکن وہ بال سرخ تھے۔ **فائدہ:** چہرہ انور پر جو آثار ہیبت و وقار اور انوارِ نبوت تھے ان کو دیکھ کر بے اختیار آدمی کی زبان سے اس قسم کے الفاظ نکل جاتے تھے کہ بیشک یہ اللہ کے رسول ہیں، بلاشبہ یہ شخص جھوٹا نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ۔

إِيَادُ بَكْسَرِ الْهَمْرَةِ وَتَخْفِيفِ الْمَشَاةِ التَّحْتِيَةِ ثُمَّ دَالٍ مَهْمَةً، وَلَقِيطُ بَفَتْحِ الْلامِ وَكَسْرِ الْقَافِ كَدِيمٍ، وَأَحْرَجَهُ الْمَصْفُ فِي حَامِعِهِ رَوَايَةَ عُبَيْدِ اللَّهِ عَنْ إِيَادٍ وَقَالَ: غَرِيبٌ، لَا يَعْرِفُهُ إِلَّا مَنْ حَدِيثَ عُبَيْدِ اللَّهِ. تِيمِ الرِّبَابِ مَصُوبٌ بِتَقْدِيرٍ: أَعْي، وَقَالَ الْقَارِي: مَجْرُورٌ فِي أَصْلِ سَمَاعٍ، وَاحْتَرَبَ بِهِ عَنْ تِيمِ قَرِيشِ قَبِيلَةٍ مِنْ بَكْرِ. وَالرِّبَابُ. بَكْسَرُ الرِّاءِ وَتَخْفِيفُ الْمُوَحَّدَتَيْنِ، وَصِطَّةُ الْخَافِطِ فِي شَرْحِ الْبَحَارِيِّ بَفَتْحِ الرِّاءِ، وَهُمْ خَمْسُ قَائِلٍ: دُبَّةٌ، وَثُورٌ، وَعُكْلٌ، وَنِيمٌ، وَعَدِي، غَمَسُوا أَيْدِيَهُمْ فِي رَبِّ، وَهُوَ ثَقُلَ السَّمَنِ، وَتَحَالَفُوا عَلَيْهَا فَصَارُوا يَدًا وَاحِدَةً.

اس لي۔ اضطربت روايات أبي رمثة في أن إتيانه عند النبي ﷺ كان مع أبيه كما في رواية الشمال، أو مع أبيه كما في روايات أبي داود؛ يد روي عنه قال: انطلقت مع أبي نحو النبي ﷺ فإذا هو ذو وفرة، بها ردع حاء، وعليه بردان أحصران، وفي رواية: قال له أبي: أربي هذا الذي بظهرك فإني رجل صيب، وفي أخرى: قال له ﷺ من هذا؟ قال: انبي قال: لا يحني عليك ولا تحني عليه. وبكلا السياقين أخرج أحمد بطرق عديدة، في بعضها: أن الكلام في الطب والوند كنه كان مع والد أبي رمثة، وفي أخرى: أنه كان مع أبي رمثة بنفسه، ووجه القاري في جمع الوسائل بالعدد، إذا كان والظاهر المعبرة بينهما بأن رواية الترمذي تكون عن الأب ورواية أبي داود والسائي عن الابن، وحديث لا تنافي بينهما. ويؤيد ذلك أن في بعض الروايات إتيانه ممكة، وفي أخرى بالمدية، لكن يأباه اتحاد ألفاظ الروايتين، فتأمل.

قال: فأرَيْتَهُ، فقلت لَمَّا رَأَيْتَهُ: هذا نبيُّ الله، وعليه ثوبان أخضران، وله شعر، وقد علاه الشيب،
 وشبهه أحمراً. **حدثنا** أحمد بن منيع، أخبرنا سُرَيْج بن النعمان، أخبرنا حماد بن سلمة، **عن** سَمَاك
 بن حَرْب قال: قيل لجابر بن سَمُرَةَ: ^(۸) أما كان في رأس رسول الله ﷺ شيب؟ قال: لم يكن في
 رأس رسول الله ﷺ شيب إلا شعرات في مفرق رأسه، إذا اذهن وَاَرَاهُنَ الذَّهْنَ.
 من المواراة: وهو الإسفاء

متعدد حضرات صحابہ سے اس قسم کے الفاظ ابتدائی نظر میں حدیث کی کتابوں میں نقل کیے گئے ہیں۔ حدیث بالا میں حضور
 اقدس ﷺ کے سرخ بالوں کا بھی ذکر ہے۔ اس میں عمامہ کا اختلاف ہے کہ حضور ﷺ نے خضاب فرمایا یا نہیں۔ بعض خضاب
 کے قائل ہیں، وہ اس سرخی کو خضاب پر محمول فرماتے ہیں اور بعض لوگ قائل نہیں وہ فرماتے ہیں کہ بال جب سفید ہوتا ہے تو
 اکثر مرتبہ اول سرخ ہوتا ہے، یہ سرخی اصلی تھی خضاب کی نہیں تھی۔ خضاب کا بیان مستقل دوسرے باب میں آنے والا ہے۔
 (۸) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ کے سر مبارک میں سفید بال تھے؟ انھوں نے کہا کہ صرف چند
 بال مانگ پر تھے جو تیل لگانے کی حالت میں ظاہر نہیں ہوتے تھے۔ **فائدہ**۔ یہ روایت بظاہر اس روایت کے کچھ خلاف
 ہے جو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے شروع باب میں گزری ہے۔ لیکن کوئی ایسا اشکال نہیں اس لئے کہ وہ دو چار بال مانگ میں
 تھے جو بالوں میں مستور ہو جاتے تھے اور تیل نہ ملنے کے وقت ظاہر ہوتے تھے۔ اس لئے اگر کسی روایت میں ان کا ذکر نہ
 ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔

فارسہ بالنساء للمجهول أي: أراي وعرفي بعض الحاضرين رسول الله ﷺ. ويحتمل أن يكون بالنساء لماعل، أي أريت أي
 رسول الله ﷺ، والأو أوجه. **وسيد أحمراً** [أي. والشعر الأبيض منه مصوغ بالحمرة ساء على ثوب خضاب منه
 ويحتمل أن المراد: أن شعره الأبيض يحالطه حمرة في أطرافه، لأن العادة أن الشعر إذا قرب شبه أحمراً ثم ابيض.]

باب ما جاء في خضاب رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، أخبرنا هشيم، أخبرنا عبد الملك بن عُمير، عن إِيَاد بن لَقِيط قال: أخبرني أبو رَمَثَةَ قال: أتيت رسول الله ﷺ مع ابن لي فقال: ابنك هذا؟ فقلت: نَعَمْ، اشهد به. قال: لا يَجْنِي عليك، ولا تجني عليه، قال: وَرَأَيْتَ الشَّيْبَ أَحْمَر.

باب حضور اقدس ﷺ کے خضاب فرمانے کا ذکر

فائدہ: اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں سے چار حدیثیں اس باب میں ذکر فرمائی ہیں۔ ان ہی روایات مختلفہ کی بناء پر علماء میں بھی اختلاف ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے خضاب فرمایا یا نہیں۔ اکثر حضرات کے نزدیک امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا میلان خضاب نہ کرنے کی طرف ہے، خفیہ بھی اسی طرف مائل ہیں، چنانچہ دَرِّمَقَار میں اس کی تصریح کی ہے کہ حضور ﷺ کا خضاب نہ کرنا زیادہ صحیح ہے اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی یہی وجہ تلافی ہے کہ حضور ﷺ کی داڑھی اور سر مبارک میں بخاری وغیرہ کی روایت کے موافق سترہ بال سفید تھے۔ اور بخاری شافعی شارح شامی اس کے قائل ہوئے ہیں کہ حضور ﷺ نے کبھی کبھی خضاب فرمایا اور اکثر نہیں کیا۔

حساب مصدر معنی التنويع كما في عامة الشروح. ورعم ابن حجر أنه بعيد، واستقر قول القاموس: الحصاب ككتاب، ما يحضب به، أي: يلون به، وليس كما رعم؛ إذ المبوب به إنما هو بيان تنويع شعره، لا بيان عین ما يلو به؛ لأنه ليس فيه إلا حديث واحد ومعظم ما في الباب الأول. اشهد به قال ميرك: يروى بصيغة الأمر من الثلاثي الجرد، أي: كن شاهداً على اعترافي بأنه أبي، وفي بعض النسخ بصيغة المتكلم من الجرد أيضاً، أي: أعترف بذلك، قال القاري: فقول الحمي: روي على صيغة المضارع وعلى صيغة الأمر أيضاً بناء على رعمه أو عني وهمه من عدم الفرق بين الرواية والنسخة، والعجب أنه قدم النسخة على الرواية. قس: وعامة من ضبط من شراح الحديث بصيغة الأمر.

لا عني عليك ولا تحي عليه [أي: بل جانيته عليه وجانيتك عليك، ولا تواحد بدنه ولا يواحد هو بدنتك؛ لأن الشرع أبطل قاعدة الجاهلية، قال تعالى: ۱۰۵: ۱۰۶: ۱۰۷: ۱۰۸: ۱۰۹: ۱۱۰: ۱۱۱: ۱۱۲: ۱۱۳: ۱۱۴: ۱۱۵: ۱۱۶: ۱۱۷: ۱۱۸: ۱۱۹: ۱۲۰: ۱۲۱: ۱۲۲: ۱۲۳: ۱۲۴: ۱۲۵: ۱۲۶: ۱۲۷: ۱۲۸: ۱۲۹: ۱۳۰: ۱۳۱: ۱۳۲: ۱۳۳: ۱۳۴: ۱۳۵: ۱۳۶: ۱۳۷: ۱۳۸: ۱۳۹: ۱۴۰: ۱۴۱: ۱۴۲: ۱۴۳: ۱۴۴: ۱۴۵: ۱۴۶: ۱۴۷: ۱۴۸: ۱۴۹: ۱۵۰: ۱۵۱: ۱۵۲: ۱۵۳: ۱۵۴: ۱۵۵: ۱۵۶: ۱۵۷: ۱۵۸: ۱۵۹: ۱۶۰: ۱۶۱: ۱۶۲: ۱۶۳: ۱۶۴: ۱۶۵: ۱۶۶: ۱۶۷: ۱۶۸: ۱۶۹: ۱۷۰: ۱۷۱: ۱۷۲: ۱۷۳: ۱۷۴: ۱۷۵: ۱۷۶: ۱۷۷: ۱۷۸: ۱۷۹: ۱۸۰: ۱۸۱: ۱۸۲: ۱۸۳: ۱۸۴: ۱۸۵: ۱۸۶: ۱۸۷: ۱۸۸: ۱۸۹: ۱۹۰: ۱۹۱: ۱۹۲: ۱۹۳: ۱۹۴: ۱۹۵: ۱۹۶: ۱۹۷: ۱۹۸: ۱۹۹: ۲۰۰: ۲۰۱: ۲۰۲: ۲۰۳: ۲۰۴: ۲۰۵: ۲۰۶: ۲۰۷: ۲۰۸: ۲۰۹: ۲۱۰: ۲۱۱: ۲۱۲: ۲۱۳: ۲۱۴: ۲۱۵: ۲۱۶: ۲۱۷: ۲۱۸: ۲۱۹: ۲۲۰: ۲۲۱: ۲۲۲: ۲۲۳: ۲۲۴: ۲۲۵: ۲۲۶: ۲۲۷: ۲۲۸: ۲۲۹: ۲۳۰: ۲۳۱: ۲۳۲: ۲۳۳: ۲۳۴: ۲۳۵: ۲۳۶: ۲۳۷: ۲۳۸: ۲۳۹: ۲۴۰: ۲۴۱: ۲۴۲: ۲۴۳: ۲۴۴: ۲۴۵: ۲۴۶: ۲۴۷: ۲۴۸: ۲۴۹: ۲۵۰: ۲۵۱: ۲۵۲: ۲۵۳: ۲۵۴: ۲۵۵: ۲۵۶: ۲۵۷: ۲۵۸: ۲۵۹: ۲۶۰: ۲۶۱: ۲۶۲: ۲۶۳: ۲۶۴: ۲۶۵: ۲۶۶: ۲۶۷: ۲۶۸: ۲۶۹: ۲۷۰: ۲۷۱: ۲۷۲: ۲۷۳: ۲۷۴: ۲۷۵: ۲۷۶: ۲۷۷: ۲۷۸: ۲۷۹: ۲۸۰: ۲۸۱: ۲۸۲: ۲۸۳: ۲۸۴: ۲۸۵: ۲۸۶: ۲۸۷: ۲۸۸: ۲۸۹: ۲۹۰: ۲۹۱: ۲۹۲: ۲۹۳: ۲۹۴: ۲۹۵: ۲۹۶: ۲۹۷: ۲۹۸: ۲۹۹: ۳۰۰: ۳۰۱: ۳۰۲: ۳۰۳: ۳۰۴: ۳۰۵: ۳۰۶: ۳۰۷: ۳۰۸: ۳۰۹: ۳۱۰: ۳۱۱: ۳۱۲: ۳۱۳: ۳۱۴: ۳۱۵: ۳۱۶: ۳۱۷: ۳۱۸: ۳۱۹: ۳۲۰: ۳۲۱: ۳۲۲: ۳۲۳: ۳۲۴: ۳۲۵: ۳۲۶: ۳۲۷: ۳۲۸: ۳۲۹: ۳۳۰: ۳۳۱: ۳۳۲: ۳۳۳: ۳۳۴: ۳۳۵: ۳۳۶: ۳۳۷: ۳۳۸: ۳۳۹: ۳۴۰: ۳۴۱: ۳۴۲: ۳۴۳: ۳۴۴: ۳۴۵: ۳۴۶: ۳۴۷: ۳۴۸: ۳۴۹: ۳۵۰: ۳۵۱: ۳۵۲: ۳۵۳: ۳۵۴: ۳۵۵: ۳۵۶: ۳۵۷: ۳۵۸: ۳۵۹: ۳۶۰: ۳۶۱: ۳۶۲: ۳۶۳: ۳۶۴: ۳۶۵: ۳۶۶: ۳۶۷: ۳۶۸: ۳۶۹: ۳۷۰: ۳۷۱: ۳۷۲: ۳۷۳: ۳۷۴: ۳۷۵: ۳۷۶: ۳۷۷: ۳۷۸: ۳۷۹: ۳۸۰: ۳۸۱: ۳۸۲: ۳۸۳: ۳۸۴: ۳۸۵: ۳۸۶: ۳۸۷: ۳۸۸: ۳۸۹: ۳۹۰: ۳۹۱: ۳۹۲: ۳۹۳: ۳۹۴: ۳۹۵: ۳۹۶: ۳۹۷: ۳۹۸: ۳۹۹: ۴۰۰: ۴۰۱: ۴۰۲: ۴۰۳: ۴۰۴: ۴۰۵: ۴۰۶: ۴۰۷: ۴۰۸: ۴۰۹: ۴۱۰: ۴۱۱: ۴۱۲: ۴۱۳: ۴۱۴: ۴۱۵: ۴۱۶: ۴۱۷: ۴۱۸: ۴۱۹: ۴۲۰: ۴۲۱: ۴۲۲: ۴۲۳: ۴۲۴: ۴۲۵: ۴۲۶: ۴۲۷: ۴۲۸: ۴۲۹: ۴۳۰: ۴۳۱: ۴۳۲: ۴۳۳: ۴۳۴: ۴۳۵: ۴۳۶: ۴۳۷: ۴۳۸: ۴۳۹: ۴۴۰: ۴۴۱: ۴۴۲: ۴۴۳: ۴۴۴: ۴۴۵: ۴۴۶: ۴۴۷: ۴۴۸: ۴۴۹: ۴۵۰: ۴۵۱: ۴۵۲: ۴۵۳: ۴۵۴: ۴۵۵: ۴۵۶: ۴۵۷: ۴۵۸: ۴۵۹: ۴۶۰: ۴۶۱: ۴۶۲: ۴۶۳: ۴۶۴: ۴۶۵: ۴۶۶: ۴۶۷: ۴۶۸: ۴۶۹: ۴۷۰: ۴۷۱: ۴۷۲: ۴۷۳: ۴۷۴: ۴۷۵: ۴۷۶: ۴۷۷: ۴۷۸: ۴۷۹: ۴۸۰: ۴۸۱: ۴۸۲: ۴۸۳: ۴۸۴: ۴۸۵: ۴۸۶: ۴۸۷: ۴۸۸: ۴۸۹: ۴۹۰: ۴۹۱: ۴۹۲: ۴۹۳: ۴۹۴: ۴۹۵: ۴۹۶: ۴۹۷: ۴۹۸: ۴۹۹: ۵۰۰: ۵۰۱: ۵۰۲: ۵۰۳: ۵۰۴: ۵۰۵: ۵۰۶: ۵۰۷: ۵۰۸: ۵۰۹: ۵۱۰: ۵۱۱: ۵۱۲: ۵۱۳: ۵۱۴: ۵۱۵: ۵۱۶: ۵۱۷: ۵۱۸: ۵۱۹: ۵۲۰: ۵۲۱: ۵۲۲: ۵۲۳: ۵۲۴: ۵۲۵: ۵۲۶: ۵۲۷: ۵۲۸: ۵۲۹: ۵۳۰: ۵۳۱: ۵۳۲: ۵۳۳: ۵۳۴: ۵۳۵: ۵۳۶: ۵۳۷: ۵۳۸: ۵۳۹: ۵۴۰: ۵۴۱: ۵۴۲: ۵۴۳: ۵۴۴: ۵۴۵: ۵۴۶: ۵۴۷: ۵۴۸: ۵۴۹: ۵۵۰: ۵۵۱: ۵۵۲: ۵۵۳: ۵۵۴: ۵۵۵: ۵۵۶: ۵۵۷: ۵۵۸: ۵۵۹: ۵۶۰: ۵۶۱: ۵۶۲: ۵۶۳: ۵۶۴: ۵۶۵: ۵۶۶: ۵۶۷: ۵۶۸: ۵۶۹: ۵۷۰: ۵۷۱: ۵۷۲: ۵۷۳: ۵۷۴: ۵۷۵: ۵۷۶: ۵۷۷: ۵۷۸: ۵۷۹: ۵۸۰: ۵۸۱: ۵۸۲: ۵۸۳: ۵۸۴: ۵۸۵: ۵۸۶: ۵۸۷: ۵۸۸: ۵۸۹: ۵۹۰: ۵۹۱: ۵۹۲: ۵۹۳: ۵۹۴: ۵۹۵: ۵۹۶: ۵۹۷: ۵۹۸: ۵۹۹: ۶۰۰: ۶۰۱: ۶۰۲: ۶۰۳: ۶۰۴: ۶۰۵: ۶۰۶: ۶۰۷: ۶۰۸: ۶۰۹: ۶۱۰: ۶۱۱: ۶۱۲: ۶۱۳: ۶۱۴: ۶۱۵: ۶۱۶: ۶۱۷: ۶۱۸: ۶۱۹: ۶۲۰: ۶۲۱: ۶۲۲: ۶۲۳: ۶۲۴: ۶۲۵: ۶۲۶: ۶۲۷: ۶۲۸: ۶۲۹: ۶۳۰: ۶۳۱: ۶۳۲: ۶۳۳: ۶۳۴: ۶۳۵: ۶۳۶: ۶۳۷: ۶۳۸: ۶۳۹: ۶۴۰: ۶۴۱: ۶۴۲: ۶۴۳: ۶۴۴: ۶۴۵: ۶۴۶: ۶۴۷: ۶۴۸: ۶۴۹: ۶۵۰: ۶۵۱: ۶۵۲: ۶۵۳: ۶۵۴: ۶۵۵: ۶۵۶: ۶۵۷: ۶۵۸: ۶۵۹: ۶۶۰: ۶۶۱: ۶۶۲: ۶۶۳: ۶۶۴: ۶۶۵: ۶۶۶: ۶۶۷: ۶۶۸: ۶۶۹: ۶۷۰: ۶۷۱: ۶۷۲: ۶۷۳: ۶۷۴: ۶۷۵: ۶۷۶: ۶۷۷: ۶۷۸: ۶۷۹: ۶۸۰: ۶۸۱: ۶۸۲: ۶۸۳: ۶۸۴: ۶۸۵: ۶۸۶: ۶۸۷: ۶۸۸: ۶۸۹: ۶۹۰: ۶۹۱: ۶۹۲: ۶۹۳: ۶۹۴: ۶۹۵: ۶۹۶: ۶۹۷: ۶۹۸: ۶۹۹: ۷۰۰: ۷۰۱: ۷۰۲: ۷۰۳: ۷۰۴: ۷۰۵: ۷۰۶: ۷۰۷: ۷۰۸: ۷۰۹: ۷۱۰: ۷۱۱: ۷۱۲: ۷۱۳: ۷۱۴: ۷۱۵: ۷۱۶: ۷۱۷: ۷۱۸: ۷۱۹: ۷۲۰: ۷۲۱: ۷۲۲: ۷۲۳: ۷۲۴: ۷۲۵: ۷۲۶: ۷۲۷: ۷۲۸: ۷۲۹: ۷۳۰: ۷۳۱: ۷۳۲: ۷۳۳: ۷۳۴: ۷۳۵: ۷۳۶: ۷۳۷: ۷۳۸: ۷۳۹: ۷۴۰: ۷۴۱: ۷۴۲: ۷۴۳: ۷۴۴: ۷۴۵: ۷۴۶: ۷۴۷: ۷۴۸: ۷۴۹: ۷۵۰: ۷۵۱: ۷۵۲: ۷۵۳: ۷۵۴: ۷۵۵: ۷۵۶: ۷۵۷: ۷۵۸: ۷۵۹: ۷۶۰: ۷۶۱: ۷۶۲: ۷۶۳: ۷۶۴: ۷۶۵: ۷۶۶: ۷۶۷: ۷۶۸: ۷۶۹: ۷۷۰: ۷۷۱: ۷۷۲: ۷۷۳: ۷۷۴: ۷۷۵: ۷۷۶: ۷۷۷: ۷۷۸: ۷۷۹: ۷۸۰: ۷۸۱: ۷۸۲: ۷۸۳: ۷۸۴: ۷۸۵: ۷۸۶: ۷۸۷: ۷۸۸: ۷۸۹: ۷۹۰: ۷۹۱: ۷۹۲: ۷۹۳: ۷۹۴: ۷۹۵: ۷۹۶: ۷۹۷: ۷۹۸: ۷۹۹: ۸۰۰: ۸۰۱: ۸۰۲: ۸۰۳: ۸۰۴: ۸۰۵: ۸۰۶: ۸۰۷: ۸۰۸: ۸۰۹: ۸۱۰: ۸۱۱: ۸۱۲: ۸۱۳: ۸۱۴: ۸۱۵: ۸۱۶: ۸۱۷: ۸۱۸: ۸۱۹: ۸۲۰: ۸۲۱: ۸۲۲: ۸۲۳: ۸۲۴: ۸۲۵: ۸۲۶: ۸۲۷: ۸۲۸: ۸۲۹: ۸۳۰: ۸۳۱: ۸۳۲: ۸۳۳: ۸۳۴: ۸۳۵: ۸۳۶: ۸۳۷: ۸۳۸: ۸۳۹: ۸۴۰: ۸۴۱: ۸۴۲: ۸۴۳: ۸۴۴: ۸۴۵: ۸۴۶: ۸۴۷: ۸۴۸: ۸۴۹: ۸۵۰: ۸۵۱: ۸۵۲: ۸۵۳: ۸۵۴: ۸۵۵: ۸۵۶: ۸۵۷: ۸۵۸: ۸۵۹: ۸۶۰: ۸۶۱: ۸۶۲: ۸۶۳: ۸۶۴: ۸۶۵: ۸۶۶: ۸۶۷: ۸۶۸: ۸۶۹: ۸۷۰: ۸۷۱: ۸۷۲: ۸۷۳: ۸۷۴: ۸۷۵: ۸۷۶: ۸۷۷: ۸۷۸: ۸۷۹: ۸۸۰: ۸۸۱: ۸۸۲: ۸۸۳: ۸۸۴: ۸۸۵: ۸۸۶: ۸۸۷: ۸۸۸: ۸۸۹: ۸۹۰: ۸۹۱: ۸۹۲: ۸۹۳: ۸۹۴: ۸۹۵: ۸۹۶: ۸۹۷: ۸۹۸: ۸۹۹: ۹۰۰: ۹۰۱: ۹۰۲: ۹۰۳: ۹۰۴: ۹۰۵: ۹۰۶: ۹۰۷: ۹۰۸: ۹۰۹: ۹۱۰: ۹۱۱: ۹۱۲: ۹۱۳: ۹۱۴: ۹۱۵: ۹۱۶: ۹۱۷: ۹۱۸: ۹۱۹: ۹۲۰: ۹۲۱: ۹۲۲: ۹۲۳: ۹۲۴: ۹۲۵: ۹۲۶: ۹۲۷: ۹۲۸: ۹۲۹: ۹۳۰: ۹۳۱: ۹۳۲: ۹۳۳: ۹۳۴: ۹۳۵: ۹۳۶: ۹۳۷: ۹۳۸: ۹۳۹: ۹۴۰: ۹۴۱: ۹۴۲: ۹۴۳: ۹۴۴: ۹۴۵: ۹۴۶: ۹۴۷: ۹۴۸: ۹۴۹: ۹۵۰: ۹۵۱: ۹۵۲: ۹۵۳: ۹۵۴: ۹۵۵: ۹۵۶: ۹۵۷: ۹۵۸: ۹۵۹: ۹۶۰: ۹۶۱: ۹۶۲: ۹۶۳: ۹۶۴: ۹۶۵: ۹۶۶: ۹۶۷: ۹۶۸: ۹۶۹: ۹۷۰: ۹۷۱: ۹۷۲: ۹۷۳: ۹۷۴: ۹۷۵: ۹۷۶: ۹۷۷: ۹۷۸: ۹۷۹: ۹۸۰: ۹۸۱: ۹۸۲: ۹۸۳: ۹۸۴: ۹۸۵: ۹۸۶: ۹۸۷: ۹۸۸: ۹۸۹: ۹۹۰: ۹۹۱: ۹۹۲: ۹۹۳: ۹۹۴: ۹۹۵: ۹۹۶: ۹۹۷: ۹۹۸: ۹۹۹: ۱۰۰۰: ۱۰۰۱: ۱۰۰۲: ۱۰۰۳: ۱۰۰۴: ۱۰۰۵: ۱۰۰۶: ۱۰۰۷: ۱۰۰۸: ۱۰۰۹: ۱۰۱۰: ۱۰۱۱: ۱۰۱۲: ۱۰۱۳: ۱۰۱۴: ۱۰۱۵: ۱۰۱۶: ۱۰۱۷: ۱۰۱۸: ۱۰۱۹: ۱۰۲۰: ۱۰۲۱: ۱۰۲۲: ۱۰۲۳: ۱۰۲۴: ۱۰۲۵: ۱۰۲۶: ۱۰۲۷: ۱۰۲۸: ۱۰۲۹: ۱۰۳۰: ۱۰۳۱: ۱۰۳۲: ۱۰۳۳: ۱۰۳۴: ۱۰۳۵: ۱۰۳۶: ۱۰۳۷: ۱۰۳۸: ۱۰۳۹: ۱۰۴۰: ۱۰۴۱: ۱۰۴۲: ۱۰۴۳: ۱۰۴۴: ۱۰۴۵: ۱۰۴۶: ۱۰۴۷: ۱۰۴۸: ۱۰۴۹: ۱۰۵۰: ۱۰۵۱: ۱۰۵۲: ۱۰۵۳: ۱۰۵۴: ۱۰۵۵: ۱۰۵۶: ۱۰۵۷: ۱۰۵۸: ۱۰۵۹: ۱۰۶۰: ۱۰۶۱: ۱۰۶۲: ۱۰۶۳: ۱۰۶۴: ۱۰۶۵: ۱۰۶۶: ۱۰۶۷: ۱۰۶۸: ۱۰۶۹: ۱۰۷۰: ۱۰۷۱: ۱۰۷۲: ۱۰۷۳: ۱۰۷۴: ۱۰۷۵: ۱۰۷۶: ۱۰۷۷: ۱۰۷۸: ۱۰۷۹: ۱۰۸۰: ۱۰۸۱: ۱۰۸۲: ۱۰۸۳: ۱۰۸۴: ۱۰۸۵: ۱۰۸۶: ۱۰۸۷: ۱۰۸۸: ۱۰۸۹: ۱۰۹۰: ۱۰۹۱: ۱۰۹۲: ۱۰۹۳: ۱۰۹۴: ۱۰۹۵: ۱۰۹۶: ۱۰۹۷: ۱۰۹۸: ۱۰۹۹: ۱۱۰۰: ۱۱۰۱: ۱۱۰۲: ۱۱۰۳: ۱۱۰۴: ۱۱۰۵: ۱۱۰۶: ۱۱۰۷: ۱۱۰۸: ۱۱۰۹: ۱۱۱۰: ۱۱۱۱: ۱۱۱۲: ۱۱۱۳: ۱۱۱۴: ۱۱۱۵: ۱۱۱۶: ۱۱۱۷: ۱۱۱۸: ۱۱۱۹: ۱۱۲۰: ۱۱۲۱: ۱۱۲۲: ۱۱۲۳: ۱۱۲۴: ۱۱۲۵: ۱۱۲۶: ۱۱۲۷: ۱۱۲۸: ۱۱۲۹: ۱۱۳۰: ۱۱۳۱: ۱۱۳۲: ۱۱۳۳: ۱۱۳۴: ۱۱۳۵: ۱۱۳۶: ۱۱۳۷: ۱۱۳۸: ۱۱۳۹: ۱۱۴۰: ۱۱۴۱: ۱۱۴۲: ۱۱۴۳: ۱۱۴۴: ۱۱۴۵: ۱۱۴۶: ۱۱۴۷: ۱۱۴۸: ۱۱۴۹: ۱۱۵۰: ۱۱۵۱: ۱۱۵۲: ۱۱۵۳: ۱۱۵۴: ۱۱۵۵: ۱۱۵۶: ۱۱۵۷: ۱۱۵۸: ۱۱۵۹: ۱۱۶۰: ۱۱۶۱: ۱۱۶۲: ۱۱۶۳: ۱۱۶۴: ۱۱۶۵: ۱۱۶۶: ۱۱۶۷: ۱۱۶۸: ۱۱۶۹: ۱۱۷۰: ۱۱۷۱: ۱۱۷۲: ۱۱۷۳: ۱۱۷۴: ۱۱۷۵: ۱۱۷۶: ۱۱۷۷: ۱۱۷۸: ۱۱۷۹: ۱۱۸۰: ۱۱۸۱: ۱۱۸۲: ۱۱۸۳: ۱۱۸۴: ۱۱۸۵: ۱۱۸۶: ۱۱۸۷: ۱۱۸۸: ۱۱۸۹: ۱۱۹۰: ۱۱۹۱: ۱۱۹۲: ۱۱۹۳: ۱۱۹۴: ۱۱۹۵: ۱۱۹۶: ۱۱۹۷: ۱۱۹۸: ۱۱۹۹: ۱۲۰۰: ۱۲۰۱: ۱۲۰۲: ۱۲۰۳: ۱۲۰۴: ۱۲۰۵: ۱۲۰۶: ۱۲۰۷: ۱۲۰۸: ۱۲۰۹: ۱۲۱۰: ۱۲۱۱: ۱۲۱۲: ۱۲۱۳: ۱۲۱۴: ۱۲۱۵: ۱۲۱۶: ۱۲۱۷: ۱۲۱۸: ۱۲۱۹: ۱۲۲۰: ۱۲۲۱: ۱۲۲۲: ۱۲۲۳: ۱۲۲۴: ۱۲۲۵: ۱۲۲۶: ۱۲۲۷: ۱۲۲۸: ۱۲۲۹: ۱۲۳۰: ۱۲۳۱: ۱۲۳۲: ۱۲۳۳: ۱۲۳۴: ۱۲۳۵: ۱۲۳۶: ۱۲۳۷: ۱۲۳۸: ۱۲۳۹: ۱۲۴۰: ۱۲۴۱: ۱۲۴۲: ۱۲۴۳: ۱۲۴۴: ۱۲۴۵: ۱۲۴۶: ۱۲۴۷: ۱۲۴۸: ۱۲۴۹: ۱۲۵۰: ۱۲۵۱: ۱۲۵۲: ۱۲۵۳: ۱۲۵۴: ۱۲۵۵: ۱۲۵۶: ۱۲۵۷: ۱۲۵۸: ۱۲۵۹: ۱۲۶۰: ۱۲۶۱: ۱۲۶۲: ۱۲۶۳: ۱۲۶۴: ۱۲۶۵: ۱۲۶۶: ۱۲۶۷: ۱۲۶۸: ۱۲۶۹: ۱۲۷۰: ۱۲۷۱: ۱۲۷۲: ۱۲۷۳: ۱۲۷۴: ۱۲۷۵: ۱۲۷۶: ۱۲۷۷: ۱۲۷۸: ۱۲۷۹: ۱۲۸۰: ۱۲۸۱: ۱۲۸۲: ۱۲۸۳: ۱۲۸۴: ۱۲۸۵: ۱۲۸۶: ۱۲۸۷: ۱۲۸۸: ۱۲۸۹: ۱۲۹۰: ۱۲۹۱: ۱۲۹۲: ۱۲۹۳: ۱۲۹۴: ۱۲۹۵: ۱۲۹۶: ۱۲۹۷: ۱۲۹۸: ۱۲۹۹: ۱۳۰۰: ۱۳۰۱: ۱۳۰۲: ۱۳۰۳: ۱۳۰۴: ۱۳۰۵: ۱۳۰۶: ۱۳۰۷: ۱۳۰۸: ۱۳۰۹: ۱۳۱۰: ۱۳۱۱: ۱۳۱۲: ۱۳۱۳: ۱۳۱۴: ۱۳۱۵: ۱۳۱۶: ۱۳۱۷: ۱۳۱۸: ۱۳۱۹: ۱۳۲۰: ۱۳۲۱: ۱۳۲۲: ۱۳۲۳: ۱۳۲۴: ۱۳۲۵: ۱۳۲۶: ۱۳۲۷: ۱۳۲۸: ۱۳۲۹: ۱۳۳۰: ۱۳۳۱: ۱۳۳۲: ۱۳۳۳: ۱۳۳۴: ۱۳۳۵: ۱۳۳۶: ۱۳۳۷: ۱۳۳۸: ۱۳۳۹: ۱۳۴۰: ۱۳۴۱: ۱۳۴۲: ۱۳۴۳: ۱۳۴۴: ۱۳۴۵: ۱۳۴۶: ۱۳۴۷: ۱۳۴۸: ۱۳۴۹: ۱۳۵۰: ۱۳۵۱: ۱۳۵۲: ۱۳۵۳: ۱۳۵۴: ۱۳۵۵: ۱۳۵۶: ۱۳۵۷: ۱۳۵۸: ۱۳۵۹: ۱۳۶۰: ۱۳۶۱: ۱۳۶۲: ۱۳۶۳: ۱۳۶۴: ۱۳۶۵: ۱۳۶۶: ۱۳۶۷: ۱۳۶۸: ۱۳۶۹: ۱۳۷۰: ۱۳۷۱: ۱۳۷۲: ۱۳۷۳: ۱۳۷۴: ۱۳۷۵: ۱۳۷۶: ۱۳۷۷: ۱۳۷۸: ۱۳۷۹: ۱۳۸۰: ۱۳۸۱: ۱۳۸۲: ۱۳۸۳: ۱۳۸۴: ۱۳۸۵: ۱۳۸۶: ۱۳۸۷: ۱۳۸۸: ۱۳۸۹: ۱۳۹۰: ۱۳۹۱: ۱۳۹۲: ۱۳۹۳: ۱۳۹۴: ۱۳۹۵: ۱۳۹۶: ۱۳۹۷: ۱۳۹۸: ۱۳۹۹: ۱۴۰۰: ۱۴۰۱: ۱۴۰۲: ۱۴۰۳: ۱۴۰۴: ۱۴۰۵: ۱۴۰۶: ۱۴۰۷: ۱۴۰۸: ۱۴۰۹: ۱۴۱۰: ۱۴۱۱: ۱۴۱۲: ۱۴۱۳: ۱۴۱۴: ۱۴۱۵: ۱۴۱۶: ۱۴۱۷: ۱۴۱۸: ۱۴۱۹: ۱۴۲۰: ۱۴۲۱: ۱

قال أبو عيسى: هذا أحسن شيء رُوي في هذا الباب وأفسره، لأن الروايات الصحيحة أن النبي ﷺ لم يبلغ الشيب.

مسئلہ: علماء حنفیہ کے نزدیک خضاب مستحب ہے، لیکن مشہور قول کے موافق سیاہ خضاب مکروہ ہے، اور علماء شافعیہ کے نزدیک خضاب سنت ہے مگر سیاہ خضاب حرام ہے۔

(۱) ابورمہ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک لڑکے کو ساتھ لے کر حاضر ہوا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا تیرا یہ بیٹا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں حضرت! یہ میرا بیٹا ہے آپ اس کے گواہ رہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اس کی جنائیت کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیری جنائیت کا بدلہ اس پر نہیں (فائدہ میں اس کی وضاحت آئے گی) ابورمہ کہتے ہیں کہ اس وقت میں نے حضور ﷺ کے بعض بالوں کو سرخ دیکھا۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خضاب کے بارے میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح اور واضح ہے۔ **فائدہ:** زمانہ جاہلیت کا دستور تھا کہ بیٹا باپ کے جرم میں ماخوذ ہو جاتا تھا۔ ابورمہ نے اسی قاعدہ کی بناء پر یہ عرض کیا تھا کہ اگر کبھی اس امر کی ضرورت پیش آئے تو آپ اس کے گواہ رہیں کہ واقعی یہ میرا بیٹا ہے۔

أحسن كثيرا ما يقول المصنف في جامعه: هذا أصح شيء في الباب، ولا يرم من هذه العبارة كما قاله النووي في الأذكار صحة الحديث، فإنه يقولون: هذا أصح ما في الباب وإن كان ضعيفا، ومرادهم أنه أرحح ماورد في الباب. **وأفسره** [من التفسير معنى الكشف والإبصار.] **لم يبلغ** أي: لم يصبه ولم يطهر البياض في شعره كثيرا حيث يحتاج إلى الحصاب، فيسعي أن يفسر شبهة بالحمرة. قال ميرك: وأشار المصنف بهذا الكلام إلى أن الروايات المصرحة بالحصاب في طريق أبي رمثة م تصح عنه، أو هي مؤولة، قال ابن حجر: كذا قيل، وليس بظاهر؛ لأن الترمذي قائل بالحصاب؛ بدليل سياقه لأحاديثه الآتية، ولأن هذا لو كان مراده م يسق هذا الحديث في هذا باب أصلاً، بل كان يقتصر على سياقه في الباب الأول؛ لأن كونه أحر لا يضره؛ لأن مراده حمرة الدانية التي هي مقدمة للشيب، فذكره له تنمائه في البابين يدل على أن له مناسبة بكل منهما، وهي أن فيها إثبات الشيب، وهو المناسب للباب السابق، وأنه كان أحرر بالحصاب، وهو المناسب لهذا الباب، وأما الروايات الصحيحة: أنه لم يشب، فمعناها: لم يكثر شبهه مع أنه كان يستتر بالحمرة في بعض الأحيان. قال القاري: هو كلام حسن لكن فيه أنه لا دلالة على أن الترمذي قائل بالحصاب؛ لأنه يمكن ترجيح عدم عنه، بل هو ظاهر من قوله هذا. فنت: ويؤيد ابن حجر أن الترمذي ذكر أن رمثة في جامعه في من روى في باب الحصاب، وهو نص رواية الحاكم المتقدمة هرياً، إلا أن تعينه بالروايات الصحيحة يدل على أنه م يرجح عنه حصاه رحمۃ اللہ علیہ.

وأبو رمثة: اسمه رفاعه بن يثري التيمي. **حدثنا** سفیان بن وکیع، أخبرنا أبي، عن شريك، عن عثمان بن موهب، قال: سئل أبو هريرة: هل خضب رسول الله ﷺ؟ قال: نعم. قال أبو عيسى وروی أبو عوانة هذا الحديث عن عثمان بن عبد الله بن موهب، فقال: عن أم سلمة. **حدثنا** إبراهيم بن هارون، أنبأنا النضر بن زُرارة، عن أبي جناب، عن إباد بن لقيط، عن **عن** الجَهْدَمَةِ امرأة بشير بن الخصاصية، قالت: أنا رأيت رسول الله ﷺ يخرج من بيته، ينفذ رأسه، وقد اغتسل، وبرأسه رَدْع،

حضور ﷺ نے زمانہ جاہلیت کی اس رسم کو رد فرماتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ اسلام کا یہ قاعدہ نہیں کہ ”کوئی کرے اور کوئی بھرے“ ولا تزر واردة وزر أخرى (الامعاء: ۱۶۴) کوئی شخص دوسرے کے پوچھ کا ذمہ دار نہیں۔
(۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کسی شخص نے پوچھا کہ حضور ﷺ نے خضاب کیا؟ انھوں نے کہا کہ ہاں کیا۔
(۳) جہذمہ جو بشیر بن خصاصیہ کی بیوی ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو مکان سے باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھا کہ حضور نے غسل فرما رکھا تھا اس لئے سر مبارک کو جھاڑ رہے تھے، اور آپ کے سر پر حنا کا اثر تھا۔

يثري قال القاري نسبة إلى يثرب، وهو من أسماء الاحاطية للمدينة، والتيمي نسبة إلى قبيلة تيم، واحتلف فيه، فقبل: هكذا، وقبل: التيمي ميمين كما في التهذيب وغيره، احتلف في اسمه أيضا على أقوال. **عثمان**. مسوب إلى جده؛ لأنه عثمان بن عبد الله بن موهب بكسر الهاء أو بفتحها قولاً للعلماء، ورجح شراح الشمائل فتحها. قال أبو عيسى يعني أن أبا عوانة جعل الحديث من مسابيد أم سمة بدل أبي هريرة، والعرض بيان الاختلاف بين شريك وأبي عوانة تلميذي عثمان، وحقق القاري: أن ما وقع فيه من شريك وهم، والصواب رواية أبي عوانة، يعني كونه من مسابيد أم سمة، فتأمل.
أبو حبان نخيم مفتوحة فون كسحاب، هو يحيى بن أبي حبة الكلبي، كذا في الشروح وكتب الرجال، فما في السمع من غيره عبط. **الجهذمة** بفتح الجيم وسكون الهاء وفتح الذال المعجمة بعدها ميم، امرأة بشير بفتح أوله كبديع، وقال اسوي: جهذمة صحابية، غير أبي **اسمها** فسمها ليلى، وبشير سماه به النبي ﷺ تعبيراً لاسمه رحماً. **الخصاصية** بفتح المعجمة وبضاديين مهمتين وتخفيف لتحتية، والتشديد حن، كذا نقل عن صاحب القاموس رداً على ابن الأثير، وتعقبه شراح الشمائل: بأن اللحن إذا كان اخصاصية مصدراً، أما إذا كان اخصاصية بمعنى الفقر والياء للنسبة فلا مانع، لكنهم جرموا بأن الرواية بالتخفيف.

- أو قال: ردغ - من حناء، شك في هذا الشيخ. حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا عمرو بن عاصم، أخبرنا حماد بن سلمة، أخبرنا حميد، عن أنس قال: رأيت شعر رسول الله ﷺ مخضوبا. قال حماد: وأخبرنا عبد الله بن محمد بن عقيل قال: رأيت شعر رسول الله ﷺ عند أنس بن مالك مخضوبا.

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے بالوں کو خضاب کیا ہوا دیکھا۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ کے خضاب میں مختلف روایتیں ہیں جیسا کہ مفصل گزر چکا ہے، لیکن اس روایت میں ایک خاص اشکال ہے وہ یہ کہ اس سے پہلے باب کی سب سے پہلی حدیث میں خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خضاب کی نفی مذکور ہو چکی ہے لیکن دونوں روایتیں اگر صحیح مان لی جائیں تو مختلف اوقات پر محمول ہو سکتی ہیں۔

أو قال يعني شك شيخنا إبراهيم في هذا اللفظ في أنه أسمع من شيخه بالعين المهمة أو بالعين المعجمة، لكن قال الفسطلاني: اتفق المحققون على أن الردغ بالمعجمة عطف في هذا الموضع؛ لإصاق أهل اللغة على أنه بالمهملة لطح من رعمران. قال الحافظ: هو مهملة: اصع، ومعجمة: الصين الكثير، وقال السيوطي: ضبطه في كتب اللغة مهملات. ردغ [الردغ: هو تغيير اللون بالصنع من حناء أو غيره.] الشح أي: شبح المصنف، وفي نسخة: الشك هو لإبراهيم بن هرون. محضوبا قال الفاري: قد مر في الأحاديث الصحيحة عن أنس أنه ﷺ لم يخصب، فلعله أراد بالسمي أكثر أحواله، وبالإثبات إن صح عنه الأقل، ويحور أحدهما على الحقيقة والآخر على الجار

باب ما جاء في كحل رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن حميد الرازي، أنبأنا أبو داود الطيالسي، عن عباد بن منصور، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما أن النبي ﷺ قال: اَكْتَحِلُوا بِالْإِثْمِدِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنِيبُ الشَّعْرَ.

باب حضور اقدس ﷺ کے سرمہ کا بیان

فائدہ: سرمہ آنکھ میں ڈالنا مستحب ہے، آدمی کو چاہئے کہ ثواب کی نیت سے سرمہ ڈالے کہ اس میں آنکھ کو فائدہ پہنچنے کے علاوہ اتباع کا ثواب بھی ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اثمہ کا سرمہ آنکھوں میں ڈالا کرو، اس لئے کہ وہ آنکھ کی روشنی کو بھی تیز کرتا ہے اور پلکیں بھی زیادہ اگاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہ بھی کہتے تھے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس میں سے تین تین سلائی ہر رات آنکھوں میں ڈال کرتے تھے۔

فائدہ: اثمہ ایک خاص سرمہ کا نام ہے جو سیاہ سرخی مائل ہوتا ہے، بلاد مشرقیہ میں پیدا ہوتا ہے، بعض اکابر اس سے اصفہانی سرمہ مراد بتلاتے ہیں اور بعض نے توتیا بتلایا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تندرست آنکھوں والے اور وہ لوگ ہیں جن کو موافق آجائے ورنہ مریض آنکھ اس سے زیادہ دکھنے لگتی ہے۔ سرمہ کا سوتے وقت ڈالنا زیادہ مفید ہے کہ آنکھ میں دیر تک باقی بھی رہتا ہے اور مسامات میں سرایت اس وقت زیادہ کرتا ہے۔ سلائی کے بارے میں بھی مختلف روایتیں ہیں، بعض روایت میں دونوں آنکھ میں تین تین وارد ہوئی ہیں جیسا کہ ابھی گذرا ہے، اور بعض روایات میں دائیں آنکھ میں تین اور بائیں میں دو وارد ہوئی ہیں۔ یہ مختلف اوقات پر محمول ہیں کہ بعض مرتبہ حضور ﷺ ایسا فرماتے تھے اور بعض مرتبہ ایسا۔

المكحل بانضم: كل ما يوضع في العين للاستشفاء، وبالفتح: جعل الكحل في العين، قال القسطلاني: المسموع من الرواة الصم، وإن كان للفتح وجه بحسب المعنى. الرازي سبب إلى الري، مدينة كبيرة مشهورة من بلاد الديلم، ورادوا الرازي في السبب إليها. بالإثمد [كحل معدني معروف، ومعدنه بالشرق، وهو أسود يصرب إلى حمرة].
ويثبت الشعر [أي: يقوي طبقات شعر العين التي هي الأهداب]. الشعر. يفتح العين للازدواج وهو الرواية.

وزعم أن النبي ﷺ كانت له مَكْحَلَةٌ يَكْحُلُ منها كُلَّ ليلةٍ، ثلاثة في هذه، وثلاثة في هذه. **حدثنا** عبد الله بن الصَّبَّاح الهاشمي البصري، أخبرنا عبيد الله بن موسى، أخبرنا إسرائيل، عن عباد بن منصور. **ح** وحدثنا علي بن حُجْر، حدثنا يزيد بن هارون، أنبأنا عباد بن منصور، عن عكرمة، **عن** ابن عباس رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ يَكْحُلُ قبل أن ينام بالأمم ثلاثة في كل عين.

حافظ ابن حجر اور ملا علی قاری رحمہما اللہ وغیرہ حضرات نے پہلی صورت کو رائج فرمایا ہے، چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی متعدد احادیث میں یہی صورت نقل کی گئی ہے، جیسا آئندہ روایات میں آ رہا ہے۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سونے سے قبل ہر آنکھ میں تین سلائی اٹھ کے سرمہ کی ڈالا کرتے تھے، اور ایک روایت میں ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی جس سے سونے کے وقت تین تین سلائی آنکھ میں ڈالا کرتے تھے۔

ورعم [المراد بالزعم هنا مجرد القول، وإن كان أكثر ما يستعمل في الشك، وقيل: المراد هنا: لقول المحقق] أي ابن عباس كما يفهم من رواية ابن ماجه، ويصرح به الروايات الآتية، وقيل: محمد بن حميد، و"الزعم" قد يطلق على القول المحقق وإمكان أكثر ما يستعمل فيما يشك فيه، فإن كان الضمير لابن عباس فالمراد به: القول المحقق، وإن كان لمحمد عني ماجوره بعضهم فالزعم عني معناه المتشاور، إشارة إلى صعبه بإسقاط الوسائط بينه وبين النبي ﷺ، لكن فيه أنه لو كان اقتضى من عباس قيل: وإن لني رضي الله عنه، ولم يكن لذكر "زعم" فائدة، إلا أن يقال: إنه أتى لطول الفصل، كما يقع إعادة "قال" في كثير من العبارات، وإيماء إلى أن الأول مرفوع والثاني موقوف، والأول قولِي والثاني فعلي، وأما قول العصام: الأوجه نسبة الزعم إلى ابن حميد، ويؤيده سبعة هذا القول في الحديث الثاني إلى يزيد بن هارون، فعبر صحيح؛ لأن المراد بقول المصنف في الحديث الآتي: قال يزيد في حديثه، أي: حديثه الذي يرويه عن ابن عباس، لا أنه في حديث نفسه، والمقصود المعبرة المنقطعة من الرواة قاله القاري، وجرم السجوري أيضاً: أن فاعل "زعم" ابن عباس، وقال المناوي: زعم، أي: محمد بن حميد كما هو المتشاور من لفظ الزعم؛ إذ أكثر إطلاقه على ما يشك، وتطرق الشك ههنا من حيث أنه لم يسده، أو الضمير لا بن عباس كما أفهمته رواية ابن ماجه، فالمراد بالزعم مجرد القول

مكحلة [وهي آلة الكحل، وهي: ما يوضع فيه الكحل] بضم الأول والثالث، وكان القياس الكسر؛ إذ هو اسم آلة، فهو من النواذر. **ثلاثة في هذه** [أي: ثلاثة متواليات في اليمنى وثلاثة في اليسرى]. **الفتح** بفتح الصاد المهملة وتشديد الموحدة. **ح** هذه علامة التحويل من سد إلى سد آخر، فإنهم يكتفون عند الانتقال من سد إلى آخر بقط "ح" روماً للاختصار. وهي في كتب المتأخرين أكثر من كتب المتقدمين. ثم هي مختصرة من التحويل، أو من الحائل، أو من صح، أو من الحديث أقوال للعلماء، وأيضاً هل يطق بها معردة ثم يمر في قراءته، أو يطق لفظ ما رمر بها له، أو لا يطق بها أصلاً. ثلاثة أقوال لأهل الأصول، والجمهور على الأول. ومتفق السديد ههنا عباد بن منصور.

وقال يزيد بن هارون في حديثه: إن النبي ﷺ كانت له مَكْحَلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ. **حدثنا** أحمد بن منيع، أنبأنا محمد بن يزيد، عن محمد بن إسحاق، عن محمد بن المنكر، عن **ع** جابر - هو ابن عبد الله - قال: قال رسول الله ﷺ: **عليكم بالإثم عند النوم، فإنه يجلو البصر، ويُنبِت الشعر.** **حدثنا** قتيبة بن سعيد، قال: أخبرنا بشر بن المفضل، عن عبد الله بن عثمان بن خثيم، عن سعيد بن جبيرة، عن **ع** ابن عباس رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **إن خير أكْحَا لَكُمْ الإثم، يجلو البصر، ويُنبِت الشعر.** **حدثنا** إبراهيم بن المستمّر البصري، صحاح بن محمد حدثنا أبو عاصم، عن عثمان بن عبد الملك، عن سالم، عن **ع** ابن عمر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **عليكم بالإثم، فإنه يجلو البصر، وينبت الشعر.** أي عدوا

(۳) حضرت جابر رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اثم کا سرمہ ضرور ڈالا کرو، وہ نگاہ کو روشن بھی کرتا ہے اور پلکیں بھی خوب اگاتا ہے۔

(۴) ابن عباس رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ تمہارے سب سرموں میں سرمہ اثم بہترین سرمہ ہے، آنکھ کو بھی روشنی پہنچاتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔ **فائدہ:** اس حدیث کے راویوں میں بشر بن مفضل کے متعلق علماء نے لکھا ہے کہ ان کا معمول چار سو رکعات نفل روزانہ پڑھنے کا تھا اور ایک دن افطار اور ایک دن روزہ، یہ دائمی معمول تھا۔ (۵) حضرت عبد اللہ بن عمر رضي الله عنه نے بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی نقل کیا کہ اثم ضرور ڈالا کرو، وہ نگاہ کو بھی روشن کرتا ہے اور پلکیں بھی اگاتا ہے۔ **فائدہ:** ان سب روایتوں میں اثم کی ترغیب ہے لیکن ان سے وہی آنکھیں مراد ہیں جن کو موافق آجائے ورنہ بعض عوارض کی وجہ سے بعض لوگوں کو یہ سرمہ موافق نہیں آتا جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ علماء نے ان ارشادات اور معمولات کی وجہ سے لکھا ہے کہ سرمہ ڈالنا سنت ہے اور خاص اثم کا سرمہ افضل ہے، لہذا اگر اثم کے علاوہ کوئی اور سرمہ ڈالے تب بھی سنت ادا ہو جائے گی البتہ فضیلت اس کے لئے ہے۔

وقال يزيد الخ ليس معلق ولا مرسل كما توهم، بل هذا بيان اختلاف الرواة في رواية ابن عباس، فهو موصول بالإسناد السابق. وقد أخرج المؤلف في الجامع طريق يزيد بن هارون عن علي بن حجر بالإسناد المذكور، وهذا تبيين بطلان قول عصام فيما سبق من الكلام، قاله القاري. **عند النوم** [لأنه حينئذ أدخل وأنعى] **حشيم** بخاء معجمة فمثلة مصعراً، كذا ضبطه الماوي واليحيوري، فما في السح "حشيم" غلط، وكذا سعيد بن جبيرة بحجم مضمومة فموحدة مفتوحة وسكون ياء كما في المعنى. **المستمّر**: بصيغة اسم الفاعل من الاستمرار.

بابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

حدثنا محمد بن حميد الرازي، أنبأنا الفضل بن موسى وأبو ثُمَيْلَةَ وزيد بن حُبَابٍ، عن عبد المؤمن ابن خالد، عن عبد الله بن بُرَيْدَةَ، **عن** أم سلمة قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله ﷺ القميص. **حدثنا** علي بن حُجْر، حدثنا الفضل بن موسى، عن عبد المؤمن بن خالد، عن عبد الله بن بُرَيْدَةَ، **عن** أم سلمة قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله ﷺ القميص.

باب حضور اقدس ﷺ کے لباس کا ذکر

فائدہ: اس باب میں مصنف **رحمۃ اللہ علیہ** نے سولہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ لباس کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ آدمی کا لباس کوئی واجب ہوتا ہے، کوئی مستحب، کوئی حرام، کوئی مکروہ اور کوئی مباح۔ آدمی کو لباس کے وقت اہتمام سے مندوبات کی طرف رغبت اور مکروہات سے اجتناب ہونا چاہئے۔ واجب وہ مقدار لباس ہے جس سے ستر عورت کیا جائے۔ اور مندوب وہ ہے جس کے پہننے کی شریعت میں ترغیب آئی ہو، جیسے عمدہ کپڑا عید، بقر عید کے لئے اور سفید کپڑا جمعہ کے لئے۔ مکروہ وہ ہے جس کے نہ پہننے کی ترغیب آئی ہو، جیسے غنی کے لئے ہمیشہ پھنے پرانے کپڑے پہننا۔ حرام وہ ہے جس کے پہننے کی ممانعت آئی ہو، جیسے مرد کے لئے ریشتی کپڑا بلا عذر پہننا۔

(۲،۱) حضرت ام سلمہ **رضی اللہ عنہا** سے منقول ہے کہ حضور اقدس **ﷺ** سب کپڑوں میں کُرتے کو زیادہ پسند فرماتے تھے۔

لباس [ما یستر الجسم] أو ثیاب ناشئة الوقایة مصعراً، ووهم من قال بالثیبة. هو یحیی بن واضح الأنصاري، أخرج حديثه الستة. **خَبَاب** مَهْمَلَةٌ وَمَوْحِدَتَيْنِ بِيَهْمِ أَلْفِ كِتَابٍ، أَبُو أَحْسَنِ الْعَكْبِيِّ الْخُرَاسَانِي. **عَدِ الْمُؤْمِنِ** يَعْنِي أَنَّ الْفَصْلَ وَأَبَا ثُمَيْلَةَ وَرِيداً كُلَّهُمْ يَرَوُونَ عَنْ عَبْدِ الْمُؤْمِنِ، وَعَبْدَ الْمُؤْمِنِ يَسْمُوهُ عَدِ الْمَصْفِ إِلَّا هَذَا الْحَدِيثَ. **أَحَبُّ** [لَأَنَّهُ أَسْتَرُ لِلدَّنِّ مِنْ غَيْرِهِ وَأَحْفَ عَمَى الدَّنِّ]. **الْقَمِيصُ** الْمَشْهُورُ فِي أَرْوَاةِ أَلْفِ أَحَبِّ سَمٌ — "كَانَ" فَيَكُونُ مَرْفُوعاً، وَ"قَمِيصٌ" حَرَةً، فَيَكُونُ مَصْنُوعاً، وَرَوَى عَكْسَهُ أَيْضاً. قَالَ الْبَيْهَقِيُّ الْقَمِيصُ: اسْمٌ لِمَا يَلْبَسُ مِنَ الْمَحِيطِ الَّذِي لَهُ كَمَانٌ وَجِبٌّ، يَلْبَسُ تَحْتَ الثِّيَابِ، وَلَا يَكُونُ مِنْ صُوفٍ، كَذَا فِي الْقَامُوسِ. مَا حُودٌ مِنَ الْقَمِيصِ، يَعْنِي التَّقَبُّ بِتَقَبُّ الْإِنْسَانِ فِيهِ، وَقِيلَ: بِاسْمِ الْجَدَّةِ الَّتِي هِيَ عِلَافُ الْقَبِ، فَإِنَّ اسْمَهَا الْقَمِيصُ. **عَلِي بن حُجْر** لَمْ يَخْتَفِ مِنَ الرِّوَاةِ فِي هَذِهِ الْأَحَادِيثِ الثَّلَاثَةِ، وَإِنَّمَا كَرَّرَهَا؛ لِاحْتِلَافِ السَّدِّ مِنْ مَبْدَأِهِ، وَفِي الطَّرِيقِ الثَّلَاثِ زِيَادَةَ لَفْظِ "يَلْبَسُهُ".

حدثنا زياد بن أيوب البغدادي، حدثنا أبو ثُمَيْلَةَ، عن عبد المؤمن بن خالد، عن عبد الله بن بريدة، عن أمِّه، عن أمِّ سلمة قالت: كان أحب الثياب إلى رسول الله ﷺ يلبسه القميص.

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کے کُرتے کو زیادہ پسند فرمانے کی وجہ علماء نے مختلف تحریر فرمائی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ اس سے بدن اچھی طرح ڈھانکا جاتا ہے بخلاف لنگی وغیرہ کے، اس لئے وہ پسند تھا۔ بعض کہتے ہیں کہ کم قیمت ہونے اور بدن پر بوجھ نہ ہونے کی وجہ سے بخلاف چادر وغیرہ کے۔ بعض کی رائے ہے کہ اس سے تکبر نہیں پیدا ہوتا برخلاف بعض اور کپڑوں کے۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک اس کی وجہ بظاہر یہ ہے کہ کُرتے میں ستر عورت بھی اچھی طرح سے ہو جاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ تہمت اور زینت بھی اچھی ہو جاتی ہے، برخلاف اور کپڑوں کے کہ اُن سے یا تہمت میں کمی رہے گی جیسے لنگی، یا ستر عورت میں جیسے چادر۔ اس باب کی آٹھویں حدیث بظاہر اس حدیث کے مخالف ہے، اس کے ساتھ تطبیق اُسی جگہ ذکر کی جائے گی۔

(۳) ایسے ہی ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے بعض لوگوں نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو پہننے کے لئے سب کپڑوں میں سے کُرتا زیادہ پسند تھا۔ **فائدہ:** ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے دمیاطی سے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا کُرتا سوت کا بنا ہوا تھا جو زیادہ لمبا بھی نہ تھا اور اس کی آستین بھی زیادہ لمبی نہ تھی۔ بیجوری نے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کے پاس صرف ایک ہی کُرتا تھا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کا معمول صبح کے کھانے میں سے شام کے لئے بچا کر رکھنے کا نہ تھا، نہ شام کے کھانے میں سے صبح کے لئے بچانے کا تھا، اور کوئی کپڑا کُرتا یا چادر یا لنگی یا بُجوتا دو عدد نہ تھے۔ منوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور کا کُرتا زیادہ لمبا نہ ہوتا تھا، نہ اس کی آستینیں لمبی ہوتی تھیں۔ دوسری حدیث میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ حضور کا کُرتا ٹخنوں سے اونچا ہوتا تھا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ نصف پٹلی تک ہونا چاہئے۔

ريباد بكسر راي معشاة تحية كعماد. البغدادي سبة إلى البلد المشهور وهو مدينة السلام. قيل في وجه تسميته: أن 'بع' اسم لصم لأهل المشرق، و'داد' معى العطية، أي: عطية صم بغ، ولدا كره داك الاسم بعض العلماء. أمه قال الربيع العراقي: يحتاج احب إلى معرفتها، وم أرمس ترجمها. قال امساوي: وهكذا سكت عن حالها غير واحد من شراح الشمايل، ولم يذكرها الحافظ في المهمات ولا الكشي، وذكر في مشائخ ابن بريدة أباه دو أمه.

قال أبو عيسى: هكذا قال زياد بن أيوب في حديثه: عن عبد الله بن بريدة، عن أمه، عن أم سلمة، وهكذا روى غير واحد عن أبي ثُمَيْلَةَ مثل رواية زياد بن أيوب، وأبو ثُمَيْلَةَ يَزِيدُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ "عَنْ أُمِّهِ" وَهُوَ أَصَحُّ. **حدثنا** عبد الله بن محمد بن الحجاج،

(۴) حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کے کُرتے کی آستین پہونچے تک ہوتی تھی۔ **فائدہ:** یہ روایت بظاہر اس روایت کے خلاف ہے جس میں آستین کا پہونچے سے بچا ہونا وارد ہوا ہے۔ علماء نے ان دونوں روایتوں کو چند طریق سے جمع کیا ہے اولاً یہ کہ تعدد اوقات پر حمل کی جائیں کہ کبھی ایسی ہوتی تھیں اور کبھی اس طرح۔ دوم یہ کہ آستین جس وقت میں سُکڑی ہوتی تھی تو پہونچے تک اور جس وقت کہ سیدھی ہوتی تھی تو پہونچے سے نیچے تک بھی ہو جاتی تھی۔ بعض لوگوں نے دونوں روایتوں کو تخمینہ پر حمل فرمایا ہے اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ مولانا غلیل احمد صاحب **السنن** نے بذل المجهود میں تحریر فرمایا ہے کہ پہونچے تک کی روایات افضلیت پر محمول ہیں اور زیادہ کی روایت بیان جواز پر۔ علامہ جزری **السنن** نے لکھا ہے کہ کُرتے کی آستین میں سنت یہ ہے کہ پہونچے تک ہو اور کُرتے کے علاوہ چونہ وغیرہ میں نیچے تک، لیکن انگلیوں سے متجاوز نہ ہو۔

قال أبو عيسى عرض المصنف هذا الكلام: أن عبد المؤمن روى عنه المصنف بن موسى وريد بن حباب فقالا: عن عبد الله بن بريدة عن أم سلمة، ولم يذكر واسطة أم بريدة، وروى عنه أبو ثُمَيْلَةَ أيضاً، لكن اختلف عليه في إساده، فروى عنه ابن حميد بدون ذكر الواسطة، وروى عنه زيد بن أيوب بواسطة الأم، وتابع زياداً عن أبي هذيل الريد بن عير واحد، فالراجح وجود الواسطة في هذه الرواية، وحكى المصنف في جامعه عن البخاري: أن حديث ابن بريدة عن أمه عن أم سلمة أصح، كما سيأتي. **وأبو ثُمَيْلَةَ** قال السيحوري: الذي قرره العصام أن قوله: "وهو أصح" مفعول يريد" فقوله: "عن أمه" ليس مفعول يريد" وإنما أتى به تعيياً محل الزيادة، والمعنى على هذا: أن أبو ثُمَيْلَةَ يريد في هذا الحديث مصححاً "وهو أصح" ومحل هذه الزيادة بعد قوله: "عن أمه"، وقرره بعضهم: أن المرید هو قوله: "عن أمه" وجعل قوله: "وهو أصح" من كلام الترمذي، والمعنى على هذا: أن أبو ثُمَيْلَةَ يريد في هذا الإسناد لمصححاً "عن أمه"، وهذا الإسناد الذي فيه زيادة "عن أمه" أصح من الإسناد الذي فيه إسقاطها، وهذا التقرير هو المتأخر، لكن أورد عليه: أن قوله: "وأبو ثُمَيْلَةَ يريد" إصح معلوم مما سبق، فهو زيادة لا فائدة فيها، واعتذر عنه بأنه تأكيد لما سبق. قلت: واختار القاري والمناوي أيضاً ما قرره العصام، وأظهر عدي الثاني، وما أوردوا عليه من: أنه تكرار لا فائدة فيه، غير صحيح، لأنه لم يعرف مما سبق أن الزيادة من أبي ثُمَيْلَةَ، أو من الرواة عنه، ولذا قال المصنف في الخامع: وروى بعضهم هذا الحديث عن أبي ثُمَيْلَةَ، عن عبد المؤمن، عن عبد الله بن بريدة، عن أمه، عن أم سلمة، وسمعت محمد بن إسماعيل قال: حديث ابن بريدة عن أمه عن أم سلمة أصح، وإنما يذكر فيه أبو ثُمَيْلَةَ عن أمه. فهذا قوله: "إما يذكر أبو ثُمَيْلَةَ مثل قوله: "أبو ثُمَيْلَةَ يزيد" لا فرق بينهما.

حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ بُدَيْلِ الْعُقَيْلِيِّ، عَنْ شَهْرِ بْنِ حَوْشَبٍ، **عَنْ** 'أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدٍ قَالَتْ: كَانَ كُمُّ قَمِيصِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ إِلَى الرَّسْغِ. **حَدَّثَنَا** أَبُو عَمَّارٍ الْحُسَيْنُ بْنُ حُرَيْثٍ، أَخْبَرَنَا أَبُو نَعِيمٍ، أَخْبَرَنَا زَهْرٌ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قُثَيْبٍ، عَنْ مَعَاوِيَةَ بْنِ قُرَّةَ، **عَنْ** أَبِيهِ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ فِي رَهْطٍ مِنْ مُزَيْنَةَ لِنَبَايَعِهِ، وَإِنَّ قَمِيصَهُ لَمُطْلَقٌ - أَوْ قَالَ: ^{كَنَدَهُ} ^{فِيهِ، وَكَرَّوهُ}

(۵) قُرَّةَ بِنْتُ إِيَّاسٍ ^{رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ} فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ بیعت کے لئے حاضر ہوا تو حضور ﷺ کے کرتے کا تکہ کھلا ہوا تھا، میں نے آپ کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر تبرکاً مہرِ نبوت کو چھوا۔ **فائدہ:** ان کی حاضری جس وقت ہوئی تو نبی اکرم ﷺ کا گریبان کھلا ہوا تھا، اسی حالت میں ان کو زیارت ہوئی۔ محبت کا لازمہ ہے کہ محبوب کی ہر ادا دل میں گھپ جائے۔ عروہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نے معاویہ کو اور ان کے بیٹے کو کبھی بھی گریبان کی گھنڈی لگائے نہیں دیکھا، گرمی ہو یا سردی ہمیشہ ان کی گھنڈیاں کھلی رہتی تھیں۔ ان حضرات کے اسی عشق کی بدولت آج نبی کریم ﷺ کی ایک ایک ادا امت کے پاس محفوظ ہے۔ جزاھم اللہ عما وعن سائر الأمة أحسن الجزاء۔

بدیل بدل مہملہ مصغراً، ہو ابن میسرۃ کما فی نسخۃ، والعقین مصغراً، نسبة إلى عقيل بن كعب بن عامر۔ **کُمُّ:** [مدخل اليد ومخرجها من القميص والثوب]۔ **الرَّسْغُ** [مفصل ما بين الكف والساعد من الإنسان] بضم الراء وسكون السين أو الصاد لعتان، ثم عين معجمة، وهو: مفصل ما بين الكف والساعد، والحكمة فيه: أنه إن جاور اليد منع لابسہ سرعة الحركة والبطش، وإن قصر عن الرسغ تأذي الساعد بالحرق والبرد۔

قُثَيْبٍ بقاء بقاء وشين معجمة مصغراً، وكذلك 'الحسين' و'حريث' و'نعيم وزهر' كلهم مصغرون، و'قُرَّة' بضم القاف وتشديد الراء، **رَهْطٌ:** [اسم جمع، لا واحد له من لفظه، وهو من ثلاثة إلى عشرة أو إلى أربعين، ويطلق على مطلق القوم]۔ **مُزَيْنَةُ** [بالتصغير، قبيلة من مضر، وأصله اسم امرأة] بضم ميم وفتح زاء وسكون تحتية، قبيلة معروفة من مضر، قاري، مسماة باسم إحدى جدتهم، والجار والجرور صفة لـ "رهط"، لسايعه: أي على الإسلام، وهو متعلق بقوله: 'أتيت'۔

أَوْ قَالَ قال حفي: الشك من معاوية أو من دونه، وتعنه العصام فقال: الشك من معاوية، ومن قال: منه أو من دونه، فقد ارتاب، وتبعه ابن حجر، وردهما ميرك بقوله: الشك من شيخ الترمذي، وحققه القاري لروايات: منها ما أخرجہ ابن سعد وابن ماجه عن أبي نعيم بهذا السند بغير شك۔

زِرَّ قَمِيصِهِ مُطْلَقٌ - قال: فَأَدْخَلْتُ يَدِي فِي جَيْبِ قَمِيصِهِ، فَمَسِسْتُ الْخَاتَمَ. **حدثنا** عبد بن حميد، **حدثنا** محمد بن الفضل، أخبرنا حماد بن سلمة، عن حبيب بن الشهيد، عن الحسن، **عن** أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي ﷺ خرج، وهو متكئ على أسامة بن زيد، عليه ثوب قطري، قد توشح به، فصلّى بهم. وقال عبد بن حميد: قال محمد بن الفضل: سألتني يحيى بن معين عن هذا الحديث أول ما جلس إلي، فقلت: **حدثنا** حماد بن سلمة، فقال: لو كان من كتابك! فقلت لأخرج كتابي، شرح فلاحه في جرد المسند من صحيح

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حضرت اسامہ پر سہارا لگائے ہوئے مکان سے تشریف لائے، اس وقت حضور اقدس ﷺ پر ایک یمنی منقش کپڑا تھا جس میں حضور اقدس ﷺ لپٹے ہوئے تھے، پس حضور ﷺ نے باہر تشریف لا کر صحابہ کو نماز پڑھائی۔ **فائدہ:** یہ قصہ حضور اقدس ﷺ کی بیماری کا ہے چنانچہ دار قطنی نے اس کی تصریح کی ہے، اسی لئے حضور ﷺ نے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر سہارا لگا رکھا تھا، اور غائب یہ ہے کہ مرض الوفا کا قصہ ہے کہ اس قسم کے واقعات اس میں پیش آئے ہیں۔ حضور اقدس ﷺ کے کسی چیز پر ٹیک لگانے کے باب میں بھی یہ حدیث آئے گی۔ اس حدیث کی سند کے متعلق ایک عجیب قصہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے نقل فرمایا ہے جس سے حضرات محدثین رحمہم اللہ کا حدیث کے ساتھ شدت اشتیاق اور ان کی نگاہ میں دنیا کی بے ثباتی معلوم ہوتی ہے۔ محمد بن الفضل کہتے ہیں کہ یحییٰ بن معین (جو علم حدیث کے بڑے جلیل القدر امام ہیں، حتیٰ کہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ انھوں نے دس لکھ حدیثیں اپنے ہاتھ سے لکھی ہیں) نے بیٹھتے ہی اس حدیث کو مجھ سے دریافت کیا، میں نے سنان شروع کیا تو وہ فرمانے لگے کہ کاش! اپنی کتاب سے سناتے تاکہ زیادہ قابل اطمینان ہوتی۔

مُنْكَئِي [الاعتماد على الغير لضعف الإنسان من مرض أو غيره] اسم فاعل من الانكأ، وفي نسخة: متوكئ من التوكأ، وكلاهما معني واحد وهو: الاعتماد، قاله القاري. واحتج في إسناد هذا الحديث كما يأتي في باب انكأه ﷺ **قطري** بكسر القاف وسكون الطاء بعدها راء ثم ياء السب، نسبة إلى القطر بالكسر، وهو نوع من البرود اليمية، يتخذ من قصص، وفيه حمرة وأعلام مع خشونة، أو نوع من حبل حباد، يُخَمَل من سد بالبحرين اسمها قطر بفتح حين، فكسرت القاف وسكنت الطاء على خلاف لقيس، وقال الخافظ بن حجر: ثياب من عبط نقص ونحوه. **قد توشح به:** [أي: وضعه فوق عاتقه، أو صضع به كالحرم، أو خالف بين طرفيه وربطهما بعقه] لو كان إن كان لشرط فجوابه محذوف، أي: كان أحسن؛ ما فيه من زيادة للنسب، وإن كان لسمي فلا يحتاج إلى جواب.

فَقَبَضَ عَلَيَّ ثَوْبِي، ثُمَّ قَالَ: أَمَلَهُ عَلَيَّ، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَلْقَاكَ، قَالَ: فَأَمَلَيْتُهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَخْرَجْتَ كِتَابِي فَقَرَأْتَ عَلَيْهِ. حَدَّثَنَا سُؤَيْدُ بْنُ نَصْرٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ إِيلَاسَ الْحُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي نَضْرَةَ عَنْ^(٧) أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا سَمَّاهُ بِاسْمِهِ عِمَامَةً، أَوْ قَمِيصًا،

بِكسر عين

محمد بن فضل کہتے ہیں کہ میں کتاب لینے کے لئے اندر جانے لگا تو یحییٰ بن معین رحمہ اللہ نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور یہ کہنے لگے کہ پہلے مجھے حفظ ہی لکھاتے جاؤ موت حیات کا کچھ اعتبار نہیں، ممکن ہے کہ میں پھر مل سکوں نہ مل سکوں، کتاب دیکھ کر دوبارہ سنادینا۔ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ اول میں نے حفظ سنائی اور پھر کتاب لا کر دوبارہ دیکھ کر سنائی۔ اللہ اکبر! ان کو طرفین کی حیات کا اس قدر بھی اطمینان نہیں تھا کہ اندر سے کتاب لانے تک زیت کا یقین ہو اور حدیث کا شغف کہ اس کے فوت ہو جانے کا بعید خطرہ بھی گوارہ نہ ہوا۔

(۷) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کوئی کپڑا پہنتے تو اظہارِ مسرت کے طور پر اس کا نام لیتے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے یہ کرتا مرحمت فرمایا، ایسے ہی عمامہ چادر وغیرہ، پھر یہ دعا پڑھتے: **اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْنِيهِ، أَسْأَلُكَ**

فَقَبَضَ عَلَيَّ ثَوْبِي [آی: صَدَّ عَلَيْهِ أَصَابِعُهُ، وَمِنْهُ مَقْبُضُ السَّيْفِ، وَعَرَصَهُ مِنْ ذَلِكَ: مَعَهُ مِنْ دَحُولِ الدَّارِ؛ لِشِدَّةِ حَرَصِهِ عَلَى حُصُولِ الْعَائِدَةِ حَشِيَّةٍ فَوْقَهَا.] **أَمَلَهُ** بِلَامٍ مُشَدَّدَةٍ مَفْتُوحَةٍ مَعَ كَسْرِ الْمِيمِ مِنَ الْإِمْلَالِ، وَهُوَ عَمِيَ: الْإِمْلَاءُ، أَوْ بِسُكُونِ الْمِيمِ وَكَسْرِ اللَّامِ الْمَحْفَمَةِ مِنَ الْإِمْلَاءِ، يُقَالُ: أَمَلْتُ الْكِتَابَ وَأَمَيْتُهُ إِذَا أَلْقَيْتَهُ عَلَى الْكَاتِبِ لِيَكْتُبَ، [وَيُوسَّحَةُ: أَمَلْنَاهُ بِلَامٍ.] وَالْمَعْنَى حَدَّثَنِي بِالْإِمْلَاءِ أَوَّلًا قَبْلَ أَنْ تُخَيَّرَ بِالْكِتَابِ، وَفِيهِ كَمَالُ التَّحْرِيطِ عَلَى تَحْصِيلِ الْعِلْمِ.

أَبِي نَضْرَةَ سَوْنٌ مَفْتُوحَةٌ وَصَادٌ مَعْجَمَةٌ سَاكِنَةٌ، وَتَقْدَمُ فِي بَابِ الْخَاتَمِ فَارْجِعْ إِلَيْهِ. **اسْتَجَدَّ** أَي: لَسْتُ ثَوْبًا جَدِيدًا، وَقَوْلُهُ: سَمَّاهُ بِاسْمِهِ، رَادٌّ فِي بَعْضِ السَّحْرِ: عِمَامَةً أَوْ قَمِيصًا أَوْ رَدَاءً أَوْ غَيْرَهَا، أَي: يَقُولُ: "هَذِهِ عِمَامَةٌ" مَثَلًا، وَتَعْقِبُ: يَأْتِي كَلَامُهُ: "نَصَابُ عَلَى الْخَلْوِ عَنِ الْعَائِدَةِ، وَهَذِهِ لَا فَائِدَةَ فِيهِ، وَأَجِيبُ: بِأَنَّ الْقَصْدَ إِظْهَارُ النِّعَةِ، أَوْ يَقُولُ: "كَسَانِي اللَّهُ هَذَا الْقَمِيصَ" مَثَلًا قُلْتُ: وَالْأَوَّلُ عِنْدِي مَا قَالَ الْمَظْهَرُ: أَنَّهُ يَبَايَ لُضْمِيرِ "كَسَوْنِيهِ"، أَي: يَقُولُ فِي الْقَمِيصِ مَثَلًا: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِي هَذَا الْقَمِيصَ، وَكَذَلِكَ فِي غَيْرِ الْقَمِيصِ مِنَ الْعِمَامَةِ وَغَيْرِهِ، وَيُؤَيِّدُهُ لَفْظُ جَمْعِ الْفَوَائِدِ: إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا قَالَ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ أُنْتُ كَسَوْتَنِي هَذَا، وَيُسَمِّيهِ بِاسْمِهِ إِمَامَةً أَوْ قَمِيصًا وَبِمَا عِمَامَةً، الْخَبَرُ. لَكِنْ فِيهِ أَنَّهُ رَوَى الْحَدِيثَ عَنْ أَبِي دَاوُدَ وَابْنِ مَرْثَدٍ، وَلَقَطَهُمَا فِي أَصْبِهِمَا مَثَلِ الشَّمَائِلِ، فَتَأَمَّلْ. **سَمَّاهُ بِاسْمِهِ** [آی: يَقُولُ: هَذَا ثَوْبٌ، وَهَذِهِ عِمَامَةٌ إِلَى غَيْرِ ذَلِكَ، أَوْ يُسَمِّيهِ بِاسْمِهِ يَمْيِزُهُ عَنْ غَيْرِهِ.]

أَوْ رَدَاءً، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ. **حدثنا** هشام بن يونس الكوفي، أنبأنا القاسم بن مالك المزني، عن الجريري، عن أبي نصره، **عن** أبي سعيد الخدري، عن النبي ﷺ نحوه.

خَيْرُهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ ترجمہ: اے اللہ! تیرے ہی لئے تمام تعریفیں ہیں اور اس کپڑے کے پہنانے پر تیرا ہی شکر ہے، یا اللہ تجھ ہی سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں (کہ خراب نہ ہو ضائع نہ ہو) اور ان مقاصد کی بھلائی اور خوبی چاہتا ہوں جن کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا ہے، اور تجھ ہی سے اس کپڑے کے شر سے پناہ مانگتا ہوں، اور ان چیزوں کے شر سے پناہ مانگتا ہوں جن کے لئے یہ کپڑا بنایا گیا۔ کپڑے کی بھلائی بُرائی تو ظاہر ہے اور جس چیز کے لئے بنایا گیا کا مطلب یہ ہے کہ گرمی سردی زینت وغیرہ، جس غرض کے لئے پہنا گیا اس کی بھلائی یہ ہے کہ اللہ کی رضا میں استعمال ہو، عبادت پر معین ہو، اور اس کی بُرائی یہ ہے کہ اللہ کی نافرمانی میں استعمال ہو، عُجب و تکبر وغیرہ پیدا کرے۔

(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کو یمنی منقش چادر کپڑوں میں زیادہ پسندیدہ تھی۔ **فائدہ:** یہ حدیث بظاہر باب کی پہلی حدیث کے مخالف ہے جس میں کرتے کا سب سے زیادہ پسندیدہ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ علماء نے اس کی مختلف توجہیں فرمائی ہیں، سب سے زیادہ سہل تو یہ کہ ان میں کچھ منافات ہی نہیں، وہ بھی زیادہ پسند تھا اور یہ بھی، یا یہ کہا جائے کہ پہننے کے کپڑوں میں کرتا زیادہ پسند تھا اور اوڑھنے کے کپڑوں میں چادر۔ بعض لوگوں نے ثبوت کے لحاظ سے اس حدیث کو زیادہ قوی بتایا ہے، بعض لوگوں نے اس پہلی حدیث کو اقسامِ لباس پر حمل کیا ہے کہ کپڑوں کی سب قسموں میں کرتا زیادہ پسند تھا اور اس حدیث کو الوان پر، یعنی رنگ کے لحاظ سے منقش چادر کا رنگ پسند تھا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ چادریں سبز رنگ کی ہوتی تھیں۔ اور مقصود یہ ہے کہ رنگ کے اعتبار سے سبز رنگ پسند تھا کہ جتنی لباس سبز رنگ کا ہوگا۔

کَمَا كَسَوْتَنِيهِ اِكْفِ لِلتَّعْبِيلِ، اَي: لَكَ الْحَمْدُ عَلَى كَسَوْتِكَ لِي يَا ه، اَوْ لِلتَّشْبِيهِ فِي الْاِحْتِصَاصِ، اَي: الْحَمْدُ مُحْتَصَصٌ بِكَ كَاِحْتِصَاصِ الْكِسْوَةِ. **حیره** [فی داتہ، وَهُوَ بَقَاؤُهُ وَبَقَاؤُهُ] وَخَيْرَ مَا صُنِعَ [اَي: وَالْخَيْرِ الَّذِي صُنِعَ لِأَجْنِهِ مِنَ التَّقْوَى بِه عَلَى الطَّاعَةِ وَصَرَفَهُ فِيمَا فِيهِ رِضَاكَ، نَظَرًا لِصَلَاحِ بَيْتِ صَانِعِهِ] **شَرِّهِ** [فِي دَاتِهِ، وَهُوَ صَدِّ الْخَيْرِ فِي دَاتِهِ].
وَشَرِّ مَا صُنِعَ [نَظَرًا لِفَسَادِ بَيْتِ صَانِعِهِ] **حدثنا** هَكَذَا ذَكَرَ الْمُصَنِّفُ هَذَا السَّدَّ بَعْدَ الْأَوَّلِ فِي الْجَامِعِ أَيْضًا، وَالظَّاهِرُ عِنْدِي أَنْ غَرَضَهُ تَقْوِيَةُ الْاِتِّصَالِ؛ فَإِنْ أَبَا دَاوُدَ ذَكَرَ عِدَّةً مِنْ أَرْسَلَهُ.

حدثنا محمد بن بشار، أنبأنا معاذ بن هشام، حدثني أبي، عن قتادة، عن أنس بن مالك رضي الله عنه **قال:** كان أحب الثياب إلى رسول الله ﷺ **يلبسه الحبرة.** **حدثنا** محمود بن غيلان، أنبأنا عبد الرزاق، أنبأنا سفيان، عن عون بن أبي جحيفة، **عن أبيه** قال: رأيت النبي ﷺ وعليه حلة حمراء، كأنني أنظر إلى بريق ساقه. بمع سمعة فيه خطوط حمراء أي معال ساقه

(۹) ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو سُرخ جوڑا پہنے ہوئے دیکھا۔ حضور اکرم ﷺ کی دونوں پنڈیوں کی چمک گویا اب میرے سامنے ہے، سفیان جو اس حدیث کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ میں جہاں تک سمجھتا ہوں وہ سُرخ جوڑا منقش جوڑا تھا۔ **فائدہ:** یہ قصہ حجتہ الوداع کا ہے، جیسا کہ بخاری وغیرہ کی روایت میں بالقرع موجود ہے۔ سفیان اس روایت کی مراد میں منقش جوڑا اس لئے بتلاتے ہیں کہ سُرخ کپڑے کی ممانعت آئی ہے، اسی وجہ سے علماء کا اس میں اختلاف ہے، چنانچہ حنفیہ کے بھی اس میں مختلف اقوال ہیں۔ سب سے پہلے باب میں بھی گزر چکا ہے کہ اس میں تفصیل ہے جو کپڑے کی تعیین کے بعد علماء سے تحقیق کی جاتی ہے۔ حضرت قطب ارشاد مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ میں بکثرت یہ مضمون ہے کہ سُرخ رنگ مرد کے لئے فتویٰ کی رو سے جائز ہے تقویٰ کے لحاظ سے ترک کرنا اولیٰ ہے کہ علماء میں مختلف فیہ ہے۔

يلبس الضمير لـ "أحب الثياب"، وفي سح: يلبسها، فالضمير إلى الثياب، والجملة حال على ما قاله المصاوي، وصفة لأحب، أو الثياب، على ما قاله القاري. **الحبرة** [برد يمدى من قطن محبر، أي: مريّن محسّن، والظاهر أنه إما أحتما لليسها، وحسن استحمام صفتها، وموافقها لجلسه الشريف] بالنصب خبر "كان"، و"أحب" بالرفع اسميها، على ما صحح في أكثر سح الشماثل، ويجوز عكسه، وهو الذي ذكره الزعزعي في تصحيح المصابيح. واخيرة كعسة: برد يمدى من قطن محبر، أي: مريّن، ولا يعارض ما تقدم من كون القميص أحب الثياب؛ لما اشتهر في مثله من أن المراد أنه من جهة أحب الثياب أو مما باعتبار الوقتين، مثلا: كان القميص أحب حين يكون على عد سائه، والحبرة حين يكون بين أصحابه.

سفيان أي: الثوري؛ لما في نسخة، وقيل: ابن عيسى. أي **حجيفة**. بضم الحيم وفتح حاء مهمة وسكون ياء وبقاء، هو وهب الحبر، تقدم في باب الشيب. رأيت وهذه الرواية وقعت له في بطحاء مكة في حجة الوداع، كما صرح به في رواية البخاري **بريق ساقه** [أي لمعاهما، وإما نظر إلى بريق ساقه لكون الحلة كانت إلى أنصاف ساقه الشريفتين].

قال سفیان: أَرَاهَا حَبْرَةً. **حدثنا** علي بن خشرم، أخبرنا عيسى بن يونس، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، **عن** البراء بن عازب رضي الله عنه قال: ما رأيت أحدا من الناس أحسنَ في حُلَّةِ حَمْرَاءَ من رسول الله ﷺ. إن كانت جُمُتُهُ لتضرب قريبا من منكبيه. **حدثنا** محمد بن بشار، **حدثنا** عبد الرحمن بن مهدي، أنبأنا عبيد الله بن إباد، عن أبيه، **عن** أبي رُمثة قال: رأيت النبي ﷺ وعليه بُردَانُ أَخْضَرَانِ. **حدثنا** عبد بن حميد، قال: أخبرنا عفان بن مسلم، البرد: ثوب معطوط قال: أنبأنا عبد الله بن حسان العنبري، بصرف ويسمى

(۱۰) حضرت براء رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی کسی سرخ جوڑے والے کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پٹھے حضور کے مونڈھوں کے قریب تک آرہے تھے۔
فائدہ: یہ حدیث پہلے باب میں گزر چکی ہے، یہاں سرخ جوڑے کی وجہ سے مکرر ذکر کی گئی۔
 (۱۱) ابو رُمثہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔ **فائدہ:** یہ حدیث پہلے بھی دو جگہ گزر چکی ہے، لباس کی وجہ سے اس باب میں مختصر طور پر ذکر کی گئی۔

أَرَاهَا عَلَى صِبْغَةِ الْمَصَارِعِ الْمَجْهُورِ، يَعْنِي: أَظَلَّ أَحْمَرَاءَ حَبْرَةً، قَالَهُ الْقَارِي، وَاحْتِاجَ بِنِ هَذَا التَّأْوِيلِ؛ لَوُرُودِ النَّبِيِّ عَنِ الْحَمْرَاءِ. وَاحْتِلَفِ الْعِلْمَاءِ فِي ذَلِكَ عَلَى أَقَاوِيلَ كَثِيرَةٍ، ذَكَرَ مِنْهَا حَافِظُ فِي مَفْتَحٍ، وَالْقَارِي فِي جَمْعِ الْوَسَائِلِ سَبْعَةَ مَسَائِلَ لِلْعِلْمَاءِ، وَاحْتِلَفِ أَقْوَانِ الْحَفِصَةِ أَيْضاً فِي ذَلِكَ، وَفِي الدَّرِّ الْمَحْتَارِ: لِلشَّرْطِ فِيهِ رِسَالَةٌ، نَقَلَ فِيهَا ثَمَانِيَةَ أَقْوَانٍ مِنْهَا أَنَّهُ مُسْتَحَبٌّ. **حَشْرَمٌ** كَجَعْفَرٍ، نَجَاءٍ وَشَيْءٍ مَعْمُومَتَيْنِ، مُصْرَفٌ عَلَى مَا فِي الْقَامُوسِ، وَصَطَفٌ فِي سَبْخَةِ بَفَتْحِ الْمِيمِ عَلَى عَدَمِ الصَّرْفِ، وَلَعَلَّ عَلَيْهِ الْأُخْرَى الْعَجْمَةُ، قَالَهُ الْقَارِي. **حَدَّثَ** قَالَ الْقَارِي: بَيَانٌ لِلْوَقْعِ لَا لَتَقْيِيدِ. فَتَنَ وَيُؤَيِّدُهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ سِيَاقِهِ فِي بَابِ خَلْقِهِ ﷺ بَلْفِظَ: "عَلَيْهِ حِلَّةٌ حَمْرَاءُ، مَا رَأَيْتُ شَيْئاً قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ".
حَنْتَهُ [أَي: حَصَلَةُ مِنْ شَعْرَةٍ]. **رَمْتَهُ** تَقَدَّمَ الْحَدِيثُ فِي بَابِ شَيْبَةٍ رضي الله عنه، وَفِي بَابِ حَصَانَةٍ رضي الله عنه، وَأَعَادَهُ هَهُنَا؛ لِمَا سَأَلَهُ الثِّيَابَ، وَقَالَ الْمُصَنِّفُ فِي الْجَامِعِ: هَذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، لَا نَعْرِفُهُ إِلَّا مِنْ حَدِيثِ عُبَيْدِ اللَّهِ.
أَحْصَرَانِ قَدْ عَصَا: أَيْ: دُو حَصُوطَ حَضَرٍ. وَاعْتَرَضَ عَلَيْهِ اس حَجَرُ: أَنَّهُ إِجْرَاحُ اللَّفْظِ عَنْ ضَاهِرِهِ، وَأَحْيَبَ أَنَّ ابْرَدَ عَدَّ أَهْلَ اللَّغَةِ ثَوْبَ مَحْطُوطٍ، فَتَعْقِيهِ بِالْحَصْرَةِ يَدُلُّ عَلَى أَنَّهُ مَحْطُوطٌ هَا، وَلَوْ كَانَ أَحْصَرُ نَحْنًا لَمْ يَكُنْ بَرْدًا.

عن جَدَّتِهِ دُحْيَةَ وَعُلَيَّةَ، **عَنْ** قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ قَالَتْ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَعَلَيْهِ اَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بَزْعَفَرَانِ،
بِالتَّصْغِيرِ قِيَهُمَا

(۱۲) قیلہ بنت مخرمہ کہتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ حضور والا پردہ پرانی تلکیں تھیں جو زعفران میں رنگی ہوئی تھیں۔ لیکن زعفران کا کوئی اثر ان پر نہیں رہا تھا اور اس حدیث میں ایک طویل قصہ بھی ہے۔
فائدہ: زعفران کے رنگے ہوئے کپڑوں کی حدیث میں ممانعت بھی آئی ہے، اسی لئے اس حدیث میں اس طرف اشارہ کر دیا ہے کہ اس زعفران کا اثر باقی نہیں رہا تھا تاکہ ان احادیث سے اختلاف واقع نہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ کا پرانی دو چادریں پہننا تواضع کی وجہ سے تھا، اسی وجہ سے صوفیا نے شکستگی کی حالت کو اختیار فرمایا کہ یہ تواضع کی طرف لے جانے والی ہے اور تکبر سے دور کرنے والی ہے، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اگر یہ مقصود حاصل نہ ہو تو پھر شکستگی کی حالت محمود نہیں، چہ جائیکہ بجائے اس نفع کے اور مضرت حاصل ہو، جیسا کہ اس زمانے میں ہو رہا ہے کہ بسا اوقات اس اظہار شکستگی کو اظہار کمال کا ذریعہ بنایا جاتا ہے اور زبان حال سے سوال ہوتا ہے۔ حضرت ابوالحسن شاذلی **رحمۃ اللہ علیہ** کا جو اکابر صوفیا میں ہیں، قصہ مشہور ہے کہ وہ ایک مرتبہ نہایت عمدہ لباس میں تھے، کسی شکستہ حال نے ان پر اعتراض کیا تو آپ نے جواب میں یہ ارشاد فرمایا کہ میری یہ ہیئت حق تعالیٰ **جل جلالہ** کا حمد و شکر ظاہر کر رہی ہے اور تیری یہ حالت صورت سوال بن رہی ہے، تو اپنی زبان حال سے لوگوں سے سوال کر رہا ہے۔ الغرض بہ نیت تواضع لباسِ فاخرہ نہ پہننا افضل ہے، بشرطیکہ کسی اور مضرت کی طرف نہ پہنچ جائے۔

حدیثہ قال القاري: إحداهما من قل الأب، والثانية من قبل الأم، وقيلة جدة أبيهما: أم أمه، وكانت رتبعهما.
دحیہ بالصم على المشهور، وقيل: بالفتح، و'عبيبة' كذا في النسخ، والصواب بدله 'صفية' كما حققه الشراح، وهما سنا عليّة، والصواب أخرجه المصنف في جامعہ، وبصه: عن عبد الله بن حسان أنه حدثه حدثاه صفية بنت عليّة ودحیة بنت عليّة، حدثاه عن قيلة بنت محرمة وكانت ربيبتيهما، وقيلة جدة أبيهما: أم أمه، أها قالت: قدما عني رسول الله ﷺ، الحديث.
 وهكدا بالصواب أخرجه أبو داود، ولفظه: عن عبد الله بن حسان حدثني حدثائي: صفية ودحیة ابنا عليّة إ.خ.
اسمال جمع سمل محرّكة، كأسباب جمع سب. واسمل: الثوب الجق، والمراد بالجمع: ما فوق الواحد، فيصدق بالاشياء، وهو المتعبر ههنا لإضافته إلى 'المليتين'، وقيل: وصفه بالجمع باعتبار أجراء الثوب، بل قال المزني: أرادت كائنا تقطعتا حتى صارتا قطعا فلا إشكال في الجمع، والإضافة يابية، كـ 'حرد قطيعة'. **ميتيتي** 'المليّة بتشديد الياء تصغير 'الملاة' بالضم والمد، لكن بعد حذف الألف وإلا يقال: مليّة. والملاة: الإزار، وقيل: الرّبطه أي: الملحفة، وفي القاموس هي كل ثوب م يصم بعصه إلى بعض بخيط، بل كله نسج واحد.

وَقَدْ نَفَضْتَهُ. فِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عَثْمَانَ بْنِ خُثَيْمٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ،

اس کے بالمقابل اگر کوئی دینی مصحت مقتضی ہو، مثلاً کسی بدیہ دینے والے مخلص کی دلداری مقصود ہو یا اور کسی قسم کی دینی منفعت اس پر مرتب ہوتی ہو تو عمدہ لباس پہننا بھی افضل اور مندوب ہو جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ایک مرتبہ ستائیس اونٹنیوں کے بدلہ میں ایک جوڑا خرید فرمایا اور پہنا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ ایک وقتی اور عارضی چیز تھی ورنہ عام لباس میرے آقا کا نہایت معمولی ہوتا تھا۔ اسی وجہ سے اکثر مشائخ تصوف کا یہی معمول رہا ہے، البتہ حضرات نقشبندیہ اور شاذلیہ کا معمول اچھے لباس کا رہا ہے اور صورت سوال سے تحفظ کی رعایت اہم رہی، جیسا کہ حضرت ابوالحسن شاذلیؒ نے فرمایا۔ نفس کے دھوکے سے احتراز دونوں جانبوں میں ضروری ہے شکستہ حالت میں شہرت، اور تواضع کے اظہار میں بریا، اور عمدہ لباس میں تکبر اور نخوت خطرناک امور ہیں۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے جس کو حضور ﷺ کے لباس سے کوئی تعلق نہیں تھا اسی لئے امام ترمذیؒ نے اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا۔ قصہ تقریباً دو ورق کا ہے، شرح نے بھی اس کو اختصاراً چھوڑ دیا، اس میں قید کے ابتدائی اسلام کا تھہ اور اس کی کیفیت ہے، البتہ مشہور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ حضور اکرم ﷺ اس پرانے لباس میں غریبانہ نشست کے ساتھ تشریف فرماتے، ایک کھجور کی چھڑی حضور ﷺ کے دست مبارک میں تھی، ایک شخص حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کی یہ فقیرانہ ہیئت دیکھ کر رعب کی وجہ سے کانپنے لگے، حضور اقدس ﷺ نے ان کی اس حالت کو خود ملاحظہ فرمایا یا کسی نے عرض کیا، اس پر حضور ﷺ نے ان سے ارشاد فرمایا کہ سکون اختیار کرو۔ حضور ﷺ کا یہ ارشاد فرمانا تھا کہ ان پر سے سب خوف وغیرہ جاتا رہا۔

قصہ ای: الأسما، وفي سحرة عصنا، أي: عصت الميتان لوب الزعفران ولم يبق مه أثر، وحذف المفعول شائع، ويجوز أن يكون من قوهم: نفص الثوب نفصاً، أي: ذهب بعض لونه من الصفرة والحمرة، فلا يحتاج إلى حذف المفعول. [والقصة: أن رجلاً جاء فقال: السلام عليك يا رسول الله! فقال: وعليك السلام ورحمة الله، وعليه أثمان مليتين، قد كانتا بزعفران، فنفضتا، وبیده عسی، مح: فقع، لقرفضاء، فما رآته علی تلك الهيئة، أرعدت من الفرق - أي: الخوف - فقال حليسه: يا رسول الله! أرعدت المسكية، فطر بي، فقال: عليك 'سكينة'، فذهب عني ما أجد من الرعب.] طويلة قصة طويلة، أخرجها الطبراني بسند لا بأس به مختصراً، وأخرجها أيضاً الطبراني من طريق حفص بن عمر في معجمه الكبير بطولها قريب من ورقتين، قاله القاري. قت: وذكرها الخافظ في الإصابة في ترجمة قبلة. **حسم** بضم حاء معجمة فمثلة مفتوحة وسكون تحية مصعراً، تقدم في باب الكحل.

عَنْ ^(۱۳) اَبْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ مِنَ الثِّيَابِ، لِيَلْبَسَهَا أَحْيَاؤُكُمْ، وَكَفْنُوهَا فِيهَا مَوْتَاكُمْ، فَإِنَّمَا مِنْ خِيَارِ ثِيَابِكُمْ. **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، أَنَبَانَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، أَخْبَرَنَا سَفِيَّانُ، عَنْ حَبِيبِ بْنِ أَبِي ثَابِتٍ، عَنْ مِيمُونِ بْنِ أَبِي شَيْبٍ، عَنْ ^(۱۴) سَمُرَةَ بْنِ جُنْدَبٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ: اَلْبَسُوا الْبَيَاضَ، فَإِنَّمَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ، وَكَفْنُوهَا فِيهَا مَوْتَاكُمْ. **حَدَّثَنَا** أَحْمَدُ بْنُ مَنِيعٍ، أَنَبَانَا يَحْيَى بْنُ زَكَرِيَّا بْنِ أَبِي زَائِدَةَ، أَنَبَانَا أَبِي، عَنْ مُصَنَّبِ بْنِ شَيْبَةَ، عَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ،

مَدَّةَ أَكْثَرِ مِنْ فَعْرَةٍ

بعض احادیث سے یہ قصہ خود قیلہ ہی کا معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضور ﷺ کی نشست کے بیان میں اس کا تھوڑا سا ذکر بھی فرمایا ہے اور قیلہ ہی کی طرف قصہ کی نسبت کی ہے جیسا کہ حضور ﷺ کی نشست کے باب میں آ رہا ہے۔ (۱۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے تھے کہ سفید کپڑوں کو اختیار کیا کرو کہ یہ بہترین لباس میں سے ہے، سفید کپڑا ہی زندگی کی حالت میں پہننا چاہئے اور سفید ہی کپڑے میں مردوں کو دفن کرنا چاہئے۔ **فائدہ:** اس حدیث میں حضور اقدس ﷺ کے سفید لباس پہننے کا ذکر نہیں اس لئے اس کو شاکل میں ذکر کرنا مغلطی ہے، لیکن یہ توجیہ کی جاسکتی ہے کہ جب حضور ﷺ نے اس کی ترغیب فرمائی تو خود پہننا بھی نکل آیا۔ چنانچہ بخاری وغیرہ میں حضور ﷺ کا سفید لباس زیب تن فرمانا بالضرر صحابہ سے ہے۔

(۱۴) سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سفید کپڑے پہنا کر اس لئے کہ وہ زیادہ پاک صاف رہتا ہے اور اسی میں اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔ **فائدہ:** زیادہ پاک صاف رہنے کا مطلب یہ ہے کہ اگر ذرا سا دھبہ کسی چیز کا پڑ جائے تو فوراً محسوس ہو جاتا ہے، بخلاف رنگین کپڑے کے کہ اس میں تھوڑا سا دھبہ کم محسوس ہوتا ہے۔

عَلَيْكُمْ اسم فعل معنی "الزموا" وحمل البياض على المبالغة أو على حذف المضاف كما سيأتي. ومن الثياب بيان له. **أَحْيَاؤُكُمْ:** [ويحس في صلاة الجمعة، وحضور المسجد، والجالس التي فيها مطقة لقاء الملائكة، كمحاليس القراءة والذكر]. **مَوْتَاكُمْ:** [لواجهة الميت للملائكة]. **الْبَيَاضُ** أي: الثياب البيض، بولغ فيها فكأنها نفس البياض، أو البسوا ذا البياض عني حذف المضاف. **أَطْهَرُ:** لأن الثوب المصنوع إذا وقعت عليه نجاسة لا يظهر عليها مثل ظهورها إذا وقعت على ثوب أبيض، وقال الطيبي: لأن البيض أكثر تأثراً من الثياب الملوثة فيكون أكثر عسلاً فيكون أكثر طهارة. **صَفِيَّة** لها رواية وحديث، وإنكار الدار قصتي إدراكها يردّه تصريح البخاري بسماعها من النبي ﷺ، ومن ثم حزم في الفتح: بأنها من صغار الصحابة.

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: خرج رسول الله ﷺ ذات غداة، وعليه مرطٌ من شعرٍ أسود. **حدثنا** يوسف بن عيسى، أنبأنا وكيع، أنبأنا يونس بن أبي إسحاق، عن أبيه، عن الشعبي، عن عروة بن المغيرة بن شعبة، **عن** أبيه: أن النبي ﷺ لبس جبَّةً روميةً ضيقةَ الكمِّين.

(۱۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ صبح کو مکان سے باہر تشریف لے گئے تو آپ کے بدن پر سیاہ بالوں کی چادر تھی۔

(۱۶) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک رومی جبَّہ زیب تن فرما رکھا تھا جس کی آستینیں تنگ تھیں۔ **فائدہ:** یہ قصہ غزوہ تبوک کا ہے۔ عماء نے ایسی ہی احادیث سے استنباط فرمایا ہے کہ سفار کی بنائی ہوئی چیزیں ناپاک نہیں ہوتیں جب تک کہ کسی خارجی طریقے سے اُن کے ناپاک ہونے کا یقین نہ ہو، اس لئے کہ روم میں اس وقت تک لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اُن کے بنے ہوئے کپڑے حضور اکرم ﷺ نے زیب تن فرمائے ہیں۔

مرطٌ بكسر فسكون، وإحالة حاله، وهو: كساء صويل واسع من حرّ أو صوف أو شعر. ولفظ 'من شعر' بائناث 'من' وفي بعض النسخ الصحيحة: 'مرط شعر' بالإضافة، وهي ترجع إلى الأولى أيضاً؛ لأن الإضافة بيانية. والحديث أخرجه مسلم وأبو داود بلفظ: **خرج النبي ﷺ ذات غداة وعليه مرطٌ مرجل من شعر أسود.**

يونس قال اسدي: يونس بن أبي إسحاق الشيباني الذي سيصرح به مصنف، وقول اشرح: 'الشعبي' سهو. ومظاهر عدي أنه وهم من العلامة الماوي، وانصواب قول لشرح: إنه شعبي، ولدي سيصرح المصنف به في باب حمه. رجل آخر. وحزم الشيخ في الدر أنه شعبي، وقال القاري: وفي نسخة: ابن إسحاق، وهي غير صحيحة **الشعبي** هو نسة لشعب، كفس، بصر من همدان بسكون ميم: هو عامر بن شرحبيل، ولشعبي بالضم، هو معاوية بن حفص، والشعبي بالكسر: هو عبد الله بن مظفر، وكلهم محدثون، فتميز.

حمد [الحبة: ثوب سابع، واسع الكمِّين، يلبس فوق الثياب] نسم الخيم وتشدّد الموحدة. قيل: هي ثوبان بينهما قطب، وقد يقال لما لا حشوله، إذا كانت ظهارته من صوف.

رومية هكذا في رواية المصنف في الجامع، وفي أبي داود: حمة من صوف من حجاب الروم، لكن وقع في أكثر روايات الصحيحين: حمة شامية، ولا مضافة بينهما، فإن الشام حشيد دخل تحت حكم قيصر ملك الروم، فكأنهم واحد من حيث الملك، وبمعنى أن يكون نسة هيئتها، المعتاد لسنها إلى أحدهما، ونسب حياضتها إلى الأخرى، قاله القاري.

بَابُ مَا جَاءَ فِي عَيْشِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ

بَابُ حَضُورِ اَقْدَسِ صَلَواتِہٖ عَلَیْہِہٖ السَّلَامِ کے گزارہ کے بیان میں

فَانْدَه: یہ باب شامل کے موجودہ نسخوں میں دو جگہ ملتا ہے، ایک یہاں دوسرے او آخر کتاب میں۔ لیکن دو جگہ مذکور ہونے کی کوئی خاص وجہ نہیں، اسی لئے بعض نسخوں میں ہر دو باب کی احادیث کو ایک ہی جگہ جمع کر دیا ہے، تاہم چونکہ اکثر نسخوں میں دو جگہ پایا جاتا ہے اس لئے یہ توضیح کی جاسکتی ہے کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود اس جگہ صرف نفس تنگی کو بیان کرنا ہے، اور اس جگہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگی کی حالت میں جو جو چیزیں استعمال یا نوش فرمائی ہیں ان کا ذکر مقصود ہے، اسی وجہ سے یہاں صرف دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں اور اُس جگہ زیادہ۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں اس چیز کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہو کہ گذشتہ باب میں جو لباس میں بعض ایسی چیزیں گزری ہیں جیسا پرانی لنگی یا تنگ آستین کا جبہ وغیرہ جو عام معمول کے خلاف تھا، یہ اس وقت کی عام تنگ حالی کی وجہ سے تھا کہ ابتداءً عسرت زیادہ تھی، پس الفاظ ترجمہ کے اگرچہ ایک ہیں لیکن مقصود علیحدہ ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، اُن پر ایک لنگی اور ایک چادر تھی، وہ دونوں

عیش [کیفیت معیشتہ حال حیاتیہ۔ العیش: الحیاة، والمعیشتہ: مکسب الإنسان الذي یعیش به، أهل الخمار یسمون الروح والضعام عیشاً] هو الحیاة وما یکون به الحیاة، وفي القاموس: هو الحیاة وما یعاش به والخمر. قال القاري: وقع في أصل سماعة هذا الباب اصغير، وسباني في آخر الباب باب طويل في عيشه ﷺ، ووقع في بعض النسخ ههنا باب طويل، وعنى التقديرين إيراد باب العيش بين نايي اللباس والحف غير ملائم، والطاهر أنه من تصرف الساج. كنهه الفقير حماد الدين الحسيني. هكذا وجدته بخط ميرك شاه علي هامش نسخة، وقال الحمفي: وفي بعض النسخ: الطويل بعد القصير، ويتجه على كلتا النسختين أن جعلهما بايں غير طاهر، ورد ابن حجر عني من أئدی لذلك وجوها، والطاهر في احوال: أن المراد بهذا الباب ما يدل على ضيق عيش بعض الأصحاب مع عيشه ﷺ في كل باب. وأحاديث ذلك الباب دالة على ضيق عيشه المخصوص به وبأهل بيته، أو هذا الباب يدل على ضيق عيشه في أول أمره، وذلك يدل على آخر أمره، قاله القاري، وقال الماوي: الموب له ههنا بيان صفة حیاته وما اشتملت عليه من الصيق والفقر، والمبوب له ثم بیان أنواع المأكولات. هذا أقصى ما اعتذر به الشارح عن التكرار، والإنصاف أن الأصوب: جعلهما باا واحداً.

وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَانٍ، فَتَمَخَّطَ فِي أَحَدِهِمَا فَقَالَ: بَغْ بَغْ، يَتَمَخَّطُ أَبُو هُرَيْرَةَ فِي الْكَتَانِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَا أَخُوُّ فِيمَا بَيْنَ مَنْبَرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَحَجَرَةِ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، فَيَجِيءُ الْجَاهِلِيَّ فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي، يُورِي أَنِّي بِي

کتان کی تھیں اور گیروی رنگ میں رنگی ہوئی تھیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے ان میں سے ایک سے ناک صاف کی پھر تعجب سے کہنے لگے کہ اللہ اللہ! آج ابو ہریرہ کتان کے کپڑوں سے ناک صاف کرتا ہے اور ایک وہ زمانہ تھا کہ جب میں منبر نبوی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کے درمیان شدت بھوک کی وجہ سے بیہوش پڑا ہوا ہوتا تھا اور لوگ مجھ کو مجنون سمجھ کر میری گردن کو پاؤں سے دباتے تھے اور حقیقتاً مجھے جنون وغیرہ کچھ نہیں تھا بلکہ صرف شدت بھوک کی وجہ سے یہ حالت ہو جاتی تھی۔
فائدہ: کتان ایک عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا ہے۔ صاحب لغات الصراح نے لکھا ہے کہ ایک باریک قسم کا کپڑا ہے جو گھاس کے چمڑے سے بنتا ہے اور صاحب محیط اعظم نے لکھا ہے کہ کتان کو ہندی میں ”السی“ کہتے ہیں، اس کی چھال سے کپڑا بھی بنا جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی گردن کو پاؤں سے دباناس وجہ سے تھا کہ اس زمانہ میں مجنون کی گردن پاؤں سے علا جا د بائی جاتی تھی تاکہ افاقہ پائے۔ اس حدیث کو حضور ﷺ کے حالات میں اس لئے ذکر کیا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جیسے خواص خدام کا جب یہ حال تھا تو اس سے آپ کی تنگی کا حال خود معلوم ہو گیا کہ یہ حضرات اہل صفہ حضور ﷺ کے مہمان شمار ہوتے تھے اور جو کچھ آتا تھا وہ ان حضرات پر تقسیم ہوتا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک آیت کے متعلق کچھ تحقیق کیا، وہ بتا رہے تھے اور میں ساتھ ساتھ چل رہا تھا کہ چل نہ سکا اور گر کر بے ہوش ہو گیا۔

مُشَقَّ بتشديد الشين المعجمة المفتوحة، أي: مصبوعان بالمشق بالكسر، وهو الطين الأحمر، وقيل: البعرة، قاله القاري، وقال الماوي: وفي المصباح: امشقت الثوب امشاقا: صبغته بالمشق، فالفعول على باه. وقالوا: ثوب مشق بالتشديد والفتح، ولم يدكروا فعله. **بَغْ بَغْ** بسكون آخره فيهما، وقيل: بكسره غير منون فيهما، وفيه لغات آخر. وهذه كلمة تقال عند الرضا بالشيء والفرح لتعظيم الأمر وتعظيمه، وقد تستعمل للإعكار كما ههنا. **الكتان** [بات رراعي حوئي يتخذ من أليافه السبع المعروف].
لَقَدْ اللام في جواب قسم مقدر، أي: والله لقد، قاله القاري. **لَا أَحُوُّ** بصيغة التثنية من المفرد، من باب ضرب، مشتق من الحرور، أي: أسقط على الأرض. **مَعْشِيَا** [مستوليا على العشي، وهو: تعطل القوى الحساسة لصعف القلب؛ بسبب جوع مفرط، أو وجع شديد، أو نحو ذلك].

جنونا وما بي جنون، وما هو إلا الجوع. **حدثنا قُتَيْبَةُ**، **حدثنا جعفر بن سليمان الضُّبَعِيُّ**، **عن مالك بن دينار قال**: ما شبع رسول الله ﷺ من خُبْرَقَطٍّ،

آج مسلمانوں کی تنگ حالی کا شور ہے اور روٹی کا سوال اتنا اہم ہے کہ اس کی خاطر ہر قسم کی بددینی کو اختیار کیا جاسکتا ہے لیکن کیا ان حالات کے عشرِ عشر بھی ہمارے حالات ہیں اور یہ حضرات ان مصائب پر بھی کسی قسم کی دینی مداخلت برداشت نہ کر سکتے تھے۔

(۲) مالک بن دینار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی روٹی سے اور نہ گوشت سے شکم سیری فرمائی مگر حالتِ ضعف پر۔ مالک بن دینار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بدوی سے ”ضفف“ کے معنی پوچھے تو اس نے لوگوں کے ساتھ کھانے کے معنی بتائے۔ **فائدہ**: ضفف کے معنی خفی تھے چنانچہ اب بھی اہل لفت اس میں مختلف ہیں، اسی وجہ سے مالک بن دینار رضی اللہ عنہ نے ایک بدوی سے دریافت کیا ہے۔ اجتماعی حالت میں پیٹ بھر کر کھانے کا مطلب بعض لوگوں نے یہ بیان کیا کہ اگر کسی جگہ دعوت وغیرہ میں نوبت آتی تو شکم سیر ہو کر نوش فرماتے، ویسے کبھی نوبت نہ آتی تھی۔ اس پر بعض علماء نے بڑے زور سے رد فرمایا ہے، وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ایسے امر کی نسبت کرنا جس کو اگر آج کسی کی طرف نسبت کیا جائے تو سخت ناگوار ہو، نہایت بے ادبی ہے۔ مگر بندۂ ناچیز کے نزدیک اس مطلب میں کوئی مانع نہیں، اس لئے اس زمانہ میں اگر کسی کی طرف اس امر کی نسبت کی جاتی ہے کہ اپنے گھر پیٹ بھر کر نہیں کھاتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ شخص بخیل ہے اور اُس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس کی نسبت کرنے میں اس کا ایہم نہیں ہے، اس لئے کہ اس وقت کی تنگ حالی معلوم ہے کہ کئی کئی وقت مسلسل فاقوں کی نوبت آتی تھی، اور اس کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سخا اور جود کہ جو ہدیہ میں کہیں سے کچھ آجاتا تھا وہ اصحابِ صفہ پر تقسیم کیا جاتا تھا،

جنونا. [أي: يظن ذلك الجائي أن بي نوعا من الجنون، وهو الصرع.] **الضُّبَعِيُّ**: بضم الضاد المعجمة وفتح اللوحدة وكسر العين المهملة، سمة لقبيلة بني صبيعة. **مالك بن دينار**: تابعي جميل، فالحديث مرسل، وقيل: معضل، لأنه سمعه عن الحسن البصري، وهو تابعي أيضاً، فقال: **حدثنا الحسن قال**: لم يشبع رسول الله ﷺ الحديث. أخرجه أبو موسى وغيره. **خُرْقَطٌ**: بفتح القاف وتشديد الطاء المهملة، أي: أصلاً، وفي زمن من الزمان. وهل المراد أنه ما شبع من أحدهما كما أفهمه توسط ”فقط“ بينهما، أو منهما معاً؟ كما يأتي في الباب الطويل: عن أسد أن النبي ﷺ لم يجتمع عنده غداء ولا عشاء من حبر ولحم إلا على ضفف؟ محل تردد.

وَلَا لَحْمَ إِلَّا عَلٰی ضَفْفٍ، قَالَ مَالِكٌ: سَأَلْتُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ: مَا الضَّفَفُ؟ فَقَالَ: أَنْ يَتَأَوَّلَ
مَعَ النَّاسِ.

ایسی صورت میں پیٹ بھرنے کی نوبت کہاں آسکتی تھی۔ لیکن شرّاح حدیث اس مطلب کو غلط بتاتے ہیں اور ان کا ارشاد حجت ہے، اس لئے اگر یہ مطلب غلط ہو تو اللہ جلّ جلالہ اپنے لطف سے معاف فرما دیں اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَقُولَ فِي حَقِّهِ مَا لَا يَلِيقُ بِشَانِهِ۔ بالجملة جن علماء نے اس مطلب کو ناپسند فرمایا ہے وہ حدیث کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ حاستِ میزبانی میں تو شکم سیر ہو کر نوش فرماتے تاکہ مہمان حضور ﷺ کے ساتھ جلد نہ اٹھ جائیں اور بھوکے نہ رہیں، نیز اس وقت جب کہ آپ کے یہاں کوئی مہمان ہوتا تھا تو اس کے لئے حضور اقدس ﷺ باوجود عسرت اور تنگی کے بھی فکر فرما کر کچھ نہ کچھ مہیا فرماتے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ مجمع کے ساتھ کھانا مراد ہو، عام ہے کہ اپنے گھر ہو یا کسی دوسری جگہ، اس کی وجہ یہ ہے کہ جس مجمع میں حضور اقدس ﷺ تشریف فرما ہوں اس میں حضور اقدس ﷺ کے ہاتھ کھینچ لینے کے بعد مجمع کا ہاتھ کھینچ لینا بدیہی ہے۔ تنبیہ: آنحضرت ﷺ کا شکم سیر ہونا جس جس جگہ وارد ہوا ہے ان سب مواضع میں وہی دو تہائی پیٹ بھر کر نوش فرمانا مراد ہے کہ یہ حالت بھی حالتِ مہمانی میں ہوتی تھی ورنہ بالکل شکم سیر ہونا کسی وقت نہیں ہوتا تھا، نہ حالتِ مہمانی میں نہ حالتِ تنہائی میں۔

صف [أي: ما شبع في رمن من الأرماد إلا إذا رمل به الصبوف فيشبع حينئذ؛ لضرورة الإيأس والمخاطبة] هو يفتح الضاد المعجمة والعالين أولاً هما مفتوحة، وفي تائق: روي حمف وشصف، والثلاثة في معنى ضيق المعيشة وقتها، يعني: لم يشبع ﷺ إلا وإخال خلاف الخصب والرحاء، وقيل: معناه كثرة الأيدي واجتماع الأكليين، كما فسّر في الحديث قال البيهقوري تبعاً لمساوي: أي: إلا إذا رمل به صبوف فيشبع حينئذ بحيث يأكل ثشي بصره؛ لضرورة الإيأس والمخاطبة. هذا هو المتعين في فهم هذا المقام، وما ذكره بعض الشراح: من أن المعنى لم يشبع في بيته بل مع الناس في الولائم والعقائق، فهو همزة لا يبيق دث بجابه ﷺ، إذ لو قيل في حق الواحد ما دث لم يرتضه، فما نالت بدث الحساب الأهم والملاذ الأعظم.

البادية لأهم أعرف بالبعات. أن يتناول قال انقاري: بصم أوله، وفي نسخة يفتح، ومعنى الخبر على هذا: أنه ﷺ لم يشبع مهنماً إذا أكل وحده، ولكن شبع مهنماً إذا كان يأكل مع الناس، ثم قيل: معناه: أنه يأكل مع أهل بيته، أو مع الأضياف، أو في الضيافات والولائم والعقائق.

بَابُ مَا جَاءَ فِي خُفِّ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

حدثنا هناد بن السري، حدثنا وكيع، عن ذلهم بن صالح، عن حجير بن عبد الله، عن ابن بريدة، عن أبيه،

بمهمات كجعفر

باب حضور اقدس ﷺ کے موزہ کے بیان میں

فائدہ: حضور اقدس ﷺ نے چند قسم کے موزے استعمال فرمائے ہیں۔ موزے کے آداب میں سے وایاں موزہ پہلے پہننا ہے۔ نیز موزہ کا پہننے سے قبل جھاڑ لینا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ معجزات میں طبرانی نے ایک روایت موزہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ جنگل میں ایک موزہ پہنا اور دوسرا پہننے کا قصد فرما رہے تھے کہ ایک کو آ کر وہ دوسرا موزہ اٹھ کر لے گیا اور اوپر لے جا کر اس کو پھینک دیا، اس میں ایک سانپ گھسا ہوا تھا جو اس گرنے کی چوٹ سے باہر نکلا۔ حضور اقدس ﷺ نے حق تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور آداب موزہ سے ایک قانون فرما دیا کہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جب موزہ پہننے کا ارادہ کرے تو اس کو جھاڑ لیا کرے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) بریدہ کہتے ہیں کہ نجاشی نے حضور ﷺ کے پاس سیاہ رنگ کے دو سادے موزے ہدیہ بھیجے تھے، حضور اقدس ﷺ نے ان کو پہنا اور وضو کے بعد ان پر مسح بھی فرمایا۔ فائدہ: ”نجاشی“ حبشہ کے ہر بادشاہ کا لقب ہوتا تھا جیسا کہ ”شریف“ والی مکہ کا لقب ہوتا ہے۔ ان نجاشی کا نام اسمعہ تھا، یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ علماء نے اس سے استنباط فرمایا ہے کہ کافر کا ہدیہ قبول کرنا جائز ہے۔ اس لئے کہ یہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، البتہ چونکہ دوسری حدیث میں کافر کے ہدیہ سے انکار بھی آیا ہے اس لئے علماء نے مختلف طرح سے دونوں کو جمع کیا ہے۔

خف: [ما يلبس في الرجل داخل المنزل] معروف، وجمعه حفاف ككتاب، وحف العبر جمعه أحفاف، ككفّل وأفقال.
حجیر: بضم حاء مهملة ففتح جیم فسكون ياء آخره راء، له هذا الحديث الواحد، أخرجه أبو داود والترمذي وابن ماجه، قاله القاري. ابن بريدة: هو عبد الله، وفي بعض النسخ: أبي بريدة، قال القسطلاني: هو عبط فاحش، قال القاري: وقد يوجه بأنه كنيته. قلت: لكن أهل الرجال ذكروا كنيته أبا سهل.

أَنَّ النجاشي أهدى للنبي ﷺ خُفَّينِ أسودين ساذجين، فلبسهما ثم توضأ ومسح عليهما. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، أخبرنا يحيى بن زكريا بن أبي زائدة، عن الحسن بن عيَّاش، عن أبي إسحاق، عن الشعبي قال: قال المغيرة^(۲) بن شعبة: أهدى دحية للنبي ﷺ خُفَّينِ، فلبسهما. - وقال إسرائيل: عن جابر، عن عامر - **وَجَبَّةٌ**،
الشعبي

(۲) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ دحیہ کلبی نے دو موزے حضور ﷺ کی نذر کیے تھے۔ ایک دوسری روایت میں موزوں کے ساتھ بچہ کے پیش کرنے کا بھی ذکر ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے ان کو پہنا یہاں تک کہ وہ پھٹ گئے۔ حضور اقدس ﷺ نے یہ بھی تحقیق نہیں فرمایا کہ وہ مذبح جابر کی کھال کے تھے یا غیر مذبح۔

النجاشي [لقب ملك الحبشة، اسمه أصحمة، وقيل: مكحول بن صعصعة. ومات أحرهم سي ﷺ موتة يوم موته، وخرج هم وصلى عليه، وصلوا معه] كسر أوله أفصح من فتحه، وتشديد الياء أفصح من تخفيفها، وتشديد الحيم خطأ، قاله البيهقوري تبعاً للمساوي، وقال القاري: تشديد الجيم خطأ، وهو بفتح الهمزة وتكسر، وقول ابن حجر: كسر النون أفصح غير صحيح. لقب ملوك الحبشة، كالتبع ليعس، وكسرى لفرس، وقصر للروم، وهرقل للشام، وفرعون لمصر، ألقاب جاهلية، واسم هذا ملوك أصحمة. وقد أرسل ﷺ إليه عمرو بن أمية الضمري، يدعوهُ إلى الإسلام فأقسم، ومات سنة تسع من الهجرة عند الأكثر على ما صرح به العسقلاني، قاله القاري، وفي النذل. قبل فتح مكة، وصلى عليه النبي ﷺ بمدينة، كما هو المشهور في كتب الحديث. **للنبي ﷺ** وفي نسخة: إلى سي ﷺ واستعمل أهدى باللام وإلى شائع. **ساذجين** [خالصين في السواد، وليس فيهما نقوش] بفتح الدال المعجمة، معرب ساذج عنى ما في القاموس، أي: غير مقوشين، أو لا شية فيها تحالف لوهما، أو مجردين عن الشعر، كما في قوله: معين جرداوين. **دحية** بكسر أوله عند الجمهور، وقيل: بالفتح. صحابي مشهور ذو جمال حتى كان يأتي جبرئيل ﷺ في صورته كثيراً، ووجهه تقدم. **وقال إسرائيل** هو من كلام الترمذي، فإن كان من قبل عسه وهو الظاهر، فهو معلق، وإن كان من قتيبة فلا يكون معلقاً، وقال ميرك: يحتمل أن يكون مقولاً، ليحيى فيكون عصباً بحسب المعنى عنى قوله: عن الحسن بن عيَّاش، قاله القاري. **وحقة** بالصب عطفاً على خفين، قال ميرك: والحاصل أن يحيى روى قصة إهداء الخمين فقط عن الحسن، وروى قصة إهداء الخفين مع الحمة عن إسرائيل، ويحتمل أن يكون تعليقا عن الترمذي، ومأر من حرج الحديث غير المؤلف، فإنه ذكره في جامعهم هذا السياق بلا تفاوت، ثم رأيت الحديث محرراً في أحلاق النبي ﷺ لأبي شيبة بن حبان الأصبهاني، فإنه أخرجه من طريق هشام بن حميل، عن ربيع بن معاوية، عن جابر الجعفي، عن عامر، عن دحية الكلبى أنه أهدى رسول الله ﷺ حجة من الشام وخفين، ويفهم من هذا السياق تقوية احتمال التعليق، قاله القاري.

فَلْبَسَهُمَا حَتَّى تَحْرَقَا، لَا يَدْرِي النَّبِيُّ ﷺ أَذْكَيُّهُمَا أَمْ لَا. قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا هُوَ أَبُو إِسْحَاقَ الشَّيْبَانِيُّ، وَاسْمُهُ سُلَيْمَانُ.

ای مذبوح اُصہما ام لا

فائدہ: اس اخیر لفظ سے حنفیہ کے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ وباغت کے بعد مذبوح اور غیر مذبوح کی کھال دونوں استعمال کرنی جائز ہیں۔ بعض ائمہ کا اس میں اختلاف ہے جس کی بحث کتب فقہ سے تعلق رکھتی ہے۔

فلسفہما أي: الحفین واجبة، وثی الصمیر؛ لأن الحفین فی الحقیقة ملبوس واحد، ويحتمل أن يكون الضمير إلى الحفین فقط كما فی الرواية الأولى، ويؤيده قوله: لَا يَدْرِي. أَذْكَيُّ: [أي: أ مذبوح بتذكية شرعية أم لا، والمعنى: لم يعلم أن هذين الحفین كانتا متخذتين من جلد مذکی أم من الميت.] **الشَّيْبَانِيُّ** معجمة وتحتية وموحدة، نسبة إلى شيبان، قبيلة معروفة في بكر بن وائل، وهو شيبان جميل بن ثعلبة، قاله السمعاني. والعرض أن أبا إسحاق هذا ليس بيسوعي كما يوهمه كون إسرائيل الراوي من ولده.

بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

حدثنا محمد بشار، حدثنا أبو داود، حدثنا همام، **عن** قتادة قال: قلت لأنس بن مالك: كيف كان نعل رسول الله ﷺ؟ قال: لهما قبالاتان. **حدثنا** أبو كريب محمد بن العلاء، حدثنا وكيع، عن سفيان، عن خالد الحذاء، عن عبد الله بن الحارث،

باب حضور اقدس ﷺ کے نعلین (جوتے) شریف کے ذکر میں

فائدہ: اس میں حضور اقدس ﷺ کے جوتے کی ہیئت اور اس کے پہننے اور نکالنے کا طریقہ ذکر فرمایا ہے۔ نعل شریف کا نقشہ اور اس کے برکات و فضائل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مدظلہم کے رسالہ ”زاد السعید“ کے اخیر میں مفصل مذکور ہیں، جس کو تفصیل مقصود ہو اس میں دیکھ لے۔ مختصر یہ ہے کہ اس کے خواص بے انتہا ہیں، علماء نے بارہا تجربے کیے ہیں، حضور کی زیارت میسر ہوتی ہے، ظالموں سے نجات حاصل ہوتی ہے، ہر دلعزیزی میسر ہوتی ہے۔ غرض ہر مقصد میں اس کے توسل سے کامیابی ہوتی ہے۔ طریق توسل بھی اسی میں مذکور ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں گیارہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) **قدہ** کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضور کے نعل شریف کیسے تھے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ ہر ایک جوتے میں دو دو تھے۔ **فائدہ:** عرب میں جوتا ایسا نہیں ہوتا تھا جیسا کہ یہاں ہند میں متعارف ہے بلکہ ایک چمڑے کی چپٹی پر دو تھے ہوتے تھے۔ جس کا نقشہ یہ ہے۔ (نعلین مبارک کا نقشہ کتاب کے آخر میں صفحہ ۵۰۴ پر ملاحظہ فرمائیں)

نعل [کل ما وقبت به القدم عن الأرض] نعل قد نبیء مصدرأ وقد نبیء اسماء، وهو محتمل لسمعیین ھبہ، والثانی هو الأطھر، قالہ القاری. **قالاں** تشبیہ فل یکسر انقاف ونامو حدة رماہ لنعل، وقار یجد رماہ بن الاصع الوسطی والی تلیہا، وکان یضع أحد القسایین بین الإھام والی تلیہا، والأخری بین الوسطی والی تلیہا. **سفيان** قال القاري: أي: الثوري لا اس عبيبة؛ لأنه لم يرو عن خالد الحذاء، خلافاً لمن وهم من الشراح. وكذا تعقب المناوي وغيره على من قال: إنه ابن عبيبة.

عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كان لنعل رسول الله ﷺ قَبَالَانِ مُثْنِي شِرَاكَهُمَا. **حدثنا** أحمد بن منيع ويعقوب بن إبراهيم، حدثنا أبو أحمد الزُّبَيْرِيُّ، حدثنا عيسى ^{بمهمات كعطشان} بن طَهْمَانَ قال: أخرج إلينا أنس بن مالك نعلين جَرْدَاوَيْنِ لهما قَبَالَانِ. قال: فحدثني ثابت بعد عن أنس: ^{أي عيسى بن طهمان بعد هذا المجلس} أنهما كانتا نعلي رسول الله ﷺ. **حدثنا** إسحاق بن موسى الأنصاري، قال:

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے نعین شریف کے تھے دوہرے تھے۔ **فائدہ:** یعنی ہر ہر تھے میں دو دو تھے تھے، یعنی ہر تسمہ دوہرا تھا۔ اس حدیث کی سند میں ایک راوی خالد حذاء ہیں۔ حذاء کے معنی موچی کے ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ صاحب خود موچی نہیں تھے، لیکن نشست و برخاست اور تعلقات موچیوں سے تھے اس لئے ان کا لقب خالد موچی پڑ گیا تھا کہ اسی سے پہچانے جاتے تھے۔ جس قسم کے آدمیوں سے تعقدت ہوتے ہیں ان کے ظاہری اور باطنی اثرات رنگ لائے بغیر نہیں رہتے۔

(۳) عیسی کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہمیں دو جوتے نکال کر دکھائے، ان پر بال نہیں تھے۔ مجھے اس کے بعد ثابت نے یہ بتایا کہ وہ دونوں آنحضرت ﷺ کے نعین شریف تھے۔ **فائدہ:** اکثر چمڑے کو بغیر بال اتارے بھی عرب میں جوتا بنالیا جاتا تھا، اس لئے راوی نے بالوں کا ذکر فرمایا۔

مُثْنِي. بضم ميم وفتح مثناة وبون مشددة على أنه اسم معول من التثنية، وفي نسخة صحيحة: بفتح ميم فسكون فكسر فتحة مشددة على أنه اسم معول من الثني، قاله القاري، وجعلهما المناوي روايتين. **شِرَاكَهُمَا**. [تثنية شراك، وهو أحد سيور النعل. والمعنى: كان شراك نعله محمولاً اثني من السيور،] الزُّبَيْرِيُّ: نسبه لجدّه زبير بالرّاي مصغراً، واسمه محمد بن عبد الله بن الزبير. **جَرْدَاوَيْنِ** الجرداء مؤث أحرد، وهي: التي لا شعر عليها، استعير من أرض جرد لاسات فيها، وقيل: معناه حلقين. **ابن موسى**: كذا في النسح، قال اساي وتبعه البجوري: إسحاق بن موسى كذا في نسح، وفي بعضها: إسحاق بن محمد وهو الصواب. قال بعض الحفاظ: هذا هو الذي خرج له في الشمائل، وليس هو إسحاق بن موسى الذي خرج له في جامعه، قال في التقريب: إسحاق بن محمد مجهول. وهذا عدي وهم مهمما، والصحيح إسحاق بن موسى كما في النسح الموجودة عندني، ويؤيد كتب الرجال أيضاً كونه ابن موسى؛ إذ ذكروا رواية الترمذي عن ابن موسى بدون الواسطة، وعن ابن محمد بواسطة، وأيضاً ذكروا في تلامذة مع بن موسى: هذا ابن موسى دون ابن محمد، وإسحاق بن محمد الذي أخرج له الترمذي في الشمائل، وقال صاحب التقريب فيه: إنه مجهول، هو رجل آخر، راوي حديث الاحتناء، يأتي حديثه في باب جسته رضي الله عنه فتأمل.

أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ أَنَّهُ قَالَ لَابْنِ عَمْرٍ: رَأَيْتَكَ تَلْبَسُ النَّعَالَ السَّبْتِيَّةَ؟ قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَلْبَسُ النَّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعْرٌ،

(۴) عبید بن جریج نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ بغیر بالوں کے چڑے کا جوتا پہنتے ہیں، اس کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایسا ہی جوتا پہنتے ہوئے اور اس میں وضو فرماتے ہوئے دیکھا ہے، اس لئے میں ایسے ہی جوتے کو پسند کرتا ہوں۔

فائدہ: منشا سوال کا یہ تھا کہ عرب میں اس وقت تک تتم و تمدن ایسا نہ تھا، اس لئے بالوں سمیت چڑے کا جوتا عام طور سے بنالیا جاتا تھا۔ اسی لئے بخاری شریف کی مفصل حدیث میں ہے کہ عبید نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں چند چیزیں آپ کے معمولات میں ایسی دیکھتا ہوں جو دوسرے صحابہ کے معمولات میں نہیں دیکھتا، منجملہ ان کے یہ بھی ذکر کیا کہ آپ صاف شدہ چڑے کا جوتا پہنتے ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے شدتِ اہتمام میں اس کا لحاظ فرماتے تھے، دوسرے حضرات عام دستور کے موافق ویسے ہی چڑے کا بنا لیتے تھے۔ حدیث بالا میں اس میں وضو کرنے کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے جوتے میں چونکہ پنچہ نہیں ہوتا، نیچے چھتی اوپر تسمہ، اس لئے جوتا پہنے ہوئے بھی وضو ہو سکتا ہے اور بے تکلف پاؤں دھل سکتا ہے، اس لئے حضور کبھی کبھی تعلیم و جواز کے واسطے ایسا بھی کر لیتے تھے۔ بعض علماء نے اس میں وضو کا مطلب یہ بتایا ہے کہ وضو کے بعد فوراً نعلین شریف پہن لیتے تھے، پاؤں کے خشک ہونے کا انتظار نہ فرماتے تھے تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ فوراً تر پاؤں میں جوتا پہننے سے وضو میں کوئی نقص نہیں آتا۔

المفہر: سبۃ للمقبرة لكثرة ريارته ها، أو لحفظها، أو لكون عمر ولأه لحررها. **السبۃ** [التي لا شعر عليها، سبۃ إلى سبت، وهو جنود البقر المدبوعة لأن شعرها سُبِتَ وسقط عنها بالبداع، ومراد أسائل: أن يعرف حكمة اختيار ابن عمر لسبۃ] بكسر السين المهملة وسكون الموحدة: مسوبة إلى السبت، قال أبو عبيد: هي المدبوعة، وبقه عن الأصمعي، وقيل: إنما هي التي حُلقت عنها وأُرِبل شعرها، قاله القاري، وقال العيني: سبۃ إلى سبت بكسر السين وسكون الموحدة، وهو جند البقر المدبوع بالقرط، وقال أبو عمر: كل مدبوع فهو سبت، وقال أبو ريد: هي السبت مدبوعة أو غير مدبوعة، وقيل: السبتية التي لا شعر عليها، وقيل: التي عليها الشعر إلى آخر ما بسطه، وجواب ابن عمر: يدل علي أن المراد التي لا شعر عليها. قال الحمفي: وإنما اعترض عليه؛ لأنها عال أهل النعمة والسعة، قال ابن حجر: ومن ثم لم يلبسها الصحابة كما أفاده حديث البخاري: عن عبید بن جریج أنه قال لاس عمر ﷺ رأيتك تصنع أربعاً لم أر أحداً من أصحابك يصنعها. الحديث.

وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا، فَأَنَا أَحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا. **حدثنا** إسحاق بن منصور، حدثنا عبد الرزاق، عن معمر، عن ابن أبي ذئب، عن صالح مولى التوأمة، **عن** أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان لنعل رسول الله ﷺ محمد بن عبد الرحمن قبالة. **حدثنا** أحمد بن منيع، حدثنا أبو أحمد قال: أخبرنا سفيان، عن السدي قال: حدثني **من** سمع عمرو بن حريث يقول: رأيت رسول الله ﷺ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْنِ مَخْصُوفَتَيْنِ. **حدثنا** إسحاق بن موسى الأنصاري، أخبرنا معن، أخبرنا مالك، عن أبي الزناد، عن الأعرج، **عن** ^(۷)

(۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بھی یہ ہی نقل فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے نعلین شریف کے دو تھے تھے۔

(۶) عمرو بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایسے جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے جن میں دوسرا چمڑا سلا ہوا تھا۔ **فائدہ:** یعنی اس کی تلی دوہری تھی، اوپر نیچے دو تہہ چمڑے کی تھیں، یا یہ مطلب ہے کہ ٹوٹے ہوئے ہونے کی وجہ سے چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔

(۷) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک جوتا پہن کر کوئی نہ چمے، یا دونوں پہن کر چلے یا دونوں نکال دے۔ **فائدہ:** اس حدیث کو شامل میں ذکر کرنے سے یہ مقصود ہے کہ حضور کی عادت شریفہ ایک جوتا پہننے کی نہیں تھی، اس لئے کہ جب حضور دوسروں کو منع فرما رہے ہیں تو خود ایسا کیوں کرتے۔ بظاہر اس حدیث میں ممانعت

يَتَوَضَّأُ فِيهَا. أَي: يَلْبَسُهَا بَعْدَ الْوُضُوءِ وَرَجُلَاهُ رَضَبَتَانِ، كَمَا فِي الْمُجْمَعِ، وَاخْتَارَهُ النُّوَوِيُّ، وَقِيلَ: يَتَوَضَّأُ وَالرَّجُلُ فِي النَّعْلِ، وَاخْتَارَهُ الْبَيْهَقِيُّ.

التَّوَامَةُ كَالدَّحْرَجَةِ مَتَّعَ مِثْلَ وَسَكُونٍ وَافْتَحَ هَمْرَةً. هِيَ امْرَأَةٌ هَا صَحْبَةٌ، سَمِيَتْ بِذَلِكَ؛ لِأَنَّهَا كَانَتْ مَعَ أَحْتٍ فِي بَطْنِ. **السَّيْدِي** مَهْمَلَةٌ مَصْمُومَةٌ مَهْمَلَةٌ مُشَدَّدَةٌ مَكْسُورَةٌ: نَسَبَةٌ إِلَى السَّيْدَةِ، وَهُوَ بَابُ الدَّارِ، نَسَبَ إِلَيْهَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ نِسْبَةً إِلَى الْمَقَاعِ بِبَابِ مَسْجِدِ الْكُوفَةِ، وَهُوَ السَّيْدِي الْكَبِيرُ وَحَفِيدُهُ السَّيْدِي الصَّغِيرُ، وَالْمُرَادُ هَهُنَا الْكَبِيرُ. **من** **سمع:** قَالَ الْقُسْطَلَانِيُّ: لَمْ أَرَ التَّصْرِيحَ بِاسْمِهِ، وَأُظْهِرَ عَطَاءُ بْنُ السَّائِبِ.

مَخْصُوفَتَيْنِ: عَامَّةُ الشَّرَاحِ عَلَى أَنَّهَا كَانَتَا مَحْرُورَتَيْنِ بَحِثَ صَمِّ طَاقٍ إِلَى طَاقٍ، لَكِنْ قَالَ الْقَارِي: وَفِي شَرْحِ أَنْ الْمُرَادُ بِهِ الْمَرْفَعَةُ، وَهَذَا أَوْجَهُ عِنْدِي؛ لِمَا سَيَأْتِي مِنْ قَوْلِ الْأَنْصَارِيِّ: يَأْخِذُ مِنْ يَمَشِي بِنَعْلٍ فَرْدٍ.

أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: لَا يَمْشِيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلِ وَاحِدَةٍ، لِيُنْعِلَهُمَا جَمِيعًا، أَوْ لِيَحْفَهُمَا جَمِيعًا. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، نَحْوَهُ. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزَّبِيرِ، عَنْ جَابِرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ.

سے مقصود عادتاً ایسا کرنا ہے، لہذا اگر کسی عارض کی وجہ سے تھوڑی بہت دیر ایسے چلے مثلاً جوتا ٹوٹ جائے یا کوئی اور عارض پیش آجائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ اس حدیث کے ذیل میں عمامہ نے ایک موزہ اور ایک آستین پہننے کو بھی داخل فرمایا ہے۔ غرض معاد طریقہ پر ہر چیز کو پہننا چاہئے، تکلف اور بے تمیزی سے احتراز کرنا چاہئے۔

(۸) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک جوتا پہنے۔ فائدہ۔ جمہور عمامہ کے نزدیک یہ ارشادات استحبالی ہیں یعنی حرام نہیں ہے۔ لیکن بعض اصحاب ظاہر نے ناجائز بتایا ہے۔

لَا يَمْشِيَنَّ [بمعنى صورة وهي معنى، فيكره ذلك من غير عذر، لما فيه من مشقة، وعدم الوقار، وتغيير إحدى جوارحتيه عن الأخرى.] أشكل عليه بوجهين: الأول لما في الجامع عن عائشة من أن المصطفى ﷺ رعى مشى نعل واحدة، وأجيب: بأن موضع النهي استدامة المشي في فردة، أما لو انقطع نعله فمشى خطوة أو خطوتين فبیس بقیح ولا مسكر، أو النهي لإرشاد والفعل للحوار، وكفى بفعل عني وابن عمر حواراً، والثاني لما في الصحيحين أن أنصاريًا شكى إليه ﷺ فقال: يا حبر من يمشي نعل فرد، وأجيب: بأن الفرد ههنا التي لم تخصف وإن تطارق، وإنما هي طاق واحد، والعرب تمتدح برقة النعل، وحكى النووي الإجماع على ندب لس المعين جميعاً، وأنه غير واجب، ونورع بقول ابن حزم: لا يخل.

ليضعهما أي: التقديمين بلام الأمر، صيغة النوي بضم أوله من أعمل، وتعقب بأن أهل اللغة قالوا: أعمل وانتعل أي: لس النعل، لكن قال أهل اللغة أيضاً: أعمل رحله ألسها فعلاً. قال الحافظ ابن حجر: والحاصل أن الضمير إن كان للتقدمين جاز الصم والفتح، وإن كان للعين تعين الفتح. ليضعهما [وهو الإعراف عن الرجل.]

قريبه الخ قال المناوي: السد مرسل أو منقطع لإسقاط الأعرح وأبي هريرة وتعه البيهقوري في ذلك، وحكه القاري عن العصام، وهذا كله ليس بذلك، بل المعنى بسده نحوه، كما هو متعارف عند المحدثين؛ والدليل على ذلك: أن المصنف أخرجهما في جامعهم، وبصه: حدثنا قتيبة، عن مالك ح وحدثنا لأنصاري، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن أبي الزناد الخ، والفرق بين الروایتين أن في الثانية حصل للمصنف العلو.

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ هَمَى أَنْ يَأْكُلَ - يَعْنِي الرَّجُلَ - بِشِمَالِهِ، أَوْ يَمْشِي فِي نَعْلِ وَاحِدَةٍ. **حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ** عَنْ مَالِكٍ وَآخِرُنَا إِسْحَاقُ بْنُ مُوسَى، أَخْبَرَنَا مَعْنٌ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزُّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ **عَنْ** أَبِي هُرَيْرَةَ عَلَيْهِ السَّلَامُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشَّمَالِ، فَلْيَتَّكِنِ الْيَمْنَى أَوْ لَهَا تُنْعَلَ، وَآخِرُهُمَا تُنْزَعُ. **حَدَّثَنَا أَبُو مُوسَى** مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعْبَةُ قَالَ: **حَدَّثَنَا أَشْعَثُ - وَهُوَ ابْنُ أَبِي الشَّعْثَاءِ - عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ** عَائِشَةَ عَلَيْهَا السَّلَامُ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ يُحِبُّ التَّيْمَنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي تَرْجُلِهِ وَتَنْعَلِهِ وَطَهْرِهِ.

مشهد شعر [بہس لعدہ] [استعمال مہورہ]

(۹) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص تم میں سے جوتا پہنے تو دائیں سے ابتداء کرنی چاہئے، اور جب نکالے تو بائیں سے پہلے نکالے۔ دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہونا چاہئے اور نکالنے میں مؤخر۔ **فائدہ**۔ چونکہ جوتا پاؤں کے سنے زینت ہے اس لئے دیر تک پاؤں میں رہنا چاہئے، جیسا کہ پہلے بھی گذر چکا۔ ایسے ہی ہر وہ چیز جس کا پہننا زینت ہو اس کے پہننے میں دائیں کو مقدم کرے اور نکالنے میں بائیں کو، جیسے کرتا، پاجامہ، اچکن وغیرہ۔

(۱۰) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کنگھی کرنے میں اور جوتا پہننے میں اور اعضاء وضو کے دھونے میں حتی الوسع دائیں سے ابتدا فرمایا کرتے تھے۔ **فائدہ**۔ ان تین کی تخصیص نہیں بلکہ ہر چیز کا یہی حکم ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے، اور حتی الوسع سے اس طرف اشارہ ہے کہ اگر کوئی ضرورت بائیں کے ابتدا کی لاحق ہو تو مضائقہ نہیں۔

يعني الرجل يعني راد لفظ "يعني" أبو الزبير أو من دونه لسيان ألفاظ الشيخ. والرجل ليس باحترار عن المرأة، بل المراد الشخص بطريق العموم. **فليبدأ**. قال حافظ ابن حجر: نقل القاضي عياض وغيره الإجماع على أن الأمر فيه بالاستحباب. **بالشمال**. [لأن السرعة من باب التقصير، واليمين مختار الله ومحموه في الأشياء.] **أبو موسى**. هو محمد بن المثنى المذكور، فما في بعض النسخ من لفظ "ما" بينهما غلط. وهو ابن. العرض أن شعبة اقتصر على لفظ "أشعث" فقط فزاد بعض من دونه نسبة. **استطاع** [أي: يختار تقديم اليمين مدة استطاعته، بخلاف ما إذا كان ضرورة فلا كراهة في تقديم اليسار حينئذ]. **في ترحله** [أي: في تسريح شعره] ذكر الثلاثة ليس للحصر، بل للإشارة إلى أنه عليه السلام كان يراعي التيمم من الفرق إلى القدم في باب العبادات والعادات.

حدثنا محمد بن مَرْزُوقُ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ قَيْسٍ أَبُو مُعَاوِيَةَ، أَنْبَأَنَا **هَشَامٌ، عَنْ مُحَمَّدٍ، عَنْ** ^{ابن سيرين} أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ قَبَالَانِ، وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرُ رضي الله عنهما، وَأَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَاحِدًا جعل قبالا واحدا عُثْمَانُ رضي الله عنه.

(۱۱) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین شریف کے دو تھے تھے۔ ایسے ہی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے جوتا میں بھی دو ہر اتمہ تھا۔ ایک تھے کی ابتدا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔ **فائدہ:** غالباً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی لئے اس کو اختیار فرمایا کہ دو قسموں کا ہونا ضروری نہ خیال کر لیا جائے۔

هشام قال العصام: المسمى هشام في أسابيد الشمائل خمسة، قال اسوي: هذا هشام ابن حسان، وهو اراوي عن ابن سيرين. **عن محمد:** [أي: ابن سيرين، رأى ثلاثين صحابيا، وكان يعبر الرؤيا.]

بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ خَاتَمِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

حدثنا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ وَهَبٍ، عَنْ يُونُسَ، عَنْ ابْنِ شَهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رضي الله عنه قال: كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ ﷺ مِنْ وَرَقٍ،

باب حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی کا ذکر

فائدہ: اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے آٹھ احادیث ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا مکیہ حبشی تھا۔

فائدہ: چاندی کی انگوٹھی جمہور کے نزدیک جائز ہے، باقی ہتھیل لوہے وغیرہ کی حنفیہ کے نزدیک ناجائز ہے۔ حضور ﷺ نے ابتداءً انگوٹھی نہیں بنوائی تھی، مگر جب معلوم ہوا کہ سلاطین عجم بغیر مہر کے خطوط کی قدر نہیں کرتے اور تبلیغی خطوط سلاطین کے پاس ارسال کرنے شروع فرمائے تو سنہ ۶ یا سنہ ۷ ہجری میں مہر بنوائی۔ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کہ انگوٹھی کا حکم کیا ہے۔ بعض علماء نے مطلقاً سنت فرمایا ہے، بعض علماء نے غیر سلطان اور قاضی کے لئے مکروہ بتلایا ہے۔ علماء حنفیہ (کثر اللہ تعالیٰ جمعہم وشکرہم سعیدہم) کی تحقیق شامی کے قول کے موافق یہ ہے کہ بلاشبہ قاضی، متوق وغیرہ، غرض جن کو مہر کی ضرورت پڑتی ہو ان کے لئے تو سنت ہے اور ان کے علاوہ دوسروں کے لئے جائز تو ہے لیکن ترک کرنا افضل ہے۔ اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بھی اسی وقت بنوائی جب سلاطین کو خطوط لکھنے کے لئے اس کی ضرورت پیش آئی،

ذکر "راد لفظ" لنتنبیہ علی مہر ہدہ الترجمة من الترجمة المتقدمة، فإن المراد في الأولى: هي البضعة الناشئة عند الكنف، والمراد هناك الطابع الذي يعتنق به الكتب. وفي لفظ "خاتم" خمس لغات، وقيل: عشر، والأفصح كسر الناء. قال الزين العراقي: لم يقل كيف كانت صفة خاتمه الشريف هل كان مربعا أو مثلثا أو مدورا؟ وعمل الناس في ذلك مختلف، وفي كتاب "أحلاق النوة" أنه لا يُدري كيف هو. قالوا: والخاتم حلقة ذات فص من غيرها، فإن لم يكن لها فص فهي متحة، قاله البيهقوري. واختلف في حكم الخاتم كما بسط في المطولات، وفي الدر المختار: ترك الخاتم لغیر السلطان والقاضي ودي حاجة إليه كمتول أفضل، قال ابن عابدین: أشار إلى أن الخاتم سعة لمن يحتاج إليه كما في الاختيار. ورق يفتح الواو وكسر الراء المهمة وتسكن تخفيفاً، أي: فضة وفي الأصل: البقرة المصروبة. وقيل: البقرة مطلقاً، مضروبة أو لا.

وَكَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا. حَدَّثَنَا قَتِيْبَةُ، أَحْبَرْنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بَشْرٍ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ **عَنْ** ابْنِ عَمْرِو **رَضِيَ** عَنْهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ أَخَذَ خَاتَمًا مِنْ فَضَّةٍ، فَكَانَ يَخْتِمُ بِهِ، وَلَا يَلْبَسُهُ. قَالَ أَبُو عَيْسَى: أَبُو بَشْرٍ: اسْمُهُ جَعْفَرُ بْنُ أَبِي وَحْشِيَّةٍ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيلَانَ،

چنانچہ حدیث (۱) میں آرہا ہے۔ ابو داؤد شریف وغیرہ میں نبی کریم ﷺ سے بادشاہ کے علاوہ کو انگوٹھی پہننے کی ممانعت بھی آئی ہے، مگر چونکہ حضور ﷺ کے سامنے اکثر صحابہ سے پہننا بھی ثابت ہے اور حضور ﷺ کی اجازت بھی دوسری احادیث میں آئی ہے، اس لئے اس ممانعت کو اسی خلافِ اولیٰ پر حاصل کیا ہے۔

(۲) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی، اس سے خطوط وغیرہ پر مہر فرماتے تھے، پہنتے نہیں تھے۔ **فائدہ:** حضور اقدس ﷺ کا انگوٹھی کو پہننا روایات متعددہ سے ثابت ہے اس لئے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کی علماء نے چند توجیہات فرمائی ہیں۔ بعض نے یہ توجیہ کی ہے کہ مقصود استمرار ہے کہ ہمیشہ نہیں پہنتے تھے، بعض کی رائے ہے کہ حضور ﷺ کی دو انگوٹھیں تھیں، ایک یہ مہر والی، اس کو مہر کے کام میں لاتے تھے اور پہنتے نہیں تھے، دوسری پہننے کے استعمال میں لاتے۔ ایسے ہی اور بھی مختلف طریق سے جمع کیا گیا ہے۔ لیکن بندہ کے نزدیک اولیٰ یہی ہے کہ ہر وقت اس کو نہیں پہنتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نماز پڑھ رہے تھے، دائیں ہاتھ میں انگوٹھی تھی، نماز میں اس پر نگاہ پڑی تو اس کے بعد سے پہننا چھوڑ دیا تھا۔

فَصُّ بتلیث أوله، ووهم القاموس الصحاح في جعله اكسر حاءً، وللفص معان كثيرة، والمراد ههنا: ما ينقش فيه اسم صاحبه. **حَبَشِيًّا** أي حجرًا مسنونًا إلى الحبش؛ لأنه معدنه، وقيل: كان فصّه عقيقًا كما في حجر، وقيل: كان جرجاً. وقال حبشيًا؛ لأنه يؤتى بهما من بلاد اليمن وهو كورة الحبشة، أو معنى حبشيًا حيّ به من الحبشة، أو كان أسود على لون الحبشة، أو صابغه أو صابغ نقشه من الحبشة، وبه يحصل الجمع بينه وبين ما سيأتي: 'من فصّة فصّة مه' إذ لم يثبت تعدّد حاتم، وهي رواية البحاري، ومن ثم قال ابن عبد البر: إنما أصح، قاله القاري، رد المساوي أو مصوغًا كما بصعده الحبشة، كما فسركون سيفه حفيًا نكون زيه على سيوف بني حيفه. **أَخَذَ** [والتعاده] **أَخَذَ** الحاتم كان في أواخر السادسة وأوائل السابعة] **وَلَا يَلْبَسُهُ** أي: استمرارًا ودوامًا، فلا يلبس ما سيأتي في آخر الباب عن ابن عمر **رَضِيَ** عَنْهُمَا: أنه كان في يده. **وَحْشِيَّة** هكذا بالهاء في آخره في السحّة الأحذية، وهكذا في التهديب وغيره، وفي نسخ الشروح: وحشي.

حدثنا حفص بن عمر بن عبید - هو الطنافسي - أخبرنا زهير، عن حميد، عن أنس رضی اللہ عنہ قال: كان خاتم رسول الله ﷺ من فضة، فضة منه. حدثنا إسحاق بن منصور، أخبرنا معاذ بن هشام قال: حدثني أبي، عن قتادة، عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: لما أراد النبي ﷺ

احادیث میں ایک منقش کپڑے کے متعلق بھی اس قسم کا واقعہ آتا ہے کہ نماز میں اس پر نگاہ پڑ گئی تو حضور ﷺ نے اس کو نکال دیا تھا اور اس کے بدلہ میں ایک معمولی کپڑا پہن لیا تھا۔ انگوٹھی چونکہ ضرورت کی چیز تھی اس لئے مطلقاً تو اس کا ترک مشکل تھا اس لئے عام طور پر اس کا پہننا ترک فرما دیا ہو، یہ اقرب ہے، چنانچہ دوسرے باب کی چھٹی حدیث میں آ رہا ہے کہ اکثر اوقات حضرت معقیب کے پاس رہتی تھی۔

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ بھی اس ہی کا تھا۔

فائدہ: یہ حدیث بظاہر اس روایت کے خلاف ہے جس میں حبشی نگینہ وارد ہوا ہے۔ جو لوگ دو انگوٹھیوں کے قائل ہوئے ہیں وہ خود اس حدیث کو بھی دو ہونے پر قرینہ بتاتے ہیں، چنانچہ بیہقی وغیرہ کی یہی رائے ہے، ان کے نزدیک تو کوئی اشکال ہی نہیں۔ لیکن جو حضرات ایک انگوٹھی کے قائل ہیں وہ ان دونوں میں اس طرح جمع فرماتے ہیں کہ حبشی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ حبشی رنگ یا حبشی طریقہ کا تھا، یا اس کا بنانے والا حبشی تھا۔ بندہ کے نزدیک تعدد پر حمل اقرب ہے کہ مختلف اوقات میں مختلف انگوٹھیاں ہونا متعدد احادیث سے ثابت ہے کہ ایک انگوٹھی حضور نے خود بنوائی پھر ہدیہ میں خدام نے پیش کیں، جیسا کہ جمع الوسائل کی مختلف روایات سے یہ مضمون ثابت ہوتا ہے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے جب اہل عجم کو تبلیغی خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ عجم بلا مہر والے خط کو قبول نہیں کرتے، اس لئے حضور نے انگوٹھی بنوائی، جس کی سفیدی گویا اب میری

الطنافسي بفتح الطاء وكسر الغاء، سبة لطائف كمساجد، جمع طيفسة بضم أوله وثالثه، وكسرهما، وكسر الأول وفتح الثالث: بساط له حمل، أي وبر، سب إليها؛ لأنه كان يعملها أو يبيعها. **فضة منه** هذا يخالف ما تقدم من قوله "وكان فضة حبشيا" وتقدم الجمع بينهما، والأوجه عندي التعدد، وإليه مال النووي والبيهقي وابن العربي والقرطبي وغيرهم، كما حكاه عنهم المناوي، وبسط الروايات في ذلك القاري.

أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ، قِيلَ لَهُ: إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ، فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا، فَكَاتَبَنِي أَنْظَرَ إِلَى بِيَاضِهِ فِي كَفِّهِ. **حدثنا** محمد بن يحيى، أخبرنا محمد بن عبد الله الأنصاري، حدثني أبي، عن ثُمَامَةَ، **عَنْ** أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ **رَضِيَ** عَنْهُ قَالَ: كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ النَّبِيِّ ﷺ: **مُحَمَّدٌ** سَطْرٌ، وَرَسُولٌ سَطْرٌ، وَاللَّهُ سَطْرٌ. **حدثنا** نصر بن علي الجَهْضَمِيُّ أَبُو عَمْرٍو، أَنَبَانَا نُوحُ بْنُ قَيْسٍ، عَنْ خَالِدِ بْنِ قَيْسٍ، عَنْ قَتَادَةَ،

نُفَرُونَ كَيْ سَايَئِهِ مَهْرَبِي هِيَ۔ **فائدہ:** اس اخیر کے جملہ سے اس قصہ کے خوب یاد ہونے کی طرف اشارہ ہے اور سفیدی سے اس کے چاندی کی ہونے پر اشارہ ہے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی کا نقش ”محمد رسول اللہ“ تھا اس طرح پر کہ ”محمد“ ایک سطر میں تھا، ”رسول“ دوسری سطر میں، لفظ ”اللہ“ تیسری سطر میں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی صورت **ﷺ** تھی کہ اللہ کا پاک نام سب سے اوپر تھا، مگر محققین کی رائے یہ ہے کہ کسی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا، بلکہ ظاہر الفاظ سے **ﷺ** معلوم ہوتا ہے۔

النعمة [أي: إلى عظمائهم وملوكهم يدعوهم إلى الإسلام، والمراد بالعجم ماعدا العرب، فيشمل الروم وغيرهم.] **فاصطنع** [مأجل ذلك أمر بأن يُصنَّعَ له خاتم.] من باب قوهم: ”بني الأمير مديته“، والصنيع كان يعني من أُمِيَّة. **أنظر** [إشارة إلى كمال إتقانه واستحضره هذا الخبر حال الحكاية، كأنه يخبر عن مشاهدة.] **ثُمَامَةُ** بضم المثلثة وتخفيف ميمه: هو عم عبد الله الراوي. قال المناوي: طاهره أن ’محمدًا‘ سطره الأول، و ’رسول‘ سطره الثاني، و ’اللہ‘ سطره الثالث، وقول الأسوي: كانت تقرأ من الأسفل؛ ليكون اسم الله فوق الكل وتأييد ابن جماعة بأنه اللائق بكمال أدبه مع ربه، ردًا بقلًا وتوجيهًا، أما الأول: فقد ذكر الحافظ ابن حجر: أنه لم يره في شيء من الأحاديث قال، بل رواية الإسماعيلي يخالف صاهرها ذلك، إذ قال ’محمد‘ سطر، والسطر الثاني: ’رسول‘، والسطر الثالث: ’اللہ‘. وأما الثاني: فإن العصام تعقه بأنه يخالف وضع التبريل؛ إذ جاء فيه: **مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ** (الفتح: ۲۹) عني هذا الترتيب إلى أحراما بسطه أساوي. [وأما الثالث: فلا لأنه إنما عَوِّنَ فيه على العادة، وأحواله حارجة عن طورها، وبالجملة: فلا يصار إلى كلام الأسوي.] **الجَهْضَمِيُّ** بفتح الحيم وسكون الهاء وفتح الصاد المعجمة في آخره ميم: نسبة لجهاصمة، محلة بالنصرة، وتلك المحلة تسبب إلى الجهاصمة بطن من لارد، قبه البيحوري.

عن أنس رضی اللہ عنہ: أن النبي ﷺ كتب إلى كِسْرَى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِي، فقبل له: إنهم لا يقبلون كتابا إلا بخاتم،

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کسریٰ اور قیصر اور نجاشی کے پاس تبلیغی خطوط لکھنے کا قصد فرمایا تو لوگوں نے عرض کیا کہ حضور! یہ لوگ بدون مہر کے خطوط کو قبول نہیں کرتے۔ اس لئے حضور اقدس ﷺ نے ایک مہر بنوائی جس کا حلقہ چاندی کا تھا اس میں ”محمد رسول اللہ“ منقوش تھا۔ **فائدہ**: کسریٰ ملکِ فارس کے بادشاہ کا لقب ہے، اور قیصر ملکِ روم کے، اور نجاشی ملکِ حبشہ کے بادشاہ کا۔ کسریٰ شاہِ فارس کے پاس حضور نے اپنا والا نامہ عبد اللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا، کسریٰ نے آپ کے والا نامہ مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ حضور نے سن کر بدو دعا فرمائی کہ حق تعالیٰ جل جلالہ اس کے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے فرما دے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ شاہِ روم کے پاس دجیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ گرامی نامہ اقدس ارسال ہوا، وہ باوجود یقینِ نبوت کے ایمان نہیں لایا۔ نجاشی رضی اللہ عنہ حبشہ کے پاس عمرو بن امیہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ خط لکھا جیسا کہ مواہب لدنیہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ وہ نجاشی نہیں جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے، جن پر حضور ﷺ نے صلوٰۃ الجنائزہ پڑھی، یہ اور نجاشی ہیں۔ ان کے اسلام کے حال جیسا کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے معلوم نہیں ہوا۔

حضور اکرم ﷺ کے والا نامہ جات تو متعدد ہیں جو کتب سیر و حدیث میں مفصل مذکور ہیں۔ گرامی نامہ جات کو بعض لوگوں نے مستقل تصانیف میں جمع بھی کر دیا ہے۔ حدیث بالا میں تین والا نامہ جات کا ذکر ہے، جن کا مختصر ذکر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ ایک والا نامہ کسریٰ کے نام ہے، فارس کے ہر بادشاہ کا لقب کسریٰ ہے جو بھی ہو، اس کسریٰ کا نام پرویز تھا،

کعب: أي: أراد أن يكتب للرواية السابقة، وذلك حين رجع من الحديبية.

کسری بكسر الكاف وفتحها: لقب ملوك فارس، وفي المغرب: كسرى بالفتح أفصح، لكن في القاموس: كسرى ويمتلك ملك الفرس، معرب 'أخسرو' أي: واسع الملك، قاله القاري، وقال المناوي: النسبة إليه كسروي وإن شئت كسرى، وعن أبي عمر: جمع كسرى أكاسرة على غير قياس **وقیصر** تقدم في باب الحف أن قيصر لقب لملك الروم، زاد القاري: كما أن تبع لمن ملك حمير، واليمن وحقان لمن ملك الترك.

فصاغ رسول الله ﷺ خاتماً حلقته فضة، ونقش فيه: مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ. حدثنا إسحاق بن منصور،

مشعر بأن فضة لم يكن من فضة

جو نو شیر و اں کا پوتا تھا۔ والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا:-

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد رسول الله إلى كسرى عظيم فارس. سلام على من اتبع الهدى وآمن بالله ورسوله، وشهد أن لا إله إلا الله وحده لا شريك له وأن محمدا عبده ورسوله، أدعوك بدعاية الله، فإني أنا رسول الله إلى الناس كافة ليدبر من كان حيا ويحق القول عسى لكافرين، أسلم تسلم، فإني توليت فإن عليك إثم الجحوس. (ورقانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے کسری کے نام جو فارس کا بڑا (اور سردار) ہے۔ سلامتی اس شخص کے لئے ہے جو ہدایت اختیار کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (ﷺ) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ میں تجھ کو اللہ کی پکار (یعنی کلمہ) کی دعوت دیتا ہوں، اس لئے کہ میں اللہ کا وہ رسول ہوں جو تمام جہان کی طرف اس لئے بھیجا گیا ہے کہ ان لوگوں کو ڈرائے جن کے دل زندہ ہیں (یعنی ان میں کچھ

عقل ہے کہ بے عقل آدمی بمنزلہ مردہ کے ہے) اور تاکہ اللہ کی حجت کافروں پر پوری ہو جائے۔ (اور کل قیامت میں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہم کو علم نہ ہو سکا) تو اسلام لے آ تاکہ سلامتی سے رہے ورنہ تیرے اتباع مجوس کا بھی وبال تجھ پر ہو گا کہ وہ تیری اقتدا میں گمراہ ہو رہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن حذافہ کو یہ خط دے کر روانہ فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ کسری کا گورنر جو بحرین میں رہتا ہے اس کے ذریعہ سے کسری تک پہنچا دیں، چنانچہ اسی ذریعہ سے وہاں تک خط لے کر پہنچے۔ کسری نے یہ والا نامہ پڑھوا کر سنا اور اس کو چاک کر دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا۔ حضور ﷺ کو اس کا علم ہوا تو حضور ﷺ نے اس کے لئے بددعا فرمائی اور اس کے بیٹے شیرویہ نے بُری طرح سے اس کو قتل کیا جس کا قصہ کتبِ تواریخ میں مذکور ہے۔ دوسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا

فصاغ [أي أمر بصوغه، وهو قبة الشيء على أمر مستقيم.] ونقش قال القاري: ضبط مجهولاً في السح المعتمدة، وقال الحنفی: روي معلوماً ومجهولاً، فالله أعلم بصحته، وقال ميرك: ضبط في أصل سماعيا بالهجو، وضبطا في البحاري بالمعروف على أن ضمير الفاعل إلى النبي ﷺ، والإسناد مجازي.

میں ذکر ہے قیصر کے نام تھا، جو روم کا بادشاہ تھا۔ اس کا نام موڑ نہیں کے نزدیک ہر قل ہے۔ یہ والا نامہ حضرت وحید کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا گیا۔ مسلمان تو قیصر بھی نہیں ہوا لیکن حضور کے والا نامہ کو نہایت اعزاز و اکرام سے رکھا۔ حضور ﷺ کو جب ان دونوں واقعات کا علم ہوا تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کسریٰ نے اپنے ملک کے ٹکڑے کر لیے اور قیصر نے اپنے ملک کی حفاظت کر لی۔ اس والا نامہ کا مضمون حسب ذیل تھا:-

بسم الله الرحمن الرحيم. من محمد عبد
الله ورسوله إلى هرقل عظيم الروم.
سلام على من اتبع الهدى.. أما بعد فإني
أدعوك بدعاية الإسلام. أسلم تسلم،
يؤتلك الله أجزأك مرتين، فإن توليت فإن
عليك إثم اليربسين، وإيا أهل الكتاب
تعالوا إلى كلمة سواء بيننا وبينكم أن
لا نعبد إلا الله ولا نشرك به شيئاً ولا
يتخذ بعضنا بعضاً أرباباً من دون الله
فإن تولوا فقولوا اشهدوا بأنا مسلمون.
(بخاري، إعلام السالطين) (يا أهل الكتاب
سے اخیر تک قرآن پاک کا مضمون ہے جو سورہ
آل عمران کے چھ رکوع میں ہے)

بسم الله الرحمن الرحيم۔ محمد (ﷺ) کی طرف سے جو اللہ کے بندے اور اس
کے رسول ہیں، ہر قل کی طرف، جو روم کا بڑا (اور سردار ہے)۔ سلامتی اس
فصل کے لئے ہے جو ہدایت اختیار کرے۔ حمد و صلوٰۃ کے بعد میں تجھ کو اسلام
کے کلمہ (یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ) کی طرف دعوت دیتا ہوں، تو اسلام
لے آتا کہ سلامتی سے رہے اور حق تعالیٰ شانہ دوہرا اجر تجھ کو عطا فرمائے (کہ
اہل کتب کے لئے دوہرا اجر ہے، جیسا کہ کلام پاک میں بھی سورہ حدید کے
ختم پر اس کا ذکر ہے) اور اگر تو روگردانی کرے گا تو تیرے ماتحت زراعت پیشہ
لوگوں کا وبال بھی تجھ پر ہوگا۔ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو
ہم میں اور تم میں مشترک ہے اور وہ توحید ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی

عبادت نہ کریں، اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائے (جیسا کہ احبار اور
رہبان کو بنایا جاتا تھا) اگر اس کے بعد بھی وہ اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانوں! تم ان سے کہہ دو کہ تم اس کے گواہ رہو
کہ ہم تو مسلمان ہیں (ہم تو اپنے مسلک کا صاف اعلان کرتے ہیں، اب تم جانو تمہارا کام)

حضرت وحید رضی اللہ عنہ جب اس والا نامہ کو لے کر گئے اور قیصر کے سامنے پہنچا گیا تو اس کا بھتیجا بھی وہاں موجود تھا، وہ
نہایت غصہ میں بھر گیا اور کہنے لگا کہ اس خط کو مجھے دو۔ چچا یعنی قیصر نے کہا تو کیا کرے گا؟ اس نے کہا یہ خط پڑھنے کے
قابل نہیں ہے، اس میں آپ کے نام سے ابتدا نہیں کی، اپنے نام سے کی ہے، پھر آپ کو بادشاہ کے بجائے روم کا بڑا آدمی
لکھا ہے وغیرہ وغیرہ۔ قیصر نے کہا: تو بے وقوف ہے، یہ چاہتا ہے کہ میں ایسے شخص کے خط کو پھینک دوں جس کے پاس

ناموسِ اکبر (یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام) آتے ہوں، اگر وہ نبی ہیں تو ان کو ایسے ہی لکھنا چاہئے۔ اس کے بعد حضرت وحید نبیؑ کو بڑے اعزاز و اکرام سے ٹھہرایا۔ قیصر اس وقت سفر میں تھا، واپسی پر اس نے اپنے ارکان و امراءِ سلطنت کو جمع کیا اور جمع کر کے ان سے کہا کہ میں تم کو ایک ایسی بات کی طرف متوجہ کرتا ہوں جو سراسر خیر و فلاح ہے اور ہمیشہ کے لئے تمہارے ملک کے بقا کا ذریعہ ہے، بیشک یہ نبی ہیں ان کا اتباع کر لو اور ان کی بیعت اختیار کر لو۔ اس نے ایک بند مکان میں جہاں سب طرف کو کاڑ بند کرا دیے گئے تھے، اس مضمون پر ایک لمبی تقریر کی۔ وہ لوگ اس قدر متوقش ہوئے کہ ایک دم شور و شغب ہو گیا، ادھر ادھر بھاگنے لگے مگر کاڑ سب بند تھے، دیر تک ہنگامہ برپا رہا۔ اس کے بعد اُس نے سب کو پُچپ کیا اور تقریر کی کہ درحقیقت ایک مدعی نبوت پیدا ہوا ہے، میں تم لوگوں کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ تم اپنے دین میں کس قدر پختہ ہو، اب مجھے اس کا اندازہ ہو گیا۔ وہ لوگ اس کے سامنے اپنی عادت کے موافق سجدے میں گر گئے۔ اس کے بعد ان کو شاباشی وغیرہ دے کر رخصت کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ اُس نے خط کو پڑھ کر پُچھا، سر پر رکھا اور ریٹھی کپڑے میں پیٹ کر اپنے پاس رکھ لیا اور پوپ کو طلب کیا اُس سے مشورہ کیا، اس نے کہا: بیشک یہ نبی آخر الزمان ہیں، جن کی بشارتیں ہماری کتاب میں موجود ہیں۔ قیصر نے کہا: مجھے بھی اس کا یقین ہے، مگر اشکال یہ ہے کہ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو یہ لوگ مجھے قتل کر دیں گے اور سلطنت جاتی رہے گی (اعلام الکین) جس وقت یہ والا نامہ سفر کی حالت میں قیصر کے پاس پہنچا تھا وہ اس وقت اپنی مذہبی ضرورت کے لئے بیت المقدس آیا ہوا تھا، وہاں مکہ مکرمہ کا ایک بڑا تجارتی قافلہ بھی گیا ہوا تھا۔ اس نے تحقیق حالات کیلئے اس قافلہ کے سرداروں کو بھی طلب کیا تھا، جس کا مفضل قاضی بخاری شریف میں موجود ہے۔ یہ اس زمانہ کا قافلہ ہے جب عمرہ حدیبیہ کے بعد حضور اقدس ﷺ کے درمیان اور اہل مکہ کے درمیان چند سال کے لئے ایک عہد نامہ اور صلح نامہ تیار ہوا تھا کہ آپس میں لڑائی نہ کی جائے۔ ابوسفیان رضی اللہ عنہ جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، کہتے ہیں کہ اس صلح کے زمانہ میں ملک شام میں گیا ہوا تھا کہ اس اثنا میں ہر قل کے نام حضور کا والا نامہ بھی گیا جس کو وحید کبھی لے کر گئے، ہر قل کے پاس جب وہ گرامی نامہ پہنچا تو اس نے اپنے لوگوں سے پوچھا کہ یہاں اس شہر میں کوئی شخص اس کا واقف ہے جو مدعی نبوت پیدا ہوا ہے؟ ان لوگوں نے کہا کہ ہاں کچھ لوگ آئے ہوئے ہیں، اس پر ہماری طلبی ہوئی۔ چنانچہ میں قریش کے چند لوگوں کے ہمراہ اس کے پاس گیا، اس نے ہم سب کو اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ اُس شخص کے ساتھ جو

نبوت کا دعویٰ ہے، تم میں سب سے زیادہ قریب رشتہ داری کس کی ہے؟ میں نے کہا کہ میں سب میں زیادہ قریب ہوں۔ اس نے مجھے اپنے قریب بلایا اور باقی ساتھیوں کو میرے پیچھے بٹھایا اور ان سے یہ کہا کہ میں اس سے چند سوالات کرتا ہوں، تم سب غور سے سنتے رہنا اور جس بات کا جواب جھوٹ بتائے تو تم اس کو ظاہر کر دینا۔ ابو سفیان رضی اللہ عنہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے اور سخت ترین دشمن تھے، کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! اگر مجھے اپنی بدنای کا اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ بعد میں مجھے جھوٹ سے بدنام کر چکے تو میں ضرور جھوٹ بولتا مگر خوفِ بدنای نے جج بولنے پر مجبور کیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ترجمان کے ذریعہ سے مجھ سے حسب ذیل سوالات کئے:-

سوال: یہ مدعی نبوت نسب کے اعتبار سے تم میں کیسے شخص سمجھے جاتے ہیں؟

جواب: ہم میں بڑا عالی نسب ہے۔

سوال: ان کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے؟

جواب: کوئی نہیں ہوا۔

سوال: نبوت کے دعویٰ سے قبل تم کبھی ان کو جھوٹ بولنے کا الزام دیتے تھے؟

جواب: کبھی نہیں۔

سوال: ان کے قبعین قوم کے شرفاء ہیں یا معمولی درجے کے آدمی؟

جواب: معمولی درجہ کے لوگ۔

سوال: ان کے قبعین کا گروہ بڑھتا جا رہا ہے یا کم ہوتا جاتا ہے؟

جواب: بڑھتا جاتا ہے۔

سوال: ان کے دین میں داخل ہونے کے بعد اس سے بد دل ہو کر دین سے پھر بھی جاتے ہیں یا نہیں؟

جواب: نہیں۔

سوال: تمہاری اُن کے ساتھ کبھی جنگ ہوئی یا نہیں؟

جواب: ہوئی ہے۔

سوال: جنگ کا پالا کیسا رہا؟

جواب: کبھی وہ غالب ہو جاتے، کبھی ہم غالب ہو جاتے۔

سوال: وہ کبھی بد عہدی کرتے ہیں؟

جواب: نہیں، لیکن آج کل ہمارا اور ان کا ایک معاہدہ ہے، نہ معلوم وہ اس کو پورا کریں گے یا نہیں۔ ابوسفیان کہتے ہیں کہ اس ایک کلمہ کے سوا کسی چیز میں بھی مجھے موقع نہ ملا کہ کچھ اپنی طرف سے ملا دوں۔

سوال: ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟

جواب: نہیں۔

بعض روایتوں میں یہ بھی ہے کہ ہر قل نے پوچھا کہ بد عہدی کا کیوں خوف ہے؟ تو ابوسفیان نے کہا کہ میری قوم نے اپنے حلیفوں کی اس کے حلیفوں کے خلاف مدد کی ہے۔ اس پر ہر قل نے کہا کہ جب تم ابتدا کر چکے ہو تو تم زیادہ بد عہد ہوئے۔ اس کے بعد ہر قل نے از سر نو سسہ شروع کیا اور کہا کہ میں نے تم سے ان کے نسب کے بارے میں سوال کیا، تم نے عالی نسب بتایا۔ انبیا اپنی قوم کے شریف خاندان ہی میں پیدا ہوتے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ ان کے بڑوں میں کوئی شخص بادشاہ ہوا ہے؟ تم نے کہا نہیں۔ مجھے یہ خیال ہوا تھا کہ شاید اس بہانے سے اس بادشاہت کو واپس لینا چاہتے ہیں۔ میں نے ان کے قبیحین کے بارے میں سوال کیا کہ شرفا ہیں یا کمزور لوگ؟ تم نے جواب دیا کہ کمزور لوگ ہیں۔ ہمیشہ سے انبیا کا اجماع کرنے والے ایسے ہی لوگ ہوا کرتے ہیں (کہ شرفاء کو اپنی نخوت دوسروں کی اطاعت سے روکتی ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس دعویٰ سے قبل تم دروغ گوئی کا الزام ان پر لگاتے تھے یا نہیں؟ تم نے انکار کیا۔ میں نے یہ سمجھا تھا کہ شاید لوگوں کے متعلق جھوٹ بولتے بولتے اللہ پر بھی جھوٹ بولنا شروع کر دیا ہو (مگر جو شخص لوگوں کے متعلق جھوٹ نہ بولتا ہو وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق کیا جھوٹ بول سکتا ہے) میں نے سوال کیا تھا کہ اس کے دین میں داخل ہو کر اس سے ناراض ہو کر کوئی مرتد ہوتا ہے؟ تم نے اس سے انکار کیا۔ ایمان کی یہی خاصیت ہے جب کہ اس کی بشارت دلوں میں گھس جائے۔ میں نے پوچھا تھا کہ وہ لوگ بڑھتے رہتے ہیں یا کم ہوتے جاتے ہیں؟ تم نے کہا کہ بڑھتے جاتے ہیں۔ ایمان کا خاصہ یہی ہے حتیٰ کہ دین کی تکمیل ہو جائے۔ میں نے ان سے جنگ کے بارے میں سوال کیا تھا، تم نے کہا کبھی وہ غالب کبھی ہم غالب۔ انبیا کے ساتھ ہمیشہ یہی برتاؤ رہا لیکن بہتر انجام انھیں کے لئے ہوتا ہے۔ میں نے بد عہدی کے متعلق سوال کیا، تم نے انکار کیا۔ یہی

انبیا کی صفت ہوتی ہے کہ وہ بد عہد نہیں ہوتے۔ میں نے پوچھا تھا کہ ان سے قبل کسی نے نبوت کا دعویٰ کیا؟ تم نے اس سے انکار کیا۔ میں نے خیال کیا تھا کہ اگر کسی نے ان سے قبل یہ دعویٰ کیا ہوگا تو میں سمجھوں گا کہ یہ اسی قول کی تقلید کرتے ہیں جو ان سے پہلے کہا جا چکا ہے۔ اس کے بعد ہر قل نے ان لوگوں سے پوچھا کہ ان کی تعلیمات کیا ہیں؟ ان لوگوں نے کہا کہ نماز پڑھنے کا، صدقہ کرنے کا، صلہ رحمی کا، عفت و پاکدامنی کا حکم کرتے ہیں۔ ہر قل نے کہا اگر یہ سب امور سچ ہیں جو تم نے بیان کئے تو وہ بلاشبہ نبی ہیں۔ مجھے یہ تو یقین تھا کہ وہ عنقریب پیدا ہونے والے ہیں مگر یہ یقین نہیں تھا کہ تم میں سے ہوں گے۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ سکتا ہوں تو ان کے ملنے کی خواہش کرتا (مگر اپنے قتل اور سلطنت کے زوال کے خوف سے جا نہیں سکتا) اور میں ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا۔ بلاشبہ ان کی سلطنت اس جگہ تک پہنچے والی ہے جہاں میں ہوں۔ ہر قل کے اور بھی بہت سے قصے حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ یہ اپنی کتاب کا بھی باہر تھا اور نجوم میں بھی مہارت رکھتا تھا اس لئے اس کو پہلے سے اس قسم کے خیالات ہو رہے تھے اور تحقیقات کر رہا تھا۔ بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ اس نے اس والا نامہ کو نہایت احتیاط سے صندوق میں سونے کی ایک ٹکلی میں محفوظ رکھا جو سلا بعد نسل اسی طرح اس کی اولاد میں منتقل ہوتا چلا آیا۔

تیسرا والا نامہ جس کا حدیث بالا میں ذکر ہے، نجاشی کے نام تھا۔ یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں دو بادشاہ حبشہ میں گزرے ہیں، پہلے کا نام اصمہ تھا یہ مسلمان ہو گئے تھے۔ ابتدائے اسلام میں صحابہ کرام نے ان کی سلطنت حبشہ میں اُس وقت ہجرت کی تھی جب کہ یہ مسلمان بھی نہ ہوئے تھے جس کا قصہ ”حکایات صحابہ“ کے پہلے باب کے نمبر ۱۵ پر کچھ مختصر سا گزر چکا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے عمرو بن امیہ ضمری کے ہاتھ ان کے پاس بھی خط بھیجا تھا، جس کا مضمون یہ تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ کے رسول محمد (ﷺ) کی طرف سے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے نام۔ تم صلح پسند ہو، میں اُس اللہ کی تعریف تمہارے پاس پہنچاتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، وہ بادشاہ ہے، سب عیبوں سے پاک ہے، ہر قسم کے نقص سے محفوظ ہے (یا بندے اس کے ظلم سے محفوظ ہیں) من دینے والا ہے، نگہبان ہے (کہ بندوں کی آفات سے حفاظت فرماتا ہے) اور میں اس کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وانشهد ان عیسی بن مریم علیہ السلام المؤمن المہتمم، رسول اللہ الی النجاشی ملک الحبشة، سلم انت فالی احمد الیک اللہ الذی لا الہ الا هو الملك القدوس السلام المؤمن المہتمم، وانشهد ان عیسی بن مریم علیہ السلام

روح اللہ و کلمتہ الفاہا الی مریم
البتول الطیبة الخصبہ محملت
به فحلقة من روحه ونفحه کما
خلق آدم بیده، وانی ادعوك الی
الله وحده لا شریک له والموالاة
علی طاعته وإن تبعنی وتؤمن
بالذی جاءنی فانی رسول الله،
وانی ادعوك وجنودك الی الله
عزوجل وقد بلغت ونصحت
فاقبلوا نصیحتی. والسلام علی
من اتبع الهدی.

اللہ کی ایک روح اور اس کے وہ کلمہ تھے جس کو اللہ جل شانہ نے پاک و صاف کنواری
مریم کی طرف بھیجا تھا پس وہ حاملہ بن گئیں۔ حق تعالیٰ شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو
اپنی ایک خاص روح سے پیدا کیا اور ان میں جان ڈال دی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو
(بغیر باپ کے) اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا۔ میں تمہیں اسی وحدہ لا شریک لہ کی
بندگی کی دعوت دیتا ہوں اور اس کی اطاعت پر تعاون کی طرف بلاتا ہوں اور اس بات
کی طرف بلاتا ہوں کہ تم میرا اتباع کرو، اور جو شریعت میں لے کر آیا ہوں اس پر
ایمان لاؤ۔ بلاشبہ میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ کی طرف تم کو اور تمہارے سارے
لشکروں کو بلاتا ہوں۔ میں حق بات تم تک پہنچا چکا ہوں اور نصیحت کر چکا، تم میری
نصیحت قبول کر لو اور سلام (یا سلامتی) اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے۔

محدثین کی ایک جماعت کی تحقیق یہ ہے کہ یہ نجاشی پہلے سے مسلمان ہو چکے تھے۔ اس والا نامہ پر انھوں
نے اپنے اسلام کا اظہار کیا اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ اسی وقت مسلمان ہوئے، بہر حال انھوں نے اس والا نامہ کے
جواب میں ایک عریضہ لکھا جس میں اپنے ایمان کا اقرار کیا اور اس کا اقرار کیا کہ آپ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے
متعلق جو کچھ لکھا وہ حرف بحرف صحیح ہے اور اپنے لڑکے کے ہاتھ ساتھ نفر کی ایک جمعیت کے ساتھ اپنا عریضہ
خدمت اقدس میں بھیجا، مگر افسوس کہ راستہ میں وہ کشتی سمندر میں غرق ہو گئی اور ان میں سے کوئی بھی خدمت
اقدس میں نہ پہنچ سکا۔ خود ان نجاشی کا وصال بھی حضور کی حیات ہی میں ہو گیا تھا اور حضور ﷺ نے غائبانہ ان کے
جنازہ کی نماز پڑھی (غائبانہ نماز کا مسئلہ ایک فقہی بحث ہے جس کی یہ جگہ نہیں ہے، بہت سی وجوہ سے حنفیہ کے
نزدیک ان کی خصوصیت تھی) ان کے بعد ان کی جگہ دوسرا نجاشی ہوا، اس کے پاس بھی حضور اقدس ﷺ نے والا
نامہ ارسال فرمایا جو حسب ذیل ہے:-

هذا کتاب من النبی ﷺ الی
النحاشی عظیم الحشمة.
سلام علی من اتبع الهدی
وآمن بالله ورسوله.

یہ خط اللہ کے نبی محمد (ﷺ) کی طرف سے نجاشی کے نام ہے جو حبشہ کا بڑا اور سردار
ہے۔ سلام اس شخص پر جو ہدایت کا اتباع کرے اور اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان
لائے اور اس کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ تہذبات ہے۔

أَبْنَانَا سَعِيدُ بْنُ عَامِرٍ وَالْحَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، عَنْ هَمَامٍ، عَنْ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ،

وَشَهِدَ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ، وَأَدْعُوكَ بِدَعَايَةِ اللَّهِ فَإِنِّي أَنَا رَسُولُهُ فَأَسْلَمَ تَسْلِيمًا يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ، فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ، فَإِنَّ آيَةَ فَعْلِكَ بِإِثْمِ الْنَصَارَى.

نہ کوئی اس کا شریک، نہ بیوی ہے اس کے لئے نہ اولاد۔ اور اس کا اقرار کرے کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ میں اللہ کی نیکار یعنی کمال الہ اللہ محمد رسول اللہ کی تجھ کو دعوت دیتا ہوں، تو مسلمان ہو جا! سلامتی سے رہے گا۔ اے اہل کتاب! آؤ ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہو، وہ یہ کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کی پرستش نہ کریں، اللہ کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنائے اللہ کے سوا۔ اگر اس کے بعد بھی اہل کتاب روگردانی کریں تو مسلمانوں! تم کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو اس کے کہ ہم مسلمان ہیں (بے دھڑک اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں) اے نجاشی! اگر تو میری دعوت کے قبول کرنے سے انکاری ہے تو نصاریٰ کا گنہہ بھی (بوجہ اس کے کہ وہ تیرے متبع ہیں) تجھ پر ہوگا۔ خط۔

اس خط میں غالباً حسب معمول بسم اللہ بھی ہوگی مگر میں نے جہاں سے نقل کیا ہے اس میں نہیں ہے۔ ان نجاشی کے متعلق یہ محقق نہیں ہو سکا کہ یہ اسلام لائے یا نہیں، ان کا کیا نام تھا۔ اکثر محدثین کی رائے یہ ہے کہ حدیث بالا میں تیسرا خط جو نجاشی کے نام ہے وہ یہی نجاشی ہیں، چنانچہ بعض روایات میں نجاشی کے نام کے ساتھ یہ لفظ بھی ہے کہ وہ نجاشی نہیں ہیں جن کے جنازہ کی نماز حضور ﷺ نے پڑھی۔ اور یہی صحیح ہے اگرچہ بعض محدثین نے صرف پہلے ہی نجاشی کے خط کا ذکر کیا اور بعض نے صرف دوسرے کا۔

وَالْحَجَّاجُ: بِفَتْحِ حَاءٍ مَهْمَلَةٍ وَتَشْدِيدِ الْحِيمِ الْأُولَى. وَمِنْهَالُ بَكْسَرِ الْمِيمِ فَسْكَوْنِ نُونٍ. هَمَامٌ: بِتَشْدِيدِ الْمِيمِ الْأُولَى: ابْنُ يَحْيَى بْنِ دِيَّارٍ. اتَّفَقَ الشَّيْخَانِ عَلَى الْإِحْتِجَاحِ بِهِ وَوَثَّقَهُ غَيْرُ وَاحِدٍ كَمَا حَكَاهُ الْقَارِي، وَقَالَ الْخَافِظُ فِي التَّقْرِيبِ: ثَقَّةٌ، رِمَا وَهَمٌ، وَبَسَطَ الْقَارِي فِي نَصُوصٍ مِنْ ضَعْفِ الْحَدِيثِ وَصَحِّحَهُ، وَمِمَّنْ تَكَلَّمَ عَلَيْهِ أَبُو دَاوُدَ فَقَالَ: هَذَا الْحَدِيثُ مُكْرٍ، وَالْوَهْمُ فِيهِ مِنْ هَمَامٍ وَلَمْ يَرَوْهُ إِلَّا هَمَامٌ، وَقَالَ التِّرْمِذِيُّ فِي جَامِعِهِ: حَسَنٌ صَحِيحٌ عَرَبِيٌّ، وَقَالَ الْخَافِظُ فِي مُسْتَدْرَكِهِ: صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَصَحِّحَهُ ابْنُ حِبَّانٍ، قَالَهُ الْقَارِي. قُلْتُ: وَمَشَائِخِ الْحَدِيثِ فِي الْكَلَامِ عَلَى هَذَا الْحَدِيثِ تَقَارِيرٌ بَسِيطَةٌ، لَا يَسْعَاهَا هَذَا الْمَخْتَصَرُ، وَبَسَطَهُ شَيْخًا حَصْرَةَ الشَّيْخِ فِي بَدَلِ الْمَجْهُودِ لِحُلِّ أَبِي دَاوُدَ، فَارْجِعْ إِلَيْهِ. خُرْنِجٌ بِجِيمٍ مَصْفُوفٌ: هُوَ عَدُّ الْمَلِكِ بِنِ عَدِّ الْعَزِيزِ بْنِ جَرِيحٍ. [أَحَدُ الْأَعْلَامِ، أَوَّلُ مَنْ صَفَّ فِي الْإِسْلَامِ عَلَى قَوْلٍ].

عن^۷ أنس بن مالك رضی اللہ عنہ : أن النبي ﷺ كان إذا دخل الخلاء فزع خاتمته. حدثنا إسحاق بن منصور، أخبرنا عبد الله بن نمير، أخبرنا عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن^۸ ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: اتخذ رسول الله ﷺ خاتماً من ورق، فكان في يده،

(۷) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب بیت الخلا تشریف لے جاتے تو اپنی انگوٹھی نکال کر تشریف لے جاتے۔ **فائدہ:** چونکہ اس میں اللہ جل جلالہ کا اسم شریف لکھا ہوا تھا اس لئے حضور اقدس ﷺ وہ پہنے ہوئے استنجہ نہ جاتے تھے۔ اسی بنا پر علماء نے اس انگوٹھی کو پہنے ہوئے بیت الخلا جانے کو مکروہ لکھا ہے جس میں کوئی متبرک نام یا عبارت ہو۔

(۸) ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی حضور کے دست مبارک میں رہی، پھر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے، پھر ان ہی کے زمانہ میں پیر اریس میں گر گئی تھی۔ اُس انگوٹھی کا نقش ”محمد رسول اللہ“ تھا۔ **فائدہ:** پیر اریس قبا کے قریب ایک کنواں ہے۔ یہ انگوٹھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں چھ برس تک اُن کے پاس رہی، اس کے بعد اتفاق سے اس کنویں میں گر گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہر چند اس کنویں میں تلاش فرمایا، تین دن تک اس کا پانی نکلویا مگر ملی نہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ اس انگوٹھی کے گرتے ہی وہ فتن اور حوادث شروع ہو گئے تھے جو حضرت عثمان کے اخیر زمانہ میں بکثرت ظہور پذیر ہوئے ہیں۔

اس حدیث میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما خود حضور اقدس ﷺ کے دست مبارک میں موجود ہونے کو بیان فرماتے ہیں اور اسی باب کی دوسری حدیث میں خود ابن عمر رضی اللہ عنہما انگوٹھی پہننے کی نفی بھی فرما چکے ہیں جس کا بیان پہلے گذر چکا ہے۔ اس حدیث کے تعارض کا ایک خاص جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کے دست مبارک میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حضور کے قبضہ میں رہتی تھی، حضور کے پاس رہتی تھی، پہننا اس کو لازم نہیں۔ چنانچہ آئندہ باب میں آ رہا ہے کہ حضرت معقیب کے پاس رہتی تھی۔

نوع قال القاري: لاشتماله على لعط الله، فاستصحابه في احلاء مكروه، وقيل: حرام. في يده أي: حقيقة بأمر كان لاسه، أو في تصرفه بأمر كان عنده لاحتهم، وعلى هذا فلا ينافي ما تقدم عن ابن عمر رضی اللہ عنہما : نفسه أنه كان يحتم به ولا يلبسه، ويؤيد الأول ما في البحاري عن ابن عمر: فمس الخاتم بعد النبي ﷺ أبو بكر وعمر وعثمان في آخره والأظهر أنهم يمسوه أحياناً للتبرك به، وكان في أكثر الأوقات عند معقيق جمعاً بين لروايت، قاله القاري.

ثم كان في يد أبي بكر، وعمر، ثم كان في يد عثمان رضي الله عنه حتى وقع في بئر أريس، نقشه:
 محمد رسول الله. صلى الله عليه وسلم

وقع: ظاهره أنه وقع من يد عثمان، وهو نص حديث البخاري عن أنس: فلما كان عثمان رضي الله عنه جلس على بئر أريس فأخرج إصمته، فجعل يعث به فسقط، الحديث. وأوضح منهما ما في البخاري عن ابن عمر رضي الله عنهما: أنه وقع من عثمان في بئر أريس، وسيأتي في الباب الآتي أنه سقط من معقيب، وكذا في بعض طرق عند مسلم، قاله القاري.
 بئر أريس: [إلى أن سقط في أثناء خلافة عثمان في بئر أريس، بوزن أمير، بالصرف وعدمه. وبئر أريس: بئر بحديقة قرية من مسجد قباء، ونسب إلى رجل من اليهود اسمه أريس، بمعنى الفلاح بغلة أهل الشام]

باب ما جاء في أن النبي ﷺ كان يتختم في يمينه

حدثنا محمد بن سهل بن عسكر البغدادي وعبد الله بن عبد الرحمن قالا: أخبرنا يحيى بن حسان، أخبرنا سليمان بن بلال، عن شريك بن عبد الله بن أبي نمر، عن إبراهيم بن عبد الله بن حنين، عن أبيه، عن **علي بن أبي طالب** رضي الله عنه،

باب۔ اس بیان میں کہ حضور اقدس ﷺ انگوٹھی کو دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے

فائدہ: پہلے باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے انگوٹھی کی کیفیت بتلائی تھی اور اس باب میں اس کے پہننے کی کیفیت بتلائے مقصود ہے۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے نو حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔

باب [القصود من هذا الباب بيان كيفية لسه، ومن الباب اسباق بيان حقيقة الخاتم.] باب ما جاء، اختلف السح في ذكر هذه الترجمة، ففي السح الموجودة عندنا هكذا، بلقط: 'كان يتختم في يمينه' وهكذا في عامة الشروح من الماوي واليحيوري وغيرهما، ولم يختر القاري لقط: 'في يمينه' في الترجمة ولمصها: 'باب ما جاء في تختم رسول الله ﷺ' وكذا في السح المكتوبة القلمية، وهو الأوجه عندي؛ لثلا يتكف في توجيه الرواية التي فيها ذكر اليسار، وأما على السح الموجودة فقد قال ميرك: فيه إشعار بأن المصنف كان يرجح روايات تختمه في يمينه على الروايات الدالة في التختم على اليسار؛ فذا لم يخرج في الباب حديثاً، فيه التصريح بكونه ﷺ تختم في يسره. قلت: وهو كذلك، فإنه ذكره من حديث أس فقط، وتكتم عليه، وقد لا يصح، وأما أثر الحسين رضي الله عنه فهو موقوف، وجل الروايات المرفوعة في الباب في التختم في اليمين.

سہل بفتح المهملة وسكون الهاء، فما في بعض السح بنقط التصغير غلط، ليس في الرواة أحد اسمه محمد بن سهيل. **البغدادي** بالجمع والمهملة في الدال الثاني على ما في السح، قاله القاري **حسان** بصرف ولا يصرف على أنه فعاع أو فعلا. عمر بفتح الود وكسر الميم آخره راء مهملة. قاري. عبد الله س **حبس** بضم الحاء المهملة وواو، مصعراً

أن النبي ﷺ كان يلبس خاتمه في يمينه. حدثنا محمد بن يحيى، أخبرنا أحمد بن صالح، حدثنا عبد الله بن وهب، عن سليمان بن بلال، عن شريك بن عبد الله بن أبي نمر نحوه. حدثنا أحمد بن منيع، أخبرنا يزيد بن هارون،

فائدہ: اس بارے میں روایات مختلفہ وارد ہوئی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے یا بائیں میں۔ بعض علمائے محدثین اس میں ترجیح کی طرف مائل ہوئے ہیں، چنانچہ امام بخاری و امام ترمذی رحمہما وغیرہ کی رائے یہی ہے کہ دائیں ہاتھ میں پہننے کی روایات رائج ہیں۔ بعض علماء نے اس طرح جمع کیا ہے کہ اکثر دہانے دست مبارک میں پہنتے تھے اور گاہے گاہے بائیں میں بھی پہن لیتے تھے۔ علماء کے درمیان میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ انگوٹھی کون سے ہاتھ میں پہننا افضل ہے۔ خود علماء حنفیہ میں بھی اختلاف ہے، بعض نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے اور بعض نے دونوں کو مساوی بتایا ہے۔ شامی نے بھی دو قول لکھے ہیں۔ مد علی قاری رحمہ اللہ نے حنفیہ کا ایک قول دائیں کے افضل ہونے کا لکھا ہے، لیکن مذہب کے لحاظ سے رائج وہی قول ہے جو علامہ شامی رحمہ اللہ کی تحقیق ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے دونوں میں بجا کراہت جوڑ ہونے پر علماء کا اجماع نقل کیا ہے، مگر یہ نے بائیں ہاتھ میں پہننے کو افضل بتایا ہے۔ الغرض احادیث سے بھی دونوں فعل ثابت ہیں اور علماء بھی ترجیح کے اعتبار سے دونوں طرف گئے ہیں۔ دُرِّ مختار میں قسستانی سے نقل کیا ہے کہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی کا پہننا روافض کا شعار ہو گیا ہے اس لئے اُس سے احتراز واجب ہے۔ صاحب دُرِّ مختار لکھتے ہیں کہ ممکن ہے اس زمانہ میں روافض کا شعار ہو اب نہیں ہے۔ حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ سے کوکب دری میں نقل کیا گیا ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی چونکہ روافض کا شعار ہے اس لئے مکروہ ہے۔ حضرت سہارنپوری رحمہ اللہ نے بھی بذل المجهود میں یہی تحریر فرمایا ہے اور یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ روافض کے کفر میں اگرچہ اختلاف ہے لیکن ان کے فاسق ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور فساق کے ساتھ تشبہ سے بھی احتراز ضروری ہے۔

يلبس بفتح الموحدة من اللبس بضم اللام. بمس [لأن التختم فيه نوع تكريم، واليمين به أحق]. محمد بن يحيى هذا طريق آخر لحدیث شريك المتقدم، والظاهر عدي أن العرض منه تقوية الاتصال؛ فإن الحديث روي عن شريك مسنداً ومرسلًا، فإن أبا داود أخرجه من طريق أحمد بن صالح عن ابن وهب بهذا السند متصلاً، ثم قال: وقال شريك: أخبرني أبو سمة بن عبد الرحمن أن النبي ﷺ كان يتختم في يمينه. وهذا مرسل، وهكذا بالطريقين مسنداً ومرسلًا أخرجه النسائي في مسنده. أحمد بن منيع هذا الحديث أخرجه المصنف في الجامع بهذا السند، ثم قال: قال محمد: وهذا أصح شيء روي عن النبي ﷺ في هذا الباب.

عن حماد بن سلمة قال: رأيت ابن أبي رافع يتختم في يمينه، فسألتُه عن ذلك؟ فقال: رأيت عبد الله بن جعفر يتختم في يمينه، وقال عبد الله بن جعفر: كان النبي ﷺ يتختم في يمينه. **حدثنا** يحيى بن موسى، أنبأنا عبد الله بن نُمير، أنبأنا إبراهيم بن الفضل، عن عبد الله بن محمد بن عقيل، **عن** عبد الله بن جعفر، أن النبي ﷺ كان يتختم في يمينه.

(۲) حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد الرحمن بن ابی رافع کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا۔ میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انھوں نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن جعفر کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا اور وہ یہ کہتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

(۳) عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ سے دوسرے طریقہ سے بھی یہی نقل کیا گیا کہ حضور اقدس ﷺ داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ **فائدہ:** ایک حدیث میں اس کے ساتھ یہ بھی نقل کیا گیا کہ زینت دائیں ہاتھ کے ساتھ زیادہ موزوں ہے، اسی لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ جو فہم حدیث کے امام ہیں، وہ کہتے ہیں کہ مجھے احادیث کے دیکھنے سے جو محقق ہوا وہ یہ کہ اگر زینت کے ارادہ سے پہنے تو دایاں ہاتھ موزوں ہے اور اگر مہر لگانے کے ارادہ سے پہنے تو بایاں ہاتھ موزوں ہے کہ دائیں ہاتھ سے اس کو نکال کر مہر لگانے میں سہولت ہے۔ اور احادیث میں دونوں ہاتھوں میں پہننا وارد ہے۔

ابن رافع هكذا عند المصنف في الجامع والسنائي في سننه بالكية. قال المناوي وتعه السجوري: إنه عبد الرحمن، وكذا حكى اسمه في الخواشي عن العصام وهو الصواب، فما في جمع الوسائل: اسمه عبد الله" وهم، وذكر الحافظ هذا الحديث في تهذيبه في ترجمة عبد الرحمن بن أبي رافع، وقال في ذيل الكي: ابن أبي رافع عن عبد الله بن جعفر هو عبد الرحمن، ولم أجد ترجمة عبد الله بن أبي رافع في التهذيب وغيره. **عبد الله بن جعفر** [صحاح كآبيه، وهو أول مولود ولد في الإسلام بأرض الحبشة، ومات بالمدينة المنورة، مخرج له السنة.]

يحيى بن موسى كذا في المكتوبة، وهكذا في الشروح الثلاثة وهو الصواب، فما في السبخ لهندية 'موسى بن يحيى' عنده؛ ليس في رواية الصحاح أحد اسمه موسى بن يحيى، فتأمل. **إبراهيم بن الفضل**. قال العصام: لم أجد ترجمته، وقال القاري: لم أطلع على ترجمته، قال المناوي: هو قصور. إذ هو إبراهيم بن الفضل بن سليمان المحزومي قلت: رقم عليه الحافظ للترمذي وابن ماجة، وذكر في شيوخه عبد الله بن عقيل، وفي تلامذته ابن نمير، فهو المتعين.

حدثنا أبو الخطاب زياد بن يحيى، أخبرنا عبد الله بن ميمون، عن جعفر بن محمد، عن أبيه، عن جابر بن عبد الله: أن النبي ﷺ كان يتختم في يمينه. **حدثنا** محمد بن حميد الرازي، حدثنا جرير، عن محمد بن إسحاق، عن الصلت بن عبد الله قال: كان ابن عباس يتختم في يمينه ولا إخاله إلا قال: كان رسول الله ﷺ يتختم في يمينه.

(۴) جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔
(۵) صلت بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے اور مجھے جہاں تک خیال ہے یہ کہا کرتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ بھی دائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔ **فائدہ:** امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو مختصر نقل کیا ہے، ابو داؤد شریف میں ذرا تفصیل سے ہے۔ ابن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے صلت کو دائیں ہاتھ کی سب سے چھوٹی انگلی (کن انگلی جس کو چھٹا انگلی بھی کہتے ہیں) میں پہنے دیکھا۔ میں نے اس کے متعلق دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی پہنے دیکھا اور اس کے نگین کو اوپر کی جانب کر رکھا تھا اور جہاں تک خیال ہے وہ حضور اقدس ﷺ کے متعلق ذکر کرتے تھے کہ آپ بھی اسی طرح پہنتے تھے۔ اس حدیث میں دو مضمون ہیں: ایک یہ کہ نگین کو اوپر کی جانب کر رکھا تھا۔ بذل المجہود میں مرقاة الصدود سے نقل کیا ہے کہ نگین کا ہاتھ کے اندر کے حصہ یعنی ہتھیلی کی طرف رکھنا زیادہ صحیح ہے اور اکثر روایات میں وارد ہے، چنانچہ شامل میں بھی آئندہ روایت میں آرہا ہے۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ یہی افضل ہے، اس میں نگین کی حفاظت بھی ہے اور عجب و تکبر سے حفاظت بھی ہے۔

جعفر: [أي: الصادق، لقب به؛ لكمال صدقه وورعه، وأمه أم فروة بنت القاسم بن محمد بن أبي بكر، قال: أبو حنيفة ما رأيت أفقه منه.] **محمد:** [أي: محمد السافر، لقب ذلك لأنه بقر العلم أي: شقه، وعرف خفيته وحليته، وهو ابن علي بن سيدنا الحسين بن علي.] **الصلت:** بتشديد الصاد المهملة مفتوحة وسكون اللام. **إخاله** هو بكسر الهمزة أفصح من فتحها، والقياس الفتح، وقيل: الثاني أفصح، وفي القاموس: الفتح لغة، وهو من أفعال الشك متكلم يخال أي: لا أظنه، والظاهر أنه مقولة الصلت، ويحتمل أن يكون لواحد من قبله، ولم توجد هذه الجملة في بعض الأصول، قاله القاري. والحديث أخرجه أبو داود برواية يونس بن بكير عن ابن إسحاق، وفي آخره قال: ولا يحال ابن عباس إلا قد كان يذكر أن رسول الله ﷺ كان يلبس هكذا.

حدثنا ابن أبي عمر، أخبرنا سفيان، عن أيوب بن موسى، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن النبي ﷺ اتخذ خاتماً من فضة، وجعل فصه مما يلي كفه، ونقش فيه: "محمد رسول الله" ونهى أن ينقش أحد عليه، وهو الذي سقط من معيقب في بئر أريس.

دوسرا مضمون یہ ہے کہ انگوٹھی کو سب سے چھوٹی انگلی میں پہننا، امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے سنت ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انگوٹھی اسی انگلی میں ہونا چاہئے، اور نگین مردوں کی انگوٹھی میں ہتھیلی کی طرف ہونا چاہئے، اور عورتوں کی انگوٹھی میں اوپر کی جانب کہ ان کا پہننا زینت کے لئے ہوتا ہے۔

(۱) ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی، اس کا نگینہ ہتھیلی کی جانب میں رہتا تھا، اس میں "محمد رسول اللہ" کندہ کرایا تھا۔ اور لوگوں کو منع فرمادیا تھا کہ کوئی شخص اپنی انگوٹھی پر یہ کندہ نہ کرائے۔ یہ وہی انگوٹھی تھی جو معیقب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیرا ریس میں گر گئی تھی۔ **فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوروں کو اس لئے منع فرمادیا تھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کمال اتباع میں اگر یہی کندہ کرا لیتے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر دوسروں کی مہر کے ساتھ مخلوط ہو جاتی۔ معیقب رضی اللہ عنہ ایک صحابی تھے جو حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے انگوٹھی کے محافظ تھے۔ حضور کے زمانہ میں بھی جن اوقات میں کہ حضور انگوٹھی پہنے ہوئے نہیں

مما يلي كفه [أي: مما يلي باطل كفه]. **علیہ** أي: على وفق هذا النقش؛ فلا يتس تحتهم بحتم العير، وما قيل: إن نقش خاتم معاذ بن عمرو كان هكذا، يحمل على قبل النبي أو على بعد وفاته رضي الله عنه، وهذا كله على تقدير ثبوته، وإلا فهو م يشك عند المحدثين، صرح به البيهقوري. قال الماوي: أو يحمل على الخصوصية، وقال ابن جماعة والرئيس العراقي: يظهر أن النبي خاص بخاتمته رضي الله عنها أحداً بالعبارة، فقول القرطبي: لا يجوز لمن كان اسمه "محمد" النقش عليه مصفاً، في حيز المنع، نعم! لو قبل بمنع النقش على اسم الإمام الأعظم مطبقاً؛ لوجود العلة لم بعد.

معقِب [اسم صحابي، أسمى قديماً، وشهد بدرا، وهاجر إلى حبشة، وكان يبي حاتم المصطفي رضي الله عنه، وكان به علة من خدم] بضم الميم وفتح العين المهمة وسكون التحتيتين بينهما قاف مكسورة وحره باء موحدة، ابن أبي فاطمة البدری، أسمى قديماً، وهاجر إلى الحبشة أجرة الثانية. كان على حاتم أبي رضي الله عنه بالمدينة، واستعمله أبو بكر وعمر وعثمان على بيت المال. وأما قول ابن بحر: إن معيقباً غلام عثمان، فغير صحيح، قاله القاري.

حدثنا قتيبة بن سعيد، قال: أخبرنا حاتم بن إسماعيل، عن جعفر بن محمد، عن أبيه قال: كان الحسن والحسين رضي الله عنهما يتختمان في يسارهما. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن،

ہوتے تھے، اس وقت میں معقیب رضی اللہ عنہ کے پاس محفوظ رہتی تھی، ایسے ہی پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور میں رہا، اور ایسے ہی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ حکومت میں، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی یہی صورت تھی۔ اسی دوران میں ایک مرتبہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو انگوٹھی دے رہے تھے یا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے لے رہے تھے کہ اس حالت میں انگوٹھی گری اور کنویں میں جا پڑی۔ اس میں روایات مختلف ہیں کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس سے گری یا حضرت معقیب رضی اللہ عنہ کے پاس سے۔ علماء نے یہی صورت جمع کی تجویز فرمائی ہے جو اوپر لکھی گئی۔ اس صورت میں دونوں روایتیں صحیح ہیں اس لئے کہ جب درمیان میں گری تو اس کی نسبت ہر ایک کی طرف صحیح ہے۔

(۷) امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام حسن و امام حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔ **فائدہ:** یہ حدیث امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے باب کی سُرخی کے خلاف ہو گئی، اس لئے کہ باب دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا منعقد فرمایا تھا۔ اس کی توجیہ یہ کی جاسکتی ہے کہ مقصود اس قسم کی روایات سے جب کہ اس باب میں بہت سی روایات اس کے خلاف ہیں،

عن أبيه [أي: محمد الناقر، وهو لم ير سيدنا الحسن أصلاً، فهذا الأثر مرسل بالنسبة إلى سيدنا الحسن، وأما بالنسبة لسيدنا الحسين، فيمكن كونه رآه في يساره، فإنه كان له يوم الطف أربع سنين، فلا يكون الأثر مرسلًا بالنسبة إليه، ويحتمل أنه سمع من أبيه من العابدين أنه رآه كذلك، فيكون مرسلًا بالنسبة إليهما].

كان الحسن لعل غرض المصنف بإيراد هذا الأثر على خلاف ترجمته إشارة إلى شذوذه، أو إلى أن هذا موقوف، والروايات المرفوعة كلها مصرحة بالنسبة في اليمين، قاله الشراح. قلت: لكن يشكل عليه تصحيح المصنف هذا الحديث في جامعه، فالأوجه عندي في غرض المصنف أن هذا الحديث روي موقوفاً بفعلهما ومرفوعاً بلفظ: كان رسول الله ﷺ وأبو بكر وعمر وعلي والحسن والحسين رضي الله عنهم يتختمون باليسار، أخرجه البيهقي في الأدب وأبو الشيخ في الأخلاق، فعرض المصنف بذكر هذا الموقوف ترجيحه على المرفوع، والله أعلم. وهذا كله على تقييد الترجمة باليمين، وأما على إطلاقه فلا حاجة له كما تقدم. ثم هذا الأثر مقطوع؛ لأن عمداً الناظر لم يدرك الحسن والحسين رضي الله عنهم، قاله القاري، وتبعه الماوي، وقيل: مرسل باعتبار الحسن رضي الله عنه، ويمكن الاتصال باعتبار الحسين رضي الله عنه، فتأمل.

أخبرنا محمد بن عيسى - وهو ابن الطَّبَّاع - حدثنا عباد بن العوام، عن سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن أنس بن مالك رضي الله عنه: أن النبي ﷺ تَخَتَّمُ تَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ. (قال أبو عيسى: هذا حديث غريب،

اشارہ اس کے ضعف کی طرف ہے۔ بندہ ناچیز کے نزدیک باب میں دائیں ہاتھ کی قید بیانِ الفضلیت کے لئے ہے اور اس نوع کی روایت بیانِ جواز کے واسطے ہیں۔ بعض اکابر نے یہ بھی توجیہ فرمائی ہے کہ ترجمہ میں حسبِ عادت محدثین کلمہ (أم في يساره) محذوف ہے، یعنی حضور ﷺ انگوٹھی دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے یا بائیں میں۔ اس توجیہ پر کوئی روایت ترجمہ کے غیر مطابق نہ ہوگی۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی جاتی ہے کہ حضور اقدس ﷺ دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے یہ بھی بعض لوگوں نے نقل کیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

الطبع بتشديد اموحدة أي: الحكاك، ونقاش الختم، قاله القاري. عباد بن العوام بتشديد اموحدة وسواو. قال أحمد: حديثه عن سعيد بن أبي عروبة مصطرب. قال أبو عيسى ليس هذا الكلام في السحرة القسمة، وليس أيضاً عند أحد من الشرح للثلاثة كما يظهر من كلامهم، فإهم نفوه عن جامع المصنف، وعرضه كما يظهر من كلام القاري: أن حديث أنس في يتختم في يمين أو يتختم في يسار لا يصح من هذا الطريق، وإلا فقد صح من طريق أخرى يتختم فيهما، وقد أخرج مسلم من طريق حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس رضي الله عنه. قال: كان حاتم النبي ﷺ في يده، وأشار إلى الخنصر اليسرى. قلت: وما يحضر في سائر أن عرض المصنف عدم الجزم بالترجيح في روايات قتادة عن أنس في هذا الباب، فإن الذين رَوَوْا هذا الحديث عن أنس محتشم. قال العيني في شرح البحاري: وقد اختلفت الرواة عن أنس، هل كان يتختم في يمينه أو يساره؟ وقد رواه عنه ثابت السدي وثمامة وحميد وشريك عن الشث فيه وعند العرير بن صهيب وقاتدة والزهري، فأما ثمامة وحميد وشريك وعند العرير ليس في رواياتهم تعرض لذكر يمين أو يسار، وأما رواية ثابت وقاتدة والزهري ففيها انزعاض لذلك، ثم قال: وأما قتادة فاختلف عليه فيها فقال سعيد بن أبي عروبة عنه عن أنس: كان يتختم في يمينه. وقال شعبة وعمرو بن عامر عن قتادة عن أنس كان يتختم في يساره. وفي عمل لابن أبي حاتم: سألت عن حديث رَوَاهُ سعيد بن بشير عن قتادة عن أنس: أن النبي ﷺ اتخذ حاتمًا، الحديث. قال أبي: أما قوله: اتخذ حاتمًا من قصة ونقش عليه، فهو صحيح عن النبي ﷺ. وأما قوله: فكان يلبسه في شماله فلا أعلم أحدًا رواه إلا ما رواه عباد بن العوام عن سعيد عن قتادة عن أنس عن النبي ﷺ، وروى بعضهم عن حماد بن سلمة عن ثابت عن أنس عن النبي ﷺ، والحفاظ ترويه عن سعيد عن قتادة عن أنس عن النبي ﷺ. لا يقرؤون: به ليس في يساره. والظاهر أن ذكر اليد يميناً كان أو يساراً ليس عندهم في هذا الحديث.

لا نعرفه من حديث سعيد بن أبي عروبة، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ نحو هذا إلا من هذا الوجه، وروى بعض أصحاب قتادة عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه أن النبي ﷺ تَخَتَّم في يساره، وهو حديث لا يصح أيضاً. **حدثنا** محمد بن عبيد المخاري، حدثنا عبد العزيز بن أبي حازم، عن موسى بن عقیبة، عن نافع، **عن** ^(۹) ابن عمر رضي الله عنه قال: اتخذ رسول الله ﷺ خاتماً من ذهب،

فائدہ: امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہاتھ کی تعین نہیں ہے۔ یہ محدثین کی غایت احتیاط ہے کہ وہ حدیث کے ہر ہر کلمے پر گہری نظر ڈالتے ہیں کہ کون سی حدیث میں کون سا مضمون صحیح ہے اور کونسا ایسا ہے جو اس حدیث میں صحیح نہیں ہے، دوسری حدیثوں میں اگرچہ صحیح طور پر ثابت ہو۔ یہی وہ چیز ہے جس کی بدولت حدیث شریف کا فن آج تک نہایت پختگی اور نورانیت و چمک کے ساتھ دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا انگوٹھی دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں پہننا روایات متعددہ سے ثابت ہے۔ دابنے ہاتھ کی روایات اس باب میں گزر چکی ہیں، اور بائیں ہاتھ کی روایات بھی ابو داؤد و مسلم وغیرہ میں موجود ہیں، چنانچہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قسم کی روایات کو صحیح بتایا ہے، لیکن محدثین کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ باوجود متن حدیث کے صحیح ہونے کے اگر کسی خاص طریقہ سے قواعد محدثین کے موافق صحیح نہیں ہوتی تو اس خاص طریقہ پر کلام فرماتے ہیں، اس لئے امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کلام کیا ہے۔

(۹) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے سونے کی انگوٹھی بنوائی جس کو اپنے دابنے ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی اتباعاً سونے کی انگوٹھیاں بنوائیں۔ حضور اقدس ﷺ نے اس کے بعد وہ انگوٹھی پھینک دی اور یہ فرمایا کہ میں اس کو کبھی نہیں پہنوں گا۔

المخاري بضم أوه وبمهملة وكسر راء وموحدة، نسبة لبي محارب: قبيلة من العرب، و"محمد بن عبيد" هذا بدون الإصافة إلى اسم الخلافة. **من ذهب** قال الرزق العرافي نقلاً عن البيهقي في الأدب: وهذا الخاتم هو الذي كان فسه حشياً. قال ابن حجر: هذا هو الناسخ لحنه مع قوله ﷺ في الأحاديث الصحيحة: وقد أخذ ذهباً في يد وحريراً في يد وقال: هذا حرامان عني ذكور أمي حل لإناثها، والأئمة الأربعة عني تحريمه اسهي عنه في الصحيحين وغيرهما، قال الفاري: =

فكان يلبسه في يمينه، فاتخذ الناس خواتيم من ذهب، فطرحه رسول الله ﷺ وقال: لا ألبسه أبدا، فطرح الناس خواتيمهم.

فائدہ: سونا ابتداء اسلام میں جائز تھا، پھر مردوں کے لئے حرام ہو گیا۔ اس کی حرمت پر جمہور کا اتفاق ہے، امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی حرمت پر اجماع نقل کیا ہے۔ فقہی بحث اس مسئلہ میں طویل ہے جس کا یہ محل نہیں۔

= جمہور السیف علی حرمة التختيم خاتم الذهب للرجال دون النساء، والاعتبار باحقة عبد الحميد، فلا بأس بمسماز الذهب عني الخاتم، خلافا للشافعية، قال المناوي: فتحريمه مجمع عليه الآن في حق الرجال كما أفاده العراقي نعا للووي حيث قل: أجمعوا على تحريمه للرجال إلا ما حكى عن ابن حزم أنه أباحه، وعن بعضهم: أنه مكروه لا حرام، وهذا باصلا، وقائلهما محجوج بالأحاديث التي ذكرها مسم مع إجماع من قبله على تحريمه. قال ابن العربي لا يصح نقل الإجماع، فقد لسه جمع من الصحب والتابعين، قال القاري: فقول عياض: أن الناس مجمعون على تحريمه غير سديد، إلا أن يقا: أراد 'بالناس' الجمهور، ويقال: انقصر قرن من قال بكراهة التثنية، واستقر الإجماع بعد على التحريم.

فطرحه ہذا هو المعروف عند الحديث أن المنطروح خاتم الذهب، وقد أخرج أبو داود برواية الزهري عن أس. أنه رأى في يد النبي ﷺ خاتما من ورق يوما واحدا، فصنع الناس فمسوا، وصرح النبي ﷺ فطرح لاس. قال القرطبي: هو وهم من الزهري عند جميع أهل الحديث، وإنما اتفق ذلك له ﷺ في خاتم الذهب كما في لندن، وحكى الشيخ توجيهات رواية الزهري فارجع إليه. وحكى القاري عن غيره: الأقرب أنه ﷺ اتخذ خاتما من ذهب فتخذه، فألقاه حين وافق تحريمه فألقوه، ثم اتخذ خاتما من ورق ونقش فيه 'محمد رسول الله ﷺ' فتعنه الناس في ذلك، فرمى به حتى رمى الناس كله؛ لئلا تموت مصلحة الختم بالاشتراك، ثم رجع إلى خاتمته الخاص به فصارت يتختم به، قال قاري: ولأظهر أنه ﷺ بعد تحريمه خاتم الذهب ليس خاتم القصة على قصد الرية فتعنه الناس، فرأى أن في لسه ما يترتب عليه من التعجب والكبر والخيلاء فرماه ورموا، فلما احتاج إلى سبه لأجل الختم به لسه وقال: بما اتخذنا خاتما ونقشنا فيه نقشا فلا ينقش عليه أحد.

باب ما جاء في صفة سيف رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن بشار، أخبرنا وهب بن جرير، أنبأنا أبي، عن قتادة، عن^(۱) أنس رضی اللہ عنہ قال: كان قبيصة سيف رسول الله ﷺ من فضة. **حدثنا محمد بن بشار، أخبرنا معاذ بن هشام، حدثني أبي، عن قتادة،**

باب - حضور اقدس ﷺ کی تلوار کا بیان

فائدہ: علماء کہتے ہیں کہ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے انگوٹھی کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ حقیقتاً اس سے ایک خاص نظام العمل اور دستور السلطنت کی طرف اشارہ ہے کہ اول تبلیغی خطوط سلاطین کے پاس ارسال کیے جائیں، اگر وہ مسلمان ہو جائیں تو منافع دین اور دنیوی کے مالک ہیں ہی، ورنہ پھر وہ اور تلوار۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چند تلواریں رہیں ان کے خاص خاص نام تھے۔ سب سے پہلی تلوار ماثور تھی، جو وراثت میں آپ نے اپنے والد سے پائی تھی۔ ایک کا نام قضیب، اور ایک کا قلعی، ایک کا بتار، ایک کا ذوالفقار وغیرہ وغیرہ تھا۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں چار حدیثیں نقل فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

فائدہ: علامہ بیجوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ یہ ذوالفقار کا ذکر ہے۔ فتح مکہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہی تلوار تھی۔

الصفة الوصف والكشف والتبيين. والسيف بفتح السين المهملة، جمعه سيوف وأسياف. وبدأ به في آلات الحرب؛ لأنه أعلها استعمالاً، وأردف باب الحاتم باب السيف؛ ما علم أنه ﷺ اتخذ حاتم ليحتم به رسائله إلى الملوك، إشارة إلى أنه دعاهم إلى الإسلام أولاً، فلما امتنعوا حاربهم. **صفة سيف** [المراء بصفة السيف حالته التي كان عليها]. كان هكذا بصيغة التذكير في النسخ اهدية والمصرية من الشمائل، وفي الشروح بفتح: 'كانت' بصيغة التأنيث، وهكذا في رواية أبي داود والترمذي وغيرهما من حديث جرير. **قبيصة**: [قبيصة السيف: ما على طرف مقبضه من فصّة أو حديد، يعتمد الكف عليها؛ لئلا يزل] بفتح القاف وكسر الموحدة: ما على رأس مقبض السيف من فصّة أو حديدة على من فانه الجوهري وقيل: غير ذلك. قاري.

عن سعيد بن أبي الحسن قال: كانت قبيلة سيف رسول الله ﷺ من قضة. **حدثنا** أبو جعفر محمد بن صدران البصري، أنحربا طالب بن حُجَّير، عن هود -وهو ابن عبد الله بن سعيد- **عن** جده قال: دخل رسول الله ﷺ مكة يوم الفتح،

(۲) سعيد بن ابی الحسن رضی اللہ عنہ نے بھی یہی نقل کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی مونہ چاندی کی تھی۔
(۳) ہود کے ناما مزیدہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو حضور کی تلوار پر سونا اور چاندی تھا۔ طالب جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے استاد سے پوچھا کہ چاندی کس جگہ تھی؟ انھوں نے فرمایا کہ قبضہ کی ٹوپی چاندی کی تھی۔

فائدہ: تلوار میں سونا لگانا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور اس حدیث سے اس لئے استدلال نہیں ہو سکتا کہ محدثین نے اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے۔ علامہ تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا اس لئے کہ اس کی سند قابل اعتماد نہیں ہے، البتہ چاندی کی ٹوپی وغیرہ جیسا کہ پہلی روایتوں میں آیا، جائز ہے۔ کہتے ہیں کہ چونکہ سونا ناجائز تھا اس لئے راوی نے صرف چاندی کی تحقیق کی کہ کس جگہ تھی، سونے کو دریافت بھی نہیں کیا کہ کہاں تھا۔

سعيد بن أبي الحسن هو أبو الحسن البصري، تابعي، فالحدیث مرسل، وأخرجه المصنف في جامعه من طريق حرير هذا السند المذكور في الشرائع، ثم قال: هذا حديث حسن غريب، وهكذا روي عن همام عن قتادة عن أنس، وقد روى بعضهم عن قتادة عن سعيد بن أبي الحسن قال: كانت قبيلة سيف رسول الله ﷺ من قضة. وصاهره أن مصنف مال إلى ترجيح السند؛ إذ ذكر له متابعة، لكن بعضهم رجحوا مرسل، كما سطر الشيخ في الدرس صدران كهمالات كعفران: هو محمد بن إبراهيم بن صدران، منسوب إلى جده. **خبر** بضم حاء مهمة وفتح جيم وسكون تحتية آخره راء مهمة.

عبد الله بن سعيد هكذا في نسخ الشرائع ناشتية بعد العين، قلت لشرح: هكذا في بعض نسخ الشرائع المصححة المقروءة، وصوابه: "سعد" غير ياء كما في بعض النسخ الآخر، وعليه محققون من علماء أسماء الرجال. قلت: وهكذا بدون الياء في الجامع. **جده** أي. لأمه، كما في نسخة، اسم: مربدة، قال القاري: صط الأكثر بفتح أمية وإسكان الراي وفتح الياء، واحتاره الخري في تصحيح نصاب، وهو مشهور عند الجمهور، وحائهم العسقلاني فقال في التمر: مزينة بوزن كبيرة.

وعلى سيفه ذهب وفضة. قال طالب: فسألت عن الفضة، فقال: كانت قبيعة السيف فضة. **حدثنا** محمد بن شجاع البغدادي، أخبرنا أبو عبيدة الخداد، عن عثمان بن سعد، **عن** ابن سيرين قال: صنعت سيفي على سيف سمرّة بن جندب، وزعم سمرّة أنه صنع سيفه على سيف رسول الله ﷺ. وكان حنفيًا. **حدثنا** عتبة بن مكرم البصري، حدثنا محمد بن بكر، عن عثمان بن سعد، بهذا الإسناد نحوه.

(۴) ابن سيرین **رحمہ اللہ** کہتے تھے کہ میں نے اپنی تلوار **سمرہ بن جندب** کی تلوار کے موافق بنوائی، اور وہ کہتے تھے کہ ان کی تلوار حضور اقدس **ﷺ** کی تلوار کے موافق بنوائی گئی ہے، اور وہ قبیلہ بنو حنیفہ کی تلواروں کی طریق پر تھی۔ **فائدہ:** بنو حنیفہ عرب کا ایک قبیلہ ہے جو تلواروں کے عمدہ بنانے میں بہت مشہور ہے۔ یہ سب لوگ یکے بعد دیگرے حضور **ﷺ** کے اتباع میں ویسی ہی تلوار بناتے رہے۔

دھب و فصد یخالف مسك الحفمية، إد قال الشامي: ولا يتحلى الرجل بذهب وقصة إلا خاتم ومطقة وحلية سيف منها، أي، من الفضة لا من الذهب. وكذلك عند الشافعية وغيرهم. قال القاري: لا يعارض هذا ما تقرر من حرمة بالذهب؛ لأن هذا الحديث ضعيف، ولا يصح الخواب: بأن هذا قتل ورود الهي عن تحريم الذهب؛ لأن تحريمه كان قبل افتتح على ما نقل قلت: لا حاجة إلى الخواب بعد أن قال فيه ابن القطان راداً على تحسین الترمذي: إنه ضعيف لا حسن، وقال أبو حاتم: مكر، قال في الميراث: صدق ابن القطان وهذا مكر، وما علما في حلية قبيعته دهنًا، قال الثوري بشي: هذا الحديث لا تقوم به حجة، وذكر ابن عبد البر في استيعابه: أنه ليس بقوي.

وكان **حنفيًا** [أي: وكان سيفه حنفيًا، سنة لبني حنيفة، وهم قبيلة مسيئمة، لأهم معروفون نحس صعة السيوف] مقولة ابن سيرين على الإرسال، أو مقولة سمرّة هذا إذا أرجع الضمير إلى سيفه **ﷺ**. ويحتمل أن يكون المراد به سيف سمرّة، فيكون من كلام ابن سيرين لا غير. **عقده بن مكرم** عقده بنصم فسكون. ومكرم ساء المجهول من الإكرام، قاله القاري، قال الماوي: و وهم من جعله ببناء الفاعل.

باب ما جاء في صفة درع رسول الله ﷺ

حدثنا أبو سعيد عبد الله بن سعيد الأشج، أخبرنا يونس بن بكير، عن محمد بن إسحاق، عن يحيى بن عباد بن عبد الله بن الزبير، عن أبيه، عن جده عبد الله بن الزبير، **عن الزبير بن العوام** قال: كان على النبي ﷺ

باب - حضور اقدس ﷺ کی زرہ کا بیان

فائدہ: حضور اکرم ﷺ کے پاس سات زرہ تھیں، جن کے نام حسب ذیل ہیں: ذات الفضول، جو اپنی وسعت کی وجہ سے اس نام کے ساتھ مشہور تھی، اور یہی وہ زرہ ہے جس کا قصہ حدیث کی کتابوں میں آتا ہے، جو ابوالشحم یہودی کے پاس رہن تھی۔ اور باقی چھ کے نام یہ ہیں: ذات الحواشی، ذات الوشح، فضہ، سفیہ، ہراء، خرنق۔ اس باب میں دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن مبارک پر اُحد کی لڑائی میں دو زرہ تھیں (ایک ذات الفضول۔ دوسری فضہ) حضور اقدس ﷺ نے ایک چٹان کے اوپر چڑھنے کا ارادہ فرمایا مگر (وہ اونچی تھی، اور دوزر ہوں کا وزن، نیز غزوہ اُحد میں وہ تکلیفیں جو حضور ﷺ کو پہنچی تھیں کہ جن کی وجہ سے چہرہ مبارک خون آلودہ ہو گیا تھا، غرض ان وجوہ سے) حضور ﷺ اس چٹان پر چڑھ نہ سکے۔ اس لئے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نیچے بٹھا کر ان کے ذریعے سے اس چٹان پر چڑھے

صفة درع - حذف المضاف 'ي' صفة منه، يتوافق حديثي الباب، وهو يدل مهمة مكسورة فراء ساكنة: حة من حديد، تصعب حقا حلقا، تنس سحر، درع [هو قميص من دو حقائق من الحديد متشابهة، يابس وقاية من اسلح]. الزبير بن العوام هكدا في نسخ الشمان، قال ميرث: هكدا وقع في بعض سح اشمان، وكذا وقع في أصل سماع مبحقا صبح، وحذف في بعض السح ذكر الزبير، واقتصر على عبد الله بن الزبير، وهو خطأ، والصواب إثابة في لإسناد؛ لأنه هكدا ذكره المصنف في جامع، وذكره يكون الحديث مسداً متصلاً، ونحوه يكون مرسلأ، فإن عبد الله بن الزبير لم يحصر وقعة اُحد، قاله القاري، وهكدا حكى الماوي عن الحافظ بن حجر ورد: وبذكر لزبير يصبغ قوله في الحديث: قال: فسمعت النبي ﷺ يقول: أوجب طمحة - الباء الدالة على التعقيب، وعلى حذف الزبير يكون هذا كذا محصاً؛ لأن مولد ابن الزبير في السنة الثانية من الهجرة، وأحد في الثالثة.

یوم أحد درعان فنهض إلى الصخرة فلم يستطع، فأقعد طلحة تحته، فصعد النبي ﷺ حتى استوى على الصخرة، قال: سمعت النبي ﷺ يقول: أوجب طلحة. **حدثنا** ابن أبي عمر، **حدثنا** سفيان بن عيينة، عن يزيد بن خصيفة،

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ طلحہ نے (جنت کو یا میری شفاعت کو) واجب کر لیا۔ **فائدہ:** جنگ احد میں لڑائی کی حالت نہایت خطرناک تھی، حتیٰ کہ حضور ﷺ کے وصال کا واہمہ بعض لوگوں کو ہو گیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ اس اونچی جگہ اس لئے تشریف لے گئے تھے تاکہ سب صحابہ حضور ﷺ کو دیکھ کر مطمئن ہو جائیں اور بعض اکابر نے لکھا ہے کہ کفار کے دیکھنے کے لئے پڑھتے تھے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اُس دن کمال شجاعت سے حضور ﷺ کا ساتھ دیا تھا، حتیٰ کہ صحابہ رضی اللہ عنہ جب غزوہ احد کا ذکر فرماتے تو کہتے تھے کہ یہ دن تمام کا تمام طلحہ کا ہے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو حضور ﷺ کی ڈھال بنا رکھا تھا۔ اسی سے زائد زخم ان کے بدن پر آئے اور حضور ﷺ کا ساتھ نہیں چھوڑا، حتیٰ کہ ان کا ہاتھ بھی شل ہو گیا تھا۔

درعان قال ميرك: هما ذات العصول والمصبة، كما رواه بعض أهل السير عن محمد بن مسلمة.

اُی: متوجهاً إليها ليستعبلها فإراه الناس فيعلمون حياته، ويختمعون عنده. **فلم يستطع** [فلم يقدر على الارتفاع على الصخرة، قيل: لما حصل من شح رأسه وجنيه الشريفين، واستفراغ الدم الكثير مهمما، وقيل: ثقل درعيه، وقيل: لعلوها]. **تحته** [أي: أحسنه فصار طلحة كالسُّم]. **فصعد** [أي: فوضع رجليه فوقه وارتفع]. **أوجب** أي: لنفسه الحجة، أو إشفاعة، أو المثوبة العظيمة بفعله هذا، أو بما فعل ذلك اليوم، حيث جعل نفسه فداء رسول الله ﷺ حتى شلت يده.

طلحة [أي: فعل فعلاً أوجب لنفسه بسبب الحجة، وهو إعانته له في عني الارتفاع على الصخرة، ويختل أن ذلك الفعل هو جعله نفسه فداءً له في ذلك اليوم، حتى أصيب بصبغ وثأب طعة]. **عن يزيد** هكذا في اس ماجة برواية هشام بن عمار، **حدثنا** سفيان بن عيينة عن يزيد بن خصيفة إلخ وأحرقه أبو داود بالثبث، ولفظه **حدثنا** مسدد أو سفيان قال: حسنت أي سمعت يزيد بن خصيفة إلخ. **خصيفة** نساء معجمة وصاد مهملة مصعراً، ويريد ابن عبد الله بن خصيفة منسوب إلى جده.

عن السائب بن يزيد رضی اللہ عنہ أن رسول الله ﷺ كان عليه يوم أحد درعان، قد ظاهر بينهما.

(۲) سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن مبارک پر جنگ اُحد میں دو زرہیں تھیں، جن کو اوپر نیچے پہن رکھا تھا۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا دو زرہ پہننا یہ حضور کے کمال توکل کے منافی نہیں، اس لئے کہ اول تو کمال سلوک خود صوفیا کے یہاں بھی رجوع الی الہدایت ہے، یعنی عام معاملات میں عام لوگوں جیسا برتاؤ ہو لیکن شریعت کی پابندی طبیعت بن جائے۔ دوسرے یہ بات ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے معمولات میں اس قسم کے امور امت کو تعلیم کے لئے ہوا کرتے ہیں اور یہ ظاہر بات ہے۔ تیسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے: وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (سورہ نساء) اے ایمان والو! (کافروں کے مقابلہ میں) اپنی تو احتیاط رکھو (یعنی ان کے داؤ گھات سے بھی ہوشیار رہو اور مقابلہ کے وقت سامان ہتھیار ڈھال وغیرہ سے بھی درست رہو) پھر (ان سے مقابلہ کے لئے) متفرق طور پر یا مجتمع طور پر (جیسا موقع ہو) نکلو۔ (بیان القرآن) اس لئے حفاظت کا حسب موقع سامان لینا آیت شریفہ کا اتشال ہے اور حضور ﷺ سے زیادہ اللہ ﷻ کے ارشادات پر عمل کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ اسی سلسلہ میں زرہ خود وغیرہ جملہ احتیاطی سامان کا استعمال ہے۔

السائب بن يزيد مرسل، فإن سائبا لم يكن في أحد حصر حجة الوداع مع أبيه وهو اس سبع سنين، قاله لقاري، وقد أخرج أبو دود عنه عن رجل، وسط لشيع في بدل الكلام على هذا سهم، فارجع إليه. ظاهر أي: بس إحداهما فوق الأخرى. فيه تعميم وإشعار بأن التوقي من الأعداء لا ياتي التوكل والرصد والتسليم، وقدر ي عنه ﷺ أعقنها وتوكل.

باب ما جاء في صفة مغفر رسول الله ﷺ

بکسر الميم وسكون المعجمة وفتح الفاء

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا مالك بن أنس، عن ابن شهاب، **عن** أنس بن مالك **رضي الله عنه** أن النبي ﷺ دخل مكة وعليه مغفر، فقليل له: هذا ابن خطل! متعلق بأستار الكعبة، فقال: اقلوه. **حدثنا** عيسى بن أحمد، حدثنا عبد الله بن وهب، حدثني مالك بن أنس، عن ابن شهاب،

باب - حضور اقدس ﷺ کی خود کا ذکر

فائدة: خود لو ہے کی بنی ہوئی ٹوپی ہوتی ہے، جو لڑائی کے وقت سر کی حفاظت کے لئے اوڑھی جاتی ہے۔ معنف **رضي الله عنه** نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت انس **رضي الله عنه** فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے دن جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ کے سر مبارک پر خود تھی (حضور جب خود بتا رہے تھے اور اطمینان ہو گیا تو) کسی نے آکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ ابن خطل کعبہ کا پردہ پکڑے ہوئے ہے۔ حضور نے فرمایا کہ اس کو قتل کر دو۔

فائدة: حضور اقدس ﷺ فتح کے لئے جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے ہیں تو اہل مکہ پر ایک ایسی دہشت اور گھبراہٹ سوار تھی

معفر بکسر الميم وفتح الفاء، يلبس تحت البيضة، ويطلق على البيضة أيضاً، كذا في المغرب، وقيل: هي حلقة تسح من الدرع على قدر الرأس، وفي المحكم: هو ما يجعل من فضل درع الحديد على الرأس كالقنسية، وقيل: هو أحرف البيضة [كمبر من العفر وهو الستر، والمراد به هنا: رَزْدٌ من حديد يُسح بقدر الرأس، يلبس تحت القنسية، وهو من حملة السلاح؛ لأن السلاح يطلق على ما يُقتل به، وعلى ما يدافع به]. **وعليه معفر** قال الحافظ: ذكر ابن بصال: أنه أنكر على ماث قول: وعليه المعفر، وإنه تفرّد به، والمحموط أنه دخل وعليه عمامة سوداء. ثم أجاب عن دعوى التفرّد بأنه وجد في كتاب حديث الرهري تصيف النسائي: هذا الحديث من رواية الأوراعي عن الرهري مثل ما رواه مالك، وعن الحديث الآخر: بأنه دخل وعلى رأسه المعفر، وكانت العمامة فوقه. وذكر الحافظ: أن بضعة عشر نفساً رَوَوْه عن الرهري غير مالك، وبين عمارجها.

فصل قال الماوي: يعني قال له سعيد بن حريث. قلت: وهذا يخالف ما يأتي في الحديث الآتي. **اس خطل** بمعجمة مهملة مفتوحتين، كان اسمه عبد العري، وكني بجده فاسلم فسمي عبد الله، وكتب الوحي ثم ارتد والعياذ بالله، وقتل مسلماً، واتخذ جاريتين تغنيان بهجائه **رضي الله عنه** فأهدر دمه.

عن^۲ أنس بن مالك رضی اللہ عنہ: أن رسول الله ﷺ دخل مكة عام الفتح، وعلى رأسه المغفر،

جس کی کوئی انتہا نہ تھی، نہ جائے مادن نہ پائے رفتن۔ حضور اکرم ﷺ نے غایت شفقت اور مہربانی کی وجہ سے یہ فرمادیا تھا کہ جو شخص بیت اللہ میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے، اور جو اپنے گھر میں داخل ہو جائے وہ مامون ہے، جو ہتھیار ڈال دے وہ مامون ہے وغیرہ وغیرہ۔ البتہ گیارہ مرد اور چھ عورتیں ایسی تھیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اس وجہ سے کہ ان کے جرائم ناقابل عفو تھے، ان کے خون ہدر کر دیے تھے، اور اس معافی کے عام اعلان سے ان کو مستثنیٰ کر دیا تھا اور ارشاد فرمادیا تھا کہ ان لوگوں کو امن نہیں ہے۔ ان میں سے بھی سات مرد اور دو عورتیں مسلمان ہو کر معافی میں آ گئے تھے، باقی چار مرد اور چار عورتیں قتل کیے گئے۔ منجملہ ان آٹھ کے ابن خطل تھا۔ یہ شخص اول مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان ہوا اور عبد اللہ نام رکھا گیا۔ حضور اقدس ﷺ نے کسی قبیلہ کی زکوٰۃ لینے کے لئے اس کو بھیجا، اس نے اپنے ایک غلام کو اس جرم میں جان سے مار ڈالا کہ اس نے کھانا پکانے میں کچھ دیر کر دی تھی، اور خود اس خوف سے کہ مدینہ منورہ لوٹ تو قصاص میں قتل کر دیا جاؤں گا، مرتد ہو کر مکہ مکرمہ چلا آیا تھا۔ وہاں پہنچ کر حضور اقدس ﷺ کی ہجو کرتا تھا، اور دو باندیاں گانے والیاں خریدیں جو حضور ﷺ کی ہجو کے اشعار سے اس کو خوش کیا کرتی تھیں۔ حضور اکرم ﷺ نے منجملہ ان آٹھ کے اس کا بھی خون ہدر کر دیا تھا۔ اسی لئے باوجود بیت اللہ میں داخل ہونے کے اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس کے قاتل میں محدثین کے بہت سے اقوال ہیں کہ کس نے قتل کیا۔ اس حدیث میں ایک فقہی بحث بھی ہے کہ حدود و قصاص حرم میں قائم ہو سکتی ہیں یا نہیں؟ مسئلہ تفصیل طلب ہے اور عام ضرورت بھی اس سے متعلق نہیں اس لئے اختصاراً ترک کر دیا گیا۔ لیکن ایسے مواقع پر اس لئے تنبیہ کر دی جاتی ہے کہ اگر علم دوست حضرات یا طلبہ میں سے کوئی دیکھے تو وہ اس تنبیہ کے بعد مراجعت مشائخ سے تحقیق کر لے۔ اسی طرح اس حدیث سے مکہ مکرمہ میں بغیر احرام کے داخل ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے جس کا بیان دوسری حدیث میں آ رہا ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ فتح مکہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو حضور کے سر مہرک پر خود تھی، جب حضور نے اس کو اتار دیا تو ایک آدمی آیا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ! ابن خطل کعبہ کے پردہ سے لپٹا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ امن والوں میں نہیں، اس کو قتل کر ڈالو۔ زہری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ مجھے یہ بات معلوم ہوئی کہ حضور اقدس ﷺ اس روز محرم نہیں تھے۔

قال: فلما نزعہ، جاءہ رجل فقال: ابن خَطَلٍ متعلقٌ بأستارِ الكعبة! فقال: اقتلوه. قال ابن شہاب: وبلغني أن رسول الله ﷺ لم يكن يومئذ مُحَرِّمًا.

فائدہ: یہ اخیر جملہ امام زہری رحمہ اللہ کا بھی ایک فقہی مسئلہ کی طرف اشارہ ہے وہ یہ کہ حنفیہ کے نزدیک مکہ مکرمہ میں بلا احرام داخل ہونا جائز نہیں، اس لئے کہ حدیث شریف میں میقات سے بدون احرام کے تجاوز کرنے کی ممانعت آئی ہے اور شافعیہ کے نزدیک اس حدیث کی بنا پر جائز ہے۔ حنفیہ کے نزدیک یہ حدیث اس لئے حجت نہیں بن سکتی کہ حضور اقدس ﷺ کے لئے فتح مکہ کی غرض سے اس دن کی حرمت اٹھادی گئی تھی، چنانچہ بخاری وغیرہ کی روایات میں اس کی تصریح ہے کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے لئے آج کے دن یہ حلال تھا کسی اور کے لئے نہیں ہے۔ ابن خطل کا کعبہ کے پردہ سے لپٹنا ممکن ہے آہ و زاری اور دعا کی غرض سے ہو کہ اس کو چونکہ امن نہیں دیا گیا تھا اور اپنی تمام حرکات بھی یاد تھیں کہ میں نے مرتد ہو کر کیا کچھ نہیں کیا، اس لئے دعا کی غرض سے ایسا کرتا ہو کہ کعبہ کی تعظیم و تکریم تو یہ لوگ کرتے ہی تھے، اور اقرب یہ ہے کہ سابقہ دستور کے موافق اس وجہ سے امن کی امید ہو کہ کعبہ کی تعظیم کی وجہ سے مجرموں کو اس حال میں قتل نہیں کیا جاتا تھا۔

رحل قال الحافظ: لم أقف على تسميته، ورغم الفاكهي في شرح العمدة أنه فضيلة بن عبيد أبو بردة الأسلمي، قاله الماوي، قال الحافظ: وكأنه لما رجع عنده أنه هو الذي قتله رأى أنه هو الذي جاء مخبراً بقصته، ثم بسط الاختلاف في قتله، وجرم به العبيد قال: هو أبو بردة الأسلمي بفتح الموحدة وسكون الراء وفتح الزاي، اسمه فضلة بن عبيد، وجرم به الكرماني والفاكهي. وهذا يخالف ما تقدم في الحديث السابق عن الماوي. متعلق قال عصام وتبعه الماوي: إنه تعلق بها متمسكاً بقوله تعالى: ﴿مَنْ دَخَلَ الْبَيْتَ﴾ (آل عمران: ٩٧) وتعلقه القاري بأن التمسك غير صحيح؛ فإنه لم يكن مؤمناً، وإنما تعلق بما هو من عادة الجاهلية: أنهم كانوا يعظمون من لمسك بذيلها في كل جريمة.

اقتلوه واحتلف فيما قتلہ علی أقران، بسطها الحافظ في الفتح. محرماً لم يكن محرماً، اختلف العلماء في جواز دخول مكة بغير إحرام، والصحيح من قولي الشافعي المشهور عندهم جوازه مصنفًا، وعن الأئمة الثلاثة على المشهور عندهم وجوب الإحرام، قال ابن عبد البر: أكثر الصحابة والتابعين على الوجوب. وأجاب الطحاوي عن دخوله ﷺ بأنه من خصائصه لقوله ﷺ: وإلها لم تحل لي إلا ساعة قاري مختصراً.

باب ما جاء في عمامة النبي ﷺ

حدثنا محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، عن حماد بن سلمة، **ح** وحدثنا محمود بن غيلان، حدثنا وكيع، عن حماد بن سلمة، عن أبي الزبير، **عن** جابر **رضي الله عنه** قال: دخل النبي ﷺ

باب حضور اقدس ﷺ کے عمامہ کا ذکر

فائدہ: حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار مشہور روایت میں نہیں ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں سات ذراع آتی ہے۔ تبجوری **رضی اللہ عنہ** نے ابن حجر **رضی اللہ عنہ** سے اس حدیث کا بے اصل ہونا نقل کیا ہے۔ علامہ جزری **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں کو خاص طور سے تلاش کیا مگر حضور کے عمامہ کی مقدار مجھے نہیں ملی۔ البتہ امام نووی **رضی اللہ عنہ** سے نقل کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دو عمامے تھے: ایک چھوٹا چھ ہاتھ کا منادی کے قول کے موافق، اور سات ہاتھ کا بڑا علی قاری کے قول کے موافق، اور ایک بڑا بارہ ہاتھ کا۔ صاحب مدخل نے حضور ﷺ کے عمامہ کی مقدار فقط سات ہی ہاتھ بتائی ہے دوسرا نہیں بتایا۔ عمامہ کا باندھنا سنت مستترہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ سے عمامہ باندھنے کا حکم بھی نقل کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے کہ عمامہ باندھا کرو اس سے حلم میں بڑھ جاؤ گے۔ (فتح الباری)

حضرت عبداللہ بن عمر **رضی اللہ عنہ** سے کسی نے پوچھا کیا عمامہ باندھنا سنت ہے؟ انھوں نے فرمایا ہاں سنت ہے۔ (یعنی) ایک حدیث میں آیا ہے: عمامہ باندھا کرو! عمامہ اسلام کا نشان ہے، اور مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے۔ (یعنی) اس باب میں مصنف **رحمہ اللہ** نے پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت جابر **رضی اللہ عنہ** فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ فتح مکہ میں جب شہر میں داخل ہوئے ہیں تو حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ **فائدہ:** یہ حدیث بظاہر گذشتہ باب کی روایات کے خلاف ہے جن میں حضور ﷺ کا خود

عمامة [كل ما يعقد ويلف على رأس، سواء كان تحت المعفر أو فوقه، أو ما يشد على القنصوة، وكسك ما يشد على رأس المريض، ولكن المراد منها ما عدا المعفر] بالكسر معروف، وهم العصابة حيث قال بالفتح، قال المنوي: العمامة سعة لاسيما للصلوة ويقصد التحمل لأحمار كثيرة، واشتداد ضعف كثير منها يحرق كثرة طرفها، ورعم وضع أكثرها تساهل.

مکہ یوم الفتح، وعلیہ عِمَامَةُ سُدَّاء. **حدثنا** ابن ابي عمر، **حدثنا** سفیان، عن مُسَاوِر الْوَرَّاق، عن جعفر بن عمرو بن حُرَيْث، **عن** ^(۱) ابيه قال: رأيت على رسول الله ﷺ عمامة سُدَّاء. **حدثنا** محمود بن عِيْلَان ويوسف بن عيسى قالوا: **حدثنا** وكيع، عن مُسَاوِر الْوَرَّاق، عن جعفر بن عمرو بن حُرَيْث،

پہنے ہوئے مکہ مکرمہ میں تشریف لے جانا وارد ہوا ہے، لیکن حقیقتاً کوئی اختلاف نہیں، اس لئے کہ خود پر عمامہ ہونے میں کوئی بعد نہیں، دونوں روایتیں بسولت جمع ہو سکتی ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ داخلہ کے وقت تو خود سر مبارک پر تھی اس کے بعد متصل ہی عمامہ باندھ لیا تھا، چونکہ وہی وقت تقریباً تھا اس لئے اس روایت میں داخلہ کا وقت کہا گیا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ لوہے کی ٹوپی کی اذیت کی وجہ سے اس کے نیچے عمامہ باندھ رکھا ہوگا۔

(۲) عمرو بن حریث **رضی اللہ عنہ** فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس **ﷺ** کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ دیکھا۔

فائدہ۔ مسلم شریف اور نسائی شریف میں ہے عمرو بن حریث **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں، وہ منظر گویا اس وقت میرے سامنے ہے جب نبی کریم **ﷺ** منبر پر خطبہ پڑھ رہے تھے، سیاہ عمامہ آپ کے سر مبارک پر تھا اور اُس کا شملہ دونوں شانوں کے درمیان تھا۔

یوم الفتح۔ قال ابن العرقي: احتضت ألعاط حديث جابر في مكان الرمان الذي لس فيه العمامة السوداء، فالمشهور أنه يوم الفتح، وفي رواية البيهقي في الشعب: يوم ثبة الحنظل وذلك يوم الحديدية، ونحو: بأن هذا ليس باضطراب، وأنه ليس يوم الحديدية والفتح معا إلا أن الإسناد واحد، فيتأمل. **عمامة** يخالف ما تقدم في الباب السابق: من المعمر، قال الماوي: وفي القاموس إن العمامة بالكسر: المعمر، والبيضة، وما يصف عني الرأس. فلا حاجة إلى الجواب على ذلك. **مساور** بضم ميم وكسر واو وراء قاله القاري، قال النووي: بسين مهملة اسم فاعل، وصحف من قال: مبادر. **الوراق** تشديد الراء: بائع الورق، أو صانعه، أو مسوب إلى ورق الشجر، قاله القاري، وقال السمعاني: اسم لمن يكتب المصحف وكتب الحديث وغيرها، ويقال لمن يبيع الورق بعداد. **رايت على** الخ قال القاري: هذا يتحمل عام الفتح وغيره، وحال الخطبة وغيرها، يوم الجمعة وغيره، وسيجيء ما بيّنه في الحديث الآتي.

الحريث قال ميرث: حديث عمرو بن حريث في معنى حديث جابر، وأورده المصنف بصريقتين، وراد في الطريق الثاني: حطب الناس أي: يوم فتح مكة، وهذه الخطبة عند باب الكعبة على ما يفهم من كلام الحافظ ابن حجر العسقلاني، وأخرج مسلم من طريق أبي أسامة عن مساور: حدثني جعفر بن عمرو بن حريث عن أبيه قال: كأني أنظر إلى رسول الله ﷺ على منبر وعليه عمامة سوداء، وقد أرحى صرفيها بين كفيها. و"طرفيها" بالثنية في أكثر نسخ مسلم، وفي بعضها بالإفراد، قال عياض: وهو الصواب المعروف. قلت: وهكذا بالإفراد في رواية النسائي.

عن^۲ أبيه: أن النبي ﷺ خطب الناس وعليه عِمَامَةٌ سوداء. حدثنا هارون بن إسحاق الهمداني،
حدثنا يحيى بن محمد المديني، عن عبد العزيز بن محمد، عن عبيد الله بن عمر، عن نافع، عن
ابن عبد الله مبوب بن جده

(۳) عمرو بن حرث رضی اللہ عنہ ہی سے یہ روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور حضور کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھا۔ **فائدہ:** مشہور قول کے موافق یہ خطبہ فتح مکہ کا خطبہ ہے، جو کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا، جس کا ذکر پہلی حدیثوں میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے گزر چکا ہے۔ لیکن بعض لوگوں نے اس وجہ سے کہ اس قصہ میں بعض جگہ ”منبر“ کا لفظ آیا ہے اور فتح مکہ کا وہ خطبہ منبر پر نہیں تھا، اس لئے مدینہ منورہ کا کوئی اور خطبہ جمعہ کا مراد لیا ہے کہ بعض حدیثوں میں اس قصہ میں ”جمعہ“ کا لفظ بھی موجود ہے۔ ماعلیٰ قاری **رحمۃ اللہ علیہ** نے شرح مشکوٰۃ میں میرک شاہ سے نقل کیا ہے کہ یہ خطبہ حضور کے مرض وصال کا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۴) ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب عمامہ باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھل جانب ڈال لیتے تھے۔ نافع یہ کہتے ہیں کہ میں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ایسے ہی کرتے دیکھے۔ عبيد اللہ جو نافع کے شاگرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانہ میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پوتے قاسم بن محمد کو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پوتے سالم بن عبد اللہ کو ایسے ہی کرتے دیکھے۔ **فائدہ:** حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ شملہ کے بارے میں مختلف رہی ہے۔

حطب الناس قال القاري: أي على المنبر كما في رواية مسلم، وهذا يدفع ما قال بعضهم: من أن نس السواد كان في فتح مكة فقط؛ لأن خطبته ﷺ بمكة لم يكن على المنبر، بل كان على باب الكعبة، ولذا ذكره صاحب المصابيح في باب خطبة الجمعة. قلت: ولفظ المشكوة: أن النبي ﷺ خطب وعليه عمامة سوداء، قد أرحى صرفها بين كتفيه يوم الجمعة. رواه مسلم. قلت: لكن الإمام مسلماً أخرجه في باب 'دخول مكة بغير إحرام' ولفظه: 'كأنني أصر إلى رسول الله ﷺ على المنبر وعليه عمامة سوداء. الحديث. ليس فيه لفظ 'الجمعة'. **عمامة** قال الماوي: وفي نسخة: "عصابة". قلت: ولعل ذلك الباعث لميرك شاه؛ إذ قال: هذه الخطبة وقعت في مرض النبي ﷺ. الذي توفي فيه. هكذا حكى عنه القاري في المراقبة.

المديني. هكذا في الشروح، وكذا على حواشي اهندية بصريق السحرة، وفي متونها: المديني. قال القاري وناووي وغيرهما: نسبة إلى مدينة السلام على الأصح، راد الماوي: احتراز عن يحيى بن محمد المديني، وهو أشان آحران. قلت: ولفظ انديبي ذكره المصنف في الجامع بهذا الإسناد.

ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: كان النبي ﷺ إذا اعتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتِهِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ. قال نافع: وكان ابن عمر يفعل ذلك. قال عبيد الله: ورأيت القاسم بن محمد وسالما يفعلان ذلك. **حدثنا** يوسف بن عيسى، حدثنا وكيع، حدثنا أبو سليمان - وهو عبد الرحمن بن العسيل -، عن عكرمة، **عن** ابن عباس رضی اللہ عنہما

شملہ چھوڑنے کا معمول اکثر تھا حتیٰ کہ بعض علماء نے یہاں تک لکھ دیا کہ بغیر شملہ کے باندھنا ثابت ہی نہیں، لیکن محققین کی رائے یہ ہے کہ گاہے بغیر شملہ چھوڑے بھی عمامہ باندھ لیتے تھے، اور شملہ چھوڑنے میں بھی مختلف معمول رہا ہے، کبھی آگے دائیں جانب، کبھی پیچھے دونوں مونڈھوں کے درمیان شملہ چھوڑتے تھے، کبھی عمامہ کے دونوں سرے شملہ کے طریقہ پر چھوڑ لیتے تھے۔ علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ثابت اگرچہ سب صورتیں ہیں لیکن ان میں افضل اور زیادہ صحیح دونوں مونڈھوں کے درمیان یعنی پچھلی جانب ہے۔

(۵) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ خطبہ پڑھا اور آپ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ تھایا چکنی پٹی تھی۔ **فائدہ:** یہ قصہ حضور اقدس ﷺ کے مرض الوفا کا ہے اور آخری وعظ ہے کہ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نہ منبر پر تشریف لے گئے نہ کوئی خطبہ پڑھا۔ اس میں انصار کی مراعات کا خاص طور سے حضور ﷺ نے ذکر فرمایا، ان کے محاسن اور احسانات گنوائے اور یہ ارشاد بھی فرمایا کہ جو تم میں سے کسی چیز کا بھی امیر بنایا جائے وہ ان کی خاص طور سے رعایت کرے۔ اس وقت حضور ﷺ کے سر میں شدید درد تھا جس کی وجہ سے پٹی کا باندھنا بھی موجبہ ہے، اور چونکہ حضور اکرم ﷺ کے سر مبارک پر تیل کی زیادہ مالش ہوتی تھی، جیسا کہ آئندہ آنے والا ہے، اس لئے اس پٹی کا چکنا ہونا بھی قرین قیاس ہے، اور سیاہ عمامہ تو ظاہر ہے اس میں کسی قسم کا بُعد نہیں، حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ تھی ہی۔ غرض علماء اس کے مطلب میں دونوں طرف گئے ہیں کہ بعض علماء نے سیاہ عمامہ کا ترجمہ فرمایا ہے اور بعض نے چکنی پٹی کا،

سدل قال القاري: أي أرحي طرفها الذي يسمى العلاقة، وقال الماوي: هل أراد يسدل الطرف الأسفل حتى يكون عدة أو يسدل الطرف الأعلى كل محتمل. **كتفيه** قال ميرك: قد نست في السير روايات صحيحة: أن النبي ﷺ كان يرحي علاقته أحياناً بين كتفيه، وأحياناً يمس العمامة من غير علاقة. **الغسل** مسوب إلى جد أبيه؛ لأن عبد الرحمن هذا هو ابن سليمان بن عبد الله بن حنظلة العسيل المعروف بابن العسيل، والغسل لقب لجد أبيه حنظلة

أن النبي ﷺ خطب الناس وعليه عصابة دسما.

اور دونوں صحیح ہیں کہ لفظ بھی دونوں کو محتمل ہے اور معمول بھی دونوں کے موافق ہے۔ اس حدیث کے ایک راوی ابن الغسیل ہیں جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کی اولاد ہیں۔ حضرت حنظلہ کا لقب غسیل الملائکہ پڑ گیا تھا جس کا ترجمہ فرشتوں کا غسل دیا ہوا ہے، ان کا عجیب واقعہ گزرا ہے کہ جس وقت اُحد کی لڑائی کے لئے کوچ ہوا ہے اور روانگی کا اعلان ہوا تو یہ اپنی اہلیہ کے ساتھ مشغول تھے، اس حالت میں شور مچا، معلوم ہوا کہ قفہ روانہ ہو رہا ہے، یہ بھی خبر سنتے ہی ساتھ ہوئے اور اتنی مہلت نہ ہوئی کہ غسل سے فراغت پاتے، وہاں پہنچ کر شہید ہو گئے۔ چونکہ شہید کو غسل نہیں دیا جاتا اس لئے ان کو بھی غسل نہیں دیا گیا، مگر نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ فرشتے ان کو غسل دے رہے ہیں اس لئے تحقیق فرمایا اور واہی پر ان کی اہلیہ سے یہ سارا حال معلوم ہوا۔ درحقیقت ان حضرات کے نزدیک دین پر مرثنا اس کے لئے جان دے دینا اتنا ہی سہل تھا جتنا ہم لوگوں کو اپنی خواہشات دنیوی میں مشغول و منہمک ہو جانا آسان ہے۔

عصبة. وفي رواية: عمامة، والعصابة هي العمامة، كما في القاموس. الدسما. بفتح الدال المهملة وسكون السين المهملة: هي السوداء كما في نسخة، وفي: الدسما المملوطة بالدسم؛ لأنه كان يكثر دهن شعره، فأصابتها الدسومة من الشعر.

باب ما جاء في صفة إزار رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، حدثنا أيوب، عن حميد بن هلال، عن

باب حضور اقدس ﷺ کی لنگی کا ذکر

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ لنگی باندھنے کی تھی۔ پاجامہ پہننا آنحضرت ﷺ کا مختلف فیہ ہے۔ علامہ بیجوری **رحمۃ اللہ علیہ** کی تحقیق کے موافق رائج قول پہننے کا عدم ثبوت ہے، البتہ یہ محقق ہے کہ حضور کے پاس موجود تھا۔ حتیٰ کہ کہا گیا ہے کہ وصال کے بعد ترکہ میں بھی تھا۔ ابن قیم **رحمۃ اللہ علیہ** کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے خریدا تو بے ہی اور ظاہر ہے کہ پہننے ہی کے لئے خریدا ہے، اس کے علاوہ متعدد احادیث میں حضور ﷺ کا پہننا بھی وارد ہے اور صحابہ کرام **رحمۃ اللہ علیہم** تو حضور کی اجازت سے پہنتے ہی تھے (زاد المعاد) ابو امامہ **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ اہل کتاب لنگی نہیں باندھتے پاجامہ پہنتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تم لوگ ان کا خلاف کرو، پاجامہ بھی پہنو لنگی بھی باندھو۔ ابو ہریرہ **رضی اللہ عنہ** ایک طویل حدیث کے سلسلہ میں کہتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے پوچھا آپ کبھی پاجامہ پہنتے ہیں؟ حضور نے فرمایا پہنتا ہوں، مجھے بدن کے ڈھانکنے کا حکم ہے، اس سے زیادہ پردہ اور چیزوں میں نہیں ہے۔ لیکن محدثین نے اس حدیث کو ضعیف بتایا ہے (نبیل الاوطار) حضور ﷺ کا معمول لنگی باندھنے کا اور چادر اوڑھنے کا اکثر تھا۔ حضور ﷺ کی چادر چار ہاتھ لمبی اور اڑھائی ہاتھ، اور ایک قول کے موافق چھ ہاتھ لمبی اور تین ہاتھ اور ایک بشت چوڑی بتائی جاتی ہے اور حضور ﷺ کی لنگی چار ہاتھ اور ایک بالشت لمبی اور دو ہاتھ چوڑی لکھتے ہیں۔

اس باب میں مصنف **رحمۃ اللہ علیہ** نے چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) ابو بردہ **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** نے ہمیں ایک پیوند لگی ہوئی چادر اور ایک موٹی لنگی دکھائی اور یہ فرمایا کہ آنحضرت ﷺ کا وصال ان دو کپڑوں میں ہوا تھا۔ فائدہ: یعنی وصال کے وقت تک حضور ﷺ کا معمول ایسے ہی کپڑوں کے استعمال کا تھا، حالانکہ اس وقت فتوحات بھی شروع ہو چکی تھیں، فی الجملہ وسعت بھی ہو گئی تھی۔ خیبر کی فتح کے بعد سے

أبي بردة: قال أخرجت إلينا عائشة رضي الله عنها كساءً مُلبَّدًا، وإزاراً غليظاً فقالت: قُبِضَ روح رسول الله ﷺ في هذين.

مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہونا شروع ہو گئی تھی اور فتح مکہ کے بعد سے تو دوسرے سداطین اور دوسرے ملکوں سے ہدایا اور نذرانوں کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ لیکن حضور ﷺ کا معمول اپنی معیشت کے لئے وہی قدیم طرز رہا اور جو کچھ آتا اس کو دوسروں پر تقسیم فرما دیتے، جس کا کچھ نمونہ ”حکایات صحیہ“ میں لکھ چکا ہوں۔ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اور اس جیسی حدیثیں اس طرف مشیر ہیں کہ حضور کو دنیاوی لذات اور تنعمت سے اعراض تھ۔ مولانا کپڑا تواضع اور انکسار کی طرف لے جاتا ہے، اور باریک عمدہ لباس بسا اوقات عجب و تکبر اور خود بینی پیدا کرتا ہے۔ مجھ سے میرے محترم بزرگ مولانا مولوی حکیم جمیل امدین صاحب نیکنوی رحمۃ اللہ علیہ ثم الدہوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا گنگوہی نور اللہ مرقدہ کا عجیب غریب قصہ نقل فرمایا کہ حضرت اقدس جب حج کو تشریف لے گئے تو مطاف کے کنارہ پر ایک نابینا بزرگ تشریف فرما تھے، جب حضرت طواف میں اس طرف گذرتے تو وہ (البس لباس الصالحین) ہلکی آواز سے کہتے، اور جب حضرت طواف سے فراغت پر اس طرف تشریف لے گئے تو انھوں نے خشن خشن (مولانا مولانا) فرمایا جس سے تنبیہ مقصود تھی کہ صلحاء کا لباس مولانا کپڑا ہے۔ یہ اکثری لباس تھا اور بعض اوقات عمدہ کپڑا بھی پہننا ثابت ہے، جو بعض دینی مصاع کی وجہ سے نیز ترک تکلف کی وجہ سے تھا کہ جیسا مہیا ہو گیا پہن لیا، یہ نہیں کہ عمدہ کپڑے سے بالخصوص احتراز فرماتے۔

أبي بردة. كذا في النسخ بالموحدة والراء، فما في بعض النسخ من لفظ 'أبي هريرة' غلط، نعم، يوجد في بعض النسخ بعد أبي بردة لفظ 'عن أبيه' وهو أبو موسى الأشعري، وليس في أكثر النسخ المكتوبة ومطبوعة، إلا أنه حزم به المناوي في أصبه، والصواب حذفه؛ لأن أبا بردة وإن ثبت روايته عن أبيه وعائشة رضي الله عنهما، لكن هذا الحديث أخرجه مصنف في جامعه هذا السند بعينه، وأبو داود في الباس، والبخاري فيه وفي الجهاد، والخصيب في المشكوة وغيرهم، وليس عند أحدهم لفظ 'عن أبيه' وأبو بردة هذا، جد أبي الحسن الأشعري الإمام المعروف في الكلام.

ملئاً تشديد الموحدة مفتوحة، أي مرقعاً، يقال: لدت الثوب إد رقعته، وقيل: استبد؛ جعل بعضه مترفاً ببعض كأنه رال وطاته وبه لتراكم عصه عنى بعض، قاله القاري، وقال مسوي: أصبه الذي يحس في رأسه لزوق من نحو صمغ لتسبد شعره، والمراد ههما ما تحس وسطه حتى صار كالسد، وقيل: امر د مرقع.

حدثنا محمود بن غیلان، أخبرنا أبو داود، عن شعبة، عن الأشعث بن سليم، قال: سمعت عمّي فحدثت عن عمّها، قال: بينما أنا أمشي بالمدينة إذا إنسان خلفي يقول: ارفع إزارك، فإنه أتقى وأبقى،

(۲) عبید اللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں مدینہ منورہ میں ایک مرتبہ جا رہا تھا، کہ میں نے ایک شخص کو اپنے پیچھے سے یہ کہتے سنا کہ: لنگی اوپر کو اٹھو کہ اس سے نجاست ظاہری اور باطنی تکبر وغیرہ سے (نظافت بھی زیادہ حاصل رہتی ہے اور کپڑا زمین پر گھس کر خراب اور میلا ہونے سے) محفوظ رہتا ہے۔ میں نے کہنے والے کی طرف متوجہ ہو کر دیکھ تو وہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم تھے، میں نے عرض کیا: حضور یہ ایک معمولی سی چدریہ ہے، اس میں کیا تکبر ہو سکتا ہے، اور کیا اس کی حفاظت کی ضرورت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مصلحت تیرے نزدیک نہیں تو کم از کم میرا اتباع تو کہیں گیا ہی نہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کو دیکھ تو نصف ساق تک تھی۔

فائدہ: لنگی پاجامہ وغیرہ کے ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی بہت سخت وعیدیں آئی ہیں۔ ٹخنوں سے نیچے جتنے حصہ پر کپڑا لٹکا ہے وہ آگ میں جلیا جائے گا۔ عبدالرحمن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے لنگی کے بارے میں استفسار کیا، وہ فرمانے لگے کہ تم نے بڑے واقف سے سوال کیا، حضور نے یہ فرمایا ہے کہ مسمان کی لنگی آدھی پنڈلی تک ہونا چاہئے اور اس کے نیچے ٹخنوں تک بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے، لیکن ٹخنوں سے نیچے جتنے حصہ پر لنگی لٹکے گی وہ آگ میں جلے گا، اور جو شخص متکبرانہ کپڑے کو لٹکائے گا قیامت میں حق تعالیٰ شانہ اس کی طرف نظر نہیں کریں گے (ابو داؤد) اس قسم کی وعیدیں اور احادیث میں بھی آئی ہیں، اس لئے اس کی طرف خاص طور سے توجہ کرنی چاہئے، اس کے بالعکس ہمارے اس زمانہ میں خاص طور سے کپڑا نیچے لٹکایا جاتا ہے۔ فی اللہ المشکل۔

عمّي اسمها رُحمة، بضم الراء وسكون الهاء، ست الأسود بن خالد، كذا في التقريب، وقيل: ست الأسود بن حنطة. **عمها** أي: عم عمة أشعث ابن سليم، اسمه عبید بن خالد الحارثي، سكن الكوفة، وأما ما قال العصام: أن الأصح ما في بعض السح 'عم أبيها' أي: عم ابن الحنطة، فعير صحيح مع أنه ليس موجوداً في السح، نعم، ذكر ميرك شاه أنه وقع في كتاب تهذيب الكمال 'عن أبيه'، فالضمير يجوز إلى الأشعث، ولا يحتمل أن عم عمة الشخص عم أبيه، قاله القاري. قلت: وأياً ما كان فإيراد نه عبید بن خالد الحارثي. أتقى أي: أقرب إلى سلوك التقوى، أو أوفق لتقوى؛ للسعد عن الأكبر والحيلة، أو لشهره عن القاذورات، ويؤيد الآخر ما في بعض السح "أتقى" بالنون أي: أنظف. وقوله: 'أتقى' أي: أكثر بقاء.

فالتفت فإذا هو رسول الله ﷺ، فقلت: يا رسول الله! إنما هي بُردَة مَلْحَاء، قال: أما لك فيَّ أسوة؟ فنظرت فإذا إزاره إلى نصف ساقه. **حدثنا** سويد بن نصر، **حدثنا** عبد الله بن المبارك، عن موسى بن عبيدة، عن **إياس بن سلمة بن الأكوع**، **عن** ^{مصر ۳} أبيه ^{سكون مهملة} قال: كان عثمان يأتزر إلى أنصاف ساقه، وقال: هكذا كانت إزرة صاحبي - **يعني النبي ﷺ** **حدثنا** قتبية، أخبرنا أبو الأحوص، عن أبي إسحاق، عن مسلم بن **ثَدِير**، **عن** ^(۴) حذيفة بن اليمان قال: أخذ رسول الله ﷺ

(۳) سلم بن الأكوع کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لنگی نصف ساق تک رکھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہی ہیئت تھی میرے آقا حضور اقدس ﷺ کی لنگی کی۔

(۴) حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میری پنڈوں کے یا اپنی پنڈوں کے گوشت کا حصہ پکڑ کر یہ فرمایا کہ یہ حد ہے لنگی کی، اگر تجھے اس پر قناعت نہ ہو تو اس سے کچھ نیچی سہی، اگر اس پر بھی قناعت نہ ہو تو لنگی کا ٹخنوں پر کوئی حق نہیں، لہذا ٹخنوں تک نہیں پہنچنا چاہئے۔ **فائدہ:** ٹخنوں سے نیچی لنگی یا پاجامہ وغیرہ کا لٹکانا حرام ہے، لیکن علماء نے ضرورت کو اس سے مستثنیٰ کیا ہے کہ اگر کسی شخص کے ٹخنے میں پھنسی ہو جس سے مکھی وغیرہ بیٹھتی ہے تو ایسے شخص کو اس کی حفاظت کے لئے لنگی یا پاجامہ نکالینے جائز ہے جب تک کہ زخم اچھ ہو۔

ملحاً، مفتح الميم والملحاء مهمة وسكون ملام، المراد: بردة سوداء، فيها خطوط بيضاء، يلبسها الأعراب، ليست من أثياب القاهرة، وكأنه أراد أن هذا ثوب مهمة لا ثوب ربة، فلا حياء فيه. أسوة [أي: ليس لك في أسوة أي: اقتداء وتذاع؟] إياس بكسر الهمزة وتخفيف إياء، بن سمة بن عمرو بن الأكوع، فسمة مسوب إلى حده، صحابي معروف شجاع. وقال طاهر فاعنه عثمان. قال انقاري وناوي: يقتل عثمان، ويحتمل على بعد سمة، وتكرار قال 'يرجع الأول ووقع المعلق في القل في مصع لأور وعرض أنه كد كال فعنه عثمان. وكذا فعل عثمان. فهد سة مستمرة، ولم أجد حديث في إياس ولا مسابيد إلا ما ذكره صاحب كسر العمال عن الشماثل هذه، وابن أبي شيبة بهذا المقطع بعينه، فلم يتحقق عندي أحد من الاحتمالين بعد. إزرة بكسر زوله وسكون الزاء. اسم هيئة الإزار.

يعني النبي ﷺ [يقصد عثمان بصاحبي بني ﷺ. وقائل ذلك سمة.] **ثدير** ثوب ودل آخره راء، مصعراً، وقيل: مكبراً، وفي نسخة 'يريد مفتح تحتية وكسر راء آخره دال مهملة، فهي التقريب: مسم بن ثدير بنون مصعراً ويقال: ابن يريد كوفي.

بِعَصْلَةٍ سَاقِيٍّ أَوْ سَاقِهِ فَقَالَ: هَذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَأَسْفَلَ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلْإِزَارِ فِي الْكَعْبَيْنِ.

عَصْلَةٌ كطبخة، أو محرقة؛ كل عصب له خم بكثرة، والمراد ههنا: اللحم مجتمع أسفل من الركبة من مؤخر الساق ولفظ "أو ساقه" كذا بالشك عند المصنف وابن ماجة، والظاهر أنه شك من دون حذيفة، كيف! وهو صاحب القصة مع أن البيهقي أحرجه بدون الشك بفص "ساقِيٍّ"، والمعنى على الشك: أنه ﷺ أخذ بعصاة ساق حذيفة، أو بعصاة ساق نفسه الشريفة. للإزار هذا يقتضي أنه يحرم أن يبلغ به إلى الكعبين، ولذا قال الحمصي: يجب أن لا يصل إلى الكعبين، قال القاري: هو غير صحيح؛ لرواية البخاري: ما أسفل من الكعبين من الإزار في النار.

باب ما جاء في مشية رسول الله ﷺ

حدثنا قتيبة بن سعيد، أخبرنا ابن لهيعة، عن أبي يونس، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: ما رأيت شيئاً أحسن من رسول الله ﷺ. كأن الشمس تجري في وجهه. وما رأيت أحداً أسرع في مشية من رسول الله ﷺ. كأنما الأرض تطوى له، إنا لنجهد أنفسنا، وإنه لغير مكترث.

باب حضور اقدس ﷺ کی رفتار کا ذکر

فائدہ: حلیہ شریف کی روایت میں بھی حضور ﷺ کی رفتار کا ذکر تباہ کن ہے، اس باب میں صرف رفتار کی کیفیت کو مستقلاً بیان کرنا مقصود ہے۔

اس باب میں تین روایتیں مصنف رحمہ اللہ نے ذکر کی ہیں۔

(۱) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین کوئی نہیں دیکھا، چمک اور روشنی گویا کہ آفتاب آپ ہی کے چہرہ میں چمک رہا ہے۔ میں نے آپ سے زیادہ تیز رفتار بھی کوئی نہیں دیکھا، زمین گویا لپٹی جاتی تھی کہ ابھی چند منٹ ہوئے یہاں تھے اور ابھی وہاں۔ ہم لوگ آپ کے ساتھ چلنے میں مشقت سے ساتھ ہوتے تھے اور آپ گویا اپنی معمولی رفتار سے چلتے تھے۔ فائدہ: یعنی آپ کی معمولی رفتار کے ساتھ بھی ہم لوگ اہتمام سے ساتھ رہ سکتے تھے۔

مسبة بالكسر كسرة: ما يعتاده الإنسان من مشي، وقيل: هيئة المشي قلته أساوي. أبي يونس أعلم أن المشي بهذه المشية في الرحا خمسة أعر، والمرد هناك: سبب من حير مولى أبي هريرة. تجري شدة حريان الشمس في فكها تحريان خمس وبوره في وجهه، وعكس شمس مبالغه، وحص الوجه بدت، لأنه الذي به يظهر المحاسن، لأن حسن بدن تابع حسن عالما. في مشية [المرد صفة مشيه] اعتاد من غير إسراع مه [بالكسر مهيئة، وفي نسخة بلفظ المصدر، وهو بفتح الميم بلا ثاء، أي في كيفية مشيه قاله القاري.

لنجهد أنفسنا: بنا شئنا أنفسنا ووقعها في المشقة في سير مع الله | وإنه لغير مكترث [وإنه لغير مبال، وبمشي على هيئته]. الاكتراث: المبالاة، والمعنى: أنه غير مسرع بحيث تلحقه مشقة.

حدثنا علي بن حُجر وغير واحد قالوا: حدثنا عيسى بن يونس، عن عمر بن عبد الله مولى غُفرة قال: "حدثني إبراهيم بن محمد - من ولد علي بن أبي طالب ^{رضي الله عنه} - قال: كان علي إذا وصف النبي ﷺ قال: إذا مشى تَقَلَّع كأنما يَنْحَطُّ في صَبَبٍ. **حدثنا** سفيان بن وكيع، قال: أخبرنا أبي، عن المسعودي، عن عثمان بن مسلم بن هُرْمُز، عن نافع بن جُبَيْر بن مطعم، عن علي بن أبي طالب ^{رضي الله عنه} قال: كان رسول الله ﷺ إذا مشى، تَكْفَأُ تَكْفُؤًا كأنما يَنْحَطُّ من صَبَبٍ."

(۲) ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب آپ کا ذکر فرماتے تو یہ فرماتے کہ جب آپ چلتے تھے تو ہمت اور قوت سے پاؤں اٹھاتے۔ عورتوں کی طرح سے پاؤں زمین پر گھسٹ کر نہیں چلتے تھے۔ چلنے میں تیزی اور قوت کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کہ اونچی سی آتر رہے ہیں۔ **فائدہ:** یہ حدیث پہلے ضیہ شریف میں مفصل گزر چکی ہے۔

(۳) حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب تشریف لے چلتے تو کچھ جھک کر چلتے تھے گویا کہ بندی سے آتر رہے ہیں۔ **فائدہ:** یہ مضمون بھی گذشتہ احادیث میں چند جگہ آچکا ہے۔

غير واحد منهم أحمد بن عده، ومحمد بن الحسين، كما تقدم ذكرهما في أول الكتاب، وهذا الحديث جزء منه، فترقه المصنف في الموضوعين مناسبة الترجمة. **عقره** بضم المعجمة فسكون فاء، تقدم في أول الكتاب **تَقَلَّع** بفتح اللام المشددة من قلع الشجرة إذا برعها من أصلها، أي مشى بقوة؛ لأن التقلع رفع الرجل من الأرض بقوة. **المسعودي** هو عبد الرحمن بن عبد الله بن عقة بن عبد الله بن مسعود، والحديث تقدم في الباب الأول من الشرائع برواية أبي نعيم عن المسعودي، وهذا مختصر منه. **هرمز**: بضم هاء والميم، غير منصروف. **صَبَب** [هو ما انحدر من الأرض، كما في القاموس و'من' بمعنى 'في' كما في بعض السح. و'أخاضل': كأنما يسرر في موضع محذر. وحمله على سرعة انصواء الأرض تحته خلاف 'انصاهر'.]

باب ما جاء في تقنع رسول الله ﷺ

حدثنا يوسف بن عيسى، أخبرنا وكيع، أخبرنا الربيع بن صبيح، عن يزيد بن أبان، عن

باب حضور اقدس ﷺ کے قناع کا ذکر

فائدہ: قناع وہ کپڑا کہلاتا ہے جس کو آنحضرت ﷺ سر مبارک پر عمامہ سے نیچے رکھ لیتے تھے تاکہ تیل کی وجہ سے عمامہ خراب نہ ہو۔ اس کے علاوہ اور بھی چند منافع علماء نے تحریر فرمائے ہیں۔
اس باب میں ایک ہی حدیث ذکر کی گئی۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے سر مبارک پر کپڑا اکثر رکھ کرتے تھے اور حضور ﷺ کا یہ کپڑا چکنائٹ کی وجہ سے تیل کا کپڑا معلوم ہوتا تھا۔ فائدہ: یعنی جیسا اس کا کپڑا چکن رہتا ہے ایسا ہی یہ کپڑا بھی تیل کی کثرت استعمال سے چکن رہتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود نبی اکرم ﷺ کی خصوصیات میں یہ شمار کیا گیا ہے کہ حضور کا یہ کپڑا میلا نہ ہوتا تھا،

نضع معروف، وهو: عصبة رأس صرف العمامة أو برداء، أعنه من أن يكون فوق لعمامة أو تحتها، لرواية سحاري في الحجر أنه: أتى بيت أبي بكر متصعاً ثوبه، ونظهر أنه كان متعشياً به فوق العمامة، مستحفاً من أهل مكة، وتمراد به ههنا: هو إلقاء القناع على الرأس، وهو بكسر القاف. حرقه نفى على الرأس بعد تدبیه؛ لئلا يصل أثر الدهن إلى القلنسوة والعمامة. ثم جمعه بنا مع أن حديثه سبق في 'باب الترحل' لعله لنسبه عليه خاصة لاهتمامه به. إياه قاله القاري، وقال الشاوي: كثر كلام الناس في الطيلسان، وأخاض أنه قسمان: بحث وهو ثوب ضوئ عريض، قريب من لرداء، مربع، يجعل فوق العمامة، ثم يدار صرفه من تحت الحنك إلى أن يحيط بالرقبة جميعها، ثم يبقى صرفه على السكبين، ومقور: وهو ما عدا ذلك، فيشمل المدور، ومثث، وريح ولسدون، وهو: ما يرحى صرفاه من غير صمهما أو أحدهما، والأول مدبوب اتفاق، ويتأكد لصوبة وحضور جمعة وعبد وجمع، وشيء مكروه بأبواعه، لأنه شعار أهل الدمة، ووقع في كثر الأحاديث التعير بالتقصير، وعن الطيلسان 'بالقناع'، ومن ثم قال الحافظ ابن حجر في محي، المصطفى ست تصديق متصعاً، أي مطبوساً رأسه، هذا أصل ليس بطيلسان، فما على الرأس مع لتحديث الطيلسان، ويسمى رداء مخار، وما على الكف هو الرداء الحقيقي، ويسمى طيلساناً مخار.

لربيع بن صبيح بالتكثير فيها، وهذا الحديث مكرر، نقدم هذا السند عليه ونجد معنى شيء من الزيادة في باب الترحل" وحكموا على الحديث بالنكارة.

أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يُكَيِّرُ الْقِنَاعَ، كأن ثوبه ثوب زيات.

نہ حضور کے کپڑوں میں جوں پڑتی تھی، نہ کھنٹل خون کو چوس سکتا تھا۔ (قاری) علامہ رازی سے مناوی نے نقل کیا ہے کہ مکھی بھی آپ کے کپڑے پر کبھی نہیں بیٹھی۔

القناع: [بكسر القاف: الخرقۃ التي تلقى على الرأس بعد استعمال الدهن؛ لتقي العمامة من الدهن.] ثوبه: قال القاري: أي: أعلى ثوبه أو قناعه الذي يستر به، وقال المناوي: كان طوق قميصه طوق قميص بائع الزيت، فإنه وإن ألقى القناع على رأسه يصل منه شيء إلى عالي ثوبه. قلت: والظاهر أن المراد من ثوبه هذا هو القناع، وحكاية المناوي في شرح باب الترجل عن شارح.

باب ما جاء في جلسة رسول الله ﷺ

حدثنا عبد بن حميد، أنبأنا عفان بن مسلم، أخبرنا عبد الله بن حسان، عن جدتيه، عن **عَنْ** قَيْلَةَ بنت مَخْرَمَةَ، أنها رأت رسول الله ﷺ في المسجد،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی نشست کا ذکر

فائدہ: یعنی حضور ﷺ کے بیٹھنے کی کیا سیکنیں وارد ہوئی ہیں۔ اس باب میں تین احادیث روایت فرمائی ہیں۔
() **قید فی:** فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو مسجد (میں کچھ ایسی عجزانہ صورت) میں گوٹ مارے بیٹھے دیکھا کہ میں رعب کی وجہ سے کانپنے لگی۔ **فائدہ:** قرصہ کی تصویر میں علماء نے اختلاف کیا ہے۔ مشہور قول یہ ہے کہ دونوں رائیں کھڑی کر کے دونوں ہاتھوں سے ان کا احاطہ کرے اور سرین پر بیٹھے۔ اسی کو گوٹ مار کر بیٹھنا بھی کہتے ہیں۔ رعب کی وجہ بظاہر یہ تھی کہ یہ حالت فکر و رنج کی تھی، اور حضور کو فکر کسی معمولی بات سے ہو نہیں سکتی تھی، اس لئے ان کو یہ خوف ہوا کہ مبادا اُمت پر کوئی عذاب تو نہیں آ رہا، اس لئے کہ حضور کو اُمت کی فکر زیادہ رہتی تھی۔ یہ بظاہر وہی حدیث ہے جو حضور ﷺ کے لباس کے بارہویں نمبر پر تھوڑی سی گڈر چکی ہے، وہاں بھی اس کی طرف تھوڑا سا اشارہ کر دیا تھا۔ اس حدیث میں کچھ حصہ اور بھی ہے جس کو مصنف نے مختصر کر دیا ہے، وہ یہ کہ **قید فی:** کی یہ دہشت کی حالت دیکھ کر حاضرین مجلس میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ مسکینہ تو خوف زدہ ہو گئی۔ قید کہتی ہیں کہ میں حضور ﷺ کی پشت کی طرف تھی، حضور نے ادھر توجہ بھی نہیں فرمائی، زبان مبارک سے صرف اتنا ارشاد فرمایا کہ اے مسکینہ! سکون اختیار کر۔ حضور کا یہ فرمان تھا کہ جس قدر خوف و دہشت مجھ پر تھی ساری جاتی رہی۔ بعض روایات میں یہ قصہ کسی مرد کے متعلق مذکور ہے، جیسا کہ حضور ﷺ کے لباس کے بیان میں گذر چکا ہے۔

جلسة بكسر الحيم اسم سوع أي: هيئة جوسه ۱۳۸، وظاهر الروايات الواردة تراويف الخنوس والقعود، وهو كدث عرفا، وأما لغة ففي قاموس. قد يفرق فيجعل الخنوس ما هو من اضطجاع، والقعود لما هو من قيام قاله السوي. قال القاري: والظاهر أن المراد بالجلسة المعوية: مقابلة القومة، يشمل حديث الاستلقاء أيضاً. حديثه تقدم بعض الحديث في باب اللباس وذكر المصنف هناك اسم حديثه: دحية وعيبة، وتقدم هناك أن الصواب صفية ودحية نبي عيبة.

وهو قاعدُ القُرْفَصَاءِ، قالت: فلما رأيت رسول الله ﷺ المتخَشَّعَ في الجلسة أرعدتُ من الفرق. **حدثنا**

بفتح فاء وصمها
بالفاء والراء المفتوحين: الخوف ۲۱

سعيد بن عبد الرحمن المخزومي وغير واحد قالوا: أخبرنا سفيان، عن الزُّهري، عن عباد بن تميم، **عن**

(۲) عباد کے چچا عبداللہ بن زید کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا، اس وقت حضور اپنے ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں کے اوپر رکھے ہوئے تھے۔

فائدہ: مسلم شریف کی روایت میں اس طرح لیٹنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ علماء نے دونوں کے درمیان میں مختلف طریقوں سے جمع فرمایا ہے۔ واضح توجیہ یہ ہے کہ اس طرح لیٹنے کی دو صورتیں ہیں جو دونوں حدیثوں کا علیحدہ علیحدہ مصداق ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ دونوں پاؤں پھیلا کر ایک قدم دوسرے قدم پر رکھ لے تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں اور یہ صورت اس حدیث کا مصداق ہے جو شتمل میں ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قدم کو دوسرے پاؤں کا گھٹنا کھڑا کر کے اس پر رکھے، یہ مسلم شریف کی روایت کا مصداق ہے۔ اس صورت میں ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ عرب میں عام طور سے لنگی باندھنے کا دستور تھا، لنگی باندھ کر اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا احتمال قوی ہے اس لئے حضور ﷺ نے منع فرمایا۔ اس جگہ یہ بھی اشکال کرتے ہیں کہ اس حدیث کو ہیئت نشست سے کوئی خاص تعلق نہیں۔ علماء نے اس کی مختلف وجوہ بتائی ہیں، سہل یہ ہے کہ باب میں بیٹھنے سے مراد عام لیا جائے بیٹھنے اور لیٹنے کو، اگرچہ لیٹنے کی بعض روایات سونے کے بیان میں آئیں گی۔ یہ بھی ممکن ہے جو ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھی ہے کہ جب اس قسم کا بیٹنا (باوجود یہ کہ روایت میں اس کی ممانعت آئی ہے) مسجد میں جائز ہے تو بیٹھنا ہر قسم سے جائز ہوا۔

القرفصاء بضم فاف وسكون راء وصم فاء فصاد مهملة، مد ويقصر: جلسة المختني، يقال: قرفص الرجل إذا شد يديه تحت رجليه، والمراد ههنا: أن يقعد الرجل على أليتيه فيصق فحديه ببطه ويضع يديه على ساقيه، كما يجتني بالثوب، وقيل: أن يجلس على ركته مكناً ويصق بفحديه بطه ويتأبط كفيه قاله القاري. **المتخَشَّع** [أي: الخاشع خشوعاً تاماً]. الفرق [شدة الخوف واهية] أي: من الخوف والفرع اللاشي من علاه ﷺ من عصم المهابة والحلالة، أو من توهم نسروا عذاب على الأمة، أو من عصب منه عليهم، أو لتأسي به؛ لأنه إذا كان مع كمال قرية من ربه عشيبة من جلالة ما بصيره كدس، فغيره يحس أن يرعد فرقا، قاله المناوي. عباد بفتح المهملة وتشديد الموحدة كشداد، وعمه هو عبد الله بن زيد بن عاصم، أخو تميم لأبيه، أو لأمه، يقال: هو الذي قتل مسيلمة الكذاب.

عمہ: أنه رأى النبي ﷺ مستلقيا في المسجد واضعا إحدى رجله على الأخرى. **حدثنا** سلمة بن شبيب، أنبأنا عبد الله بن إبراهيم المدني، أخبرنا إسحاق بن محمد الأنصاري، عن ربيع بن عبد الرحمن بن أبي سعيد، عن أبيه، **عن** جده أبي سعيد الخدري رضي الله عنه.

(۳) ابو سعید خدری رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مسجد میں تشریف رکھتے تھے تو گوٹ مار کر تشریف رکھتے تھے۔ **فائدہ:** گوٹ مار کر بیٹھنا یہ کہلاتا ہے کہ دونوں گھٹنوں کو کھڑا کر کے سرین کے بل بیٹھنے اور دونوں ہاتھوں سے پنڈلیوں پر حلقہ کر لے، بسا اوقات بجائے ہاتھوں کے کپڑا، لنگی، عمامہ وغیرہ اس طرح پینا جاتا ہے کہ کمر اور پنڈلیوں پر لپٹ جائے۔ یہ ہیئت تواضع اور مسکت کی نشست ہے، اس لئے حضور بھی اکثر ایسے ہی تشریف رکھتے تھے اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم بھی، لیکن یہ مقصود نہیں کہ ہمیشہ ایسے ہی تشریف فرما ہوتے تھے۔ اس لئے اب ابو داؤد کی اس روایت سے کچھ خلاف نہیں رہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب تک مسجد میں چار زانو تشریف رکھتے تھے۔ ایسے ہی اور ان مختلف احادیث سے بھی خلاف نہیں رہا جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں۔ اس طرح بیٹھنے میں علاوہ تواضع اور انکسار کے راحت بھی ہے، اس لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ گوٹ مار کر بیٹھنا عرب کی دیواریں ہیں،

مستلقيا [الاصطحاح على القفا]. **رحلہ** قال اقاري: أي مع نصب الأخرى أمدها، وهذا الحديث في الصحيحين، وهو بظاهره ينافي ما رواه مسلم عن جابر: أن النبي قال: لا يستلقي أحدكم ثم يصنع إحدى رجله على الأخرى. قال الحطاي: في الحديث الأول بيان جوار هد الفعل، ودلالة على أن جابر النهي عنه إما مسوح، وإما أن يكون علة النهي أن تمدوا العورة، وقيل: كان يفعل قبل النهي، أو لضرورة من تعب، أو لبيان الحوار، وقيل: وضع إحدهما على الأخرى يكون عني نوعين: أحدهما: أن تكونا ممدودتين إحدهما فوق الأخرى، ولا بأس بذلك؛ لعدم الانكشاف حينئذ، والثاني: أن يصنع إحدهما ويضع الأخرى على الركبة المصوبة، وهو محتمل للنهي قال العسقلاني: والتأويل أول من ادعاء نسخ؛ لأنه لا يصار إليه بالاحتمال، وكذا القول بأن الحوار من خصائص؛ لأنه لا يثبت بالاحتمال، ولأن بعض الصحابة كانوا يفعلون ذلك بعده ﷺ ولم يكره عليهم مختصراً. قال مساوي: وجمع بأن الحوار من أخص الانكشاف كالمتسرو، والنهي لمن م يأمن كالمتمسز، وإنما أطلق النهي؛ لأن تعال فيهم الاتسار. وهذا الجمع أولى كما للحافظ ابن حجر من ادعاء النسخ، وأما قول العصام: إنه كان لمريض، إنما يتم إن عرف ذلك، ولم يرد.

ث بفتح المعجمة وكسرة الموحدة الأولى، كضبط. **ربح** براء مهملة فهو حده فحاء مهملة، مصغر ربح.

قال: كان رسول الله ﷺ إذا جلس في المسجد احتجى بيديه. صلوات الله عليه.

یعنی جنگل میں چونکہ دیواریں نہیں ہوتیں جس سے سہرا ہو سکے، اس لئے یہ قائم مقام دیوار کے ہے، بس اوقات بجائے ہاتھوں کے کپڑا لیٹ لیا جاتا ہے جو مزید راحت کا سبب ہوتا ہے۔

احتجى: [الاحتباء أن يجلس على أليتيه ويضم رجليه إلى بطنه بنحو عمامة يشدها عليهما وعلى ظهره، واليدان بدل عما يحتجى به من نحو عمامة، والاحتباء جلسة الأعراب] لا يخالف ماورد من النهي عن الاحتباء يوم الجمعة والإمام يخطب؛ لأن النهي لجنب النوم، والإفضاء إلى انتفاض الوضوء، أو على إحداث الاحتباء، كما مال إليه الطحاوي، فهذا محمول على غير انتظار الصلوة، بل محمول على بعض الأوقات؛ لما في أبي داود برواية جابر: أنه ﷺ كان إذا صلى الفجر جلس متربعا، وكذا فيه روايات أخرى، فهذا كنه محمول على اختلاف الأوقات والتوسع. صلوات: هكذا في بعض النسخ كما قاله القاري، وفي بعضها: صلوات الله وسلامه عليه.

باب ما جاء في تكأة رسول الله ﷺ

حدثنا عباس بن محمد الدوري البغدادي، أخبرنا إسحاق بن منصور، عن إسرائيل، عن سيماء بن حرب، عن جابر بن سمرة قال: رأيت رسول الله ﷺ متكياً على وسادة على يساره. حدثنا حميد بن مسعدة، أخبرنا بشر بن المفضل، أخبرنا الحريري، أخبرنا عبد الرحمن بن أبي بكرة،

باب حضور اقدس ﷺ کے تکیہ کا ذکر

فائدہ: مصنف رحمہ اللہ نے اس باب میں چار حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) جابر بن سمرة رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا، جو بائیں جانب رکھا ہوا تھا۔ فائدہ: تکیہ دائیں اور بائیں دونوں جانب میں جائز ہے۔ حدیث میں بائیں جانب کا لفظ کسی تخصیص کی وجہ سے نہیں، اتفاق امر ہے، لیکن قواعد محدثین کے لحاظ سے بائیں کا لفظ یہاں مشہور روایات میں نہیں ہے، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب کے ختم پر اس لفظ پر کلام کیا ہے۔

کہہ بسم اولہ کہ 'لمرة': ما يتكأ عليه من وسادة وغيرها، أصلها 'تكأة' بـتاء نوون تاء، ويراد هناك: ما أعد لذلك فحرج الإنسان منه، فإذا تكأ عليه لا يسمى تكأة، وقد ترجم المصنف لها سابين فرقا بينهما، وقدم هداً لأنه أصل في الاتكاء، وأما الاتكاء على الإنسان معارض وقيل، والأوجه عندي أن هذه لترجمة بعم التكأة والاتكاء عنهما، وعرض الترجمة الآتية حوار الاتكاء على الإنسان خاصة، فلا يشكل بالروايات الواردة فيها.

الدوري بسم المهمة، فسان شراح الشرائع: محلة بعدد، أو قرية من قرأها، وقال صاحب مسعى: قرية بعراق. وساده [ما يتوسد به من المجددة]. يساره أي: حان كونه موضوعة على جانبه لأيسر، وهو بيان انوقع لا لتقييد، فيجوز الاتكاء على الوسادة يمينا ويساراً، وسيصرح المصنف بأن زيادة على يساره' انفرادها إسحاق، قال القاري والمناوي: لكنه مع ذلك محتج به. الحريري بسم الخيم وفتح الراء الأولى فتحية ساكنة، هو سعيد بن إبس الحريري.

ابن أبي بكرة: [هو أول مولود ولد في الإسلام في البصرة، فهو بصري تابعي].

عن^۲ أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: ألا أحدثكم بالكبائر؟ قالوا: بلى، يا رسول الله!

(۲) ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کیا تم لوگوں کو کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑے گناہ بتاؤں؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا، کہ ضرور یا رسول اللہ! ارشاد فرمائیں۔ حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک بنانا اور والدین کی نافرمانی کرنا اور جھوٹی گواہی دینا یا جھوٹی بات کرنا۔ راوی کو شک ہے کہ ان دونوں میں سے کون سی بات فرمائی تھی۔ اُس وقت حضور اقدس ﷺ کسی چیز پر ٹیک لگائے ہوئے تشریف فرما تھے، اور جھوٹ کا ذکر فرماتے وقت اہتمام کی وجہ سے بیٹھ گئے اور بار بار فرماتے رہے، حتیٰ کہ ہم لوگ یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش! اب حضور سکوت فرما دیں، بار بار ارشاد نہ فرمائیں۔ فائدہ: حضور ﷺ کے بار بار ارشاد فرمانے پر سکوت کی تمنا یا تو اُس عشق و محبت کی وجہ سے ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور ﷺ کے ساتھ تھی کہ حضور کو بار بار فرمانے پر تقب ہو گا اور ہم لوگوں کے لئے ایک بار فرمانا بھی کافی ہے، اور ممکن ہے اس خوف سے ہو کہ حضور اقدس ﷺ پر ناراضی اور غصہ کے آثار ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس خطرہ سے ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کوئی لفظ ایسا ارشاد فرمائیں کہ جو امت کے لئے باعثِ خسران بن جائے۔ جن لوگوں کو کسی دینی یا دنیاوی دربار کی حاضری میسر ہوتی ہے وہ اس حالت سے خوب واقف ہوتے ہیں۔ اور حضور ﷺ کا بار بار ارشاد فرمانا شدتِ اہتمام کی وجہ سے تھا کہ جھوٹ کی وجہ سے آدمی زنا، قتل وغیرہ بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جب کوئی شخص جھوٹ بولتا ہے تو فرشتے اُس کے منہ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ مومن جھوٹ نہیں ہو سکتا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

أبيه هو أبو بكره صديق رسول الله ﷺ، وأما كتي بكرة؛ لأنه تدلّ لسيّء من حصن الطائف في بكرة ما ندى المسمومين من سزل من الحصار فهو حرّ. [بأكبر الكبائر استشكل: بأن أكبر الكبائر لا يكون إلا واحدا فكيف عذد ههما بضعا؟ وأجيب بأجوبة شتى منها أن المراد حسن معصية هي أكبر المعاصي الكبار، وقيل: إن الموصوف به إذا كان متعدداً كان المعنى متعدداً من الكبائر كل مه أكبر من جميع ما عدا ذلك المتعدد، وقيل: يقصد بالأكبر الريادة على ما أصيب إليه لا الريادة المطلقة، كما بين في موضعه قاله القاري. واحتجوا أيضاً في معنى الكبيرة على أقوال كثيرة، محلها المطولات سيما شروح البخاري.

قال: الإشرāk بالله، وعقوق الوالدين، قال: وجلس رسول الله ﷺ - وكان مُتَكِنًا - قال: وشهادة الزُّور - أو قول الزور - قال: فما زال رسول الله ﷺ يقولها، حتى قلنا: ليته سكت! حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا شريك، عن علي بن الأقرص،

کہ اپنے آپ کو جھوٹ سے بچو کہ جھوٹ ایمان سے دور رہتا ہے۔ (اعتدال) اس حدیث شریف میں کبیرہ گنہوں کا ذکر ہے۔ شریعت میں گنہ دو طرح کے ہوتے ہیں ایک صغیرہ کہلاتے ہیں، جو وضو، نماز، روزہ، حج وغیرہ سے معاف ہوتے رہتے ہیں۔ دوسرے کبیرہ گنہ یعنی بڑے سخت گنہ کہلاتے ہیں، جن کے متعلق ضابطہ یہ ہے کہ وہ بغیر توبہ کے ہرگز معاف نہیں ہوتے، البتہ حق تعالیٰ شانہ کسی کی رعایت فرما کر اپنے فضل سے معاف فرمادیں تو یہ امر آخر ہے، مگر آئینی چیز یہی ہے کہ وہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کبیرہ گنہ کتنے ہیں؟ علماء نے مستقل تصنیف ان میں تحریر فرمائی ہیں۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کی ایک کتب اس مضمون میں مستقل ہے، جس میں چار سو کبیرہ گنہ گنوائے ہیں۔ علامہ ابن حجر مکی رحمہ اللہ نے بھی دو جلدوں میں ایک کتب تصنیف کی ہے جو مصر میں چھپ گئی ہے، اس میں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، معاملات وغیرہ ہر باب کے کبیرہ گنہ مستقل گنوائے ہیں، اور کل مجموعہ چار سو سرسٹھ مفضل شمار کرائے ہیں۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح شامل میں مشہور کبار کو گنویا ہے، جو حسب ذیل ہیں:

آدمی کا قتل کرنا، زنا کرنا، غلام بازی، شراب پینا، چوری کرنا، کسی پر تہمت لگانا، سچی گواہی کا چھپانا، جھوٹی قسم کھانا، کسی کا مال چھین لینا، بلا عذر کفار کے مقابلہ سے بھاگنا، سودی معاملہ کرنا، یتیم کا مال کھانا، رشوت لینا، اصول یعنی والدین

مسکأً أي: قبل الخلو، وحمله حال، وهو يشعر بأنه أهتم بدت حتى حس، وسب الاهتمام كون الزور سهو وقوعاً على الناس، وانهاون به أكثر، فإن لإشرāk يسو عنه فسد المسهم، وعقوق يصرف عنه الصع السسم، والحو مل عني الزور كثيرة، كالعداوة والحسد وغيرهما، فاحتيج إلى الاهتمام به. وأشك على الحديث بأن الوارد فيه الاتكاء لا التكاء، فكان المناسب لمثل الآتي. وأقصى ما قيل في دفعه إنه يستلزم التكاء. وفيه ما فيه، هكذا قالت الشراح، ولا بشكل على عموم الترجمة كما تقدم أو قول الزور شك من الراوي، ورواية المحاري بدون الشك ليعط. ألا وقول الزور، وشهادة الزور، من عطف الخاص على العام.

وغیرہ کی نافرمانی کرنا، قطع رحمی کرنا، جھوٹی حدیث بیان کرنا، رمضان کا روزہ توڑ دینا، ناپ تول میں کمی کرنا، فرض نماز کو وقت سے آگے پیچھے پڑھنا، زکوٰۃ نہ دینا، مسلمان کو یا کسی کافر کو جس سے معاہدہ ہونا حق رہنا، کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرنا، غیبت کرنا بالخصوص کسی عالم کی یا حافظِ قرآن کی، کسی ظالم سے چغلی کھانا، دیوث پن کرنا یعنی اپنی بیوی بیٹی وغیرہ کے ساتھ کسی کے فحش تعلق کو گوارا کرنا، قرم سازی یعنی بھڑوا پن کرنا کہ اجنبی مرد عورت یا اس قسم کے دوسرے ناجائز تعلقات میں سعی کرنا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دینا یعنی نیک کاموں کا حکم اور بُری باتوں سے روکنے کو باوجود قدرت کے چھوڑ دینا، جادو کا سیکھنا یا سکھانا، کسی پر جادو کرنا، قرآن پاک پڑھ کر بھلا دینا، بلا مجبوری کسی جاندار کو بھلانا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید ہونا اور اُس کے عذاب سے نہ ڈرنا، عورت کا خاوند کی نافرمانی کرنا اس کی خواہش پر بلا وجہ انکار کرنا، چغلی کھانا۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے مثال کے طور پر ان کو نقل کیا ہے۔ مظاہر حق ترجمہ مشکوٰۃ شریف کے شروع میں کبار کا مستقل باب ہے، اُس میں بھی ان کو اور اس قسم کے اور چند گناہوں کو گنوا یا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک خواہ اس کی ذات میں کسی کو شریک کرے، یا عبادت میں، یا اُس سے استعانت حاصل کرنے میں، یا علم میں، یا قدرت میں، یا تصرف میں، یا پیدا کرنے میں، یا پکارنے میں، یا کہنے میں، یا نام رکھنے میں، یا ذبح کرنے میں، یا نذر ماننے میں، یا لوگوں کے اس کی طرف امور سونپنے میں یعنی جیسے اللہ جلّ ثناؤ کے سب کام سپرد ہیں اسی طرح اور کو بھی جانے۔ نیز امور ذیل بھی اس میں ذکر کیے ہیں:

گناہ پر اصرار کی نیت رکھنا، نشہ کی چیز پینا، اپنے محرموں سے نکاح کرنا، جوا کھیلنا، سفار سے دوستی کرنا، باوجود قدرت کے جہاد نہ کرنا، مردار کا گوشت کھانا، نجومی اور کاہن کی تصدیق کرنا، قرآن پاک اور رسول اللہ ﷺ اور فرشتوں کو بُرا کہنا یا ان کا انکار کرنا، صحابہ کرام کو بُرا کہنا، بیوی اور خاوند میں لڑائی ڈلوانا، اسراف کرنا، فساد کرنا، کسی کے سامنے ننگا ہونا (یعنی بیوی کے علاوہ)، بخل کرنا، پیسہ اور منی سے پاک نہ کرنا یعنی اگر لگ جائیں تو نہ دھونا، تقدیر کو بھٹلانا، تکبر کی وجہ سے پانچ ٹخنوں سے نیچے کرنا، نوحہ کرنا، بُرا طریقہ ایجاد کرنا، محسن کی ناشکری کرنا، کسی مسلمان کو کافر کہنا، حائضہ سے صحبت کرنا، غلہ کی گرائی سے خوش ہونا، جانور سے بد فعلی کرنا، امر کو شہوت سے دیکھنا، کسی کے گھر میں جھانکنا، عالموں اور حافظوں کی حقارت کرنا،

عن "أبي جحيفة قال: قال رسول ﷺ: أما أنا فلا أكل مُتَكِنًا. حدثنا محمد بن بشر، حدثنا

عبد الرحمن بن مهدي، أخبرنا

اگر ایک سے زیادہ پیماں ہوں تو ان کے درمیان مساوات نہ کرنا، امیر سے عہد شکنی کرنا، وغیرہ وغیرہ بتائے ہیں۔ ان کبار میں بھی درجات ہیں، اسی وجہ سے حدیث بالا میں کبار کے بڑے گنہ فرمایا گیا ہے اور مختلف احادیث میں موقع کے مناسب مختلف قسم کے گنہوں کا ذکر فرمایا ہے۔ عماء نے لکھا ہے کہ اصرار کرنے سے صغیرہ گنہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے اور توبہ استغفار کرنے سے کبیرہ گنہ بھی باقی نہیں رہتا، معاف ہو جاتا ہے۔ اور توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ دل سے اس فعل پر واقعی ندامت ہو اور آئندہ کو اس گناہ کے نہ کرنے کا پختہ ارادہ ہو کہ اب کبھی نہ کروں گا، چاہے اس کے بعد کسی دوسرے وقت وہ پھر سرزد ہی ہو جائے، اس سے وہ پہلی توبہ زائل نہیں ہوتی۔ توبہ کے وقت یہ پختہ ارادہ ہونا چاہئے کہ پھر کبھی نہیں کروں گا۔

(۴،۳) ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔ فائدہ: اس لئے کہ یہ صورت تواضع کے خلاف ہونے کے علاوہ بہت کھانا کھانے کی طرف منجر ہوتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس سے پیٹ بھی بڑھ جاتا ہے اور سُرعت ہضم بھی حاصل نہیں ہوتا۔ اپنا ذکر حضور ﷺ نے اس لئے ارشاد فرمایا تاکہ اس کا اتباع کیا جائے۔ عماء نے لکھا ہے کہ ٹیک لگانے کی چار صورتیں ہیں اور چاروں اس میں داخل ہیں۔ اول یہ کہ دائیں یا بائیں پہلو کو دیوار یا تکیہ وغیرہ پر سہارا لگائے۔ دوسرے یہ کہ ہتھیلی سے زمین پر سہارا لگائے۔ تیسرے یہ کہ چوڑا نوٹنی چوکڑی مار کر کسی گدے وغیرہ پر بیٹھے۔ چوتھے یہ کہ کمر کا تکیہ یا دیوار سے لگائے کہ یہ سب ہی صورتیں بفرق مراتب ٹیک میں داخل ہیں۔

أبي جحيفة بصم الحميم وفتح الحاء المهملة، اسم وهو من عهد الله، صحابي صغير، توفي لبي ﷺ وهو ع يسع. أما أنا "أما" ههنا مجرد التأكيد. قال القاري: سب هذا الحديث قصة الأعرابي المذكور في حديث عبد الله بن بسر عن ابن ماجة، قال: أهديت سبي ﷺ شاة، فحشا عني ركبتيه يأكل، فقال لأعرابي: ماهده حسنة؟ قال ﷺ: إن الله جعني عبد كريما، ولم جعني جداراً عبيد. متكناً [المتكى: من أكل أحد الشقين مُعَمِّداً عليه وحده، وحكمة كراهة لأكل متكناً] له فعل المتكبرين مكترس من لأكل بضم، والكرهه مع الاضطرحة شدة منها مع الانكاء [مهدي: فتح ميم وسكون هاء، آخره ياء مشددة.

سفیان، عن علي بن الأقرم قال: **سمعت** ^{١٤}أبا جُحَيْفَةَ يقول: قال رسول الله ﷺ: لا آكل مُتَكِنًا. **حدثنا** يوسف بن عيسى، **حدثنا** وكيع، **حدثنا** إسرائيل، عن سِمَاك بن حرب، **عن** ^{١٥}جابر بن سَمُرَةَ قال: رأيت النبي ﷺ متكنا على وسادة. **قال** أبو عيسى: لم يذكر وكيع "علي يساره". وهكذا روى غير واحد عن إسرائيل نحو رواية وكيع، ولا نعلم أحدا روى فيه "علي يساره" إلا ماروى إسحاق بن منصور، عن إسرائيل.

(۵) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا۔

فائدہ: یہ وہی حدیث ہے جو باب کے شروع میں گزر چکی۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ کو اس پر کلام کرنا مقصود تھا اس لئے مکرر ذکر فرمایا۔

سفیان: هو الثوري، ولعل المصنف ذكر هذا السند لتقوية الرواية، فإن شريكاً سيء الحفظ عندهم.

قال أبو عيسى: الخ. عرض المصنف زيادة لفظ 'عن يساره' غريب، تفرد به إسحاق بن منصور المتقدم روايته في أبواب الباب، وكذا تكلم المصنف على هذه الزيادة في جامعه.

بَابُ مَا جَاءَ فِي اتِّكَاءِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ

حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا عمرو بن عاصم، أخبرنا حماد بن سلمة، عن ^(۱) حميد،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کا تکیہ کے علاوہ کسی اور چیز پر ٹیک لگانے کا ذکر

فائدہ: تکیہ کا ذکر پہلے باب میں گذر چکا ہے۔ اس کے علاوہ حضور کا آدمیوں پر بیماری کی حالت میں سہارا اور ٹیک لگانا بھی ثابت ہے، بظاہر اسی لئے مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب کو مستقل ذکر کیا۔

اس باب میں دو روایتیں ہیں:

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی طبیعت نہ ساز تھی اس لئے حجرہ شریفہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر سہارا کیے ہوئے تشریف لائے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی۔ حضور اقدس ﷺ اس وقت ایک یمنی منقش چودر میں لپٹے ہوئے تھے۔ **فائدہ:** یہ حدیث حضور اقدس ﷺ کے لباس کے بیان میں نمبر ۶ پر گذر چکی ہے۔

اتِّكَاءٌ قُلُوبُ بَعْضُ الشَّرْحِ: إِنْ عَرِضَ مِنْ أَسْبَ سَابِقُ بَيَانُ تُكْنِئَةٍ ۖ وَفِي هَذَا بَيَانُ الْإِتِّكَاءِ الْمَصْدَرِ، فَالْفَرْقُ بَيْنَهُمَا بِالْمَعْنَى الْمَصْدَرِي وَبَيَانُ مَا اتَّكَيْ عَلَيْهِ، وَدَقَّاوُ لِبَعْضِ لِرَوَايَاتٍ مُتَقَدِّمَةٍ فِي تَرْجُمَةِ السَّابِقَةِ لِأَوَّلٍ: ذَكَرَهُ فِي لَدَبِ الْأَوَّلِيِّ. وَلِأَوَّلِهِ عِنْدِي فِي بَيَانِ الْفَرْقِ فِي تَرْجُمَتِهِ. أُنْ فِي الْأَوَّلِيِّ كَذَلِكَ الْوَسَادَةُ الْمَعْرُوفَةُ أَعْمٌ مِنْ بِيَاهَا وَبَيَانُ الْإِتِّكَاءِ عِنْدَهَا. وَفِي هَذِهِ التَّرْجُمَةِ بَيَانُ لَا اسْتِدَادَ عَنِ غَيْرِ الْوَسَادَةِ مِنْ الْإِنْسَانِ وَغَيْرِهِ، بَلْ يَصْهَرُ مِنْ مَلَا حِصَّةِ رَوَايَاتِ أَلِ الْعَرَضِ هَهُمَا الْإِتِّكَاءُ عَنِ الْإِنْسَانِ حَاصِلَةٌ، فَكَرَمَةُ الْإِنْسَانِ يَوْهَمُ عَدَمَ حَوَارِ الْإِتِّكَاءِ عَلَيْهِ، وَلِذَا أَفْرَدَ هَذَا الْبَابَ، فَتَأَمَّلْ. ثُمَّ رَأَيْتُ الْفَارِسِيَّ وَغَيْرَهُ مَالُوا إِلَى قَرِيبٍ مِنْ ذَلِكَ التَّوْجِيهِ، فَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْمُتَّةُ.

حماد بن سلمة و حنفی فی احادیث عنی حماد بن سلمة، فقد أخرجہ حمید فی مسنده برویة عبد الله بن محمد عن حماد عن حبيب بن الشهيد عن أنس: أن رسول الله ﷺ حرج وهو يتوكأ على أسامة بن زيد متوشحاً في ثوب قصري فصبي بهم أو قال: مشتملاً- وهذا لسيد عن حماد عن حميد عن أنس مثله، وبرواية سيمان بن حرب عن حماد عن حبيب بن الشهيد عن الحسن عن أنس قال: حرج رسول الله ﷺ يتوكأ على أسامة بن زيد متوشحاً في ثوب قطري فصبي به -أو قال: مشتملاً-، وبرواية عفان عن حماد عن حميد عن الحسن وعن أنس فيما يحسب حميد: أن رسول الله ﷺ خرج، وهو متوكئ على أسامة بن زيد، وهو متوشح بثوب قطن، قد خاف بين طرفيه، فصبي بالناس.

عن أنس رضی اللہ عنہ: أن النبي ﷺ كان شاكياً، فخرج يتوكأ على أسامة، وعليه ثوب قطريّ قد توشّح به، فصلى بهم. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا محمد بن المبارك، حدثنا عطاء بن مسهم الخفاف الحنّبي، أخبرنا جعفر بن بُرقان، عن عطاء ابن أبي رباح، **عن** الفضل بن عباس قال: دخلت على رسول الله ﷺ في مرضه الذي تُوفي فيه،

(۲) فضل بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آپ کے مرض الوفات کی حالت میں حاضر ہوا۔ حضور اقدس ﷺ کے سر مبارک پر اس وقت زرد پٹی بندھی ہوئی تھی، میں نے سلام کیا۔ حضور ﷺ نے جواب کے بعد ارشاد فرمایا کہ اے فضل! اس پٹی سے میرے سر کو خوب زور سے باندھ دو، پس میں نے تعمیل ارشاد کی، پھر حضور بیٹھے اور میرے مونڈھے پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور مسجد تشریف لے گئے۔ اس حدیث میں مفصل قصہ ہے۔ **فائدہ:** حضور ﷺ نے سر مبارک کو درد کی وجہ سے پٹی باندھ رکھی تھی۔ بعض علماء نے بجائے پٹی کے عمامہ کا ترجمہ کیا ہے اور حضور اقدس ﷺ کا مختلف رنگ کے عمامے باندھنا ثابت کیا ہے، منجملہ ان کے زرد عمامہ کا اس حدیث سے کیا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے جس قصہ کی طرف اشارہ کیا ہے، مجمع الزوائد میں یہ مفصل مذکور ہے۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے دیکھا کہ حضور کو بخار چڑھ رہا ہے اور سر مبارک پر پٹی باندھ رکھی ہے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرا ہاتھ پکڑ لے۔ میں نے حضور کا ہاتھ پکڑا، حضور مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر بیٹھ کر ارشاد فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر جمع کر لوں۔ میں لوگوں کو اکٹھا کر لایا۔ حضور ﷺ نے اللہ کی حمد و ثناء کے بعد یہ مضمون ارشاد فرمایا: میرا تم لوگوں کے پاس سے چلے جانے کا زمانہ قریب آگیا ہے اس لئے جس کی کمر پر میں نے مارا ہو میری کمر موجود ہے،

شاکا أي: مريضاً، والظاهر أنه كان مريضاً وفاته رحمۃ اللہ علیہ والحديث تقدم في اللباس برواية محمد بن الفضل عن حماد عن حبيب بن الشهيد عن الحسن عن أنس. **ثوب قطريّ** [وهو نوع من البرود اليمسية، يتحد من قطن، وفيه حمرة وأعلام، أو نوع من حبل جباد، تُحمل من بند بالبحرين، سمها قصر] **توشّح** [أي: تعشى به، بأن وضعه فوق عاتقه الذي هو موضع الرداء من المسكب، واضطبع به كاحرم، أو حالف بين صرفيه وربطهما بعنقه] **احفاف** تشديد الفاء الأولى: صابع الحف أو مائعه، قاله القاري، وجرم السمعي في أنسابه بالأول. كان رجلاً صالحاً، دس كنه فكان يحدث بالحفظ، فيتوهم كثيراً.

وعلى رأسه عَصَابَةٌ صفراء، فسَلَّمَتْ فقال: يا فضل! قلت: لَبَّيْكَ يا رسول الله! قال: أَشَدُّ هَذِهِ الْعَصَابَةُ رَأْسِي، قال: ففعلت، ثُمَّ قَعَدَ، فَوَضَعَ كَفَّهُ عَلَى مَنْكِبِي، ثُمَّ قَامَ فَدَحَلَ فِي الْمَسْجِدِ. وفي الحديث قِصَّةٌ.

فَاتَّكَاهُ بِذَلِكَ اعْتِمَادَهُ عَلَيْهِ فِي الْقِيَامِ

بدل لے لے اور جس کی آبرو پر میں نے کوئی حملہ کیا، ہو میری آبرو سے بدلہ لے لے۔ جس کا کوئی مالی مطالبہ مجھ پر ہو وہ مال سے بدلہ لے لے، کوئی شخص یہ شبہ نہ کرے کہ مجھے (بدلہ لینے سے) رسول اللہ کے دل میں بغض پیدا ہونے کا ڈر ہے کہ بغض رکھنا نہ میری طبیعت ہے نہ میرے لئے موزوں ہے۔ خوب سمجھ لو! کہ مجھے بہت محبوب ہے وہ شخص جو اپنا حق مجھ سے وصول کر لے یا معاف کر دے کہ میں اللہ جل شانہ کے یہاں بشارت نفس کے ساتھ جاؤں۔ میں اپنے اس اعلان کو ایک دفعہ کہہ دینے پر کفایت کرنا نہیں چاہتا، پھر بھی اس کا اعلان کروں گا، چنانچہ اس کے بعد منبر سے اتر آئے۔ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر منبر پر تشریف لے گئے اور وہی اعلان فرمایا، نیز بغض کے متعلق بھی مضمون بالا کا اعادہ فرمایا۔ اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس کے ذمے کوئی حق ہو وہ بھی ادا کر دے اور دنیا کی رسوائی کا خیاں نہ کرے کہ دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت کم ہے۔ ایک صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ میرے تین درہم آپ کے ذمے ہیں۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ کرنے والے کی نہ تکذیب کرتا ہوں، نہ اس کو قسم دیتا ہوں لیکن پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیسے ہیں؟

عصاه بکسر المعین المهملة أي: حرقه أو عمامة، قال انقاري: لكن قوله الآتي. أشد لها رأسي 'بؤيد الأول، من يعينه، قال اسوي: وهو غير مرصفي؛ إذا العمامة يشد بها الرأس كما لا يخفى اهـ. قلت: وبؤيد الأول ما في المواهب برواية بدرمي عن أبي سعيد قال: حرق عيسا رسول الله ﷺ ونحس في المسجد وهو معصوب الرأس تحرقه. الحديث، قال الررقاني: أي من أجل لصداغ، أشد [أي. يسكن الألم ناشد، فبحف إحساسه به. ويؤحد من ذلك: أن شدت اعصاة عني الرأس لا يدي الحمال والتوكّل، لأن فيه إظهار الافتقار والمسكّة.] قصه ذكرها في مجمع الروائد عن الفصل من عباس قال: جاءني رسول الله ﷺ فخرجت إليه فوجدته موعوكاً قد عصب رأسه، قال حد بيدي يا فضل! فأحدث بيده حتى انتهى إلى سبر، الحديث، روه لطرافي في الكبير والأوسط، وأبو يعنى سحره، وقال في آخره. فقام رجل فقال: يا رسول الله! إي حمال، الحديث. وفي إسناده أبي يعنى عصاء من مسهم، وثقه من حمال وغيره، وضعه جماعة، وثقة رجال أبي يعنى ثقات، وفي إسناده الطبراني من هـ أعرفهم. انتهى ما في مجمع الروائد.

انھوں نے عرض کیا کہ ایک ساکل ایک دن آپ کے پاس آیا تھا تو آپ نے مجھ سے فرما دیا تھا کہ اس کو تین درہم دے دو۔ حضور نے حضرت فضل سے فرمایا کہ اس کے تین درہم ادا کر دو۔ اُس کے بعد ایک اور صاحب اٹھے انھوں نے عرض کیا کہ میرے ذمہ تین درہم بیت المال کے ہیں، میں نے خیانت سے لے لئے تھے۔ حضور نے دریافت فرمایا کیوں خیانت کی تھی؟ عرض کیا: میں اس وقت بہت محتاج تھا۔ حضور نے حضرت فضل سے فرمایا کہ ان سے وصول کر لو۔ اس کے بعد پھر حضور نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو وہ بھی دعا کرا لے (کہ اب روانگی کا وقت ہے) ایک صاحب اٹھے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جھوٹا ہوں، منافق ہوں، بہت سونے کا مریض ہوں۔ حضور نے دعا فرمائی یا اللہ! اس کو سچائی عطا فرما، ایمان (کامل) نصیب فرما اور (زیادتی) نیند کے مرض سے صحت بخش دے۔ اُس کے بعد ایک اور صاحب کھڑے ہوئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جھوٹا ہوں اور منافق ہوں، کوئی گناہ ایسا نہیں ہے جو نہ کیا ہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو تنبیہ فرمائی کہ اپنے گناہوں کو پھیلاتے ہو۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا عمر! چپ رہو، دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے۔ اس کے بعد حضور نے ارشاد فرمایا یا اللہ! اس کو سچائی اور (کامل) ایمان نصیب فرما اور اس کے احوال کو بہتر فرما دے۔ اُس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مجمع سے کوئی بات کہی، جس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ عمر میرے ساتھ ہیں اور میں عمر کے ساتھ ہوں، میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہے جدھر بھی وہ جائیں۔ ایک دوسری حدیث میں یہ بھی ہے کہ ایک اور صاحب اٹھے، انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں بزدل ہوں، سونے کا مریض ہوں۔ حضور ﷺ نے ان کے لئے بھی دعا فرمائی۔ حضرت فضل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد سے ہم دیکھتے تھے کہ ان کے برابر کوئی بھی بہادر نہ تھا۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف لے گئے اور اسی طرح عورتوں کے مجمع میں بھی اعلان فرمایا اور جو جو ارشادات مردوں کے مجمع میں فرمائے تھے یہاں بھی ان کا اعادہ فرمایا۔ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنی زبان سے عاجز ہوں۔ حضور نے ان کے لئے بھی دعا فرمائی۔ (مجمع الزوائد) ان حضرات کا اپنے کو منافق فرمانا اس وجہ سے تھا کہ اللہ کے خوف سے یہ حضرات بہت زیادہ متصف رہتے تھے، جس کے چند واقعات ”حکایات صحابہ“ کے باب دوم میں لکھے جا چکے ہیں۔ اسی غلبہ خوف سے اپنے اوپر نفاق کا شبہ ہو جاتا تھا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو بات حق اہل حق تمام امت میں افضل ہیں، یہ شبہ ہو جاتا تھا، جیسا کہ ”حکایات صحابہ“ میں حضرت حذفہ رضی اللہ عنہ کے قصہ میں مذکور ہے۔ ابن ابی ملیک کہتے ہیں

کہ میں نے تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو پایا ہے کہ ان میں سے ہر شخص اپنے منافق ہونے سے ڈرتا تھا، کہ مبادا میں منافق تو نہیں ہوں۔ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ جو مشہور اکابر صوفیہ میں ہیں اور تابعی ہیں، فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان جو گنہگار چلے یعنی صحابہ کرام اور وہ مسلمان جو موجود ہیں یعنی بقیہ صحابہ اور تابعین کوئی بھی ان میں ایسا نہیں ہے جو اپنے نفاق سے نہ ڈرتا ہو اور گزشتہ زمانہ میں اور موجودہ دور میں کوئی بھی منافق ایسا نہیں ہے جو مطمئن نہ ہو۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا یہ بھی مقولہ ہے کہ جو نفاق سے نہ ڈرتا ہو وہ منافق ہے۔ ابراہیم تسی جو فقہاء تابعین میں ہیں، کہتے ہیں کہ جب بھی اپنی بات کو اپنے فعل پر پیش کرتا ہوں تو ڈرتا ہوں کہ جھوٹ نہ ہو۔ (بخاری شریف فتح الباری) یہی مطلب ہے ان سب حضرات کے نفاق سے خوف کا کہ اپنے اعمال کو بچ اور کالعدم سمجھتے تھے اور پند و نصیحت وغیرہ احواس کے اعتبار سے ڈر رہتا تھا کہ یہ نفاق نہ بن جائے۔

باب ما جاء في صفة أكل رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، عن سفيان، عن سعد بن إبراهيم، عن ابن كعب بن مالك، عن أبيه: أن النبي ﷺ كان يَلْعَقُ أَصَابِعَهُ ثَلَاثًا.

باب حضور اقدس ﷺ کے کھانا تناول فرمانے کا طریقہ

فائدہ: یعنی کھانا تناول فرمانے کے بعض آداب کا بیان۔ اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنی انگلیاں تین مرتبہ چٹ لیا کرتے تھے۔ فائدہ: کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے پہلے انگلیاں چٹ لینا مستحب ہے، البتہ اس روایت کی بنا پر بعض کے نزدیک تین مرتبہ مستحب ہے۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تین مرتبہ مراد نہیں بلکہ تین انگلیاں چٹنا مراد ہے، جیسا کہ دوسری روایت میں آتا ہے، چنانچہ اسی باب میں خود کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ہی کی روایت آگے آرہی ہے، لیکن بعض شراح حدیث نے فرمایا ہے کہ یہ مستقل ادب ہے کہ تین مرتبہ چٹنے سے بالکل صفائی ہو جاتی ہے اور تین انگلیاں جو دوسری روایت میں آرہا ہے وہ مستقل ادب ہے۔

أَكَلَ [الأكل: هو إدخال الطعام الحامد من اللحم إلى البطن، سواء كان بقصد التعدي أو غيره كالتمكك] الأكل بفتح الهمزة: إدخال جامد من اللحم إلى البطن، والشراب: إدخال المائع، وقيل: الأكل: إدخال شيء من اللحم إلى البطن بقصد الاغتداء، والأور أولى. سعد بن إبراهيم هو الصواب، فما في بعض النسخ 'سعيد بن إبراهيم' سهو من الكاتب، فانه القاري. قلت: وليس في الرواة أحمد اسمه سعيد بن إبراهيم، فهو سعد بن إبراهيم بن عبد الرحمن بن عوف الزهري. اس لكعب احتلف في اسمه فقيل: عبد الله، وقيل: عبد الرحمن، قال القاري: جاء في رواية بالشك بينهما، قال ميراث: والصواب عبد الله. قلت: وحزم شيخنا في السدل: بأنه عبد الرحمن، ورواية الشك أخرجها مسلم بطريقين، قال اسوي: لا يصر الشك في الراوي إذا كان بين الثقتين، فإن أبي كعب هذان ثقتان. قلت: وأخرجها مسم بطرق عن عبد الرحمن. يصدق [أي: يلحسها، فيسن ذلك سنًا مؤكدًا اقتداء برسول الله ﷺ] وجاءت علة لعق الأصابع في رواية، وهي: إذا أكل أحدكم طعامه فليلعق أصابعه؛ فإنه لا يدري في أيهن البركة.]

قال أبو عيسى: وروى غير محمد بن بشار هذا الحديث، قال: يَبْعُقُ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ. **حدثنا** الحسن بن عليّ **الحَلَالِي**؛ **حدثنا** عَفَّان، **حدثنا** حمَّاد بن سلمة، عن ثابت، عن أنس **رضي** الله عنه قال: كان النبي **ﷺ** إذا أكل طعاماً، لَبَعُقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ. **حدثنا** الحسين بن عليّ بن يزيد الصُّدَائِيّ البغداديّ، **حدثنا** يعقوب بن إسحاق - يعني **الحَضْرَمِيَّ** - أحرنا شعبة، عن سفيان الثوري، عن عليّ بن الأقرم، عن أبي جُحَيْفَةَ قال: قال النبي **ﷺ**: أما أنا فلا أكل متكاً.

(۲) حضرت انس **رضي** الله عنه فرماتے ہیں کہ حضور اقدس **ﷺ** جب کھانا تناول فرماتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ یا کرتے تھے۔ **فائدہ:** حضور کی عادت شریفہ تین ہی انگلیوں سے کھانا نوش فرمانے کی تھی۔ اگرچہ بعض روایات سے پانچوں انگلیوں سے کھانا بھی معصوم ہوتا ہے لیکن تین انگلیاں جن میں انگوٹھا، مسبحہ (شہادت کی انگلی) اور وسطی (درمیانی انگلی) ہے، اکثر روایات سے معصوم ہوتا ہے۔ تین انگلیوں سے کھانے کی مصلحت لقمہ کا چھونا ہونا ہے تاکہ زیادہ مقدار میں نہ کھایا جائے۔ امام نووی **رحمہ** اللہ نے لکھا ہے کہ ان احادیث سے تین انگلیوں سے کھانے کا استحباب معصوم ہوتا ہے، لہذا چوتھی یا پانچویں انگلی بلا ضرورت نہ شامل کرے، البتہ اگر ضرورت ہو یعنی کوئی ایسی چیز ہو جس کو تین انگلیوں سے کھانے میں دقت ہو تو مضائقہ نہیں ہے۔ مد علی قاری **رحمہ** اللہ نے لکھا ہے کہ پانچوں انگلیوں سے کھانا حریصوں کی عادت ہے اور لقمہ کے بڑا ہونے کی وجہ سے بسا اوقات قم معدہ پر بوجھ اور حلق میں انک جانے کا سبب بھی ہو جاتا ہے۔

(۳) ابو جحیفہ **رضي** الله عنه کہتے ہیں کہ حضور اقدس **ﷺ** نے ارشاد فرمایا کہ میں ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

قال أبو عيسى عن عرس لمصنف بيد من لفظ "يَبْعُقُ أَصَابِعَهُ ثَلَاثَ" محفوظ دون "أَصَابِعَهُ ثَلَاثًا" وقد "يَبْعُقُ" روية أنس "الاسم" وسياقي رواية غير من بشر قريب قال بقري "صهر ما فقه ميراث من" "تقدير ثلاثا من الأصابع" سيوفق روية "أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ" ومن جعله قيداً "يَبْعُقُ" ورعه أن معناه كل واحدة من أصابعه ثلاث مرات فقد بعد من المراء، فإنه ما أت التصريح في رواية أنه **ﷺ** بعق أصابعه ثلاث مرات، ووقع للتصريح بعق أصابعه ثلاث في كثير من صرق يزيد ما جاء في أوله، وما في بعض النسخ يدون لباء بلفظ "زيد" سهو من نسخ، فله القاري، ولصديقي بضم الصاد أهمية، سنة بن صدد ناسخ، سنة قبة **احضرمي** سنة إلى "حصر موت" سنة ناسخ، ويعقوب هذا أحد القراء العشرة معروفة.

حدثنا محمد بن بشر، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا سفيان، عن علي بن الأقرم، نحوه.
حدثنا هارون بن إسحاق الهمداني، حدثنا عبدة بن سليمان، عن هشام بن عروة، عن ابن لكعب بن مالك، **عن** أبيه قال: كان رسول الله ﷺ يأكل بأصابعه الثلاث، وَيَلْعَقُهَا.
 يفتح العين

فائدہ: یہ حدیث ایک باب پہلے گزر چکی ہے۔

(۴) کعب بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی عادت شریفہ تین انگلیوں سے کھانا تناول فرمانے کی تھی اور ان کو چاٹ بھی لیا کرتے تھے۔ **فائدہ:** بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ پہلے بیچ کی انگلی چاٹتے تھے، اس کے بعد شہادت کی انگلی، اس کے بعد انگوٹھا۔ یہی تین انگلیاں تھیں جن سے کھانا تناول فرمانے کا معمول میرے آقا کا تھا۔ اس ترتیب میں بھی علماء نے متعدد مصالح بیان فرمائے ہیں: ایک یہ کہ انگلیاں چاٹنے کا دور اس طرح دائیں کو چلتا ہے کہ شہادت کی انگلی درمیانی انگلی کے دائیں جانب واقع ہوگی، دوسرے یہ کہ بیچ کی انگلی لمبی ہونے کی وجہ سے زیادہ موٹ ہوتی ہے اس لئے بھی اس سے ابتدا مناسب ہے۔ خطابی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ بعض بے وقوف انگلیاں چاٹنے کو ناپسند اور قبیح سمجھتے ہیں، حالانکہ ان کو اتنی عقل نہیں کہ انگلیوں پر جو کھانا لگا ہوا ہے وہی تو ہے جو اتنی دیر سے کھایا جا رہا تھا اسی میں کیا نئی چیز ہوگئی۔ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے فعل کو قبیح سمجھے تو اس کے متعلق کلام کیا جاسکتا ہے، حضور اقدس ﷺ کے کسی فعل کو قبح کی طرف منسوب کرنے سے اندیشہ کفر ہے۔ (جامع الوسائل) درحقیقت ایسے امور میں عادت کو بڑا دخل ہوتا ہے، جن کو عادت ہوتی ہے ان کو التفات بھی نہیں ہوتا، اس لئے اگر کسی کو کراہت طبعی اپنے فعل سے ہو بھی تب بھی عادت کی کوشش کرنا چاہئے۔ بندہ جب حیرانگاہ تھا تو وہاں کے بعض احباب نے جو ہندوستان کبھی نہیں آئے تھے مجھ سے نہایت ہی تعجب اور بڑی حیرت سے یہ پوچھا تھا،

محمد قال البحوري نعا لهماوي في الفرق بين هذه الرواية ورواية الحسين والصدائي المتقدمة أن الحديث مرسل في هذا الإسناد، وقال القاري: طاهره أنه موقوف عليه، ويختل رفعه. وليت شعري! كيف حكموا عليه بالإرسال أو الوقف وقد تقدم هذا السند مرفوعاً متصلاً في باب تكاثر رسول الله ﷺ وإنما كرره ههنا لاختلاف ترجمة الباب، فتأمل.
 هارون: هذا هو الحديث الذي أشار إليه المصنف أن غير ابن بشر رواه: 'يلعق أصابعه الثلاث'، ولم يظهر في وجهه في الفصل بالأحاديث بين روايتي ابن كعب، وكان حقه أن يذكر معه، ومثل هذا يسب إلى السباح، وللتوجيه مساع.

حدثنا أحمد بن مَنِيع، حدثنا الفضل بن دُكَيْنٍ، حدثنا مُصَنَّب بن سُلَيْم قال: سمعتُ أنس بن مالك ؓ يقول: أتى رسول الله ﷺ بتمر، فأثَّته يأكل، وهو مُقْعِع من الجُوع.

ہم نے سنا ہے کہ ہندوستان میں کوئی پھل آم کہلاتا ہے، اس کے متعلق ایسی گندی بات سنی ہے کہ حیرت ہوتی ہے، اس کو منہ میں لے کر چوسا جاتا ہے پھر باہر نکالا جاتا ہے، پھر اس کو منہ میں لے کر چوسا جاتا ہے پھر اس کو نکال کر دیکھتے ہیں، پھر منہ میں لے پیتے ہیں، غرض اس انداز سے وہ گھنٹ سے تعبیر کر رہے تھے جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان لوگوں کو اس تذکرہ سے قے ہو جائے گی۔ لیکن کسی ہندی کو کراہیت کا خیال بھی نہیں آتا۔ ایک اسی پر کیا موقوف ہے فیریٹی کا چچہ سارا منہ میں لے لیا جاتا ہے، پھر اسی لعاب کے بھرے ہوئے کورکابی میں ڈال دیا جاتا ہے، پھر دوبارہ اور سہ بارہ۔ اسی طرح اور سیکڑوں مناظر ہیں کہ ان کے عادی ہونے کی وجہ سے کراہیت کا داہمہ بھی نہیں ہوتا۔

(۵) انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس کھجوریں لائی گئیں تو حضور ان کو نوش فرما رہے تھے اور اس وقت بھوک کی وجہ سے اپنے سہارے سے تشریف فرما نہیں تھے بلکہ آڑوں بیٹھ کر کسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔ **فائدہ:** یعنی کمر کو دیوار وغیرہ کسی چیز سے ٹیک رکھتے تھے۔ کسی چیز پر ٹیک لگا کر کھانے کی احادیث میں ممانعت آئی ہے، لیکن اس جگہ پر چونکہ ضعف کے عذر سے تھا اس لئے نہ اس روایت پر ان احادیث کے خلاف کا اشکال ہو سکتا ہے جن میں ممانعت آئی ہے اور نہ اس روایت سے بلا عذر ٹیک لگا کر کھانے کا استحباب ثابت ہو سکتا ہے۔

مفع قال المدوي: أي: متساند إلى ما وراءه من لضعف حاصل له بسبب جوع، ففي قاموس: ألقى في جئوسه: تساند إلى ما وراءه، والحمية حال من فاعل "يأكل" وليس الإسناد من آداب الأكل، لأنه فعله لضرورة، وما تقرر عرف أنه ليس المراد ههنا لإقعاء مسنون في الصبوة، وهو: أن يحس عبي عقبه، ولا يكرهه في الصبوة، وهو: أن يحس عبي يتيهه ناصب فحديه. وسقط منه قول شارح: إن الإقعاء مكره في الصبوة دون ههنا. قال لقاري: فإذا كان الإقعاء به معان فيحمل إقعاؤه عبي ما ثنت من جئوسه عند أكنه، وقد ثنت لاحتفاء فتعين حمه عليه. ونقل الخوهرى عن المعويين ناخمع بن هيثمة الاحتفاء والتساند إلى وراءه، فعنى قوله: 'مقع من الجوع' أي: محتسا مسنداً إلى ما وراءه من الضعف الخاصل له بالجوع. من الجوع يشكك عليه ما ورد في رواية أبيه عن 'واصل من قوله: 'ربي أيت يصعمي ربي ويسقي، وجمع بينهما بوجه

باب ما جاء في صفة خبز رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن المثنى و**محمد بن بشار**، قالوا: **حدثنا محمد بن جعفر**، **حدثنا شعبة**، عن **أبي إسحاق** قال: سمعت **عبد الرحمن بن يزيد**، يحدث عن **الأسود بن يزيد**، عن **عائشة** رضي الله عنها، أنها قالت: ما **شبع آل محمد** رضي الله عنهم من **خبز الشعير** يومين متتابعين،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی روٹی کا ذکر

فائدہ: یعنی کس قسم کی روٹی کھانے کا آپ کا معمول تھا، اس باب میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات تک حضور کے اہل و عیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ **فائدہ:** یعنی کھجوروں سے اگرچہ اس کی نوبت آگئی ہو لیکن روٹی سے کبھی یہ نوبت نہیں آئی کہ مسلسل دو دن ملی ہو۔ لیکن اس پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ روایات سے ثابت ہے کہ حضور اقدس ﷺ اپنی بیویوں کا ایک سال کا نفقہ مرحمت فرما دیا کرتے تھے۔ اب ان دونوں روایتوں میں بظاہر تعارض ہے۔ علماء نے اس کی مختلف توجیہیں فرمائی ہیں، منجملہ اُن کے یہ بھی ہے کہ اس حدیث میں ”اہل“ کا لفظ زائد ہے اور مراد خود سرور کائنات ﷺ کی ذات بابرکات ہے اور اپنے لئے ذخیرہ ثابت نہیں۔ چنانچہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت باب کے اخیر میں اسی مضمون کی آ رہی ہے۔ بعض نے یہ بھی توجیہ فرمائی ہے کہ ذخیرہ تو حضور حوالہ فرما دیا کرتے تھے لیکن ازواج مطہرات بھی شوقِ ثواب میں سب صدقہ فرمادیتی تھیں۔ بندہ ناچیز کے نزدیک ان کے علاوہ دو توجیہیں اور ممکن ہیں لیکن چونکہ کسی بڑے کے

حبر [هو اسم لما يصنع من الدقيق المعجون بالماء والملح والمصح بالار] بالصم اسم ما يؤكل، وبالفتح مصدر بمعنى اصطباعه، والمراد الأول وقال ابن حجر: رعمه أن في الترجمة حداً، أي. حبر آل رسول الله ﷺ، ليطابق الحديث، باطل؛ لأن ما يأكله أنه هو حبره ويكون مسبوهاً إليه على أنه ﷺ داخل فيهم. **ال محمد**. يعني عياله الذين كانوا في مؤنته. وليس المراد بهم من حرمت عليهم الصدقة. قال ميرك: ويغتم أن لفظ الآن مقحم، ويؤيده أن المصنف أخرج في آخر الباب من طريق شعبة بلفظ: ”ما شبع رسول الله ﷺ“ فيحصل المطابقة بينه وبين الترجمة. قال الماوي: وما يأكله عياله يسمى حبره، فالحبر مطابق لترجمة.

حتى قبض رسول الله ﷺ. **حدثنا** عباس بن محمد الدوري، حدثنا يحيى ابن أبي بكير، حدثنا حريز بن عثمان، عن سليم بن عامر قال: **سمعت** أبا أمامة الباهلي يقول: ما كان يفضل عن أهل بيت رسول الله ﷺ خبز الشعير. **حدثنا** عبد الله بن معاوية الجمحي، حدثنا ثابت بن يزيد، عن هلال بن خباب، عن عكرمة، عن ابن عباس **رضي** الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يبيت الليالي المتتابعة طاولاً هو وأهله،

کلام سے منقول نہیں اس لئے حجت نہیں تاہم محتمل ضرور ہیں۔ اول یہ کہ سال بھر کا نفقہ اسی حساب سے ہو کہ مسلسل دو دن کی روٹی کا حساب نہ بیٹھتا ہو بلکہ کبھی روٹی، کبھی کھجوریں، کبھی فاقہ۔ دوسری توجیہ یہ کہ وہ نفقہ کیا عجب ہے کہ کھجوریں ہوں، اس حدیث میں اس کی نفی نہیں بلکہ روٹی کی نفی ہے۔

(۲) ابو امامہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے گھر میں جو کی روٹی کبھی نہیں پہنچتی تھی۔ **فائدہ:** یعنی جو کی روٹی اگر کبھی پکتی تھی تو وہ مقدار میں اتنی ہوتی ہی نہیں تھی کہ پہنچتی، اس لئے کہ پیٹ بھرنے کو بھی کافی نہیں ہوتی تھی اور اس پر حضور کے مہمانوں کی کثرت، اور اہل صفہ تو مستقل طور سے حضور کے مہمان تھے ہی۔

(۳) ابن عباس **رضي** الله عنه فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اور آپ کے گھر والے کئی کئی رات پے در پے بھوکے گزار دیتے تھے کہ رات کو کھانے کے لئے کچھ موجود نہیں ہوتا تھا۔ اور اکثری غذا آپ کی جو کی روٹی ہوتی تھی (گو کبھی کبھی گھیس کی روٹی بھی مل جاتی تھی)۔ **فائدہ:** حضرات صحابہ میں اگرچہ بعض لوگ ایسے تھے جو اہل ثروت تھے لیکن حضور اقدس ﷺ کے غایت اخفاء کی وجہ سے ان کو علم ہی نہیں ہوتا تھا، ایسے ہی اہل و عیال بھی اخفاء کرتے تھے۔

قبض إشارة إلى استمرار تلك الحالة طول مدة إقامته بالمدينة، وهي عشر سنين. الدوري بصم الدال المهمة وسكون الواو بعدها راء مهمة، سبة إلى مواضع، والدور محلة وقرية أيضاً بعداد. **حريز** بفتح حاء مهمة وكسر راء ونحبة ساكنة. حرره راي. كان ثبت ناصبياً، وعط من قال: له رؤية قاله اسوي. **ما كان يفضل** [ما كان يزيد عن كفايتهم] كناية عن عدم شعهم. **الجمحي** بصم الجيم وفتح مي، سبة خمع جبل بني نمير قاله الماوي عن القاموس. وقال في الأسبغ للسمعاني: سبة إلى بني جمح. قال صاحب المعني: هو جمع من عمر. **حباب** بفتح الحاء المعجمة وبشدائد الموحدة الأولى. والحديث أخرجه مصنف في جامعه بهذا السند وقال: حسن صحيح. **طاولاً** أي: حالي اسطى جائعاً، قال ميرك: طوي بالكسر يطوي: إذا جاع، وطوى بالفتح يطوي: إذا جوع نفسه قصداً.

لا یجلون عشاء، وكان أكثر خبزهم الشعير. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا عبيد الله بن عبد المجيد الحنفی، حدثنا عبد الرحمن - وهو ابن عبد الله بن دينار - حدثنا أبو حازم، **عن** سهل بن سعد، أنه قيل له: أكل رسول الله ﷺ النقي؟ - يعني الخواری - فقال سهل: ما رأى رسول الله ﷺ

(۴) سهل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی سفید میدہ کی روٹی بھی کھائی ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ حضور کے سامنے اخیر عمر تک کبھی میدہ آیا بھی نہیں ہوگا۔ پھر سائل نے پوچھا کہ حضور کے زمانہ میں تم لوگوں کے یہاں چھنیں تھیں؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں تھیں۔ سائل نے پوچھا پھر جو کی روٹی کو کیسے پکاتے تھے؟ (چونکہ اس میں تنکے وغیرہ زیادہ ہوتے ہیں) سهل نے فرمایا کہ اس کے آٹے میں پھونک مار لیا کرتے تھے، جو موٹے موٹے تنکے ہوتے تھے، وہ اڑ جاتے تھے باقی گوندھ لیتے تھے۔ **فائدہ:** اللہ الصمد، آج کل گیہوں کی روٹی بھی بغیر چنے کھانا مشکل سمجھا جاتا ہے، حالانکہ بغیر چنے آٹے کی روٹی زود ہضم بھی ہوتی ہے اور میدہ کی روٹی نہایت ثقیل، لیکن پھر بھی تنعم کے زور میں بہت سے گھرانوں میں یہ فضول رواج جاری ہو گیا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ سب سے پہلی بدعت جو اسلام میں آئی ہے وہ چھنیوں کا رواج ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ وہ بدعت ہے جو شرعاً سنت کے مقابل شمار کی جاتی ہے، بلکہ جدید رواج کے اعتبار سے بدعت کہہ دیا ہے، ورنہ اس کے جائز ہونے میں کوئی اشکال نہیں ہے۔

عشاء بالفتح، هو: طعام العشاء باكسر وهو. أحر النهار، والمعنى. لا يحدون ما يأكلونه في الليل، قال الماوي. قال شارح: فيه عدم الإثم في عدم إصدام الخانع حيث رصي أعياء الصحابة بكوهم جافعين وهو رمل، استعمر الله لثاقله، وكيف يض عفل تمكن اصحاب وما كانوا عليه من بدهم القوس دونه ﷺ، أنه يسمعهم دنت وسكوا، عه، بل كان ﷺ لشرف نفسه يبالغ في ستر ذلك عنهم. **الحنفي** سنة لني حيفة قبيلة من ربيعة، سكوا البمامة في عهده ﷺ. أكل. استصهام نحدف حرفه، وهي ثالثة في سحرة، قاله الماوي. **النقي**. [أحر النقي من اسحاة أي: المسحور دقيقه] بفتح نون وكسر قاف وتشديد تخية، يقال به بالفارسية: "ميدہ". **الخواری**. [ما خور من الدقيق مراراً، فهو خلاصة الدقيق وأبيضه] مدرج من الراوي في تفسير اللفظ، وهو بصم اخاء المهمله وتشديد الواو وفتح الراء في آخره ألف مقصورة، ماخوَر أي: يبيض من الدقيق نحلته مراراً، مأخوذ من التحوير، وهو: التبييض، وأخطأ من رعم تشديد ابياء. **سهل**: بالسين المهمله أي: ابن سعد المذكور، فما في بعض النسخ بلفظ "مهل" تصحيف.

النقي حتى لقي الله تعالى، فقيل له: هل كانت لكم مناخل على عهد رسول الله ﷺ؟ قال: ما كانت لنا مناخل، قيل: كيف كنتم تصنعون بالشعير؟ قال: كنا ننفضه، فيطير منه ما طار، ثم نَعِجُهُ. **حدثنا** محمد بن بشار، أخبرنا معاذ بن هشام، قال: حدثني أبي، عن يونس، عن قتادة، عن أنس بن مالك **رضي** الله عنه قال: ما أكل نبي الله ﷺ على خوان، ولا في سكرجة،

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا، نہ چھوٹی طشتیوں میں نوش فرمایا، نہ آپ کے لئے کبھی چپاتی پکائی گئی۔ یونس کہتے ہیں کہ میں نے قتادہ سے پوچھا کہ پھر کھانا کس چیز پر رکھ کر نوش فرماتے تھے؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہی چمڑے کے دسترخوان پر۔

فائدہ: یونس اور قتادہ جن کا ذکر ترجمہ میں آیا ہے وہ اس حدیث کی سند میں دو راوی ہیں۔ علامہ مناوی اور علا علی قاری **رحمہما اللہ** نے لکھا ہے کہ میز پر کھانا ہمیشہ سے متکبر لوگوں کی عادت رہی ہے۔ ”کوکب دُرّی“ میں لکھا ہے کہ ہمارے زمانے میں چونکہ اس میں نصاریٰ کے ساتھ تشبہ بھی ہے اس لئے مکروہ تحریمی ہے۔ تشبہ کا مسئلہ نہایت ہی اہم ہے، احادیث میں بہت کثرت سے اس پر مختلف عنوانات سے تنبیہ کی گئی ہے، کھانے میں، پینے میں، لباس میں حتیٰ کہ عبادات تک میں بھی اس سے روکا گیا ہے، جیسا کہ عاشورا کے روزے اور اذان کی احادیث میں کثرت سے یہ مضمون کتب حدیث میں مذکور ہے، مگر ہم لوگ اس میں خاص طور سے لاپرواہ ہیں۔ **فَاللّٰهُ الْمُسْتَكِي**۔

مباحل جمع منخل بصم الميم والحاء، وفتح الحاء لعة، اسم آلة على خلاف القياس، والمعنى: ما كانت لنا المناخل في عهد رسول الله، ولذا قيل: المنخل أول بدعة في الإسلام، وقد روي عن سهل في بعض طرق الحديث: ما رأى رسول الله ﷺ منخلًا من حين بعث إلى حين قبض. قال الحافظ ابن حجر: احتزر به عن قبل البعث؛ لأنه توجه عنه الشام مرتين، وأخبر النقي فيه كثير، وكذا المباحل. **حوالہ** [مرتفع، يُهَيَأُ لِيُؤْكَلَ الطَّعَامُ عَلَيْهِ كَالْمَائِدَةِ] قال القاري: المشهور فيه كسر المعجمة، ويحور صمها، وهو: المائدة مالم يكن عليه صعام، ويصق في المتعارف على ماله أرجل ويكون مرتفعاً عن الأرض، واستعمله من صبيع المترفين؛ لئلا يفتقروا إلى حفص الرأس عند الأكل، فالأكل عليه بدعة، فنت: بل فيه تشبه بالنصاري أيضاً.

سكرجة. [إاء صغير يوضع فيه الشيء ليقبل، المشهي بطعام، الهاضم كالسطة والمحل] بضم السين المهملة والكاف والراء المشددة المهملة، وقيل: انصواب فتح راءه: إاء صغير يؤكل فيه الشيء القليل.

ولا خُبْزَ له مَرَقٌ. قال: فقلت لقتادة: فعلى ما كانوا يأكلون؟ قال: على هذه السفرة. قال محمد بن بشر: يونس هذا الذي روى عن قتادة، هو يونس الإسكاف. **حدثنا** أحمد بن منيع، حدثنا عباد بن عباد المهلبي، عن مجالد، عن الشعبي، **عن** مسروق قال: دخلت على عائشة فدعت لي بطعام، وقالت: ما أشبع من طعام فأشاء أن أبكي إلا بكيت. قال: قلت: لم؟ قالت: أذكر الحال التي فارق عليها رسول الله ﷺ الدنيا، والله ما شبع من خبز ولا لحم مرتين في يوم واحد.

(۶) مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گیا، انھوں نے میرے لئے کھانا منگایا اور یہ فرمانے لگیں کہ میں کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاتی مگر میرا رونے کو دل چاہتا ہے پس رونے لگتی ہوں۔ مسروق نے پوچھا کہ کیوں رونے کو دل چاہتا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ مجھے حضور کی وہ حالت یاد آ جاتی ہے جس پر ہم سے مفارقت فرمائی ہے کہ کبھی ایک دن میں دو مرتبہ گوشت یا روٹی سے پیٹ بھرنے کی نوبت نہیں آئی۔

فعلى ما كذا في بعض نسخ الشماثل، وفي أكثرها على 'م'ميم مفردة، وحرف الجر إذا دخل على 'ما' الاستفهامية حذف الألف لكثرة الاستعمال، لكن قد ترد في الاستعمالات القليلة على الأصل، وأيضاً إذا اتصل اِحار بـ"ما" الاستفهامية المحذوفة الألف فيكتب بالألف، نحو: حتام وعلام وإلام.

السفرة [جمع سفرة، وهي: ما يتخذ من جلد مستدير، وله معاليق تصم وتفرج فتسمر عما فيها.] **يونس** لما لم يكن عند انصف ليونس هذا إلا هذا الحديث الواحد به عليه ليمبر عن غيره، سيما يونس بن عبد الصري أحد الثقات الكثيرين، فإن طبقة كليهما- على ما قانه الحافظ في الفتح - واحد، فقل عن شيخه محمد بن بشر: أن يونس اندي روى عن قتادة في هذا السند هو يونس الإسكاف، أي اس أي الفرات. والإسكاف بكسر الهمزة وسكون السين المهمة عنه، وهو صانع الخفاف والأحذية، وفي القاموس: الأسكف والإسكاف والأسكوف والسكاف والسيكف: الخفاف.

المهلبي: بتشديد اللام المفتوحة، نسبة إلى المهلب بن أبي صفرة أحد أجداده.

فأشاء قال القاري: ما شاء أي: أريد أن أبكي بأن لا أدفع الكاء عن نفسي إلا بكيت غمراً لتلك الشدة التي قاستها الحاصرة السوية، وقال الماوي: مرادها أنه ما يحصل من شبع إلا تسب عند مشيتي لسكاء فيوجد مي فوراً من حبر ولا لحم أي: مهما، ولا من أحدهما كما يشير إليه إعادة "لا" في قوها: 'ولا لحم' وقال انقاري: توينهما لتكثير قصداً للعموم، و"لا" رائدة لتأكيد النفي، وإذا لم يشبع منهما فالأولى أن لا يشبع من غيرهما من الأعنى كما لا يخفى.

حدثنا محمود بن غیلان، حدثنا أبو داود، قال: حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق قال: سمعت عبد الرحمن بن يزيد يحدث عن الأسود بن يزيد، **عن عائشة** رضی اللہ عنہا قالت: ما شبع رسول الله ﷺ من خبز الشعير يومين متتابعين حتى قبض. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا عبد الله بن عمرو أبو معمر، حدثنا عبد الوارث، **عن سعيد بن أبي عروبة**، عن قتادة، **عن أنس** رضی اللہ عنہ قال: ما أكل رسول الله ﷺ على خوان، ولا أكل خبزاً مرققاً حتى مات.

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نے تمام عمر میں کبھی جو کی روٹی سے بھی دو دن پے درپے پیٹ نہیں بھرا۔ **فائدہ:** یہ وہی حدیث ہے جو شروع باب میں گزر چکی، اتنا فرق ہے کہ وہاں سب گھر والوں کا ذکر تھا یہاں خود حضور کی ذات و صفات کا ذکر ہے، مال ایک ہی ہے کہ حضور کو اپنے اور اپنے گھر والوں کے لئے فقر ہی پسند تھا، اتنا ہوتا ہی نہیں تھا کہ سب پیٹ بھر سکیں، جو کچھ ہوتا تھا وہ غرباء پر تقسیم ہو جاتا تھا۔

(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نے کبھی اخیر تک میز پر کھانا تناول نہیں فرمایا اور نہ کبھی چپاتی نوش فرمائی۔ **فائدہ:** یہ حدیث بھی اسی باب کے نمبر ۵ پر گزر چکی ہے۔ روایات حدیث سے یہ بات تو تصریحاً ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے فقر کی حالت خود پسند فرمائی تھی اور جب حق تعالیٰ شانہ کی طرف سے کسی فرشتے کی زبانی حضور سے فقر و فاقہ اور ثروت و ریاست کے درمیان ترجیح پوچھی جاتی تو حضور پہلی ہی قسم کو پسند فرماتے، چنانچہ متعدد احادیث اس مضمون کی وارد ہیں۔ لیکن اس میں علماء کے دو قول ہیں کہ حضور ﷺ کے پسند فرمانے کی وجہ سے میسر ہی اتنا ہوتا تھا جس کا اوپر ذکر ہوا، یا باوجود میسر ہونے کے حضور تواضعاً تناول نہیں فرماتے تھے اور تقسیم فرما دیتے تھے۔

ابو معمر عطف بیان لعبد الله بن عمرو، فما وقع في بعض النسخ بواوین المؤدي إلى أهما راويان وبلغت "قالا" بالنثية سهو من الكاتب، قاله القاري، وهو عبد الله بن عمرو ابن أبي الحجاج لمقرئ المقعد المصري. **عبد الوارث** هو عبد الوارث بن سعيد بن دكوان، حرج له الجماعة، فقصر نظر من قال. لم توجد ترجمته فإنه المساوي. **مرققاً:** الرقاق بالضم: الخبز الرقيق، والرقيق نقيض الغليظ.

باب ما جاء في صفة إدام رسول الله ﷺ

کتاب، ما يؤتم به

حدثنا محمد بن سهل بن عسكر و عبد الله بن عبد الرحمن قالوا: حدثنا يحيى بن حسان، حدثنا سليمان بن بلال، عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن** عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله ﷺ قال: **نعم الإدام الخلّ**.

باب حضور اقدس ﷺ کے سالن کا ذکر

فائدہ: اس باب میں تیس سے زائد حدیثیں ہیں۔ بعض نسخوں میں اس باب میں ایک مضمون اور بھی ذکر کیا ہے، وہ یہ کہ سالن اور مختلف اشیاء کا ذکر جو حضور نے تناول فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ سرکہ بھی کیسا اچھا سالن ہے!۔ **فائدہ:** اس لحاظ سے کہ اس میں دقت و محنت نہیں ہوتی اور روٹی بے تکلف کھائی جاتی ہے، ہر وقت میسر آ جاتا ہے، نیز تکلفات سے بعید ہے اور دنیوی گزران میں اختصار ہی مقصود ہے۔ اس کے علاوہ سرکہ میں خصوص فوائد بھی بہت سے ہیں: سمیات کے لئے مفید ہے، بلغم اور صفراء کا قاطع ہے، کھانے کے ہضم میں معین ہے، پیٹ کے کیڑوں کا قاتل ہے، بھوک اچھی لگاتا ہے۔ البتہ سرد مزاج ہونے کی وجہ سے بعض لوگوں کو مضر ہوتا ہے لیکن اس لحاظ سے کہ بہترین سالن ہر وقت میسر آ سکتا ہے،

باب الخ هكدا في السح الموجودة، ريد في الترجمة في بعض السح "وما أكل من الألوان" كما حكاه القاري عن بعض السح المصححة. إدام [ما يساع به الحر ويصلح به الطعام فيشتمل الخامد كاللحم بحسب اللعبة، أما بحسب العرف فلا يسمى إداماً]. **نعم الإدام الخلّ** [لأن حصوله بدون جهد، متوفر بسهولة، عدم صياح الوقت، يهضم اصعاب، يقتل ديدان البطن، يقطع حرارة السموم]. قال في الدر المختار. والإدام: ما يصطبغ به الخبز إذا احتلط به كحل وريت إلخ فالحديث موافق لمسلكت الفقهاء، وقال ابن القيم: هذا ثناء عليه بحسب الوقت، لا لتفصيله على غيره؛ لأن سبه أن أهله قدموا له حيزاً فقال: أما من أدم؟ قالوا: ما عدنا إلا حل فقال ذلك جراً لقبولهم، لا تفصيلاً له على غيره، كذا في المساوي. قست: وفيه أنه وقع مدحه في بعض الروايات بدون هذا السبب أيضاً. الخلّ: [ما حمض من عصير العنب وغيره].

قال عبد الله بن عبد الرحمن في حديثه: "نِعِمُّ الْأُدَمُ - أو الإدام - الحَلَّ" **حدثنا** قتيبة، حدثنا أبو الأحوص، عن سيماء بن حرب قال: **سمعت** النعمان بن بشير يقول: أُلْسِمْ في طعام ^{سلام بن سيم} وشراب ما شِئْتُمْ؟ لقد رأيت نبيكم ﷺ. وما يجد من الدقل ما يملأ بطنه. **حدثنا** عبدة بن عبد الله الخُزَاعِي، حدثنا معاوية بن هشام، عن سفيان، عن ^{الردء الثمر} مُحَارِب بن دثار.

جتنی بھی مدح ہو قرین قیاس ہے۔ اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضور نوش فرماتے تھے اور یہ فرماتے تھے کیا ہی اچھا سالن ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور نے اس میں برکت کی دعا فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ پہلے انبیاء کا بھی یہ سالن رہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جس گھر میں سرکہ ہو وہ محتاج نہیں ہیں، یعنی سالن کی احتیاج باقی نہیں رہتی۔ جمع الوسائل میں ان روایات کو ابن ماجہ سے نقل کیا ہے۔

(۲) نعمان بن بشیر کہتے ہیں کیا تم لوگ کھانے پینے کی خاطر خواہ نعمتوں میں نہیں ہو؟ حالانکہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ معمولی قسم کی کھجوروں کی بھی اتنی مقدار نہ ہوتی تھی کہ جس سے شکم سیر ہو سکے۔ **فائدہ:** صحابی کا مقصود ترغیب دینا ہے حضور کے اتباع اور دنیا کی مختصر گیری کی۔ اور حدیث میں جب شکم سیر کھجوروں کی نفی ہو گئی تو روٹی سالن کا کیا ذکر، لہذا ترجمۃ الباب سے مناسبت بھی ظاہر ہو گئی۔

قال عبد الله هذا بيان مفرق في أفاظ شيخه محمد وعبد الله، بأن رواية محمد حارمة ورواية عبد الله نطق الشك، والمال واحد ما شِئْتُمْ قال الماوي: 'ما' معني مدي، بدل من 'طعام وشراب'، والعائد محذوف أي: ما شِئْتُمُوهُ، ووجهه القاري بتوجيهات. قال البيهقي أي أُلْسِمْ معمين في طعام وشراب بالمقدار الذي شِئْتُمْ من السعة والإفراط، والخطاب للناعبين أو بصحابة بعده ﷺ. **سَيَكُم** بصيغة "النبي إليهم" برأى لهم وسكبتنا وحقاً عني الناسي به في الإعراف عن لادبا ولدأفام، ولا فبه **سَيَكُم** كما أنه بي للمحاطين بي بقائل أيضاً، وقتل خالد مالت س بويرة ما قال به: كان صاحبكم يقول كذا، فقال: صاحباً وليس بصاحبك؟ فقتله. بل لأنه لمعه أنه ارتد، وتأكد ذلك هذه الكلمة. قاله القاري والماوي ما يملأ الخ معور "يحد"، و"ما" موصولة، و"من لدقل" بيان ما تقدم عليه، و"الدقل" بفتحين الثمر الرديء ويأسه. **محارب:** بصيغة اسم الفاعل، و"دثار" بكسر الدال المهملة وتخفيف المثناة.

عن جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: نِعِمَّ الإدام الحَلَلُ. **حدثنا** هناد، حدثنا وكيع، عن سفيان، عن أيوب، عن أبي قلابة، **عن** زهْدَم الجَرَمِي قال: كنا عند أبي موسى فأتني بلحم دجاج فتحنى رجل من القوم، فقال: مَالِك؟ فقال: إني رأيتها تأكل شيئاً ننتأ،
[أي حبباً ومستقذراً]

(۳) حضرت جابر رضي الله عنه بھی نقل کرتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ سر کہ بھی کیا ہی اچھا سالن ہے!۔ **فائدہ:** ممکن ہے کہ جس وقت حضور نے یہ ارشاد فرمایا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات موجود ہوں۔ اور اقرب یہ ہے کہ مختلف اوقات میں حضور نے یہ ارشاد فرمایا۔

(۴) زہدَم کہتے ہیں کہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھا ان کے پاس کھانے میں مرغی کا گوشت آیا، مجمع میں سے ایک آدمی پیچھے ہٹ گیا۔ ابو موسیٰ نے اس سے ہٹنے کی وجہ دریافت کی۔ اُس نے عرض کیا کہ میں نے مرغی کو گندگی کھاتے دیکھا تھا اس لئے میں نے مرغی نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ حضرت ابو موسیٰ نے فرمایا کہ آؤ اور بے تکلف کھاؤ، میں نے خود حضور اقدس ﷺ کو نوش فرماتے دیکھا ہے، اگر نا جائز یا ناپسند ہوتی تو حضور کیسے تنہا فرماتے۔

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ مباح شرعی کی تحریم نہیں کرنی چاہئے، اس لئے اپنی قسم کو توڑو اور سقارہ دو۔ مرغی جمہور ائمہ کے نزدیک جائز ہے البتہ جلالہ (گندگی کھانے والی مرغی) کو علماء نے مکروہ فرمایا ہے۔ مرغی حار و رطب ہوتی ہے، سر بلع البضم ہے، اخلاط اچھے پیدا کرتی ہے، دماغ اور جملہ اعضائے ربمیرہ کو قوت دیتی ہے، آواز بھی صاف کرتی ہے اور رنگ بھی خوشنما پیدا کرتی ہے، عقل کو بھی قوت دیتی ہے۔

نعم قال القاري: رواه أحمد ومسلم والثلاثة، وهو حديث مشهور كاد أن يكون متواتراً. **أي قلابة** بكسر قاف وخفيف اللام وبعد الألف موحدة، اسمه عبد الله بن زيد. **زهْدَم**: بفتح الزاء وسكون الهاء وفتح الدال المهملة. و"الجرمي" بالحليم المفتوحة والراء الساكنة: نسبة لقبيلة حرم كفلس. قال المصنف في الحامع: روي هذا الحديث من غير وجه عن زهْدَم، ولا نعرفه إلا من حديث زهْدَم. يعني مداره عليه. **بلحم**: قال الحفصي: مفعول قام مقام فاعله، وردّه ابن حجر فقال: نائب الفاعل ضمير إلى أبي موسى، ورعه أنه بلحم دجاج عبط فاحش، وتعقبه القاري فقال: في كونه غلط مفصلاً عن أن يكون فاحشاً بصر طاهر ووافق مساوي ابن حجر. **دجاج** بكسر الدال المهملة وحكي فتحها وضمها أيضاً. **رجل** قيل هو زهْدَم نفسه غيره بالعائث، وقيل: هو رجل آخر. ويؤيده الرواية الآتية، وسيأتي مفصلاً. **مالك** استفهام متضمن للإنتكار أي: أي باعث لك على ما فعلت من التحنى؟

فحلفتُ أن لا أكلها، قال: ادن، فإني رأيت رسول الله ﷺ يأكل لحم دجاج. **حدثنا** الفضل بن سهل الأعرج البغدادي، حدثنا إبراهيم بن عبد الرحمن بن مهدي، عن إبراهيم بن عمر بن سفيّنة، عن أبيه، **عن** جدّه، قال: أكلتُ مع رسول الله ﷺ لحم جُبّاري.

(۵) سفینہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ جباری کا گوشت کھایا ہے۔ **فائدہ:** جباری ایک پرندہ ہے۔ اس کے ترجمہ میں علماء مختلف ہوئے ہیں، بعض نے ”تقدری“ کیا ہے، بعض نے ”بیر“ اور بعض نے ”سرخاب“ اور بعض مترجمین نے ”چکا چکوئی“ کیا ہے۔ محیط اعظم میں لکھا ہے کہ جباری کو فارسی میں ”ہوبرہ“ اور ”شوات“ اور ”شوال“ کہتے ہیں۔ ترکی میں ”تو ندری“ اور ہندی میں ”چرز“ کہتے ہیں۔ جنگلی پرندہ ہے جس کا رنگ خاکی اور گردن بڑی اور پاؤں لمبے اور چونچ میں تھوڑی سی لمبائی ہوتی ہے۔ بہت تیز اڑتا ہے، اُس کو ”جرج“ بھی کہتے ہیں، یونانی لوگ اس کو ”غلوفس“ کہتے ہیں، جُشہ میں کونج اور مرغابی کے درمیان ہوتا ہے۔ صاحب لغات الصراح نے بھی جباری کا ترجمہ ”شوات“ لکھا ہے اور مظاہر حق میں ”تقدری“ لکھا ہے، جباری کا ترجمہ اور حضرات نے بھی ”تقدری“ لکھا ہے اس لئے یہی صحیح ہے۔ صاحب غیث نے ”تقدری“ اور ”چرز“ لکھا ہے، صاحب بحر الجولہ نے بھی ”تقدری“ اور ”چرز“ لکھا ہے، نیز یہ بھی لکھا ہے کہ اس کو ”سرخاب“ بھی کہتے ہیں۔ لیکن صاحب محیط نے سرخاب جس کو ”چکوہ“ بھی کہتے ہیں، دوسرا پرندہ لکھا ہے اور صاحب نفائس نے چکوہ اور سرخاب کی عربی ”نحام“ لکھا ہے اس لئے اقرب یہی ہے کہ سرخاب دوسرا جانور ہے۔ سفینہ حضور ﷺ کے مولیٰ کا لقب تھا، ان کو سفینہ اس لئے کہتے تھے کہ کشتی کی طرح سے سفر میں بہت ساسان اپنے اوپر لاد لیتے تھے۔

لحم الدجاج: [حار رطب، حفيف على المعدة، سريع الهضم، جيد اخلط، يربد في الدماغ، ولحم الديوك أسحر مراحاً وأقل رطوبة.] **الخباري** [طائر كبير العنق رمادي اللون على شكل الإوزة] ألغها للتأنيث يقع على الذكر والأنثى، والواحد والجمع، صائر طويل العنق، في مقاربه بعض صوب، رمادي اللون، شديد الطيران، يصرب به المثل فيقال: أصلب من الخباري. وهو أكثر الطيور حيلة في تحصيل الرزق، ولذا حصها في حديث أنس: أن الخباري ليموت هراً بدت ابن آدم، يعني أنه تعالى يحبس القطر. وإنما حصها بالذكر؛ لأنها أعد الطير نعمة، ولحمه حار يابس، بطبي الإهصام، نافع لأهل الرياضة والتعب. قال القاري: وأهل مصر يسمون الخباري 'أحرج' ويصرب به المثل في الحمق، وقيل: يوجد في بطنه حجر، إذا علق على شخص لم يحتلم ما دام هذا عليه. وكذا قال الدميري.

حدثنا علي بن حجر، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، عن أيوب، عن القاسم التميمي، عن زهّد الجرمي قال: كنا عند أبي موسى، قال: **فقدّم طَعَامُهُ وَقُدِّمَ فِي طَعَامِهِ لَحْمٌ دَجَاجٌ**، وفي القوم رجل من بني تميم الله أحمر، كأنه مولى،

بصم الراء

(۶) زہد کہتے ہیں کہ ہم ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس تھے، اُن کے پاس کھانا لایا گیا جس میں مرغی کا گوشت بھی تھا۔ مجمع میں ایک آدمی قبیلہ بنو تميم اللہ کا بھی تھا جو سُرخ رنگ کا تھا، بظاہر آزاد شدہ غلام معلوم ہوتا تھا، اُس نے یکسوئی اختیار کی۔ ابو موسیٰ نے اُسے متوجہ ہونے کو کہا اور آنحضرت ﷺ کے مرغی تناول فرمانے کا ذکر کیا۔ اس نے عذر کیا کہ میں نے اس کو کچھ ایسی ہی چیز کھاتے دیکھا جس کی وجہ سے مجھے اس سے کراہت آتی ہے، اس لئے میں نے اس کے نہ کھانے کی قسم کھا رکھی ہے۔ **فائدہ:** یہ وہی حدیث ہے جو پہلے مذکور ہوئی۔ اختلاف سند سے صورتاً قصہ میں کچھ اختلاف معلوم ہوتا ہے۔ شامل میں دونوں حدیثیں مختصر ذکر کی گئیں۔ بخاری شریف میں یہ لہذا قصہ ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پھر بھی یہی فرمایا کہ کھاؤ اور قسم کا کفارہ ادا کرو کہ حلال چیز کے نہ کھانے کی قسم کے کیا معنی۔

عن أيوب اختلف في هذا الحديث على أيوب، فروى عنه القاسم كما هها، وتقدم قريباً عنه عن أبي قلابة، وقد أخرج البخاري في فرض الخمس برواية حماد بن زيد عن أيوب عنهما. **التميمي** تميميين بينهما ياء، هو الصواب، وصححه في هامش المكتوبة، وما قال مولانا عصام وتبعه العلامة الماوي من تصويب لفظ التيمي؛ إذ قال: وفي بعض النسخ: "التميمي" وهو الظاهر؛ لأن أيوب من رواة القاسم بل محمد التيمي أحد الفقهاء السبعة، ليس بصواب، بل القاسم هذا هو قاسم بن عاصم التميمي، ويقال: الكبيسي بنون بعد التحية، حرم به القاري، وبه جرم الحافظ في الفتح والعيبي في شرح البخاري، وما قال الماوي. إن أيوب هذا من رواة القاسم بن محمد، فلا دليل فيه على أنه ليس من رواة قاسم بن عاصم، كيف! وقد عده في تلامذته أيضاً أصحاب الرجال، فتأمل. **فقدّم:** ببناء المجهول من التقدم أي: قدمه بعض خدمه.

ميم الله أي: عند الله من قوهم: تيمم الحب أي: دَلَّه وعنده، وهو تيمم الله بن ثعلبة، هي من بني بكر. قيل: هذا دليل على أن الممتع غير رهدم، فإن رهدم جرمي وهذا تيمي، ولا مانع من أنهما امتعا معاً، لكن الحافظ ابن حجر بسط الكلام ههنا ورجّح كونهما واحداً، وجوز انتساب رهدم إليهما معاً، قال الماوي والقاري في جمع الوسائل: لم يصب من رعم أن المهم ههنا هو رهدم بنفسه وغير عن نفسه "رجل". قلت: لكن الحافظ في الفتح ذكر روايات عديدة فيها التصريح بأن صاحب الحلف والقصة هو رهدم بنفسه، فارجع إليه لو شئت التفصيل، وإليه مال العبي في شرحه.

قال: فم يَدْنُ، فقال له أبو موسى: ادن، فإني قد رأيت رسول الله ﷺ أكل منه، فقال: إني رأيته يأكل شيئاً فقَدَرْتُهُ، فحلفت أن لا أطعمه أبداً. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا أبو أحمد الزبيري، وأبو نعيم قالوا: حدثنا سفيان، عن عبد الله بن عيسى، عن رجل من أهل الشام - يُقال له: عطاء - **عن** أبي أسيد قال: قال رسول الله ﷺ: كلوا الزيت وادهنوا به، فإنه من شجرة مباركة.

(۷) ابو اسيد کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زيتون کا تیل کھانے میں بھی استعمال کرو اور مالش میں بھی، اس لئے کہ بابرکت درخت کا تیل ہے۔ **فائدہ:** اس درخت پر مبارک کا اطلاق کلام اللہ شریف کی اس آیت میں آیا ہے: ﴿مِنْ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ يُؤْتِيهِمُ اللَّهُ مِنْهَا رِزْقًا حَسَنًا﴾ (سورہ: ۳۵) اور بابرکت ہونے کی وجہ میں علامہ کے اقوال مختلف ہیں: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اکثر شام میں پیدا ہوتا ہے اور وہ زمین اس لئے بابرکت ہے کہ اس میں ستر نبی مبعوث ہوئے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ برکت کا اطلاق اس لئے ہے کہ اس میں منافع بہت ہیں، چنانچہ ابو نعیم نے نقل کیا ہے کہ اس میں ستر بیماریوں کی شفا ہے جن میں سے ایک جذام بھی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کی ہر چیز میں منافع ہیں، اس کا تیل جلانے کے کام میں آتا ہے، کھانے کے کام میں آتا ہے، دباغت کے کام میں آتا ہے، ایندھن جلانے کے کام میں لایا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی راکھ ریشم دھونے کے لئے خاص طور سے مفید ہے۔ کہتے ہیں کہ اس کے درخت کی عمر بہت ہوتی ہے، چالیس سال کے بعد تو پھل لاتا ہے اور ایک ہزار برس کی عمر اکثر ہوتی ہے۔ اس کے منافع طب کی کتب میں بکثرت ذکر کیے گئے ہیں۔

فقال إِبْنُ يَحْيَى: يخالف الرواية السابقة في أن قوله هناك متأخر لقول أبي موسى: إني رأيته ﷺ، إجماعاً واجمع ممكن بتعدد قوله: 'ادن'، بل هو متعين؛ لأنه قال له حين سحى 'ادن'، وما نعل مما نعل قال له 'ادن فإني'، قاله المقرئ. رُحل إِبْنُ يَحْيَى هو عطاء الشامي الراوي حديث الادهان، قال البخاري: لم يقم حديثه، وذكره العفيلي في الصعفاء، وذكره ابن حبان في الثقات. **أبي أسيد** هذا مفتاح اهمره وكسر السين، ولا يصح ما قيل فيه: بضم اهمره مضعراً، ليس له هذا الحديث الوحد، وهو غير أبي أسيد اسماعيلي الصحيح مشهور. وقال المصنف في جامعه بعد هذا الحديث: هذا حديث عريب من هذا الوجه، إنما يعرفه من حديث عبد الله بن عيسى **مباركة** [أي أول شجرة سنت في الدنيا، وأول شجرة سنت بعد الطوفان، وسنت في منازل الأسياء والأرض المقدسة، ودعاها سبعون سباً بالبركة، فقد قال ابن عباس ر في الریتون منافع كثيرة، إدام، ودهان، ودباغ، ويوقد محصه، ويبس شيء منه، ولا وفيه منفعة حتى ارماد يعسل به الإبريسم.

حدثنا يحيى بن موسى، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا معمر عن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن عمر بن الخطاب (۸) قال: قال رسول الله ﷺ: **كلوا الزيت وادهنوا به**، فإنه من شجرة مباركة. قال أبو عيسى: وعبد الرزاق كان يضطرب في هذا الحديث، فربما أسنده، وربما أرسله. **حدثنا** السنجي وهو أبو داود سليمان بن معبد المروزي السنجي، حدثنا عبد الرزاق، عن معمر، عن زيد بن أسلم، عن أبيه، عن النبي ﷺ نحوه، ولم يذكر فيه "عن عمر". **حدثنا** محمد بن بشر، حدثنا محمد بن جعفر، وعبد الرحمن بن مهدي قالوا: حدثنا شعبة، عن قتادة، عن أنس بن مالك (۹) قال: كان النبي ﷺ **يُعجبه الدباء**،

(۸) حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور مالش میں استعمال کرو اس لئے کہ وہ مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے۔ **فائدہ:** ان روایات کو حضور کے معمولات میں ذکر کرنا اس وجہ سے ہے کہ جب حضور نے اس کی ترغیب دی ہے تو خود استعمال فرمانا ظاہر ہے۔

(۹) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو کدو مرغوب تھا۔ ایک مرتبہ حضور کے پاس کھانا آیا، یا حضور کسی دعوت میں تشریف لے گئے (راوی کو شک ہے کہ یہ قصہ کس موقع کا ہے) جس میں کدو تھا۔ چونکہ مجھے معلوم تھا کہ حضور ﷺ کو یہ مرغوب ہے اس لئے اس کے قتلے ڈھونڈ کر میں حضور کے سامنے کر دیتا تھا۔

معمر بفتح الميمين يسهما عين مهملة ساكنة. **واذهنوا به** [أي: في سائر البدن لمن وافق مزاجه وعادته وقد رعى استعماله]. **فرعاً** إلخ عرص المصنف: بيان الاضطراب في هذا الحديث، في وصله وإرساله، فروى أولاً موصولاً برواية يحيى عن عبد الرزاق، ثم ذكر بعده بطريق السنجي عن عبد الرزاق مرسلًا، وقال في جامعه. هذا حديث لا يعرفه إلا من حديث عبد الرزاق عن معمر، وكان عبد الرزاق يضطرب في رواية هذا الحديث فرعا ذكر فيه: عن عمر عن النبي ﷺ. وربما رواه عن الشك فقال: أحسنه عن عمر عن النبي ﷺ، وربما قال: عن زيد بن أسلم عن أبيه عن النبي ﷺ مرسلًا.

السنجي بكسر السين المهملة وسكون اللون: نسبة إلى سنج قرية من قرى مرو و"معبد" بفتح الميم وسكون العين المهملة وفتح الموحدة. الدباء بضم الدال وتشديد الموحدة وبالمد على الأشهر، وحكي القصر أيضاً وأكبر، وقيل: حاص بالمستدير منه.

فَأَتَى بِطَعَامٍ أَوْ دَعَى لَهُ، فَجَعَلْتُ أَتَّبِعُهُ فَأَضَعُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ؛ لَمَّا أَعْلَمَ أَنَّهُ يُحِبُّهُ. **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ غِيَاثٍ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَابِرٍ،

فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ اگر برتن میں مختلف چیزیں ہوں تو اپنے علاوہ دوسری جانب سے بھی کسی مرغوب چیز کے اٹھالینے میں کچھ حرج نہیں بشرطیکہ ساتھی کو کراہت نہ آئے۔ ڈھونڈ کر پیش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ شور باز یا دہ رکھنے کا معمول تھا۔ حضور نے اس کی ترغیب بھی فرمائی ہے کہ شور باز یا دہ رکھا کرو کہ پڑوسی بھی منتفع ہو سکے۔

أَوْ دَعَى شَكَّ مِنَ الرَّاوي أَنَسُ أَوْ مِنْ دُونِهِ، وَالصَّمِيرُ لِلطَّعَامِ أَيُّ: دَعَى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **يُحِبُّهُ** قَبْلَ كَانِ سَبِّ مَحَبَّتِهِ ﷺ لَهُ مَا فِيهِ مِنْ إِعَادَةِ زِيَادَةِ الْعَقْلِ وَالرَّطُوبَةِ الْمَعْتَدِلَةِ وَمَا كَانَ يَلْحَظُهُ مِنَ السَّرِّ الدِّي أَوْ دَعَى اللَّهُ فِيهِ إِذَا حَصَصَ بِالْإِنْسَانِ عَلَى يُونُسَ **أَيُّ** حَتَّى تَرَى فِي ظِلِّهِ فَكَانَ لَهُ كَالْأَمِّ الْخَاصَّةِ لَوْلَاهَا. **غِيَاثٌ** مَعْجَمَةٌ مَكْسُورَةٌ فَتْحِيَّةٌ ثُمَّ مَثَلَةٌ. **حَكِيمٌ** مَتَّحٍ حَاءٍ مَهْمَلَةٌ وَكَسْرٌ كَافٍ، قَلِيلُ الْحَدِيثِ.

عن "أبيه، قال: دخلت على النبي ﷺ فرأيت عنده دُبَاءٌ يَقْطَعُ، فقلت: ما هذا؟ قال: نُكْثَرُ به طعامنا. قال أبو عيسى: وجابر هذا: هو جابر بن طارق - ويقال: ابن أبي طارق - وهو رجل من أصحاب رسول الله ﷺ. **ولا يُعرف** له إلا هذا الحديث الواحد، وأبو خالد اسمه سعد. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس، عن إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة، أنه **سمع** (۱۱) أنس بن مالك **يقول**: إن خياطاً دعا رسول الله ﷺ لطعام صنعه،

(۱۰) جابر بن طارق **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جا رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ اس کا کیا بنے گا؟ فرمایا کہ اس سے سالن میں اضافہ کیا جائے گا۔ **فائدہ**: کدو کے فوائد بھی علماء حدیث نے بہت سے لکھے ہیں، اور طب کی کتابوں میں بھی بہت سے منافع لکھے ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ بھی ہے کہ عقل کو تیز کرتا ہے، دماغ کو قوت دیتا ہے۔

(۱۱) حضرت انس **رضی اللہ عنہ** فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی ایک مرتبہ دعوت کی، میں بھی حضور کے ساتھ حاضر ہوا۔ اُس نے حضور کی خدمت میں جو کی روٹی اور کدو گوشت کا شوربا پیش کیا، میں نے حضور کو دیکھ کر پیالہ کے سب جانوں سے کدو کے ٹکڑے تلاش فرما کر نوش فرما رہے ہیں۔ اس وقت سے مجھے بھی کدو مرغوب ہو گیا۔

فائدہ: حضرت انس **رضی اللہ عنہ** کی خود بھی دعوت ہوگی یا حضور اقدس ﷺ کے ساتھ خادمیت میں چلے گئے ہوں گے، اس میں بھی کچھ مضائقہ نہیں بشرطیکہ داعی کو گراں نہ ہو۔ حضرت انس **رضی اللہ عنہ** کا یہ ارشاد کہ مجھے اس وقت سے کدو سے رغبت ہو گئی،

يقطع. من التقطيع، وهو: جعل الشيء قطعة قطعة، وباب التفعيل للتكثير. قال أبو عيسى لما كان جابر بن عبد الله هو المشهور من الصحابة، والمطلق يصرف إلى المشهور، ثم المصنف على أن هذا رجل آخر، صحابي غير داك المشهور. **ويقال** إلخ. هو جابر بن طارق، فقد يسيب إلى أبيه وقد يسيب إلى جده فيقال: جابر بن أبي طارق، كذا في الإصابة قاله المناوي. **ولا يعرف**. بساء مجهول على العائ، وبساء المعلوم على المتكلم روايتان. قلت: وفيه أن الحافظ ذكر له حديث آخر في الإصابة **حياطا** قال العسقلاني لم أقف على تسميته، لكن في رواية: أنه مولى المصطفى ﷺ قاله القاري والمناوي. قلت: ولم يلفظ البحاري برواية ثمانية عن أنس: أن رسول الله ﷺ أتى مولى له حياطاً، الحديث.

فقال أنس: فذهبتُ مع رسول الله ﷺ إلى ذلك الطعام، فقتربَ إلى رسول الله ﷺ خبزاً من شعير، ومَرَقاً فيه دُبَّاء وقَدِيدٌ. قال أنس: فرأيت النبي ﷺ يَتَّبِعُ الدُّبَّاءَ حَوَالِي الصَّحْفَةِ، فلم أَرَل أَحَب الدُّبَّاءَ من يومئذٍ. **حدثنا** أحمد بن إبراهيم الدُّورَقِيُّ وسَلْمَةُ بن شَيْبٍ ومحمود بن عِيْلَان قالوا: أخبرنا أبو أسامة، عن هِشَام بن عروة، عن أبيه، **عن** عائشة ؓ قالت: كان النبي ﷺ يُحِبُّ الحَلْوَاءَ والعسل. **حدثنا** الحسن بن محمد الرَّعْفَرَانِيُّ، أخبرنا حجاج بن محمد قال: قال ابن جريج: أخبرني محمد بن يوسف،

عبد المثلث

اس محبت کا ثمرہ ہے جو ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھی، اور محبت کا مقتضی یہی ہے کہ محبوب کی ہر اداسی ہو، اس کی ہر بات دل میں جگہ کرنے والی ہو، جس درجہ کی محبت ہوگی اسی مرتبہ میں محبوب کے اثرات کے ساتھ شغف ہوگا، لیکن اللہ کی شان ہے کہ آج حضور کے ساتھ محبت کے دعویداروں کو حضور جیسی صورت بنانا بھی پسند نہیں۔ یہیں تفاوت رہ از کجاست تا کجا۔

(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو میٹھا اور شہد پسند تھا۔ **فائدہ:** بظاہر حدیث میں حلوے سے مراد ہر میٹھی چیز ہے لیکن بعض لوگوں نے اس سے متعارف حوا مراد لیا ہے جو مٹھائی اور گھی وغیرہ سے بنایا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حوا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بنوا کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا اور حضور نے اس کو پسند فرمایا۔ یہ حلوہ آئے اور شہد اور گھی سے بنایا گیا تھا۔ شکر کا اس زمانہ میں کچھ ایسا دستور نہ تھا اس لئے میٹھی چیز عموماً شہد یا کھجور سے بنائی جاتی تھی۔

فدھت: قال القاري: يعني يطلب مخصوص أو تعال له لكونه حادماً له **حوالي:** بفتح اللام وسكون التحيّة، مفرد مثنى الصورة بمعنى جوارب قنّه مساوي، فهو مفرد لمطأ ومثنى صورة وجمع معنى، قال القاري: حوالي بفتح اللام وسكون الياء، وإنما كسر ههما لالتقاء الساكنين. **الحلواء:** بالمد ونحوه قصره جمعه اخلاوي، قيل: هو كل شيء فيه حلوة، وقوله العسل تحصيل بعد تعميم، وقيل: المراد بها الخبيث، وهو: ثمر يعجن بالنس، وقيل: ما صُنع من الصّعام مخلو، وقد يطلق على الفاكهة، وقال الخطابي: تختص بما دحنته الصّعة **الرّعفراني** بفتح الغاء، مسوب إلى قرية يقال لها. الرّعفرانية.

أن عطاء بن يسار **أخبره**: ^{۱۳} "أن أم سلمة أخبرته: أها قرّبت إلى رسول الله ﷺ جنباً مشوياً، فأكل منه، ثم قام إلى الصلوة وما توضأ. **حدثنا** قتيبة، **حدثنا** ابن لهيعة، عن سليمان بن زياد، **عن** عبد الله بن الحارث قال: أكلنا مع رسول الله ﷺ شواء في المسجد. **حدثنا** محمود بن غيلان، أنبأنا وكيع، **حدثنا** مسعر، عن أبي صخرة جامع بن شدّاد، **عن** المغيرة بن عبد الله، **عن** المغيرة بن شعبة **رضي الله عنه**."

(۱۳) حضرت ام سلمہ **رضی اللہ عنہا** فرماتی ہیں کہ انھوں نے پہلو کا بھنا ہوا گوشت حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، حضور نے تناول فرمایا اور پھر بلا وضو کیے نماز پڑھی۔ **فائدہ**: بعض روایات سے آگ سے پکی ہوئی چیز کا ناقض وضو ہونا معلوم ہوتا ہے اور یہی مذہب بعض علماء متقدمین کا ہے، لیکن خلفائے اربعہ اور ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ جو احادیث وجوب وضو پر دلالت کرتی ہیں وہ منسوخ ہیں یا مؤول ہیں۔ حضرت ام سلمہ **رضی اللہ عنہا** کی یہ حدیث بھی جمہور کی تائید کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے نیا وضو کیے بغیر نماز پڑھی۔

(۱۴) عبد اللہ بن حارث **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بھنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا۔ **فائدہ**: اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ مسجد میں کھانا پینا جائز ہے بشرطیکہ ریزہ وغیرہ سے مسجد خراب نہ ہو ورنہ مکروہ ہوگا، اور ممکن ہے کہ یہ حالت اعتکاف کا ذکر ہو کہ حضور کا معمول ہر سال اعتکاف کرنے کا تھا اور اس صورت میں مسجد میں کھانا پینا ظاہر ہے۔

(۱۵) مغیرہ بن شعبہ **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ میں ایک رات حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مہمان ہوا، کھانے میں ایک پہلو بھنا ہوا لایا گیا، حضور چاقولے کر اس میں سے کٹ کٹ کر مجھے مرحمت فرما رہے تھے، اسی دوران میں حضرت بلال **رضی اللہ عنہ** نے آکر نماز کی تیاری کی اطلاع دی، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ خاک آلودہ ہوں اس کے دونوں ہاتھ، کیا ہوا اس کو کہ ایسے موقع پر خبر کی! اور پھر چھری رکھ کر نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ مغیرہ کہتے ہیں کہ دوسری بات میرے ساتھ یہ پیش آئی کہ میری مونچھ بہت بڑھ رہی تھی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ لاؤ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دوں، یا یہ فرمایا کہ مسواک پر رکھ کر ان کو کتر دو۔

شواء بكسر أوله ممدوداً أي: مشوياً، والمراد: مع الخبز كما في رواية قاله القاري. **صخرة** بفتح صاد مهملة وسكون خاء معجمة بعدها راء مهملة، قيل: وفي بعض الأصول أبو صخرة معجمة وميم. قلت: وبالمهملة، كناه أهل الرجال.

کسی راوی کو الفاظ میں شک ہے کہ کیا لفظ فرمائے۔ فائدہ: اس حدیث میں چند مضمون قابل تنبیہ ہیں اول یہ کہ حضور کے ساتھ مہمان ہوا، اس کے مطلب میں علماء کے دو قول ہیں اور روایت مختلفہ سے دونوں کی تائید ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ ”ساتھ“ کا لفظ زائد ہے اور مقصود یہ ہے کہ میں حضور کا مہمان بنا اور حضور نے میزبانی کے مد میں پہلو کا گوشت بھنویا اور کاٹ کاٹ کر کھلایا، جامع ترمذی شریف کی روایت اس مضمون کے کچھ زیادہ مناسب ہے اور ابو داؤد کی روایت تو گویا اس مضمون میں صریح ہے جس کے لفظ یہ ہیں کہ میں حضور ﷺ کا مہمان بنا۔ دوسرے یہ کہ میں اور حضور اقدس ﷺ دونوں کسی تیسرے شخص کے مہمان ہوئے، ”ساتھ“ کا لفظ روایات میں اس کی تائید کرتا ہے، اس صورت میں حضور کا کاٹ کر کھانا تالیفِ قلوب کے لئے تھا۔ تیسرا مطلب بعض لوگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ میں نے حضور کو اپنا مہمان کیا، مگر یہ صحیح نہیں۔ بندہ کے نزدیک اقرب یہ ہے کہ میں حضور کا مہمان تھا اور حضور اقدس ﷺ کی مع مہمانوں کے کسی جگہ دعوت تھی، جیسا عام دستور ہے کہ اکابر کی دعوت بمع خدام و مہمانان ہوتی ہے، اس صورت میں ابو داؤد اور ترمذی دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ یہ اصل میں حضور کے مہمان تھے اور حضور کی اس وقت مع مہمانوں کے دعوت کی وجہ سے یہ اور حضور اقدس ﷺ دونوں دوسرے کے مہمان تھے۔ دوسرا مضمون چاقو سے کانٹے کے متعلق، ابو داؤد شریف اور بیہقی کی روایات میں چاقو سے کانٹے کی ممانعت بھی آئی ہے۔

علماء حدیث نے ان دونوں حدیثوں کے درمیان مختلف طریقوں سے جمع اور تطبیق فرمائی ہے۔ سہل یہ ہے کہ وہ ممانعت چاقو سے کھانے کی ہے، اور یہ واقعہ چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے کا ہے۔ اگر گوشت اچھی طرح نہ گلا ہو تو چاقو سے کاٹ کر ہاتھ سے کھانے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اور ضابطہ کی بات یہ ہے کہ جس چیز میں اجازت اور ممانعت دونوں پائی جاتی ہوں اور وجوہ ترجیح میں سے کوئی وجہ نہ ہو تو قاعدہ کے موافق ممانعت کو ترجیح ہوا کرتی ہے۔ یہ ضابطہ مستقل ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جس حدیث میں ممانعت وارد ہوئی ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ چاقو سے گوشت نہ کانا کرو یہ عجیبوں کا (یعنی کفار کا) طریقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت اُس طریق میں ہے جس میں کفار سے تشبہ ہوتا ہو، مطلقاً چاقو سے کانٹے کی ممانعت نہیں ہے، اور کفار کے ساتھ تشبہ سے بچنے کی تاکید تو سیکڑوں احادیث میں ہے۔ تیسری بات حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو جو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے یہ الفاظ تنبیہ سے ہے، ایسے الفاظ کے معنی مقصود نہیں ہوتے، ملامت اور تنبیہ مقصود ہوتی ہے۔ ہر زبان میں اس قسم کے الفاظ ڈانٹنے کے موقع میں مستعمل ہوتے ہیں۔

قال: ضيفت مع رسول الله ﷺ ذات ليلة، فأقي بجانب مشوي، ثم أخذ الشفرة، فجعل يحز لي بها منه.
الحز عمى القطع

اگرچہ اس جگہ پر بعض علماء نے حضور کے الفاظ ہونے کی وجہ سے اس کے نفیس نفیس معنی بھی بتلائے ہیں، لیکن ظاہر صرف تنبیہ ہے، اور تنبیہ اس امر پر تھی کہ جب حضور اقدس ﷺ ایک مہمان کی وجہ سے اس کے اہتمام میں مشغول تھے تو اس کے درمیان میں اطلاع نہ کرنی چاہئے تھی بلکہ فراغت کا انتظار مناسب تھا جب کہ نماز کے وقت میں مگنائش بھی تھی۔ چوتھی بات لیوں کے کانٹے کے متعلق، ظاہر یہی مطلب ہے جو ترجمہ میں لکھا گیا کہ مغیرہ کی لبیں بڑھی ہوئی تھیں اور حضور نے لگنے کے بجائے سواک رکھ کر کانٹے کے متعلق ارشاد فرمایا۔

بعض شراح حدیث اس طرف گئے ہیں کہ حضور کی اپنی لبیں مراد ہیں لیکن ابو داؤد شریف کی روایت میں تصریح ہے کہ میری لبیں بڑھی ہوئی تھیں جن کو حضور اقدس ﷺ نے کاٹ دیا۔ متعدد احادیث میں نبی کریم ﷺ کا ارشاد مختلف الفاظ سے وارد ہوا ہے جس میں ڈاڑھی کے برہانے کا حکم ہے اور مونچھوں کے کانٹے میں مبالغہ کرنے کی تاکید ہے۔ اسی وجہ سے ایک جماعت علمائے سلف کی اس طرف گئی ہے کہ مونچھوں کا منڈانا سنت ہے، لیکن اکثر علماء کی تحقیق یہ ہے کہ کتر و اتاسنت ہے لیکن کتر و اتانے میں ایسا مبالغہ ہو کہ مونڈنے کے قریب ہو جائے۔

ضفت إلخ: معناه: نزلت أنا ورسول الله ﷺ ضيفين على إنسان، ولفظ أبي داود: ضفت النبي ﷺ، وفي النهاية: ضفت الرجل إذا نزلت به في ضيافته، وأضيفته إذا أنزلته، وفي القاموس: ضفته أضيفه: نزلت عليه ضيفاً، فظاهر لفظ أبي داود أن المغيرة كان ضيفاً له. قال القاري: الظاهر أن لفظ "مع" في رواية الترمذي مقحمة، وقال الشيخ في البذل تحت رواية أبي داود بلفظ: ضفت النبي ﷺ: أي نزلت عليه ضيفاً لأنه لم يكن من أهل المدينة ولا بأوي إلى أهل ولا مال. قلت: ويمكن الجمع بينهما عندي: بأن المغيرة كان ضيفه ﷺ كما هو نص لفظ أبي داود: وكان النبي ﷺ مع ضيوفه مدعوا عند أحد. قال القاري: وقد وقعت هذه الضيافة في بيت صباغة بنت الزبير بن عبد المطلب أمة عم النبي ﷺ، كذا أفاده القاضي إسماعيل، وقال العسقلاني: يحتمل أنها كانت في بيت ميمونة، وأما ما قاله بعضهم من أن المراد جعلته ضيفاً لي حال كوني معه فغير صحيح؛ لما يأتاه معنى "ضفت" لغة.

الشفرة: بفتح الشين المعجمة وسكون الفاء: هي السكين العريض الذي امتنن بالعمل، قال المناوي: هي السكين العريض العظيم، جمعه شعار ككلب وكلاب، وشفرات كسحدة وسحدرات. بحر: بتشديد الزاء من الحز بماء مهملة، القطع، قال في المصباح وغيره: الحزة: القطعة من اللحم تقطع طولاً.

قال: فجاء بلال يؤذنه بالصلوة، فألقى الشفرة، فقال: ماله؟ تربت يداه. قال: وكان شاربہ
قد وفى، فقال له: أقصه لك على سواك - أو قصه على سواك. **حدثنا** واصل بن عبد الأعلى،
حدثنا محمد بن الفضيل، عن أبي حيان التيمي، عن أبي زرعة، عن **أبي هريرة** رضي الله عنه

(۱۶) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی خدمت میں کہیں سے گوشت آیا، اس میں سے دست (یعنی ہونگ) حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کو دست یعنی ہونگ کا گوشت پسند بھی تھا۔ حضور نے اس کو دانتوں سے کاٹ کر تناول فرمایا (یعنی چھری وغیرہ سے نہیں کاٹا)۔ **فائدہ:** دانتوں سے کاٹ کر کھانے کے ترغیب بھی حضور نے فرمائی ہے، چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ کر کھایا کرو کہ اس سے ہضم بھی خوب ہوتا ہے اور بدن کو زیادہ موافق پڑتا ہے۔

يؤذنه هذا وأما دليل حوار التثويب، وهو: الإعلام بالصلوة بعد الأذان، قال صاحب هدية: التثويب في مخرج حي على الصلوة حي على الفلاح من بين الأذان والإقامة حسن؛ لأنه وقت يوم وعقلة، وكره في سائر الصلوات، وهذا تثويب أحدثه علماء الكوفة بعد عهد لصحابة، تغير الأحوال، وحصول الفجر به ما ذكرنا، والمتأخرون استحسوه في الصلوات كلها؛ لظهور اتوائ في الأمور الدينية كذا في الأوجز، وفيه أيضاً عدة روايات في الباب تدل على حواره. **بداهة** أي لصقت بالتراب من شدة الفقر، هذا أصله، قال الرمحي: الأصل فيما جاء من كلامهم من هذا ونحوه، كـ "قاتلت الله"، "وأحرك الله" لتعجب من شدة الفقر، بأن ذلك الفعل بالغ من السدرة والعرابة المبلغ الذي يحق لسامعه أن ينافسه حتى يدعو عليه تصحراً وتحسراً، ثم كثر حتى استعمل في كل موضع استعجاب أو رجح أو تنبه. قال المصنف: فيحتمل أنه كره تأديبه مع بقاء الوقت لإيادته الصيف وكسر حاضره، وقال القاري: كأنه **كره** إياديه بالصلوة وهو مشغل بالعشاء، والحال أن الوقت متسع. **ساربه** الضمير إلى المعيرة، حرم به القاري، وقال المصنف: ونعمه الليجوري أي شارب بلال، وقال القاري: يحتمل أن يكون الضمير لرسول الله، ومعنى قوله: أقصه لك أي لأجلت تترك به قلت. والأول المتعين؛ ما في رواية لأبي داود: وكان شارب في وقصه بي على سواك. قد وفى [أي. صار وأشرف على همه]. **أبي حيان** معمله وتحتية مشددة، هو يحيى بن سعيد الكوفي، منسوب إلى تيم الرباب، كذا في الشروح والنسخ، وقال القاري: وفي نسخة صحيحة "تيمي" تيمي. **أبي زرعة** بضم الزاء المعجمة وسكون الراء المهملة، اختلف في اسمه على أقوال.

قال: أتى النبي ﷺ بلحم فرفع إليه الذراع - وكانت تُعجبه - فنهس منها. **حدثنا** محمد بن بشار، **حدثنا** أبو داود، عن زهير - يعني ابن محمد - عن أبي إسحاق، عن سعد بن عياض، **عن** ابن مسعود رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ يُعجبه الذراع.

(۔) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو ذراع یعنی دست کا گوشت مرغوب تھا اور اسی میں حضور اقدس ﷺ کو زہر دیا گیا۔ گمان یہ ہے کہ یہود نے زہر دیا تھا۔ **فائدہ:** فتح خیبر میں ایک یہودی عورت کو جب یہ معلوم ہوا کہ آپ کو دست کا گوشت یعنی بونگ مرغوب ہے تو ایک بکری کا گوشت بھونا اور اُس میں بہت زیادہ زہر ملا دیا اور دست میں خصوصیت سے بہت زیادہ زہر قتل بھر کر حضور ﷺ کی دعوت کی اور سامنے پیش کیا۔ حضور ﷺ نے لقمہ منہ میں رکھا لیکن نگلنے کی نوبت نہیں آئی تھی یا کچھ نگل بھی لیا تھا کہ اُس کو تھوک دیا، اور ارشاد فرمایا کہ اس گوشت نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس میں زہر ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ اثر پہنچ گیا تھا۔ چنانچہ اس کا سخی اثر کبھی زور کرتا تھا اور آخر میں یہی سخی اثر حضور ﷺ کے وصال کے وقت عود کر کے حضور کی شہادت کا سبب بنا۔ اس حدیث میں گوشت کے خود اطلاع دینے کا ذکر ہے اور بعض روایات میں حضرت جبریل علیہ السلام کے اطلاع دینے کا ذکر ہے۔ اس میں کوئی تعارض نہیں کہ اوّل گوشت نے معجزہ کے طور پر خود کہا ہو کہ مجھ میں زہر ہے، اُس کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام نے اس کی تصدیق فرمائی ہو۔ اس اطلاع کے بعد حضور ﷺ نے خود بھی ترک فرما دیا اور ساتھیوں کو بھی کھانے سے منع فرما دیا۔ اس کے بعد اس عورت کو بلایا گیا اور اس سے پوچھا گیا کہ اس میں زہر ملایا ہے؟ اس نے اقرار کیا کہ واقعی میں نے زہر ملایا ہے۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے لئے انتقام نہیں لیا، اس لئے اس عورت کو اس وقت معاف فرما دیا گیا۔ لیکن چونکہ بشر بن براہ صحابی رضی اللہ عنہ اس زہر سے شہید ہوئے اس لئے روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی شہادت پر اس عورت کو قصاص یا تعزیراً قتل فرمایا۔ اس کے بارے میں مختلف روایتیں آتی ہیں، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ قصاص لیا، بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ نہیں لیا، اور دونوں صحیح ہیں

فنهس الخ بما فعله ﷺ، لأنه أهاأ وأمرأ، ولأنه يسى عن ترك التكبر والتكلف. **يعني** راد لفظ "يعني" رعاية للفظ "الشبح؛ لئلا يحمل على أن لفظ "ابن محمد" أيضاً راداً شبحه وبه؛ لئلا يلتبس برهبر بن حرب وعيره. سعد وفي نسخة: سعيد، قاله القاري، قلت: وهو علط، ليس في الرواة أحد اسمه سعيد بن عياض، وسعد هذا الراوي لحديث أشاة معدود عندهم، وإنما قال فيه سعيد بن منصور سعيد بن عياض، وهو وهم.

قال: وَسُمِّ في الذراع. وكان يُرى أن اليهود سَمُوهُ. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا مسلم بن إبراهيم، حدثنا أبان بن يزيد، عن قتادة، عن شهر بن حوشب، **عن** ^(۱۸) أبي عبيد قال: طبخت للنبي ﷺ قَدْرًا، وكان يُعجبه الذراع، فناولته الذراع، ثم قال: ناولني الذراع فناولته،

جیسا کہ اصل واقعہ سے معلوم ہو گیا۔ ایسی صورت میں شرعاً قصاص واجب ہوتا ہے یا دیت وغیرہ، یہ فقہی مسئلہ ہے جو ائمہ میں مختلف ہے اور علمی بحث ہے اس لئے ترک کر دی گئی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ ”گمان یہ ہے کہ یہود نے زہر ملایا تھا“، یہ اُن کے خیال کی بنا پر ہے، بظاہر ان کو محقق نہیں ہوا، ورنہ اصل واقعہ محقق ہو چکا اور یہود نے خود اقرار کیا کہ ہم نے ایسا کیا ہے جیسا کہ دوسری احادیث میں مفصل مذکور ہیں۔

(۱۸) ابو عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہانڈی پکائی۔ چونکہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کو بونگ کا گوشت زیادہ پسند تھا اس لئے میں نے ایک بونگ پیش کی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری طب فرمائی، میں نے دوسری پیش کی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اور طب فرمائی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بکری کے دو ہی بونگ لیں ہوتی ہیں۔

وَسُمِّ ساء المجهور، وكان داث في فتح حير، فجعل فيه سم قاتل بوقته، فأكل منه لقمة فأحبره جبرئيل أو الذراع عني اختلاف المعروف، ويمكن اجمع أن الذراع أحمرته أولاً ثم سرب روح القدس بتصدقها. قاله المصاوي. **نُرى** بضم ناء من الإراءة أي: يطل ابن مسعود، وإي سبه إلى ليهود لاتفاقهم ومشورتهم، وإلا فكأنت إشارة لذات ريب ست الحارث امرأة سلام بن مشكم اليهودي، وقد أحضرها النبي ﷺ فقال: ما حملك عني ذلك؟ فقالت: قنت. إن كان سباً لا يصره اسم ولا سترحاً، فعفا عنها ولم يعاقبها. قال الزهري وغيره: فأُسْلِمَتْ، فمات بشر بن البراء، وكان أكل معه منها، دفعها لورثته فقتلها قوداً، وبه جمع القرصي وغيره قاله المصاوي. قنت: والقود مختلف فيه بين الأئمة كما سطر في النب. وما قالت: 'إن كان سباً' لم يصره المراد، المصرة الخاصة وهي القتل كما حققه الحافظ في المتح. فلا يوافيه المصرة الواقعة. **أنا** بفتح الهاء وتخفيف الاء الموحدة، ابن يزيد العطار. **أبي عبيد** كذا في أكثر المسح الموجودة عندي، وفي نسخة بالتاء، وقال ريب الحافظ: كذا وقع في سماعنا من كتاب لشمائل ريادة تاء التأنيث، وكذا ذكره المصنف في جامعه، والمعروف أنه بلا تاء، وهو مولى النبي ﷺ، ليس له إلا هذا الحديث الواحد. قاله المصاوي. قنت: وهكدا في المسح التي عندنا من مكتوبة ومصنوعة بدون الهاء، وكذا في كتب الرجال، فريادة الهاء ليس بذلك، وما قاله المصاوي كذا ذكره المصنف في جامعه، المراد أنه ذكره فيمن في الباب.

ثم قال: ناولني الذراع فقلت: يا رسول الله! وكم للشاة من ذراع؟ فقال: والذي نفسي بيده لو سكت لناولتني الذراع ما دعوت. **حدثنا** الحسن بن محمد الزعفراني، حدثنا يحيى بن عباد،

حضور نے فرمایا: اُس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اگر تو چپ رہتا تو میں جب تک مانگتا رہتا اس دیکھی سے بوتلیں نکلتی رہتیں۔ **فائدہ** حضور اقدس ﷺ کا یہ معجزہ تھا۔ مسند احمد میں اس روایت کے ہم معنی ابو رافع سے منقول ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ قصہ دونوں کے ساتھ پیش آیا، اس میں کچھ استعجاب نہیں۔ اس قسم کے واقعات حضور کی سوانح حیات میں بکثرت ملتے ہیں، چند واقعات قاضی عیاض **رحمہ اللہ** نے شفا میں ذکر کیے ہیں۔ حضرت ابو ایوب انصاری **رضی اللہ عنہ** نے ایک مرتبہ حضور ﷺ کی اور حضرت ابو بکر **رضی اللہ عنہ** کی دعوت کی، اور اتنا کھانا تیار کیا جو دو آدمیوں کو کافی ہو جائے۔ حضور ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ شرفاء انصار میں سے تمیں آدمیوں کو بلا لاؤ۔ وہ بلا کر لے آئے اور اُن کے کھانے کے بعد حضور نے فرمایا اب ساٹھ آدمیوں کو بلا کر لاؤ اور ان کے فارغ ہونے کے بعد اوروں کو بلا لیا۔ غرض ایک سو اسی نفر کو یہ کھانا کافی ہو گیا۔ حضرت سمرہ **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ کے پاس کہیں سے ایک پیالہ میں گوشت آیا اور صبح سے لے کر رات تک مجمع آتا رہا اور اس میں سے کھاتا رہا۔ حضرت ابو ہریرہ **رضی اللہ عنہ** کے پاس ایک تھیلی میں چند کھجوریں دس دانوں سے کچھ زیادہ تھیں۔ حضور ﷺ نے اُن سے دریافت فرمایا کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ چند کھجوریں اس تھیلی میں ہیں، حضور نے اپنے دست مبارک سے اس تھیلی میں سے تھوڑی سی نکالیں اور ان کو پھیلایا اور دُعا پڑھی اور فرمایا کہ دس دس نفر کو بلاتے رہو اور کھلاتے رہو۔ اس طرح پورے لشکر کو کافی ہو گئیں اور جو بچیں وہ حضرت ابو ہریرہ **رضی اللہ عنہ** کو واپس کر دی گئیں اور ارشاد فرمایا کہ اس تھیلی میں سے نکال کر کھاتے رہنا، اس کو اُلٹ کر خالی نہ کرنا۔ چنانچہ یہ اس میں سے نکال نکال کر کھاتے رہتے تھے۔ ابو ہریرہ **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کے زمانہ میں، حضرات شیخین **رحمہم اللہ** کے زمانہ خلافت میں، حضرت عثمان **رضی اللہ عنہ** کے زمانہ خلافت میں نکال کر کھائی، اور متفرق اوقات میں اس میں سے نکال کر صدقہ بھی کرتا رہتا تھا جس کی مقدار کئی من ہو گئی ہوگی۔ لیکن حضرت عثمان **رضی اللہ عنہ** کی شہادت کے حادثہ کے وقت وہ کسی نے مجھ سے زبردستی چھین لی اور مجھ سے جاتی رہی۔ حضرت انس **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے ایک ولیمہ میں میری والدہ نے لمبہ تیار کیا اور ایک پیالہ میں میرے ہاتھ حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا، حضور نے فرمایا کہ اس پیالہ کو رکھ دو اور فلاں فلاں شخص کو بلا لاؤ اور جو تمہیں ملے اس کو بھی بلا لینا،

عن فُلَيْح بن سُلَيْمَانَ قَالَ: حَدَّثَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي عَبَّادٍ - يُقَالُ لَهُ: عَبْدُ الْوَهَّابِ بْنُ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ - عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزَّيْبِرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا كَانَ الدَّرَاعُ أَحَبَّ لِلْحَمِّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَكِنَّهُ كَانَ لَا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غَبًا، وَكَانَ يَعْجَلُ إِلَيْهَا؛

میں اُن لوگوں کو بلا کر لایا اور جو ملتا رہا اس کو بھی بھیجتا رہا، حتیٰ کہ تمام مکان اور اہل صفہ کے رہنے کی جگہ سب آدمیوں سے پر ہو گئی۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ دس دس آدمی حلقہ بنا کر بیٹھتے رہیں اور کھاتے رہیں۔ جب سب شکم سیر ہو گئے تو حضور نے مجھ سے فرمایا کہ اس پیالہ کو اٹھ لو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ وہ پیالہ ابتداء میں زیادہ بھرا ہوا تھا یا جس وقت میں نے اس کو اٹھایا اُس وقت زیادہ پر تھا۔ غرض اس قسم کے بہت سے واقعات حضور کے ساتھ پیش آئے ہیں۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ واقعات بڑے بڑے مجموعوں میں پیش آئے ہیں۔ ایسے واقعات کو خلاف واقعہ نقل کرنا بہت زیادہ دشوار ہے، جو لوگ ان واقعات میں شریک تھے وہ خلاف واقعہ نقل پر سکوت نہیں کر سکتے تھے۔ حدیث بالا میں حضرت ابو عبیدہ کے اس کہنے پر کہ ”بکری کے دوہی بوتلیں ہوتی ہیں“ آئندہ کا سلسلہ بند ہو جانا ملا علی قاری کے نزدیک اس بناء پر ہے کہ معجزات کرامات اور اس قسم کے خوارق کا پیش آنہ فناء تامہ کی وجہ سے ہوتا ہے، اور اس جواب کی وجہ سے حضور کی وہ توجہ تام جو پہلے سے تھی باقی نہ رہی اور توجہ کے انقطاع کی وجہ سے یہ چیزیں منقطع ہو گئیں۔ علامہ مناوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حقیقت میں ایک انعام الہی تھا، اگر یہ انقیاد تام کے ساتھ حضور کے ارشاد کی تعمیل کرتے رہتے تو وہ باقی رہتا، لیکن ان کی طرف سے اعتراض کی صورت پیدا ہوئی جو موقع کے مناسب نہ تھی اس لئے وہ اکرام تام بھی منقطع ہو گیا۔

(۱۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بونگ کا گوشت کچھ لذت کی وجہ سے حضور ﷺ کو زیادہ پسند نہ تھا بلکہ گوشت

فُلَيْحٌ وَلَقَدْ اَصْبَحْتُ فِي جَامِعِهِ: حَدَّثَنِي فُلَيْحُ بْنُ سُلَيْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الْوَهَّابِ بْنِ يَحْيَى بْنِ عَبَّادٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ الزَّيْبِرِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا قَالَتْ: مَا كَانَ الدَّرَاعُ أَحَبَّ لِلْحَمِّ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَلَكِنَّهُ كَانَ لَا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غَبًا، وَكَانَ يَعْجَلُ إِلَيْهَا؛

ما كان الخ قال بن الخصاص: كذا وقع في أصل سماعنا من الشماثل بالقي، ووقع في سماعنا من الجامع بالاسماء، وليس جده؛ إذ الاستدراك بعد ذلك لا يناسب، فهو إما سقط لفظ 'ما' من بعض الرواة، أو أصححه بعض المتحسين يناسب بقية الأحاديث في كون الدراع كانت تعجبه مع أنه لا مسافة بينهما فقت: لكن المسح التي بأيدي من الجامع فيها أيضاً سقط اسمي.

لأنها أعجلها نضجاً. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا أبو أحمد، حدثنا مسعر قال: سمعت شيخنا من فهم قال: **سمعت** عبد الله بن جعفر يقول: سمعت رسول الله ﷺ قال: إن أطيب اللحم لحم الظهر. **حدثنا** سفيان بن وكيع، حدثنا زيد بن الحباب، عن عبد الله بن المؤمل،

چونکہ گاہے گاہے پکتا تھا اور یہ جدی گل جاتا ہے اس لئے حضور اس کو پسند فرماتے تھے تاکہ جدی سے فارغ ہو کر اپنے مشاغل غلیا میں مصروف ہوں۔ **فائدہ:** حضور ﷺ کا دست کو پسند فرمانا روایات متعددہ سے معلوم ہوتا ہے لیکن وجہ رغبت ممکن ہے کہ کئی ہوں، منجملہ ان کے یہ بھی ہو جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے تجویز فرمائی، اور جس رغبت کی نفی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں وہ رغبت بظاہر میلان خاطر اور اشتہاء کا درجہ ہے جو حضور والا کی شان کے مناسب نہیں ورنہ صرف پسندیدگی کا بظاہر انکار نہیں ہے۔

(۲۰) عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔

فائدہ: یہ روایت ان روایات کے خلاف نہیں ہے جو دست کی پسندیدگی کے بارے میں گزری ہیں اس لئے کہ پسندیدگی اور عمدگی مختلف وجوہ سے دونوں میں ہو سکتی ہے، مثلاً قوت کے لحاظ سے یا ریشہ نہ ہونے یا چکنا ہونے کی وجہ سے وغیرہ وغیرہ۔ غرض مختلف لحاظ سے دو چیزیں پسندیدہ اور عمدہ ہو سکتی ہیں۔

لأنها أعجلها قيل: هذا حسب ما فهمته رحمه، والذي دلت عليه الأحبار الصحيحة أنه كان يحبه حمة عريرة طيبة، وكأها أرادت تسريه مقامه الشريف عن أن يكون له ميل إلى شيء من الملاد، وفيه إيهاهم قصور الفهم إلى هذه الصديقة العامة، وقيل: لا منافاة هذا الحديث بقية أحاديث الباب؛ إذ يجوز أن تعجبه وليست بأحب إليه. **فهم** بفتح الفاء وسكون الهاء كسهم، أبو قبيلة، واسم هذا الشيخ محمد بن عبد الله بن أبي رافع، وقيل: اسم أبيه عبد الرحمن قال ميرك أكثر ما يأتي في الحديث عن شيخ من فهم غير مسمى، قاله القاري. وقال البيهقوري: ما ذكره بعض الشراح أنه بانقاف والتاء فحطاً صريح وتخريف قبيح.

لحم الظهر وجه المناسبة بالترحمه بأن كونه أطيب يقتضي أنه **عند** لعمري تناوله في بعض الأحيان، ثم لا محالة للحديث لما تقدم من روايات الدراع فلا حاجة إلى التوجيه بأن الرواية ضعيفة لمكان شيخ. **الحباب** بضم الحاء المهملة وتخفيف الموحدة كعرب، وتقدم في الناس بلا لام ولا بد؛ فإن الأعلام اسقولة عن المصادر يجوز قرأها باللام وعدمه، فإن الحباب باسم في الأصل مصدر بمعنى الحب جعل علماً. **المؤمل**: تشديد الميم مفتوحة، وقيل: بكسرها. قاري

عن ابن أبي مُلَيْكَةَ، **عَنْ** عَائِشَةَ **ع** أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: نَعَمُ الْإِدَامُ الْخَلَّ. **حَدَّثَنَا** أَبُو كُرَيْبٍ، حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عَيَّاشٍ، عَنْ ثَابِتٍ أَبِي حَمْزَةَ الثَّمَالِيِّ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، **عَنْ** أُمِّ هَانِيٍّ

(۲۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سر کہ بہترین سالن ہے۔ **فائدہ** یہ مضمون شروع باب میں متعدد روایات سے گزر چکا ہے۔

(۲۲) حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا (حضور کی چچا زاد بہن) فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (فتح مکہ میں) میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ میں نے عرض کیا کہ سوکھی روٹی اور سر کہ ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ لے آؤ، وہ گھر سالن سے خالی نہیں جس میں سر کہ ہو۔

فائدہ: یہ قصہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں جس کو بیہقی نے تخریج کیا ہے زیادہ مفصل ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ فتح مکہ میں حضور اکرم ﷺ ام ہانی کے گھر تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو بھی رکھا ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ حضور! سوکھی روٹی ہے جس کو پیش کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں، لے آؤ، وہ لے آئیں۔ حضور نے ان کے ٹکڑے کیے اور پانی میں بھگو کر نمک ملایا۔ پھر حضور ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کچھ سالن بھی ہے؟ انھوں نے عرض کیا کہ سر کہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ آپ نے منگایا اور اس پر ڈال کر نوش فرمایا اور اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا کہ ام ہانی! جس گھر میں سر کہ موجود ہو وہ گھر سالن سے خالی نہیں۔ اللہ اکبر! کیا سادہ زندگی تھی حضور کی۔ کاش! حق تعالیٰ شانہ اپنے لطف اور اپنے نبی کے طفیل سے ہم لوگوں کو بھی اس سادگی کا اتباع نصیب فرماتا۔ حق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی نگاہ میں کھانا پینا صرف اضطرار اور مجبوری ہی کا درجہ رکھتا تھا، ضرورت کے وقت جو میسر ہوا جیسا موجود ہوا نوش فرمایا کہ کھانا زندگی کی ضرورت سے تھا، نہ یہ کہ ہم لوگوں کی طرح سے زندگی کھانے پینے کی ضرورت سے،

اس اُمی مَلِیْکَۃٌ هُوَ عَدَدُ اللَّهِ سَ عِبِيدَ اللَّهِ سَ اُمِیْ مَلِیْکَۃٌ کَطَلِیْحَۃٍ، فَهُوَ مَسْجُوبٌ اِلٰی جَدِّهِ. اُمِیْ حَمْرَۃٌ وَفِی سَحْۃٍ. اِبْنُ اُمِیْ حَمْرَۃٌ، قَالَهُ الْقَارِیُّ، قُلْتُ: وَالصَّاهِرُ الْاَوَّلُ، وَهُوَ ثَابِتٌ سَ اُمِیْ صَفِیَۃُ الثَّمَالِیِّ. الثَّمَالِیُّ نَصَبُ الْمُتَنَشِّلَةِ وَحَقَّةٌ اَمِیْمٌ، مَسْجُوبٌ اِلٰی ثَمَالِۃٍ، لَقِبَ عَوْفٌ اِسْلَمَ، اَحَدُ اَجْدَادِ اُمِیْ حَمْرَۃٍ، لَقِبَ بِهِ؛ لِأَنَّهُ کَانَ یَسْقِیهِمُ اللَّحْنَ بِثَمَالِثِهِ اُمِیٌّ: رَعَوْتَهُ، قَالَهُ الْقَارِیُّ.

قالت: دخل عليّ النبي ﷺ فقال: أَعِنْدَكَ شيء؟ فقلت: لا، إلا خبز يابس وِخْلٌ. فقال: هاتي، ما أَقْفَرُ بَيْتٌ من أَدَمٍ، فيه خَلٌّ. **حدثنا** محمد بن المثنى، قال: حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن عمرو بن مُرّة، عن مُرّة الهمداني، **عن** أبي موسى رضي الله عنه.

جس میں اصل مقصد پیٹ کا پالنا بن جائے اور دینی مشاغل مدّ زائد میں شمار ہو جائیں۔ وہاں مقصد زندگی دین کی اشاعت اور اس کو سرسبز کرنا تھا اور یہ ضروریات بشریہ مجبوری کے درجہ میں پوری کر لی جاتی تھیں۔ نیز حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جہاں بے تکلفی ہو، تعلقات وسیع ہوں، سوال میں بھی مضائقہ نہیں ہے۔

(۲۳) ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے کہ ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر۔ **فائدہ:** اس حدیث سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت تمام عورتوں پر بھی ثابت ہوتی ہے اور ثرید کی فضیلت تمام کھانوں پر بھی نکلتی ہے۔ ثرید شوربے میں بھگوئے ہوئے ٹکڑوں کو کہتے ہیں جن میں علاوہ لذت و قوت کے سہولت و سُرعت ہضم، جلد تیار ہو جانا وغیرہ وغیرہ منافع ہیں۔ عرب میں اس کا دستور تھا اور سب کھانوں میں افضل شمار ہوتا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت میں بہت سی روایات آئی ہیں، اس روایت میں علماء کا اختلاف ہے کہ عورتوں سے مراد سب عورتیں ہیں یا کچھ متشقی ہیں، اسی بناء پر اس میں اختلاف ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا پر بھی ہے یا نہیں۔ کسی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت بتائی ہے اور کوئی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا قائل ہے، کوئی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت عن الکل کی طرف مائل ہے۔ لیکن بندہ کے نزدیک ان میں سے ہر ایک کسی خاص فضیلت کے لحاظ سے سب سے افضل ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فقہت اور محبوبیت کے ساتھ اس امر میں بھی بڑھی ہوئی ہیں کہ وحی ان کے لباس میں نازل ہو جاتی تھی، حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی بیوی پہلی مؤمنہ وغیرہ وغیرہ بہت سے امور کی بنا پر افضل ہیں، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کا جگر گوشہ اور جنت کی سردار وغیرہ وغیرہ امور میں سب سے افضل ہیں۔

هاتِي بِإِثْنَاتِ الْيَاءِ بَصِيْعَةً أَمْرًا، وَمَا أَحْدَدُ مِنْ قَالَ: اسْمُ فَعْلٍ. أَمِنْ الْقَافِ وَالْفَاءِ، الْقَفَارُ: الطَّعَامُ بِلَا إِدَامٍ كَذَا فِي الْجَمْعِ، وَقَالَ أَيْضًا فِي الْفَاءِ مَعَ الْقَافِ الْقَفَارُ: هُوَ الْحَرُّ وَحْدَهُ. قُلْتُ: وَكَذَا يَوْجَدُ السَّخْتَانِ مَعًا فِي الشَّمَائِلِ، لَكِنْ قَالَ الْمَنَاوِي: وَهَمَّ مِنْ جَعَلَهُ بِالْفَاءِ مَعَ الْقَافِ.

عن النبي ﷺ قال: فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام. **حدثنا** علي بن حجر، حدثنا إسماعيل بن جعفر، حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن بن معمر الأنصاري أبو طوالة، أنه **سمع** أنس بن مالك **يقول**: قال رسول الله ﷺ: فضل عائشة على النساء كفضل الثريد على سائر الطعام. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، أخبرنا عبد العزيز بن محمد، عن سُهَيْل بن أَبِي صالح، عن أبيه، **عن** أبي هريرة: أنه رأى رسول الله ﷺ توضأ من ثور أقط،

(۲۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے تمام کھانوں پر۔ **فائدہ**: امام ترمذی **رحمۃ اللہ علیہ** کا مقصد ان روایات کے ذکر کرنے سے یہ ہے کہ حضور ﷺ کو ثرید پسند تھا، چنانچہ مختلف روایات سے اس کے نوش فرمانے کا معمول معلوم ہوتا ہے۔

(۲۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے آنحضرت ﷺ کو ایک مرتبہ پنیر کا ٹکڑا نوش فرما کر وضو فرماتے دیکھا، اور پھر ایک دفعہ دیکھا کہ بکری کا شانہ نوش فرمایا اور وضو نہیں فرمایا۔ **فائدہ**: ابتدائے اسلام میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ممکن ہے کہ حضور ﷺ نے پنیر کے ٹکڑے سے جس زمانہ میں وضو فرمایا ہو، وہ زمانہ آگ سے پکی ہوئی چیزوں سے وضو ٹوٹ جانے کا زمانہ ہو، یا کسی اور وجہ سے وضو فرمایا ہو۔

على النساء أي مصفاً، أو ساء رماها، أو ساء رسول الله الذي كس في رماها، قاله انفاري، وقال اماوي: من أطلق النساء ورد عليه حديثه، فإنها أفضل من عائشة على الغيوب، لتصريحه بأنه يبرق حيرا من حديثه، قال انفاري: في الحديث إشارة إلى أن الفضائل التي اجتمعت في عائشة ما توجد في جميع النساء من كونهن امرأة أفضل النساء، وأحب النساء إليه، وأعمهن، وأسنهن، وأحسنهن، وبكأن حديثه وفضله وجود آخر من الفضائل، لكن الهيئة الجامعة في فضيلة المشبهة بالثرید ما توجد في غيرها، وبسط انفاري الكلام على روايات تفصيل بين حديثه وفضله ومرتب و سية، فارجع إليه لو شئت التفصيل.

الثرید الخ يعني كما أنه جامع فوائد شتى من لعائيه ولذاته وقوة حتى قيل: به يعيد الشيخ إلى صباه، كدث هي جمع بين فضائل شتى من الفضل والفقه والمصاحبة والمطاعة وغيرها. أبو طوالة بصم نطاء المهمة ككلمة، قاضي اميدية رمن عمر بن عبد العزيز * ثور قيل: ثور قطعة من الأفض، والإصافة على سبيل التحريد أو بياية، وقيل ثور: قطعة مصفاً

ثم رآه أكل من كَفِّ شاةٍ، ثم صَلَّى، ولم يَتَوَضَّأْ. **حدثنا ابن أبي عمر،** حدثنا سفيان بن عُيَيْنَةَ، عن وائل بن داود، عن أبيه - وهو بكر بن وائل -، عن الزُّهري، **عن** أنس بن مالك **رضي الله عنه** قال: أولم رسول الله ﷺ على صَفِيَّةَ بَتمِرٍ وسويق.

مثلاً وضو پر وضو کا ارادہ فرمایا ہو یا پہلا وضو کسی اور وجہ سے جاتا رہا ہو۔ لیکن حضرت ابو ہریرہ **رضی اللہ عنہ** کے طرز بیان سے یہی مقصد معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء میں حضور ﷺ آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو کرتے تھے، اسی لئے پنیر کے نوش فرمانے سے حضور اقدس ﷺ نے وضو کیا، بعد میں یہ حکم باقی نہیں رہا اسی لئے بکری کا گوشت نوش فرما کر وضو نہیں کیا۔

(۲۶) حضرت انس **رضی اللہ عنہ** فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت صفیہ **رضی اللہ عنہا** کا ولیمہ کھجور اور ستو سے فرمایا تھا۔ **فائدہ:** حضرت صفیہ **رضی اللہ عنہا** حضرت ہارون **رضی اللہ عنہ** کی اولاد سے ہیں۔ محرم سنہ ۷ ہجری میں جنگ خیبر میں باندی بن کر آئی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان کو آزاد فرما کر نکاح کر لیا اور سفر ہی میں ان کا ولیمہ ہوا۔ ولیمہ میں کیا چیز تھی؟ اس میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں، بعض میں ”حیس“ جو ایک قسم کا حلو ہے، اس کا ولیمہ وارد ہوا ہے، بعض میں پنیر بھی آیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ چونکہ سفر کا موقع تھا اس لئے ناشتہ وغیرہ میں جو کچھ حضور اقدس ﷺ کے اور خاص مخلصین کے پاس موجود تھا، سب ولیمہ میں شریک کر دیا۔

راه طاهر السياق أن أبا هريرة أراد أن يبين أن الحكم السابق وهو الوضوء من ثور أقط قد نسخ بفعله **رضي الله عنه** بأخذه من أكله كفف الشاة وعدم توصيته. وكانت مسئلة الوضوء مما مست النار خلافة في السلف، ثم أجمع العلماء على أنه لا يجب الوضوء منه، والظاهر من إيراد هذا الحديث في هذا الباب أن المصنف أراد أن يبين أنه **رضي الله عنه** أكل ثور الأقط وكفف الشاة بطريق الاستدلال، وليس في لفظ الخبر ما يدل عليه صريحاً إلا أن يقال: إنها من حملة الإدام عادة، فاعتبر العرف، وحمل عليه الحديث.

ابن أبي عمر. قيل: اسمه محمد بن يحيى بن أبي عمر، فهو منسوب إلى جده، وقيل: أبو عمر كنية أبيه يحيى. **ابن:** كذا في أكثر النسخ، وفي بعضها "ابن" وهو صواب عدي، والمراد به ابنه بكر بن وائل، فهو من رواية الأكابر عن الأصاغر، ولفظ "أبيه" تصحيف؛ لأن والد وائل وهو داود ليس من رواية الصحاح. والحديث أخرجه أبو داود في الأطعمة بلفظ "ابن" وابن ماجه بلفظ "أبيه" والعجب من الكل ما وقع في جامع المصنف بلفظ "عن ابنه نوف"، بلفظ "ابنه" صحيح، لكن ليس في الرواة أحد اسمه نوف.

حدثنا الحسين بن محمد البصري، حدثنا الفضيل بن سليمان، حدثنا فائِد مولى عبيد الله بن عليّ بن أبي رافع مولى رسول الله ﷺ قال: حدثنا عبيد الله بن عليّ، **عن** ^(۲۷) **جَدِّهِ سَلَمَى: أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ، وَابْنَ عَبَّاسٍ، وَابْنَ جَعْفَرٍ، أَتَوْهَا فَقَالُوا لَهَا: اصْنَعِي لَنَا طَعَاماً مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، وَيُحَسِّنُ أَكْلَهُ، فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ لَا تَشْتَهِيهِ الْيَوْمَ.** قال: **بَلَى اصْنَعِي لَنَا.** قال: **فَقَامَتْ، فَأَخَذَتْ شَيْئاً مِنْ شَعِيرٍ، فَطَحَنَتْهُ، ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِي قِدْرٍ، وَصَبَّتْ عَلَيْهِ شَيْئاً مِنْ زَيْتٍ، وَدَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالتَّوَابِلَ،**

لأَمَّا كَانَتْ خَادِمَةً لَهُ ﷺ وَصَاحِبَةً

(۲۷) سلمیٰ بنت ابی ہاشم کہتی ہیں کہ امام حسن اور عبد اللہ بن عباس اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لے گئے اور یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کو جو کھانا پسند تھا اور اس کو رغبت سے نوش فرماتے تھے وہ ہمیں پکا کر کھلاؤ۔ سلمیٰ بنت ہاشم نے کہا کہ پیارے بچو! اب وہ کھانا پسند نہیں آئے گا (وہ تنگی ہی میں پسند ہوتا ہے) انھوں نے فرمایا کہ نہیں، ضرور پسند آئے گا۔ وہ انھیں اور تھوڑے بولے کر ہانڈی میں ڈالے اور اس پر ذرا سازیتوں کا تیل ڈالا اور کچھ مرچیں اور زیرہ وغیرہ مصالطہ میں کر ڈالا اور پکا کر لار کھا کہ حضور کو یہ پسند تھا۔

الحسن بن محمد وفي نسخة. سفيان بن محمد، قال ميرك: وهي عطية لأب سفيان بن محمد لم يذكر في الرواة. قلت: ولما لم يذكره الحافظ في تهذيبه. **الفصل** بضم مفتح فتحية ساكية، وفي بعض النسخ: الفصل، قال أصيل الدين: كذا في أكثر النسخ وهو غلط، والصواب فضيل مصعراً. قلت: ليس فضل بن سفيان أحد من الرواة. فائد بالنفاء آخره دس مهمة. **مولی** صفة لقوله: **أبي رافع يعني:** أبو رافع، كان مولى رسول الله ﷺ. وهو علت عليه كنيته، احتف في اسمه على أقوال **سلمی** بفتح أوله، روجه أبي رافع، وهي كانت قانية إبراهيم بن المصطفى **الحسن** وفي نسخة: بدله الحسين مصعراً **نعم** بصيغة المعلوم، إما من الإعجاب فرسول الله ﷺ مفعوله، والصمير المستتر فيه للموصول، أو من العجب بفتح تحتين من باب "علم" فرسول الله فاعله، وضمير الموصول في الصلة محذوفة أي: بما كان يعجبه **وینحسن** من الإحسان، وفي نسخة من التحسين، و"أكله" بالنصب مفعوله، وهو بفتح الهمة وسكون الكاف مصدر. **لا تشتهيه** أفردت؛ لأنها حاظت أعظمهم أو لأهم لا تحاد بغيتهم كانوا كواحد، قاله السيحوري، والمعنى: أن هذا الطعام لا تحويه اليوم لتغير الحانة من العسر إلى اليسر. **والتوابل** بفتح الموقية وكسر الموحدة: إبرار الطعام، وهي أدوية حارة يؤتى بها من الهد، وقيل: هو مركب من الكزبرة والزنجبيل والرازيانج والكمون، جمع تابل بموحدة مكسورة أو مفتوحة.

فقرَّبته إليهم، فقالت: هذا مما كان يُعجب النبي ﷺ. ويُحسُنُ أكله. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا أبو أحمد، حدثنا سفيان، عن الأسود بن قيس، عن نَيْحِ الْعَزْزِيِّ، **عن** ^{۲۷} جابر بن عبد الله رضي الله عنه قال: **أَتَانَا** النبي ﷺ في منزلنا، فَذَبَحْنَا لَهُ شاةً فَقَالَ: كَأَنَّهُمْ عَلِمُوا أَنَّا نَحْبُ اللحم، وفي الحديث **قصة**.

(۲۸) جابر بن عبد الله رضي الله عنه کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے تو ہم نے حضور کے لئے بکری ذبح کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (دلدارى کے لئے اظہارِ مسرت کے طرز پر) فرمایا کہ بظاہر ان لوگوں کو یہ علم ہے کہ ہمیں گوشت مرغوب ہے۔ ترمذی کہتے ہیں کہ اس حدیث میں اور بھی قصہ ہے جس کو مختصر کر دیا گیا۔

فائدہ: کہتے ہیں کہ یہ وہ قصہ ہے جو کتبِ حدیث میں غزوہ خندق کے قصہ میں مذکور ہے، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزہ کا بھی ذکر ہے۔ وہ یہ کہ جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کا اثر محسوس کیا، گھر میں جا کر پوچھا کہ کچھ کھانے کو بھی ہے؟ معلوم ہوا کہ ایک بکری کا بچہ ہے اور تھیلی میں تھوڑے سے جو ہیں۔ میں نے بکری کے بچے کو ذبح کیا اور بیوی نے جو پیس کر آنا گوندھا۔ گوشت دیکھی میں پکنے کے لئے رکھ کر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے سے عرض کیا کہ تھوڑا سا کھانا موجود ہے، آپ اور چند رفقاء آپ کے ساتھ تشریف لے چلیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر تمام اہل خندق کو جو تقریباً ایک ہزار آدمی تھے اعلان فرما دیا کہ جابر کے یہاں دعوت ہے سب چلیں۔ اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب تک میں نہ آؤں دیکھی کو چولھے سے نہ اُتارنا اور نہ روٹی پکانا۔ جب حضور تشریف لے گئے تو آئے اور دیکھی پر دم کیا جس کی وجہ سے اس قدر برکت ہوئی کہ اس دیکھی میں سے برابر سالن نکلتا رہا اور آنے سے برابر روٹیاں پکتی رہیں۔

نسخ بضم النون والموحدة والحاء المهملة مصعراً، وفي نسخة: ابن بيبع، والمؤيد بكتب الرجال هو الأول، وليس عندهم أحد يشتهر بابن بيبع. **العسري** يفتح العين المهملة والنون وبالراء، مسوب إلى بني العزرة، قبيلة من ربيع قاله القاري، وقال البيهقوري. عنرة بفتحات حي من ربيعة. **قصة** قال القاري: هي قصة جابر في غزوة الخندق، يد قال: انكفأت إلى امرأتي فقلت: هل عندك شيء؟ فإني رأيت بالنبي ﷺ جوعاً. الحديث. أخرجه صاحب المشكوة برواية المتفق عليه. ويشكل عليه: أن هذه الرواية تدل على أن ذبح الشاة بعد إتيانه عليه السلام ورواية المشكوة تدل على عكسه، والجمع بينهما، جمعهما القاري بثلاثة وجوه، وقال الماوي: هذا الحديث يدل على ذبح الشاة بعد مجيء النبي ﷺ مسزهم، وفي حديث الخندق كان ذبح الشاة قبل المجيء، فالظاهر أن هذه القصة غيرها.

حدثنا ابن أبي عمر، حدثنا سفيان، حدثنا عبد الله بن محمد بن عقيل، أنه سمع جابراً. قال سفيان: وأخبرنا محمد بن المنكدر، ^{عن} جابر ^{رضي الله عنه} قال: خرج رسول الله ﷺ وأنا معه، فدخل على امرأة من الأنصار، فدبحت له شاة، فأكل منها،

خدا کی قسم! ایک ہزار آدمی کھا کر چلے گئے اور دیکھی میں سالن جوش مارتا رہا اور اس آٹے سے برابر روٹیاں پکتی رہیں۔ (السنن) (۲۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ ایک انصاری عورت کے مکان پر تشریف لے گئے۔ میں بھی حضور کے ہمراہ تھا۔ انھوں نے حضور ﷺ کے لئے بکری ذبح کی، حضور ﷺ نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا، اس کے بعد کھجور کی چنگیری میں کچھ تازہ کھجوریں لائیں، حضور ﷺ نے اس میں سے بھی کچھ تناول فرمایا، پھر ظہر کی نماز کے لئے حضور نے وضو کر کے نماز ادا کی، پھر واپس تشریف لانے پر انہوں نے باسی گوشت سامنے رکھا، حضور نے اس کو تناول فرمایا اور عصر کی نماز کے لئے دوبارہ وضو نہیں کیا، اسی پہلے وضو سے نماز ادا فرمائی۔ **فائدہ:** اس حدیث سے بھی آگ کی پکی ہوئی چیز سے وضو نہ ٹوٹنے پر استدلال کیا جاتا ہے، نیز دن میں دو مرتبہ کھانے کا اثبات بھی اس حدیث سے کیا جاتا ہے، لہذا جن احادیث میں دو مرتبہ کا انکار گزرا ہے وہ کہنے والے کے اپنے علم کے اعتبار سے بھی ہو سکتا ہے، اور یہ بھی توجیہ ہو سکتی ہے کہ ان میں دو مرتبہ پیٹ بھرنے کا انکار تھا، دو مرتبہ کھانے کا انکار نہ تھا کہ تمھوڑا سادو بارہ کھالیا گیا۔

ابن المنکدر هكدا رواه النصف في الجامع، وصرح أبو داود بسماع ابن المنكدر عن جابر، رد أخرج برواية ابن حريج: أخبرني محمد بن المنكدر قال: سمعت جابر بن عبد الله يقول: قربت لسي ﷺ حراً وحماً، الحديث. فما في التحميم الحميم عن الشافعي: أن ابن المنكدر لم يسمعه عن جابر بل بينهما وسطة عبد الله بن محمد بن عقيل مشكل، ألهم إلا أن بقا إن حديث آخر، وفيه ما فيه. **امراة** هكدا ذكره النصف في الجامع والصحاحي وسيهقي وغيرهم، وحالهم أبو داود فأخرج برواية ابن حريج عن محمد بن المنكدر، عن جابر يقول: قربت لسي ﷺ حراً وحماً، الحديث، ووسطه بعض شراح أبي داود بصيغة المتكلم فم يجمع بوجود التأويل وهي محتملة قريبة، فرواية الترمذي أو؛ لاتفاق غير واحد على هذا السياق، وسكتوا عن اسم المرأة، والظاهر عدي أها عمرة، فقد قال الحافظ في الإصابة: عمرة ست حرام بفتحيتين، وقيل ست حرم بسكون الراء الأنصارية روح سعد بن الربيع ذكرت في حديث جابر، أخرجه الطبراني وغيره من طريق يحيى بن أيوب، عن محمد بن ثابت السائي، عن محمد بن المنكدر، عن جابر، عن عمرة ست حرم: أنها جعلت لسي ﷺ في صورة خل كيسة ورثفة، ودبحت له شاة فأكل منها وتوصاً وصلى الطهر، ثم قدمت له من لحمها فأكل وصلى العصر وم يتوصاً.

وَأَنَّهُ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطْبٍ، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ تَوَضَّأَ لِلظَّهْرِ، وَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَأَتَتْهُ بَعْلَلَةٌ مِنْ عُلَّالَةِ الشَّاءِ، فَأَكَلَ، ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ، وَلَمْ يَتَوَضَّأَ. **حدثنا** العباس بن محمد الدوري، حدثنا يونس بن محمد، حدثنا فليح بن سليمان، عن عثمان بن عبد الرحمن، عن يعقوب بن أبي يعقوب، ^{صه الدين} **عن** أم المنذر قالت: دخل عليّ رسول الله ﷺ، ومعه عليّ، ولنا دوالي معلقة، قالت: فجعل رسول الله ﷺ يأكل، وعليّ معه يأكل، فقال رسول الله ﷺ لعليّ: مه، يا عليّ! فإنك ناقة. قالت: فجلس عليّ والنبي ﷺ يأكل،

(۳۰) أم منذر رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میرے یہاں تشریف لائے۔ ہمارے یہاں کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے، حضور اقدس ﷺ ان میں سے تناول فرمانے لگے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جو حضور کے ساتھ تھے وہ بھی نوش فرمانے لگے، حضور نے ان کو روک دیا کہ تم ابھی بیماری سے اٹھے ہو، تم مت کھاؤ۔ وہ رُک گئے اور حضور تناول فرماتے رہے۔ أم منذر کہتی ہیں کہ پھر میں نے تھوڑے سے جو اور چقندر لے کر پکائے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ یہ کھاؤ، یہ تمہارے لئے مناسب ہے۔ **فائدہ:** اس حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اسباب کی رعایت توکل کے منافی نہیں، چنانچہ احیاء العلوم میں اس کو مفصل لکھا ہے۔ اس کے ترجمہ میں جس کا دل چاہے تفصیلات دیکھ لے۔

نقاع بكسر القاف: الطبق الذي يؤكل عليه كذا في الصحاح، وفيه في اقاموس بأنه طبق من سعف النخل. **عُلَّالَةٌ**. بضم العين المهملة: أي بقية، قيل: فيه شع من لحم في يوم مرتين، فصار عن عائشة ؓ من بقي ذلك إما هو باعتبار علمها أو باعتبار العائب، لكن دعوى الشع غير طاهرة، نعم فيه دليل على حل الأكل ثانياً. **أم المنذر** يقال: اسمها سلمى بنت قيس، ويقال: هي إحدى حالاته ؓ. قناه القاري، وسمها الماوي سمة باهاء لكن أهل الرجال عسى الأول. وكذا قال الحافظ في تهذيبه: يقال: إما إحدى حالات النبي ﷺ لكن قال في الإصابة: قال الطبراني. اسمها سلمى بنت قيس أخت سليط بن قيس من بني مازن بن النجار، وعندي أنها غيرها إلى آخر ما بسط في الإصابة.

دوالي بفتح الدال المهملة وتوین اللام المكسورة، جمع دالية: هي العدق من النخلة، يقصع دا سر ثم تعلق فإذا رطب يؤكل، وواوه منقلبة عن ألف؛ إذ هو جمع دالية.

قالت: فجعلتُ لهم سِلَقًا وشَعِيرًا، فقال رسول الله ﷺ لعليّ: مِنْ هذا فأَصْب؛ فَإِنَّهُ أَوْفَى لَكَ. **حدثنا** محمود بن غيلان، **حدثنا** بشر بن السري، عن سفيان، عن طلحة بن يحيى، عن عائشة بنت طلحة، **عن** عائشة أم المؤمنين **رضي** الله عنها قالت: كان النبي يأتيني فيقول: أَعِنْدَكَ عِلْدَاءٌ؟ فأقول: لا، فيقول: إِنِّي صَائِمٌ.

(۳۱) حضرت عائشہ **رضي** الله عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میرے پاس تشریف لا کر دریافت فرمایا کرتے تھے کہ کچھ کھانے کو رکھا ہے؟ جب معلوم ہوتا کہ کچھ نہیں تو فرماتے کہ میں نے روزہ کا ارادہ کر لیا ہے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ تشریف لائے، میں نے عرض کیا کہ ایک ہدیہ آیا ہوا رکھا ہے۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا کہ کھجور کا طیدہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے تو روزہ کا ارادہ کر رکھا تھا، پھر حضور نے اس میں سے تناول فرمایا۔ **فائدہ:** اس حدیث سے دو مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک تو یہ کہ نفل روزہ کی نیت صبح کے وقت بھی آدھے دن تک ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اس سے پہلے کوئی عمل روزہ کے منافی نہ کیا ہو۔ چنانچہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہ **رضي** الله عنہا سے دریافت فرمانے پر نیت فرمائی۔ یہ مذہب حنفیہ شافعیہ **رحمہم** اللہ کا ہے اور امام مالک **رحمہم** اللہ کا مذہب یہ ہے کہ نفل روزہ کی نیت رات سے کرنا ضروری ہے۔ اس مسئلہ میں یہ حدیث ہمارے موافق ہے، لیکن جب ایک معتبر امام کا خلاف ہے تو زیادہ بہتر یہ ہے کہ نفل روزہ کی نیت بھی رات ہی کو کر لی جائے، البتہ کوئی عارض پیش آجائے تو دوپہر سے پہلے پہلے دن میں بھی نیت کرنے کا مضائقہ نہیں ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی نفل روزہ رکھے تو اس کے توڑ دینے کا اختیار ہے، یہ مذہب شافعیہ کا ہے۔

هم أي: لأصباي، وفي بعض النسخ: له، فقيل: الصمير لعني - مرتب عنى قوله: ترك علي أي: لما لم يأكل الرطب جعلت له هذا، والأوجه أن صمير الواحد إليه **رحمہم** اللہ لأن الأصل المتنوع والنواقي تنوع، وهذا مرتب عنى ما تقدم من أكل الرطب وغيره. **أوفى** قال ميرك: الطاهر أن صيغة التخصيص ورد ههنا مجرد الموافقة؛ لأن تحقق امرية يتوقف عنى وجود العضل في الطرف المقابل، ألهم إلا أن يقال طريق الإمكان أو بحسب الحكمة قاله القاري، ثم لا تنافي بين هيه عيب وبين رواية ابن ماجه: أنه عاد رجلا فقال: ماتشتهي؟ فقال: كعكاً، وفي رواية: حبر بر فقال: من عنده حبر بر فليبعث إلى أحبه الحديث. لأن امرئ إذا اشتدت شهوته لشيء فتناول القليل منه لا يصرف فصدق الشهوة تدفع مصرته قاله المناوي وغيره، قلت: وقد جربت ذلك على نفسي فوجدته هكدا، وهو الأوجه عندى، وفيه توجيهات أخر. **عِلْدَاءٌ** بفتح العين المعجمة والذال المهملة والمدة، هو الطعام الذي يؤكل أول النهار قاله القاري.

قالت: فأتانا يوماً فقلت: يا رسول الله! إنه أهديت لنا هدية، قال: وما هي؟ قلت: حَيْسٌ، قال: أما إني أَصْبَحْتُ صائماً، قالت: ثم أَكَلْ. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا عمر بن حفص بن غياث، حدثنا أبي، عن محمد بن أبي يحيى الأسلمي، عن يزيد بن أبي أمية الأعور، **عن** يوسف ^{۳۲} سنة إلى قبيلة أسلم

حنفیہ کے نزدیک قرآن شریف کی آیت **وَلَا تَطْغَوْا أَعْمَالَكُمْ** (محمد: ۳۳) (اپنے اعمال کو باطل مت کرو) کی بنا پر روزہ نماز کوئی عمل توڑنا جائز نہیں، لیکن اس حدیث سے چونکہ روزہ کا توڑنا معلوم ہوتا ہے اس لئے دونوں چیزوں پر عمل اس طرح کیا جائے گا کہ اگر کوئی ضرورت اور مجبوری درپیش ہو تو اس حدیث کی وجہ سے اس میں گنجائش سمجھنی چاہئے اور بلا ضرورت توڑنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ کے حال سے بھی یہی ظاہر ہے۔ بعض علماء نے حدیث کے اس جملہ کا کہ ”روزہ رکھنے کا ارادہ کر رکھا تھا“ اس کا مطلب یہ فرمایا ہے کہ پختہ نیت نہیں فرمائی تھی، البتہ ارادہ تھا کہ آج روزہ رکھ لوں گا۔ لیکن بندہ کے نزدیک پہلی توجیہ اچھی ہے۔ **مسئلہ:** اگر کسی ضرورت سے نفل روزہ توڑ دینے کی نوبت آئے تو حنفیہ کے نزدیک کسی دوسرے وقت قضا کرنا واجب ہے اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ان کو ارشاد فرمایا تھا کہ کسی دوسرے دن قضا کر لینا۔

(۳۲) **یوسف بنی** کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایک مرتبہ دیکھا کہ حضور نے ایک روٹی کا ٹکڑا لے کر اس پر

حس خاء مهملة مفتوحة ونحية ساكنة بعدها سبب مهملة: هو التمر مع السمس والأقط، وقد يجعل عوص الأقط الدقيق أو الفتيت ثم يدلك حتى يحتلط. وأصل الحيس: الخط. ثم أكل فيه جوار الفطر لم أصبح صائماً، وبه قالت الحنفية لم عرص له عذر، وأوجوا القضاء أيضاً لرواية عائشة عند المصنف في الجامع وأبي داود وغيرهما، ولفظ أبي داود: قالت: أهدى لي ولحفصة طعام وكنا صائمتين فأفطرتا، فدخل رسول الله فقلنا له: يا رسول الله! إنا أهديت لنا هدية فاشتبهيناها فأفطرتا، فقال رسول الله ﷺ لا، عليكم ما صوما مكانه يوماً آخر. والحديث سكت عليه أبو داود، ولفظ الترمذي: أقصيا يوماً آخر مكانه، ورجح إرساله، والمرسل حجة، لا سيما إذا توبع، وقد تابعه حديث الباب؛ لما فيه من زيادة قوله: لكن أصوم يوماً مكانه. وصحح عند الحق هذه الريادة كما في هامش السائي، وفي الباب أيضاً حديث أبي سعيد الخدري عند الطيالسي كما في هامش السائي. **يوسف** أجسسه رسول الله في حجره وسماه يوسف، روى عن رسول الله ثلاثة أحاديث كما قيل. وليس في بعض السح كالقنمية وغيرها ريادة "عن عبد الله بن سلام" فيكون الحديث من مقولة يوسف، وهو الأوجه عدي؛ لأن الحديث أخرجه أبو داود في سنده برواية يوسف، وكذا الحفاظ ذكره في تهذيبه، وفي الإصابة في ترجمة يوسف.

بن عبد الله بن سلام، عن عبد السلام قال: رأيت النبي ﷺ أخذ كِسْرَةً من خبز الشعير فوضع عليها تمره ثم قال: هذه إدام هذه فأكل. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا سعيد بن سليمان، عن عباد بن العوام، عن حميد، **عن** أنس بن مالك **رضي** الله عنه أن رسول الله ﷺ كان يُعَجِّبه الثفل. قال عبد الله: يعني ما بقي من الطعام.

ایک کھجور رکھی اور فرمایا کہ یہ سالن ہے اور نوش فرمایا۔ **فائدہ:** چونکہ کھجور کا سالن کے موقع پر کھانا متعارف نہیں تھا اس لئے حضور نے تنبیہ فرمادی کہ اس سے سالن کا کام بھی لیا جاسکتا ہے اور زندگی کے چند ایام کو اس طرح بھی گزارا جاسکتا ہے، اس لئے آدمی کو اپنی زندگی کے اوقات کو ایسے مشاغل میں خرچ کرنا جو ابدی اور سرمدی زندگی میں کارآمد ہوں، سمجھ کی بات ہے اور تمام اوقات کو محض پیٹ پالنے میں ضائع کر دینا انتہائی نا سنجھی ہے کہ یہ چند ایام زندگی بہر حال گزر ہی جائیں گے اور موت ہر تکلیف کا خاتمہ ہے، لیکن جس تکلیف کے لئے موت بھی نہیں ہے وہ نہایت اہتمام کے قابل ہے۔

(۲۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو ہانڈی اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا مرغوب تھا۔

فائدہ: یہ حضور اقدس ﷺ کے کمال تواضع کی بنا پر تھا کہ اوپر کا کھانا دوسروں کو اول کھاتے اور بقیہ اپنے لئے پسند فرماتے، چنانچہ متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں اس کے شاہد ہیں۔ بعض علماء نے اس کی وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ بچے کے کھانے میں دھنیت کم ہونے کی وجہ سے ہضم میں سہولت ہوتی ہے۔

عبد الله بن سلام هكذا في السح المطبوعة الهدية وبعض المصرية، وليست هذه الريادة في القمية ولا أكثر المصرية ولا في سح الشروح، وذكرها القاري سح؛ إذ قال: وفي سح صحيحة: ريادة عن عبد الله بن سلام. **ادام** لا دليل فيه للشافعية **رضي** الله عنه في من حنف لا يأكل إدامًا بحث به؛ لأن هذا من باب لُحار والتشبيه، كما هو ظاهر لا حفاء فيه مع أن مسمى الأيمان على التعارف. **ساد** بتشديد الموحدة، والعوام: تشديد الواو، وحميد: بالتصغير. **لثفل** بصم المثلثة ويكسر في الأصل: ما يرسب من كل شيء، وقد يصلق على ما بقي بعد الطعام، والمراد هناك: ما بقي في القدر أو في قصعة.

باب ما جاء في صفة وضوء رسول الله ﷺ عند الطعام

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، عن أيوب، عن ابن أبي مليكة عن ابن عباس رضي الله عنهما أن رسول الله ﷺ خرج من الخلاء، فُقِرَب إليه الطعام، فقالوا: لا تأتلك بوضوء؟

باب حضور اقدس ﷺ کے کھانے کے وقت وضو کا ذکر

فائدہ: کھانے کے وقت سے مراد عام ہے کہ کھانے کے بعد ہو یا پہلے۔ وضو اصطلاحی تو وہی ہے جو نماز کے لئے شرط ہے اور نماز کے اوقات میں کیا جاتا ہے، سب اس کو جانتے ہیں لیکن لغت عرب میں صرف ہاتھ منہ دھونے کو بھی وضو کہا جاتا ہے اور یہ وضو لغوی کے نام سے مشہور ہے۔ اس باب میں دو طرح کی روایات وارد ہوئی ہیں، بعض روایات سے وضو کرنا معلوم ہوتا ہے، یہ دوسرا وضو ہے جو وضو لغوی کہلاتا ہے، اور بعض روایات سے وضو نہ کرنا معلوم ہوتا ہے یہ پہلا وضو ہے جو وضو اصطلاحی کہلاتا ہے۔

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ جب کہ بیت الخلاء سے فراغت پر باہر تشریف لائے تو آپ کی خدمت میں کھانا حاضر کیا گیا اور وضو کا پانی لانے کے لئے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے وضو کا اسی وقت حکم ہے جب نماز کا ارادہ کروں۔ **فائدہ:** یعنی وضو اصطلاحی کا وجوب نماز ہی کے لئے ہے، کھانے کے لئے یا جب استنجہ وغیرہ سے فراغت ہو فوراً وضو کرنا ضروری نہیں ہے، حضور ﷺ نے اسی لئے انکار فرمادیا کہ یہ ضروری نہ سمجھ لیا جائے کہ جب استنجہ سے فراغت ہو تو وضو کیا جائے۔

وضوء المراد به الوضوء المعوي، كما يدل عليه قوله: 'عند الطعام' أي: قبله وبعده، كما يدل عليه ما سيأتي في آخر الباب، وقيل: المراد بوضوء الشرعي: أي ما جاء في صفة الوضوء وجوداً وعدماً، وحصل ما نقل السيد ميرك: أن الحديثين الأولين يدلان على أن الوضوء الشرعي لمس مستحب، والحديث الثالث يدل على استحبابه، فلا بد أن يحمل على وضوء اللعوي جمعاً بين الروايات. **لائسك** تحذف الفمرة الاستهامية، وفي نسخة: بإثباتها.

قال: إنما أمرت بالوضوء إذا قُمْتُ إلى الصلاة. **حدثنا** سعيد بن عبد الرحمن المحزومي، حدثنا سفيان بن عيينة، عن عمرو بن دينار، عن سعيد ابن الحويرث، **عن** ابن عباس قال: خرج رسول الله ﷺ من الغائط، فأبى بطعام، فقليل له: ألا تتوضأ؟ فقال: **أصلي فأتوضأ؟** **حدثنا** يحيى بن موسى، حدثنا عبد الله بن ثُمير، حدثنا قيس بن الربيع. **ح** وحدثنا قتيبة، حدثنا عبد الكريم الجرجاني، عن قيس بن الربيع، **عن** أبي هاشم، عن زاذان، **عن** سلمان قال: قرأت في التوراة: إن بركة الطعام الوضوء بعده، **درسی**

۱۲۰ ابن عباس رضی اللہ عنہما ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ حضور ﷺ ایک مرتبہ اتنبجے سے فارغ ہو کر تشریف لائے، حضور کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا۔ صحابہ نے پوچھا کہ کیا وضو نہیں فرمائیں گے؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اس وقت مجھے نماز پڑھنی ہے کہ وضو کروں؟ **فائدہ** پہلی حدیث میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے کھانے کے لئے وضو کرنا مستحب نہیں ہے، ابنتہ ویسے ہی ہر وقت با وضو رہنا اولیٰ اور بہتر ہے کہ ظاہری طہارت کا اثر باطن پر پڑتا ہے، اس لئے اگر اتنبجے وغیرہ سے فراغت پر وضو کر لیا جائے تو اولیٰ ہے۔

(۲) سمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے توریت میں پڑھا تھا کہ کھانے سے فراغت کے بعد وضو (یعنی ہاتھ دھونا) برکت کا سبب ہے۔ میں نے حضور اقدس ﷺ سے یہ مضمون عرض کیا، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کھانے سے

امر ب استدلال به عیسیٰ أنه كان يحب الوضوء عليه لكل صلوة متطهراً وغير متطهر، وعنه أبي داود. أنه كان أمر بحدث فلما شق عليه أمر بالسواك، قال انقري: المراد بالوضوء هي وما في معناها كسجدة التلاوة ومس بمصحف وزيارة مصروف، وكأنه بي الكلام على الأعم لأعجب. فان ميراث شاه: ويس في الحديث دلالة على غسل يديين، فيحتمل أنه غسلهما، ويحتمل عدم الغسل بيأياً لدخول. **صلى** حذف همزة الاستفهام الإنكاري، وفي نسخة: بإشفاقاً، إنكار لما توهموه من إيجاب الوضوء للأكل أي: لا أصلي فأوضأ بالنصب؛ لكونه بعد النفي وقصد السببية، وبارفع؛ لعدمها.

الحرجاني رحمه الحليم الأول فاصي حرجاب، روى عن أبي حنيفة وغيره، وروى عنه الشافعي وغيره، هرب من نقصاء فجاور عمكة. **في هاشم** علي ورن فاعل، هو أبو هاشم الرماني، محض في اسمه، ووقع في بعض نسخ. أبو هاشم، وهو عبط من الناسج. راداد براء معجمة أو الحروف وبدال معجمة بين الألف حرة بون فرب في التوراة لا يخلف حديث عبيد عمر بن الخطاب عن النظر في التوراة، لأنه ليس في حديث سمان أنه قرأ في الإسلام، مع أنه كان يحب موافقة أهل الكتاب فيما لم يؤمر، ثم أمر بمخالفتهم، فعلى هذا الحديث كان أولاً

فذكرت ذلك النبي ﷺ، وأخبرته بما قرأت في التوراة فقال رسول الله ﷺ: بركة الطعام: الوضوء قبله والوضوء بعده.

قبل اور کھانے کے بعد وضو (یعنی ہاتھ منہ دھونا) برکت کا سبب ہے۔ فائدہ: ممکن ہے کہ توریت میں ایک ہی وقت کا ذکر ہو، اس صورت میں دوسرے وقت کا اضافہ شریعت محمدیہ کی زیادتی ہوگی کہ اس شریعت میں بہت سے احکام پہلی شریعتوں سے زیادہ ہیں، اور ممکن ہے کہ توریت میں بھی دونوں ہوں، لیکن چونکہ اس میں تحریف ہوئی ہے اس لئے ایک حکم یعنی کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا مسئلہ اس میں غلطی سے نکل گیا ہو۔ علماء نے لکھا ہے کہ کھانے سے قبل ہاتھ دھونے میں برکت کا مطلب یہ ہے کہ کھانے میں زیادتی ہوتی ہے کھانے والوں کا شکم سیر ہو جاتا ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے برکت کا مفہوم یہ ہے کہ جن فوائد اور مقاصد کے لئے کھانا کھایا جاتا ہے وہ پورے ہوتے ہیں، بدن کا جزو بنتا ہے، نشاط پیدا کرتا ہے، عبادات اور عمدہ اخلاق پر تقویت کا سبب بنتا ہے۔

الوضوء الخ: لعله إشارة إلى تحريف ما في التوراة، أو إيماء إلى أن شريعته زادت الوضوء قبله أيضاً استقبالا للنعمة بالطهارة المشعرة للتعظيم عسى ماورد: بعثت لأتمم مكارم الأخلاق.

باب ما جاء في قول رسول الله ﷺ قبل الطعام وبعد ما يفرغ منه

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا ابن لُهيعة، عن يزيد بن أبي حبيب، عن راشد بن جندل اليافعي، عن حبيب بن أوس، عن أبي أيوب الأنصاري قال: كنا عند رسول الله ﷺ يوماً، ففُزِبَ إليه طعام، فلم أر طعاماً كان أعظم بركة منه أول ما أكلنا، ولا أقل بركة في آخره، قلنا: يا رسول الله! كيف هذا؟ قال: إنا ذكرنا اسم الله حين أكلنا، ثم قعد من أكل ولم يُسمِ الله تعالى، فأكل معه الشيطان.

باب۔ ان کلمات کا ذکر جو حضور اقدس ﷺ کھانے سے قبل

اور کھانے کے بعد فرمایا کرتے تھے

فائدہ یعنی جو دعائیں وغیرہ کھانے سے پہلے یا کھانے کے بعد پڑھنے کا حضور ﷺ کا معمول تھا ان کا ذکر۔ اس باب میں امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے کہ کھانا سامنے لایا گیا۔ میں نے آج جیسا کھانا کہ جو ابتداء یعنی کھانے کے شروع کے وقت نہایت بابرکت معصوم ہوتا ہو اور کھانے کے ختم کے وقت بالکل بے برکت ہو گیا ہو، کبھی نہیں دیکھا تھا، اس نئے حیرت سے حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شروع میں ہم لوگوں نے بسم اللہ کے ساتھ کھانا شروع کیا تھا اور اخیر میں فلاں شخص نے بغیر بسم اللہ پڑھے کھایا، اس کے ساتھ شیطان بھی شریک ہو گیا۔ **فائدہ** شیطان کا کھانا جمہور کے نزدیک حقیقت پر محمول ہے اور اس میں کوئی محل بھی نہیں ہے کہ شیطان کھانا پیتا ہو۔ اس حدیث میں صرف ”بسم اللہ“ کا ذکر ہے اس وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اگر فقط اتنا ہی کلمہ یعنی ”بسم اللہ“ پڑھے تب بھی کافی ہے لیکن بہتر اور اولیٰ پوری ”بسم اللہ الرحمن الرحیم“ پڑھنا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ بسم اللہ کو آواز سے پڑھنا اولیٰ ہے تاکہ دوسرے ساتھی کو اگر خیال نہ رہے تو یاد آجائے۔

تفسیر سبۃ بن یافع، وهو اسم موضع أو قسبة من رعين، علی ما فی الغاموس اور مصبوب علی الطرفة و'ما' مصدریة، ولو أريد انصبي بالسبۃ، لی تقریب صعاء لا سبۃ لی رمان شکمہ، وجمع علی رمان قبل حدیق، فلا یشکل ببرکۃ طعام جابر فی غزوة الخندق.

قول رسول الله ﷺ قبل الطعام ونغد ما يفرغ منه ۱۹۷ حضور اقدس ﷺ کھانے سے قبل اور بعد کیا فرمایا کرتے تھے؟

حدثنا يحيى بن موسى، حدثنا أبو داود، حدثنا هشام الدستوائي، عن بُدِيلِ الْعُقَيْلِيِّ، عن عبد الله بن عبيد بن عمير، عن أُمِّ كُلْثُوم، عن عائشة ؓ قالت: قال رسول الله ﷺ: إذا أكل أحدكم فَنَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اسمَ الله تعالى على طعامه، فليقل: بِسمِ الله أوله وآخره. حدثنا عبد الله بن الصَّبَّاحِ الهاشمي البصري، حدثنا عبد الأعلى، عن معمر، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عمر بن أبي سلمة، أنه دخل على رسول الله ﷺ وعنده طعام فقال: اذُنْ، يا بُنَيَّ! فَسَمَّ الله تعالى،

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کوئی شخص کھانا کھائے اور بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان جس وقت یاد آئے بسم اللہ اولہ و آخرہ کہہ لے۔

(۳) عمر بن ابی سلمی رضی اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ کے پاس کھانا رکھا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹا! قریب ہو جاؤ اور بسم اللہ کہہ کر دائیں ہاتھ سے اپنے قریب سے کھانا شروع کرو۔

الدستوائي نسبة إلى دستواء، بلدة من الأهوار، سب إبه؛ لأنه كان يبيع اثياب أبيه حب منها. ففسل قال القاري: دبا، وقال اسوي: دباً مؤكداً إذا تذكر حال الأكل لا بعده، عني ما عني بعض الشافعية؛ لأن التسمية إنما شرعت لدفع الشيطان وبانزعاقه، لكن رجع البعض خلافه، لأنها وإن شرعت لدفعه فقد شرعت أيضاً ليقى ما أكله، وفصل العص بين ما إذا تذكر حال الاشتغال بمصالح الطعام ولو بعد الأكل والعهد قريب وبين ما إذا بعد وانقطعت التسمية.

أوله وآخره بالنصب فيهما على للضرفية أي: في أوله وآخره، يعني على جميع أحواله، فلا يقار: ذكرهما يخرج الوسط، ويمكن أن يقال: المراد "بالأول" النصف الأول و"بالآخر" النصف الثاني، أو على أنهما معقولاً فعل محذوف أي: أكلت أوله وآخره مستعياً به، وأورد عليه أنه في أول أكله ليس مستعياً به، وأجيب: بأنه مستعين حكماً؛ لأن حال المؤمن وشأنه أنه مستعين به في جميع أحواله، وإن لم يغر اسم الله على سبانه سبانه فهو معفو عنه، ويدل عليه أن السبانه في ترك التسمية حال الدبح معفو مع أنها شرط، فكيف! وهي مستحبة ههنا، قاله القاري، وقال المناوي: إن الشرع جعله إثناء استعانة بسم الله في أوله، وليس هذا إيجاباً حتى يكذب، وهذا يصير مستعياً في أوله ويترتب عليه ما يترتب على الاستعانة في أوله. الصاح: بصاد مهملة وتشديد موحدة. لا يبي بصيغة التصغير شفقة، وكان ربيب أبي من جهة أم سلمة.

قول رسول الله ﷺ قبل الطعام وبعد ما يفرغ منه ۱۹۸ حضور اقدس رضی اللہ عنہ سے قبل اور بعد کیا کرتے تھے؟

وَكُلُّ بيمينك مما يليك. **حدثنا** محمد بن غيلان، حدثنا أبو أحمد الزبيري، حدثنا سفيان الثوري، عن أبي هاشم، عن إسماعيل بن رباح، عن رياح بن عبيدة،

فائدہ: بسم اللہ کہنا بالاتفاق سنت ہے، اور دائیں ہاتھ سے کھانا جمہور کے نزدیک سنت ہے اور بعض کے نزدیک واجب ہے، اس لئے کہ ایک بائیں ہاتھ سے کھانے والے شخص پر حضور ﷺ نے بد دعا فرمائی تھی تو اس کا ہاتھ شل ہو گیا تھا۔ جس کا عبرت انگیز واقعہ حدیث کی کتابوں میں ہے کہ ایک شخص بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، حضور ﷺ نے تنبیہ فرمائی کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اُس نے کہہ دیا کہ میں دائیں ہاتھ سے نہیں کھ سکتا، حضور ﷺ نے فرما دیا کہ آئندہ بھی نہ کھا سکو۔ اس کے بعد سے دایاں ہاتھ منہ تک نہیں چا سکتا تھا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک عورت کو بائیں ہاتھ سے کھاتے دیکھا تو اس پر بد دعا فرمائی اور وہ عورت طاعون میں مری۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا ہے، اس لئے تم بائیں ہاتھ سے مت کھاؤ۔ بعض علماء کے نزدیک ان روایات کی بنا پر دائیں ہاتھ سے کھانا واجب ہے۔ جمہور کے نزدیک گویہ سنت ہے لیکن ان روایات کی وجہ سے اہتمام ضروری ہے، آج کل لوگ اس سے غافل ہیں، بالخصوص پانی میں تو بائیں ہاتھ سے پانی پیئے کی عام وبا پھیل گئی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا حکم ہے کہ دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور دائیں ہاتھ سے پیو اس لئے کہ بائیں ہاتھ سے شیطان کھاتا اور پیتا ہے۔ اسی طرح تیسرا مضمون یعنی اپنی جانب سے کھانا بھی بعض علماء کے نزدیک ان روایات کی وجہ سے واجب ہے، لیکن جمہور کے نزدیک سنت ہے۔

وَكُلُّ احمهور عني ان الاوامر الثلاثة لسبب، وقيل: بالوجوب في غير الأول. قلت: ولعل الساعت للجمهور في حملهم الأمر بالأكل مما بينت على الدب حديث: 'تبع لبي' مدناء حوالي الفصعة وهو حديث معروف، والباعث في حملهم الأمر بالأكل باليمين على الدب ما أخرجه الصبراني بسند ضعيف أن عبد الله بن جعفر قال: 'رأيت في يمين النبي فناء وفي شماله رصاً وهو يأكل من دا مرة ومن دا مرة' وأخرج أبو عبيد في كتاب الصل له بسند فيه ضعف عن أس: 'أن النبي ﷺ كان يأخذ الرطب بيمينه والنطع في يساره فبأكل الرطب بالنطع'. ذكرهما القاري في باب العاكهة، وحمه على سبيل ما في يديه؛ فلا يرم الأكل دلشمان رباح بكسر الراء والمثناة التحتية، والد إسماعيل المذكور. و عبيدة' ففتح فكسر.

قول رسول الله ﷺ قبل الطعام وبعد ما يفرغ منه ۱۹۹ حضور اقدس ﷺ کھانے سے قبل اور بعد کیا فرمایا کرتے تھے؟

عن أبي سعيد الخدري **رحمہ اللہ** قال: كان رسول الله ﷺ إذا فرغ من طعامه قال: **الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ**. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا يحيى بن سعيد، حدثنا ثور بن يزيد، عن خالد بن معدان، **عن** أبي أمامة قال: كان رسول الله ﷺ إذا رُفِعَت المائدة

(۴) ابو سعید خدری **رحمہ اللہ** کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: **الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ** (تمام تعریف اس ذات پاک کے لئے ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا)۔ **فائدہ:** کھانے پر حمد تو ظاہر ہے کہ کھانے سے فراغت ہوئی اور آیت **لَسْ شُكْرُكُمْ لَارِيدُكُمْ** (ابراہیم: ۷) (اگر تم میرا شکر ادا کرو گے تو میں عطا میں زیادتی کروں گا) کی بنا پر شکر کا موقع ہے ہی۔ مسلمان ہونے کو اس کے ساتھ اس لئے منضم فرمایا کہ انعامات ظاہر یہ کے ساتھ انعامات باطنیہ بھی شامل رہیں، یا اس لئے کہ درحقیقت کھانے پینے پر شکر اور حق تعالیٰ جل ثنا کی حمد اسلام ہی کا ثمرہ ہے اس لئے اس کو بھی شامل کیا۔

(۵) ابوامامہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سامنے سے جب دستر خوان اٹھایا جاتا تو آپ یہ دعا پڑھتے: **الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ غَيْرُ مُؤَدَّعٍ وَلَا مُسْتَفْنَى عَنْهُ رَبَّنَا** (تمام تعریف حق تعالیٰ جل ثنا کے لئے منحصر ہے، ایسی تعریف جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، ایسی تعریف جو پاک ہے ریاد وغیرہ اوصافِ رزیدہ سے، جو مبارک ہے، ایسی حمد جو نہ چھوڑی جاسکتی ہے اور نہ اس سے استغنا کیا جاسکتا ہے۔ اے اللہ! ہمارے شکر کو قبول فرما)۔

اطعمنا صيغة الجمع باعتبار شركة الأهل أو الأصناف أو أمته الصعبة، فيسعي التأسى هذه الألفاظ تشريفاً للمسلمين. **وسقانا** أردفه به؛ لأنه من ثمة الطعام؛ لأنه لا يخلو عن الشرب في أنائه عالماً. **مسلمين** هكذا في جميع النسخ موجودة من الهندية والمصرية، وفي بعض الحواشي بطريق النسخة: 'من المسلمين' أي: الموحدين والمقادير لجميع أمور الدين. قيل: ما كان الحمد يستجلب به المرید أتى به **رحمہ اللہ** تحريصاً لأمرته على التأسى به، وحثمه بقوله: "وجعلنا مسلمين"؛ للجمع بين الحمد عنى النعمة الدنيوية والأخروية، وإشارة إلى أن الأولى أن لا يجرّد حمده إلى دقائق النعم، بل ي نظر إلى حلالها، ولأن الإتيان بحمده من نتائج الإسلام، ولأن المدار على حسن الخاتمة مع مافيه من الإشارة إلى الاتقياد في الأكل والشرب وغيرهما.

المائدة: قد فسروها بأنها: حواء عليه طعام، وتقدم رواية أنه **رحمہ اللہ** لم يأكل على حواء قط، فقيل: أكل عليه بعض الأحياء لبيان الحوار، ووجه أيضاً بأن اشتت مقدم، وبأن المائدة تطلق على كل ما يوضع عليه الصعام ولا يختص بصفة مخصوصة، وقد تطلق المائدة ويراد بها الطعام وبقية وإناءه فلا تعارض، قاله القاري.

قول رسول الله ﷺ قبل الطعام ونعم ما يفرغ منه ۲۰۰ حضور اقدس ﷺ کھانے سے قبل اور بعد کیا فرماتے تھے؟

من بين يديه يقول: الْحَمْدُ لِلَّهِ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا قَافِيَهُ غَيْرَ مُودَعٍ وَلَا مُسْتَعْنَى عَنْهُ رَبَّنَا. **حدثنا** أبو بكر محمد بن أبيان، حدثنا وكيع، عن هشام الدستوائي، عن بُذَيْل بن ميسرة العُقَيْلِيِّ، عن عبد الله بن عبيد بن عمير، عن أم كُثُوم، **عن** عائشة ^{بالصرف ومعه} **قالت:** ^{معه} كان النبي ﷺ يأكل الطعام في سِتَّة من أصحابه، فجاء أعرابي، فأكله بلقمتين، فقال رسول الله ﷺ: لو سَمَى لكفاكم. **حدثنا** هناد ومحمود بن غيلان، قالا: حدثنا أبو أسامة، عن زكريا بن أبي زائدة، عن سعيد بن أبي بُردة، **عن** أنس بن مالك، قال: قال رسول الله ﷺ: إِنْ الله لَيَرْضَى عن العبد أن يأكل الأَكْلَةَ ويشرب الشرَّبة، فيحمله عليها.

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ چھ آدمیوں کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک بدوی آیا اور اُس نے دو لقموں میں سب کو نمادیا، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر یہ بسم اللہ پڑھ کر کھاتا تو یہ کھانا سب کو کافی ہو جاتا۔ **فائدہ:** یعنی اس کے بسم اللہ نہ پڑھنے سے شیطان کی شرکت ہوئی اور وہ سب کو نمادیا جس سے بے برکتی ہو گئی۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حضور اکرم ﷺ سے نقل کیا کہ حق تعالیٰ بن شدہ کی اس بات پر بہت ہی رضا مندی ظاہر فرماتے ہیں کہ ایک بقمہ کھانا کھائے یا ایک گھونٹ پانی پیے اور حق تعالیٰ بن شدہ کا اس پر شکر ادا کرے۔ **اللَّهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ لَا أَحْصِي ثَنَاءَ عَلَيْكَ.**

غیر مودع نصیر يرجع إلى الله عز وجل. أو بن الحمد، أو بن الطعام يدي يدل عليه السياق قاري. رواه روي برفع والنصب واحر، فالرفع على تقدير: هو أو أنت رسا، اسمع حمدنا ودعائنا، أو عسى أنه مبتدأ وحجره لفظ غير برفع مقدم عنه، والنصب على أنه ماضی، حذف حرف اداء، واخر على التذلية من اسم اخلاصة. **قال:** يعمل أن يكون هذا ووفعة أي يوب متحدة، ويعمل لتعدد وهو اطاهر، وكذا يهتم أن تكون عائشة رأت دنت امرئ عيها قبل سرور لحجاب، ويعمل أن يكون من مراسيل الصحابة. قاري. بركة نصه لموحدة وسكون الراء، اسمه عامر.

يرضى أي برحمته وبنيته، واللام في بعد محسوس أو الاستعراق لأن كل علة ليرضى أي: بسبب أن يأكل أو وقت أن يأكل، أو مفعول به لا يرضى أي: يجب أن يأكل. (جمع الوسائل) الاكله بفتح الهمزة أي: مرة من الأكل، ويروي بالصمه أي: النعمة، وهي أبلغ في بيان اهتمام أداء الحمد، لكن الأول أوفق مع قوله: الشر به فإنه بالفتح لا غير، قاله القاري.

باب ما جاء في قدح رسول الله ﷺ

حدثنا الحسين بن الأسود البغدادي، حدثنا عمرو بن محمد، حدثنا عيسى بن طهمان، عن ثابت قال: أخرج إلينا أنس بن مالك قدح خشب غليظاً مضبباً بحديد فقال: يا ثابت! هذا قدح رسول الله ﷺ. **حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا عمرو بن عاصم، حدثنا حماد بن سلمة، حدثنا حميد وثابت، عن أنس رضي الله عنه**

باب حضور اقدس ﷺ کے پیالہ کا ذکر

فائدہ پیالہ سے مراد جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے وہ پیالہ ہے جس سے پانی تناول فرماتے تھے۔

(۱) ثابت کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ہم کو ایک لکڑی کا مونا پیالہ جس میں لوہے کے پترے لگ رہے تھے، نکال کر دکھلایا اور فرمایا کہ اے ثابت! یہ حضور اکرم ﷺ کا پیالہ ہے۔ **فائدہ** کہتے ہیں کہ حضرت نضر بن انس رضی اللہ عنہ کی میراث سے یہ پیالہ آٹھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا تھا اور ام بخاری رضی اللہ عنہا نے بصرہ میں اس پیالہ سے پانی بھی پیا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اور پیالہ تھا۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو اس پیالہ سے پینے کی سب انواع پانی، نبیذ، شہد، دودھ سب چیزیں پلائی ہیں۔ **فائدہ** نبیذ یہ کہلاتی ہے کہ کھجور کشمش وغیرہ پانی میں بھگو دی جائے اور جب اس کا اثر اچھی طرح آجائے تو

قدح القدح مفتحتین: ما يشرب منه، وقال ابن الأثير: هو إناء بين إنائين لا صغير ولا كبير، ورعا وصف بأحدهما، جمعه أفداح. قال ابن القيم: كان النبي ﷺ أفداح: واحد منها يسمى الرنا، والآخر معبثا، والآخر مضبباً بسبسة من فصة، قاله المناوي قلت: لكن الآتي في الحديث مضبب بحديد، وسيأتي قريباً. **الحسن** بن علي بن الأسود، مسوب إلى جده، وقد يسب إلى أبيه، والمشهور الأول. **مضبباً** بالنصب على أنه صفة قدح، والمضبب: المشدود بالضبات جمع ضبة: وهي حديدته العريضة التي يصب بها، قال المناوي: الضبة ما يشعب به الإناء من حديد أو غيره. قال ميرك: وقد ثبت في الصحيح: أن قدح النبي ﷺ الذي كان عبد أنس هو قدح جيد عريض، طوله أقصر من عرصه، وفي الصحيح أيضاً: أنه قد انصدع فسلسل بعضه ببعض بفضة، قاله القاري.

قال: لقد سَقَيْتُ رسولَ الله ﷺ بهذا القدح الشرابَ كله: الماءَ والتَّيِّدَ والعَسَلَ واللَّبَنَ.

وہ پانی نیز کہلاتا ہے۔ مقوی اور مفرح ہوتا ہے۔ حضور کے لئے شب کو کھجوریں وغیرہ بھگودی جاتی تھیں اور صبح کو حضور ﷺ نوش فرما لیتے اور کبھی دوسرے دن تک بھی جب تک کہ اُس میں سُکر (نشہ) کا اندیشہ نہ ہوتا تھا، کام میں لایا جاتا تھا۔

كله: أي: أنواعه كلها، وأبدل الأربعة المذكورة بدل بعض اهتماماً بشأنها؛ لكونها أفضل المشروبات، أو لكونها أشهر أنواعه.

باب ما جاء في صفة فاكهة رسول الله ﷺ

حدثنا إسماعيل بن موسى الفزاري، حدثنا إبراهيم بن سعد، عن أبيه، عن عبد الله بن جعفر قال: كان النبي ﷺ يأكل الفِثَاءَ بالرطب. **حدثنا** عبدة بن عبد الله الخزاعي البصري، حدثنا معاوية بن هشام، عن سفيان، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة بعد بن عبد الرحمن أن النبي ﷺ كان يأكل البَطِيخَ بالرطب. **حدثنا** إبراهيم بن يعقوب، حدثنا وهب بن جرير، حدثنا أبي قال: سمعت حميدا يقول - أو قال: حدثني حميد - قال وهب: وكان

باب حضور اقدس ﷺ کے پھلوں کا ذکر

فائدہ: یعنی حضور اقدس ﷺ نے کیا کیا پھل تناول فرمائے ہیں۔ اس باب میں پانچ حدیثیں ذکر کی گئی ہیں:

(۱) عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ککڑی کو کھجور کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

فائدہ: ککڑی چونکہ ٹھنڈی ہوتی ہے اور کھجور گرم، اس طرح سے دونوں کی اصلاح ہو کر اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کی چیزوں میں اُن کے مزاج کی رعایت رکھنا مناسب ہے، نیز ککڑی پھکی ہوتی ہے اور کھجور میٹھی جس کی وجہ سے ککڑی میں بھی میٹھاس آ جاتی ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تریوز کو تازہ کھجوروں کے ساتھ نوش فرماتے تھے۔

فائدہ: ترمذی وغیرہ کی روایت میں اس قصہ میں تصریح ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس کی ٹھنڈک اُس کی گرمی کو اور اُس کی گرمی اس کی ٹھنڈک کو زائل کر دے گی۔

الفزاري يمتنع الفاء والراء المحففة، مسبوب إلى بي حرارة، قبيلة من غطفان. **الفثاء** بكسر القاف ويضم وتشديد المثناة ممدودا قاله القاري، وقال الماوي: الكسر أشهر من الصم، نوع من احبار أحف منه. **البطيخ** قال القاري: اختلفوا في المراد منه، فقيل: هو الأصغر المعروف في الرواية الآتية بالحرز، وقيل: هو الأخضر وهو الأطهر. أو قال **حدثني** ظاهره إظهار الشك في لفظ الشيخ بأنه قال بلفظ 'سمعت' أو بلفظ 'حدثني' قال القاري: المقصود غاية الاحتياط في عبارة الرواية وإلا فمرتبة السماع والقول واحدة عند محدثين في اصطلاحهم. قال **وهب الخ** قال القاري: معناه كان حميد صديقا لوهب أو بالعكس. والأوجه عندي أن يقال: قال وهب: وكان جرير صديقا لحميد كما هو الظاهر. ولا يصح ما خلط الشراح في هذا الكلام.

صديقاً له، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: رأيت النبي ﷺ يجمع بين الخبز والرطب. **حدثنا** محمد بن يحيى، حدثنا محمد بن عبد العزيز الرَّمْلِي، حدثنا عبد الله بن يزيد بن الصلت، عن محمد بن إسحاق، عن يزيد بن رومان، عن عروة،

(۳) حضرت انس رضي الله عنه کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو خربوزہ اور کھجور اکٹھے کھاتے ہوئے دیکھا۔ **فائدہ:** بعض علماء نے اس جگہ بھی بجائے خربوزہ کے تربوز کا ترجمہ کیا ہے اور منشاء یہی روایت کی بنا پر اس کا ٹھنڈا ہونا ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہاں خربوزہ متعارف ہی مراد ہے اور کھجور سے کھانے کی وجہ بظاہر اس کا پھیکا پن ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ایک ہی مصلحت سب جگہ جاری کی جائے، ممکن ہے کہ کسی جگہ کوئی اور مصلحت ہو، اس لئے بندہ نا چیز کے نزدیک تربوز کو کھجور سے کھانے کا قصہ مستقل ہے اور اس کی مصلحت دونوں کے مزاج میں اعتدال پیدا کرنا ہے کہ تربوز ٹھنڈا ہوتا ہے، اور خربوزہ کو کھجور سے کھانے کا قصہ مستقل ہے اور اس کی مصلحت خربوزہ کا پھیکا ہونا ہے کہ بس اوقات اس کے پھیکے ہونے کی وجہ سے شکر ڈال کر اس کو کھایا جاتا ہے، اس لئے دونوں حدیثوں کو ایک پر محمول کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

صديقاً له. وهو بالتخفيف بمعنى: احبب الصادق في انصافه، وفي نسخة بكسر الصاد وتشديد الدال معني كثير لصادق، لكن لا يلائمه هذا لفظة إلا أن يقال: ب المعنى. كذا حميد مصدقاً وهو قنہ القاري. قلت: وفي مرجعي الصميرين نظر كما تقدم، واصوب: كذا جرير مصدقاً حميد. **الخبر** فان بقاري: بكسر الخاء المعجمة وسكون اراء وكسر الموحدة في آخرها راء، هو اصبح بالفارسية على ما في لنهاية، والظاهر أنه معرب الخبره وهي بفتح الخاء وساء في آخرها هاء، وهو الأصفر، فيحمل على نوع من م ينه صحه، فإن فيه برودة يعدها لربص، فاندفع قول من رعه أنه الأحصر محتجاً بأن الأصفر فيه حرارة على أن للأصفر ناسبة لربص برودة، وقيل اسوي: المراد الأصفر، ويقول: بأنه الأحصر لأن الأصفر فيه حرارة، ليس مناسب، لأن القصد التعديل أو بأن الأصفر غير اصبح غير حار، والخار مانهاهي صحه، وقيل رين الحفاط العراقي: امرد ههما: الأصفر لا الأحصر كما وهم؛ لأن الخبر اسم للأصفر بأرض الحجار. وحكى شبحي الوالد عن شبحه مولانا لشبيح انگوهي في الكوكب الدرري. أن المراد بالحرارة والبرودة حرارة حس والبرص لا حرارة مزاج. وقال: ما أحب بعضهم بأنه: كأنه بنا غير صبح، فيأبى عنه أنه لا يؤكل عادة. قلت: وهذا كنه عني ماهو المشهور عند الأصباء أن صنع الخبر حار، و ما حكي صاحب المحيط: الأصم عن أبي عبي بن سينا أن طبع الخبر بارد، فلا حاجة إلى الجواب، فإنه يصح حينئذ يكسر حر هذا ببرد هذا بلا تردد.

عن عائشة رضی اللہ عنہا: أن النبي ﷺ أكل البطيخ بالرطب. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس ح وحدثنا إسحاق بن موسى، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن سهيل بن أبي صالح، عن أبيه، **عن** أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان الناس إذا رأوا أول الثمر، جاؤا به إلى النبي ﷺ فإذا أخذه رسول الله ﷺ قال: اللهم بارك لنا في ثمارنا، وبارك لنا في مدينتنا،

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تربوز کو تر بھجوروں کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔
 (۵) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ لوگ جب کسی نے پھل کو دیکھتے تو اس کو حضور کی خدمت میں لا کر پیش کرتے تو حضور یہ دعا پڑھتے۔ **اللهم بارك لنا في ثمارنا، وبارك لنا في مدينتنا، وبارك لنا في صاعنا، وفي مدنا، اللهم إن إبراهيم عبدك وخليفك ونيك، وإني عبدك ونيك، وإنه دعاك لمكة، وإني أدعوك للمدينة بمثل ما دعاك به لمكة ومثله معه۔**
 اس کے بعد جس چھوٹے بچے کو دیکھتے اس کو مرحمت فرما دیتے۔ (ترجمہ دعا) اے اللہ! ہمارے پھلوں میں برکت فرما اور ہمارے شہر میں برکت فرما اور ہماری اس چیز میں جو صاع اور مد سے ناپی جاتی ہو (یہ دو پیمانے ہیں۔ مدینہ منورہ میں بھجوریں وغیرہ سب چیزیں ان سے ناپ کر فروخت کی جاتی تھیں) ان میں برکت فرما۔ اے اللہ! واقعی حضرت ابراہیم تیرے بندے اور تیرے دوست اور تیرے نبی تھے اور بیشک میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں (چونکہ موقع تواضع کا تھا اس لئے اپنے حبیب ہونے کا ذکر اس جگہ نہیں فرمایا) انھوں نے (جن چیزوں کی) دعا (اپنے آباد کردہ) شہر مکہ مکرمہ کے لئے کی ہے (جس کا بیان آیت **فاحصل أفده من الناس تهوي البهية وازرقهم من الثمرات** ﴿[ابراہیم: ۳۷] میں ہے کہ لوگوں کے قلوب مکہ کی طرف مائل فرما دے اور پھلوں کی روزی ان لوگوں کو میسر فرما) وہی دعا اس سے دوچند مقدار میں میں مدینہ منورہ کے لئے کرتا ہوں۔

إني النبي إشاراً له بذلك على أنفسهم، وحملاً له، وتعظيماً لجناحه، وطمناً للبركة فيما جدد الله عليهم من نعمه ببركة وجوده، ويرويه أولى الناس بما سق إليهم من ررق رهم. ويسعي أن يكون حمواؤه من العماء والأولياء كذلك قاله القاري، وقال المناوي: فيه أن الباكورة يندب الإتيان بها لأكبر القوم علماً وعملاً.

وبارك لنا في صاعنا، وفي مدنا، اللهم إن إبراهيم عبدك وخليلك ونبيك، وإنني عبدك ونبيك، وإنه دعاك لمكة، وإنني أدعوك للمدينة بمثل ما دعاك به لمكة، ومثله معه. قال: ثم يدعو أصغر وليد يراه فيعطيه ذلك الثمر. **حدثنا** محمد بن حميد الرازي، حدثنا إبراهيم بن المختار، عن محمد بن إسحاق، عن أبي عبيدة بن محمد بن عمار بن ياسر، **عن الربيع بنت معوذ بن عفراء قالت: بعثني معاذا بقناع من رطب،**

(۲) **ربيع بن ربيعة** کہتی ہیں کہ مجھے میرے چچا معاذ بن عفراء نے تازہ کھجوروں کا ایک طبق جن پر چھوٹی چھوٹی روئیں دار لکڑیاں بھی تھیں، لے کر حضور کی خدمت میں بھیجا۔ حضور اکرم ﷺ کو لکڑی مرغوب تھی۔ میں جس وقت لکڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی ہوں حضور والا کے پاس بحرین کے کچھ زیورات آئے ہوئے رکھے تھے، حضور نے ان میں سے ایک ہاتھ بھر کر مجھے مرمت فرمایا۔ **فائدہ:** لکڑی کھجور کے ساتھ علاوہ مذکورہ فوائد کے بدن کو فربہ بھی کرتی ہے۔

صاع المراد به الطعام الذي يكل باصبعين والأمداد، فيكون دعاء له بالبركة في أفوائهم في عموم أوقافهم قاله القاري، وقال الماوي: في صاعنا ومدنا حيث يكفي إكثار فيها من لا يكفيهم أضعافه في غيرها، ثم قالوا: ويحتمل أن تكون البركة المذكورة في الحديث دينية، وهي ما يتعلق بهذه المقادير من حقوق الله تعالى في البركة والكمالات. **عندك** توسل بعوديته وسوته، وقدم الأولى؛ لأنه لا شرف أعلى منه، ولم يقل: حليلك وإن كان حليلاً كما ورد في عدة الأحبار، بل حص بمقام المحبة الأربع من مقام الحبة؛ لأنه في مقام اتضاع؛ إذ هو اللائق بمقام ادعاء، وأدباً مع أبيه الحليل، كذا في الماوي وغيره. ومثله معه يعني أدعوك صغري ما دعاك حينئذ إبراهيم عليه لصلوة والسلام، ولا حجة في الحديث على المسئلة الخلافية في تحريم المدينة كما ترى.

ولقد في رواية: أصغر من يحضر، وفي أخرى: يدعو أصغر ويد له. فحمل بعضهم الروايتين المتقدمتين على هذه الرواية، ومهم من أول قوله له أي: للمؤمنين، وليس المراد من أهل بيته. وأما ظاهر عندي في الجمع بينها أن ذلك نعت ما اتفق له من حضور صغير أو دعاء أحد من أهل قراته. ووجه ترجيح الصغير للمذكورة شدة حرصهم وكثرة تطيبهم. **عنده** بزيادة التاء في آخره، فما في بعض النسخ من حذفه تحريف. **الربيع** نعت الرءاء وفتح الموحدة بتشديد التحتانية المكسورة، ست معود تشديد الواو وفتحها على الأشهر، وحرم الوقفي أنه بالكسر.

وعليه أجر من قثاء زُغْبٍ - وكان النبي ﷺ يحب القثاء - فأتيته به، وعنده حلية قد قدمته عليه من البحرين، فملاً يده منها فأعطانيه. **حدثنا** علي بن حجر، أخبرنا شريك، عن عبد الله بن محمد بن عَقِيل، **عن** ^{أبي. إحدى يديه} الرُّبِيع بنت مُعَوِّذ قالت: أتيتُ النبي ﷺ بِقِنَاعٍ من رُطْبٍ وأجر زُغْبٍ، فأعطاني مِلءَ كَفِّهِ حُلِيّاً، أو قالت: ذهباً.

چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میری رخصتی کے وقت میری والدہ کو خیال ہوا کہ اس کا بدن کچھ فرہ ہو جائے تاکہ اُنھان کچھ اچھا ہو جائے تو مجھے گلزی تازہ کھجور کے ساتھ کھلائی، جس سے میرے بدن میں اچھی فرہ ہی آگئی۔ ایک ضعیف حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی نقل کیا گیا کہ حضور اقدس ﷺ گلزیاں نمک سے نوش فرمایا کرتے تھے۔ اس میں کوئی مانع نہیں کہ کبھی نمک سے تناول فرماتے ہوں کبھی کھجور کے ساتھ کہ رغبت کسی وقت بیٹھے کی ہوتی ہے کسی وقت نمکین کی۔

(-) رُبِيع ہی سے یہ بھی مروی ہے کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک طبق کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئیں دار گلزیوں کا لے کر گئی، تو حضور نے مجھ کو ایک ہاتھ بھر کر سونا یا زیور مرحمت فرمایا۔ **فائدہ:** یہ وہی پہلا قصہ ہے، اس حدیث میں مختصر کر دیا۔ سونے اور زیور میں کسی راوی کو شک ہوا۔

احمر بفتح الهمزة وسكون الحيم وراء مئو مكنسور جمع حرو بكسر الحيم، وهو: الصعير من كل شيء حتى الحنظل والطيطيح، وامرأه هناك القثاء كما هو مبنى - من - اليازية في هذه الرواية. قاله القاري. رُعب بضم الزاء وسكون العين المعجمة، جمع أُرعب من الرعب بالفتح: هو صغار الريش أول ما طلع، شبه به ما على القثاء من الزعب. المحرس أي من خراج البحرين، وهو على لفظ التثنية موضع بين البصرة وعمان.

باب ما جاء في صفة شراب رسول الله ﷺ

حدثنا ابن أبي عمر، حدثنا سفيان، عن معمر، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان أحب الشراب إلى رسول الله ﷺ الحلو البارد. هم الماء العذب حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، أخبرنا علي بن زيد، عن عمر - هو ابن أبي حرملة - عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: دخلت مع رسول الله ﷺ أنا وخالد بن الوليد رضي الله عنهما على ميمونة، فجاءتنا بإناء من لبن، فشرب رسول الله ﷺ.

باب حضور اقدس ﷺ کے پینے کی چیزوں کے احوال

فائدہ۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دو حدیثیں ذکر کی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو پینے کی سب چیزوں میں میٹھی اور ٹھنڈی چیز مرغوب تھی۔ فائدہ۔ بظاہر تو اس حدیث سے ٹھنڈا اور میٹھا پانی مراد ہے۔ چنانچہ ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں بالتصريح وارد ہے اور یہ بھی محتمل ہے کہ اس سے شہد کا شربت یا بھجوروں کی بنیذ مراد ہو جیسا کہ پیالہ کے باب میں گزر چکا۔ حضور اقدس ﷺ کے دربار میں کھانے کا اہتمام کچھ ایسا نہ تھا، جو حاضر ہوتا وہی تناول فرمالیتے لیکن میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا خاص اہتمام تھا۔ سقیہ جو مدینہ طیبہ سے کئی میل پر ہے وہاں سے میٹھا پانی حضور کے لئے لایا جاتا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے حضرت داؤد علیہ السلام کی دعا کے الفاظ میں یہ بھی نقل فرمایا کہ اے اللہ! اپنی ایسی محبت مجھے عطا فرما جو میرے لئے اپنی جان و مال اور اہل و عیال سے اور ٹھنڈے پانی کی محبت سے بھی زیادہ ہو۔

(۲) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اور خالد بن الولید دونوں حضور اقدس ﷺ کے ساتھ حضرت ميمونة رضی اللہ عنہا کے گھر گئے (ام المؤمنین حضرت ميمونة رضی اللہ عنہا ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں) وہ ایک برتن میں دودھ لے کر آئیں۔ حضور ﷺ نے اس میں سے تناول فرمایا۔ میں دائیں جانب تھا اور خالد بن ولید بائیں جانب۔ مجھ سے ارشاد فرمایا کہ اب

وأنا على يمينه وخالد عن شماله، فقال لي: الشربة لك، فإن شئت آثرت بها خالداً، فقلت: ما كنت لأؤثر على سورك أحداً، ثم قال رسول الله ﷺ: من أطعمه الله طعاماً فليقل: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ، ومن سقاه الله لبناً فليقل: اللَّهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيهِ وَزِدْنَا مِنْهُ،

پینے کا حق تیرا ہے (کہ تو دائیں جانب ہے) اگر تو اپنی خوشی سے چاہے تو خالد کو ترجیح دے دے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے جھوٹے پر میں کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب کسی شخص کو حق تعالیٰ شانہ کوئی چیز کھلائیں تو یہ دعا پڑھنی چاہئے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ (اے اللہ! تو اس میں برکت عطا فرما اور

الشربة لك: لأنك صاحب اليمين، ومن على اليمين أقدم بمحاورته ملك اليمين الحاكم على ملك الشمال، ولذا ورد: الأيمن فالأيمن، رواه مالك وأحمد وأصحاب الستة عن أنس. قال العراقي: وهل تقدم الأيمن في الشرب خاصة أو يعم كل مطعم وكفاكهة ولحم؟ نقل عن مالك: التخصيص، وأنكره بعضهم قاله المناوي، وقال أيضاً فيه: إن السنة البداءة في الشرب ونحوه بمن عن يمين الكبير ولو صغيراً مفضولاً بالنسبة لمن على يساره، وهذا اتفاق لكنه على الاستحباب عند الجمهور، وذهب ابن حزم إلى وجوبه فقال: لا يجوز مناوله غير الأيمن إلا بإذنه، فإن قيل: يعارض هذا الحديث ما رواه أبو يعلى بإسناد صحيح: كان رسول الله ﷺ إذا سقى قال: ابدؤا بالأكبر أو قال بالأكبر، قلنا: ذلك معمول على ما إذا لم يكن عن يمينه أحد، بل كانوا أمامه أو ورائه. قلت: وقال الحافظ في الفتح لحديث أبي يعلى: إسناده قوي، وجمع بينهما بوجوه.

آثرت بها خالداً: لكونه أشرف منك مراعاةً للأكبر، وفي نسبة المشية إليه تطييب لخاطره، وتنبية نبیه عی أن الإیثار أولى له. ثم الحديث مستدل الحنفية في جواز الإیثار بالقرب، وقالت الشافعية: الإیثار بالقرب مكروه؛ لما فيه من الإعراض بالقرب، وقيد الشامي جوازه بما إذا عارض تلك القرية ما هو أفضل منها، كاحترام أهل العجم والأشباخ، كما في هذا الحديث. ويتفرع على هذا الخلاف مسائل: منها ما لو سقى أحد إلى الصف الأول فدخل رجل أكبر منه سناً أو أهل عجم يبعي له أن يتأخر ويقدمه تعظيماً له، ثم لا يشكل على الحديث بأنه ﷺ استأذن ابن عباس فيه ولم يستأذن الأعرابي كما جاء في المتفق عليه من حديث أنس أن عمر ؓ قال: أعطه أبا بكر يا رسول الله! فأعطى الأعرابي، ثم قال: الأيمن فالأيسر؛ لأن بين القصتين من الخصائص التي لا تخفى.

لنا أي: معشر المسلمين أو جماعة الأكليين، والظاهر أن يأتي بهذا اللفظ وإن كان وحده؛ رعاية لندب الوارد وملاحظة لعموم الإحواض فإنه ورد: لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه.

ثم قال: قال رسول الله ﷺ: ليس شيء يُجزئ مكان الطعام والشراب غير اللبن. قال أبو عيسى: هكذا روى سفيان بن عيينة هذا الحديث عن معمر، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة رضی اللہ عنہا، ورواه عبد الله بن المبارك وعبد الرزاق وغير واحد عن معمر، عن الزهري، عن النبي ﷺ مرسلًا، ولم يذكروا فيه: عن عروة، عن عائشة، وهكذا روى يونس وغير واحد عن الزهري، عن النبي ﷺ مرسلًا. قال أبو عيسى: وإنما أسنده ابن عيينة من بين الناس. قال أبو عيسى: وميمونة بنت الحارث زوج النبي ﷺ هي خالة خالد بن الوليد،

اس سے بہتر چیز عطا فرما اور جب کسی کو حق تعالیٰ شہ دودھ عطا فرمائیں تو یہ دُعا پڑھنا چاہئے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ (اے اللہ! اس میں برکت عطا فرما اور زیادتی نصیب فرما)۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہر چیز کے بعد اُس سے بہتر کی دُعا اور دودھ کے بعد اس میں زیادتی کی دعا اس لئے تعلیم فرمائی کہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے کہ دودھ کے علاوہ اور کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو کھانے اور پانی دونوں کا کام دیتی ہو۔

ثم قال: ثم قال ابن عباس: قال رسول الله ﷺ: ليس شيء إلا هذا بمنزلة التعليل لما تقدم من دعائه عليه بالصوة والسلام في اللبن بالمزيد، وفي غير اللبن باستدعاء الخير منه. قال أبو عيسى: غرض المصنف بيان الكلام على الحديثين المتقدمين، وهذا ما يتعلق بالحديث الأول. وحاصله أن سفيان بن عيينة جعل هذا الحديث موصولاً متصلًا، والصواب إرساله، فإن عبد الله بن المبارك وعبد الرزاق وغير واحد من تلامذة معمر جعلاه عن الزهري مرسلًا، وكذلك يونس وغير واحد من تلامذة الزهري جعلوه أيضًا مرسلًا، فالحق إرساله. وقال المصنف في جامعه بعد تخريج الحديث: هكذا رواه غير واحد عن ابن عيينة، والصحيح ما روى الزهري عن النبي ﷺ مرسلًا، وهذا أصح من حديث ابن عيينة، انتهى ملقطًا.

قال أبو عيسى: هذا بيان للحديث الثاني، بين أولاً وجه دحوهما عليها بأنها كانت محرماً لهما وذكر كوها خاتمة يريد من الأصم استطراداً تمام الفائدة، ثم ذكر الكلام على هذا الحديث بقوله: واحتلف الناس بلخ، وحاصله أن تلامذة علي بن زيد بن جدعان اختلفوا في بيان اسم شيعه فروى بعضهم عمر بن أبي حرملة بدون الواو، وروى بعضهم عمرو بن حرملة بذكر الواو، وحذف لفظ "أبي" وهو غلط بوجهين، والصواب عمر بن أبي حرملة بدون الواو وبذكر لمط التكي، قال القاري: النصحة في الموضعين كما ذكره البيهقي: الأول عمر بلا واو، والثاني أبي عبي الكيبة =

وخالة ابن عباس، وخالة يزيد بن الأصم رضی اللہ عنہ واختلف الناس في رواية هذا الحديث عن علي بن زيد بن جُدعان، فروى بعضهم عن علي بن زيد، عن عمر بن أبي حرملة، وروى شعبة عن علي بن زيد فقال: عن عمرو بن حرملة، والصحيح: عن عمر بن أبي حرملة.

فائدہ: حضور ﷺ نے دودھ مرحمت فرمانے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کا حق اس لئے فرمایا کہ وہ دائیں جانب تشریف فرما تھے اور خالد بائیں جانب اور پیالہ کا دور جیسا کہ متعدد روایات میں آیا دایہی جانب چلنا چاہئے، اور خالد کی ترجیح کو اس لئے ارشاد فرمایا کہ وہ عمر میں بڑے تھے، نیز ابن عباس رضی اللہ عنہ کی تعلیم مقصود تھی کہ حق اگرچہ ان کا ہے مگر خود ان کو چاہئے کہ بڑے کی ترجیح کی رعایت کریں، لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے لئے حضور کے جھوٹے کی اہمیت اور اس کا شغف غالب ہوا جو حضور کے ساتھ غایتِ عشق کا ثمرہ تھا۔

= قال المصنف في جامعه: وقد روى بعضهم هذا الحديث عن علي بن زيد فقال: عن عمر بن حرملة، وقال بعضهم: عمرو بن حرملة ولا يصح. أي: لا يصح أحد من القولين، بل الصواب عمر بن أبي حرملة.

باب ما جاء في صفة شرب رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا هشيم، أخبرنا عاصم الأحول ومغيرة، عن الشعبي، **عن** (۱) ابن عباس رضي الله عنهما : أن النبي ﷺ شرب من زمزم وهو قائم. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، بن مقسم حدثنا محمد بن جعفر،

باب۔ اُن احادیث کا ذکر جن میں حضور اقدس ﷺ کے پینے

کا طرز وارد ہوا ہے

فائدہ: اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے دس حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے زمزم کا پانی کھڑے ہونے کی حالت میں نوش فرمایا۔

فائدہ: حضور اقدس ﷺ سے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت بھی آئی ہے، چنانچہ دوسری حدیث کے ذیل میں اس کا مفصل ذکر آئے گا۔ اس بنا پر بعض علماء نے زمزم پینے کو بھی اُس ممانعت میں داخل فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس نوش فرمانے کو ازدحام کے عذر، یا بیان جواز پر حمل فرمایا ہے۔ لیکن علماء کا مشہور قول یہ ہے کہ زمزم اُس نبی میں داخل نہیں، اس کا کھڑے ہو کر پینا افضل ہے۔

شرب بتلث الشبر مصدر معى التشرب، وهو امراد هها لكن الكسر في معنى الصيب أشهر، وقد يأتي معنى المشروب أيضاً وليس عمرد ههاك؛ لئلا يتكرر مع الترجمة السابقة. **وهو قائم:** الطاهر في حجة الوداع، وفي رواية الشيخين: قال: أثبت النبي ﷺ بدلو من ماء رمرم فشرب وهو قائم، وفي رواية ابن ماجة: قال عاصم: فذكرت ذلك لعكرمة فحلف أنه ما كان حينئذ إلا راكبا، وعند أبي داود من وجه آخر. عن عكرمة، عن ابن عباس أن النبي ﷺ طاف على بعيره، ثم أتاه ففصلني ركعتين، ففعل شره من رمرم، كان حينئذ قل أن يعود إلى بعيره، ويخرج إلى الصفا، وهذا هو الذي يتبع المصير إليه؛ لأن عمدة عكرمة في ذلك إنما هو ما ثبت أنه ﷺ طاف على بعيره وسعى كذا، لكن لا بد من تحلل ركعتي الطواف بين ذلك، وقد ثبت أنه صلاهما على الأرض فما امانع من كونه ﷺ شرب من زمزم وهو قائم، كذا حققه القسطلاني، وهو جمع جيد لا عار عليه، وما وقع في حديث جابر في سياق حج النبي ﷺ من أنه استقى بعد طواف الزيارة عند إتمام الأساس لا يفي هذا التأويل، عاية ما فيه يلزم منه كون الشرب من زمزم وقع في الحج مرتين، ولا بعد فيه قاله القاري.

عن حُسَيْن المعلم، ^(۱) عن عمرو بن شعيب، عن أبيه، عن جده قال: رأيت رسول الله ﷺ يشرب قائما وقاعدا.

(۲) عمرو بن شعيب اپنے باپ سے اور وہ دادا سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو کھڑے اور بیٹھے دونوں طرح پانی پیتے دیکھا۔ **فائدہ:** حضور ﷺ سے کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت میں بہت سی روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت آئی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ کھڑے ہو کر کوئی شخص پانی نہ پیے، اگر بھول کر پی لے تو قے کر دے۔ علماء نے حضور کے اس فعل میں اور ممانعت میں چند وجوہ سے جمع کیا ہے: بعض علماء کی رائے ہے کہ ممانعت بعد میں وارد ہوئی اس لئے یہ ناخ ہے، بعض علماء اس کا عکس فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پینے کی روایتیں ناخ ہیں ممانعت کے لئے۔ لیکن مشہور قول یہ ہے کہ ممانعت حکم شرعی اور تحریمی نہیں بلکہ آداب کے طریقہ سے ہے، نیز شفقت اور رحمت کے باب سے بھی ہے اس لئے کہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے کھڑے ہو کر پانی پینے کی چند مضرتیں بتلائی ہیں۔ الغرض حضور ﷺ کا کھڑے ہو کر نوش فرمانا بیانِ جواز کے لئے ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ممانعت کی وجہ سے کھڑے ہو کر پانی پینا حرام نہیں البتہ خلافِ اولیٰ اور مکروہ ہے۔

عن أبيه عن جده: اختلف القناد كثيرًا في هذا السند فقيل: لا يحتج به؛ لأن ضمير "جده" إن يرجع إلى "عمرو" فالمراد به محمد، وهو ليس بصحابي فالحديث مرسل، وإن أرجع إلى "شعيب" فالمراد به عبد الله بن عمرو بن العاص، وهو صحابي مكثر، لكن لقاء شعيب عن جده حفي، وقيل: هو صحيفة، ولذا قال أبو داود لما سئل عنه عمرو بن شعيب عندك حجة؟ قال: لا ولا نصف حجة، وقال عبي بن المديني عن يحيى بن سعيد: حديثه عندنا واه، وقال الآخرون: هذا سند محتج به، وضمير "جده" إلى "شعيب" لا غير، وسماعه من عبد الله بن عمرو صحيح ثابت صرح بسماعه عنه في أماكن، ووقع في سنن أبي داود والنسائي: عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده عبد الله والسند لا مطعن فيه. قال البخاري: رأيت أحمد بن حنبل وعبي بن المديني وإسحاق وعامة أصحابنا يحتجون بحديث عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده، ما تركه أحد من المسلمين. قلت: وحقق الاحتجاج به القاري والخلي من الحنفية.

قائما قال الماوي: ولا خلاف أن الأكثر من فعله المستقر المعروف من أحواله الشرب قاعداً ففعل غير لبيان الحوار، فليس تقدم القيام بكثرته كما وهم، بل لأنه أحق بالاهتمام لما فيه من الرد على المنكر، وأخرج النسائي من عائشة رضی اللہ عنہا: رأيت رسول الله ﷺ يشرب قائما وقاعداً، ويصلي حافيا ومتعلاً الحديث، قال العراقي: وإسناده جيد، قال القاري: وما قيل من أن النبي ﷺ منسره من فعل المكروه فكيف شرب قائما، محدود؛ لأنه إذا كان لبيان الحوار فواجب عليه فكيف يكون مكروهاً.

حدثنا علي بن حجر، حدثنا ابن المبارك، عن عاصم الأحول، عن الشعبي، **عن** ابن عباس **رضي** الله عنهما قال: سقيت النبي ﷺ من زَمْزَمَ، فشرب وهو قائم. **حدثنا** أبو كريب محمد بن العلاء ومحمد بن طريف الكوفي قالا: أنبأنا ابن الفضيل، عن الأعمش، عن عبد الملك بن ميسرة، **عن** التَّزَالِ بن سَبْرَةَ

فتح مسكون

(۳) ابن عباس **رضي** الله عنهما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو زمزم کا پانی پلایا اور حضور نے کھڑے ہوئے نوش فرمایا۔ **فائدہ:** باب کی پہلی حدیث میں اس کا ذکر گزر چکا۔

(۴) نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ حضرت علی **رضي** الله عنہ کے پاس جب کہ وہ مسجد کوفہ کے میدان میں (جو اُن کا دار القضا تھا) تشریف فرما تھے، ایک کوزہ پانی لایا گیا۔ انھوں نے ایک چلو پانی لے کر کھلی کی اور ناک میں پانی ڈالا اور پھر اپنے منہ پر اور ہاتھوں پر، سر پر مسح کیا، پھر کھڑے ہو کر پانی پیا اور فرمایا کہ یہ اُس شخص کا وضو ہے جو پہلے سے با وضو ہو۔ ایسے ہی میں نے حضور اقدس ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھا۔

فائدہ: یہ حدیث مختصر ہے مفصل مشکوٰۃ شریف میں بروایت بخاری منقول ہے۔ اس حدیث میں یہ بھی احتمال ہے کہ منہ ہاتھ وغیرہ پر حقیقتاً مسح کیا ہو۔ اس صورت میں اس کو وضو کہنا مجاز ہے، لغوی معنی کے اعتبار سے اس کو وضو کہہ دیا، چنانچہ پاؤں کا ذکر اس میں ہے ہی نہیں، یہ قرینہ اسی احتمال کا ہے۔ دوسری توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس حدیث میں ہلکے سے دھونے کو مجازاً مسح سے تعبیر کر دیا، اور پاؤں کا ذکر اس قصہ میں بعض روایات میں آتا ہے۔

اس عباس قال القاري: وقد تقدم فامراد تعدد الاسناد قوة الاعتماد، وفي سياق هذا الحديث إشارة إلى تعدد شربه ﷺ وإيماء إلى أن أحدهما كان بيد ابن عباس.

طريف بفتح الطاء وكسر الراء المهمتين. اس الفصل وفي نسخة: اس الفصل قاله القاري، قلت: والمؤيد نكتب الرجال هو الأول، فإنه محمد بن فضيل بن عروان ميسرة بفتح ميم وسكون ياء ففتححات. والسرال: بفتح ياء وتشديد زاء معجمة. وسبرة: بفتح سين مهملة وسكون موحدة فراء فقاء تأنيث.

قال: **أَيُّ عَلِيٍّ** بَكُوزٌ مِنْ مَاءٍ - وَهُوَ فِي الرَّحْبَةِ - فَأَخَذَ مِنْهُ كَفًّا فغَسَلَ يَدَيْهِ، وَمُضْمَضٌ، وَاسْتَنْشَقَ، وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ، ثُمَّ شَرَبَ مِنْهُ وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ قَالَ: هَذَا وَضُوءٌ مَنْ لَمْ يُحْدِثْ، هَكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ **فَعَلَّ**. **حَدَّثَنَا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ وَيُوسُفُ بْنُ حَمَادٍ قَالَا: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي عَصَامٍ، عَنْ **أَنْسِ بْنِ مَالِكٍ** **رَضِيَ**:

اس توجیہ کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مسح کی جگہ بعض روایات میں منہ ہاتھ دھونے کا ذکر ہے اس صورت میں اس حدیث میں تجدید وضو مراد ہے اور یہی توجیہ بندہ ناچیز کے نزدیک اولیٰ ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا جائز ہے، کتب فقہ میں اس کے اور آب زم زم کے کھڑے ہو کر پینے کے جواز کی تصریح ہے، بلکہ علامہ شامی **رحمۃ اللہ علیہ** نے تو وضو کا پانی کھڑے ہو کر پینے کو بعض بزرگوں سے شفاء امراض کے لئے علاج مجرب نقل کیا ہے، اور ملا علی قاری **رحمۃ اللہ علیہ** نے شرح شامل میں اس کا استحباب نقل کیا ہے۔

(۵) حضرت انس **رضی اللہ عنہ** فرماتے ہیں کہ حضور اقدس **صلی اللہ علیہ وسلم** پانی پینے میں تین مرتبہ سانس لیا کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ اس طریقہ سے پینا زیادہ خوشگوار ہے اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔ **فائدہ:** پانی ایک سانس میں پینے کی ممانعت بھی آئی ہے

أَيُّ الْحِ وَلَمَّظَ السَّائِي فِي سَهْ: قَالَ: رَأَيْتُ عَلِيًّا صَلَّى الطَّهَرُ ثُمَّ قَعَدَ لِحَوَائِجِ النَّاسِ فَمَّا حَضَرَتْ الْعَصْرَ أَتَى تَوْرَ مِنْ مَاءٍ، الْحَدِيثُ. **الرَّحْمَةُ** بَفَتْحِ الرَّاءِ وَاحْتَاءِ الْمُهْمَتَيْنِ، امْكَانُ الْمُتَسَعِّ، قَالَ فِي الْمَعْرِ: أَمَّا فِي حَدِيثِ عَلِيٍّ فَإِنَّهُ دَكَانَ وَسَطَ مَسْجِدِ الْكَوْفَةِ وَكَانَ عَلِيٌّ يَقْعُدُ فِيهِ وَيَعْظُ. قُلْتُ: وَقَدْ تَقَدَّمَ مِنْ رَوَايَةِ السَّائِي مَا يُوَافِقُهُ. **وَمَسَحَ** قَالَ الْقَارِي: أَيُّ عَسَلَهَا عَسَلًا حَقِيمًا، فَالْمُرَادُ الْوَضُوءُ الشَّرْعِيُّ، وَيُؤَيِّدُهُ مَا وَقَعَ فِي بَعْضِ الرِّوَايَاتِ الصَّحِيحَةِ: أَنَّهُ عَسَلَهَا، وَيَحْتَمِلُ أَنَّهُ مَ يَعْسَلُهَا، فَالْمُرَادُ الْوَضُوءُ الْعَرَبِيُّ، وَيُؤَيِّدُهُ تَرْكُ ذِكْرِ الرَّحْمِيِّ فِي الْأَصْلِ فَيَحْتَمِلُ حِلَافَ الرِّوَايَتَيْنِ عَلَى تَعَدُّدِ الْوَاقِعَةِ فِي الرَّحْمَةِ.

فَعَلَّ قَالَ الْقَارِي: شَرِبَهُ قَائِمًا يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ لِبَيَانِ الْحَوَارِ، وَأَنْ يَكُونَ لِلِاسْتِحْبَابِ نَحْصِصَ هَذَا الْمَاءَ وَهُوَ مَخْتَارُ مَشَائِخِهَا، وَيُؤَيِّدُهُ عَمَلُ عُمِّي **رَضِيَ** بَعْدَهُ **رَضِيَ**، لِأَنَّهُ لَوْ كَانَ فَعَلَهُ **رَضِيَ** لِبَيَانِ الْحَوَارِ لَكَانَ تَرْكُهُ أَفْضَلَ. **أَبِي عَصَامٍ** بَكَسْرُ أَوَّلِهِ، وَفِي سَحَةِ: **أَبِي عَصَامٍ** وَهُوَ صَعِيفٌ قَالَهُ الْقَارِي. قُلْتُ: اخْتَلَفَ الرِّوَاةُ فِي ذِكْرِ هَذَا الرَّوَايَةِ مَذْكَرَهُ الْجُمْهُورُ لِقَطْعِ: **أَبِي عَصَامٍ** وَقَالَ بَعْضُهُمْ: **أَبُو عَصَامٍ**، وَسَطَ الْكَلَامِ عَلَيْهِ الْحَافِظُ فِي تَقْدِيرِهِ فِي تَرْجُمَةِ **أَبِي عَصَامٍ**، فَمَا قَبِلَ: مَ تَوْجِدُ تَرْجُمَتَهُ، لَيْسَ بِوَجِيهِ.

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا إِذَا شَرِبَ، وَيَقُولُ: هُوَ أَمْرٌ وَأَرْوَى. **حدثنا** علي بن خشرم، أخبرنا عيسى بن يونس، عن رشدين بن كريب، عن أبيه، عن **ع** ابن عباس رضي الله عنه: أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ إِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَيْنِ. **حدثنا** ابن أبي عمير، حدثنا سفیان، عن يزيد بن يزيد بن جابر، عن عبد الرحمن بن أبي عمرة،

واقف اسمه اسم أبيه

علماء نے ایک دفعہ ہی پینے کی بہت سی مفرتیں بھی لکھی ہیں، بالخصوص ضعف اعصاب کا سبب بتایا ہے، نیز معدہ اور جگر کے لئے بھی مفرت کا سبب ہے۔

(۶) ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب پانی نوش فرماتے تو دو دفعہ سانس لیتے تھے۔ **فائدہ:** اس حدیث میں یا تو پانی دو سانس میں پینا مراد ہے اور یہی بظاہر قریب ہے، اس لئے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی قولی حدیث میں ہے کہ پانی ایک دفعہ ہی نہ پیا کرو بلکہ دو یا تین سانس میں پیا کرو۔ اس صورت میں یہ حدیث بعض اوقات پر محمول ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بعض اوقات اقل درجہ کے بیان فرمانے کے لئے دو سانس میں بھی پیتے تھے۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث میں پانی کے درمیان میں دو مرتبہ سانس لینا مراد ہے اور جب پانی کے درمیان میں دو مرتبہ سانس لیا تو تمام پانی تین سانس میں ہو گیا۔ اس صورت میں اور روایات سے کچھ تعارض ہی نہیں رہا۔

في الإناء في الصحيحين: عن أبي قتادة أنه رأى النبي ﷺ ينفس في الإناء، فالمعنى أنه كان يشرب ثلاث مرات. وفي كل ذلك بين الإناء عن فيه فيتنفس ثم يعود، والمنهي عنه هو التنفس في الإناء بدو الإناء، ويدل عليه قوله: 'هو أمراً' وقال القرطبي: أما رعم بعضهم إجماع الحديث على طاهره، وإنه فعله لبيان الحوار ولكونه لا يستقدر منه فعير صحيح؛ ندليل بقية الحديث وهو قوله: 'أمراً'. أمرء بالهمز فاعل من مرة الطعام مثله الرء إذا وافق المعدة. قال المناوي: مرأ الطعام أو الشراب في جسده إذا لم ينقل على المعدة، وانحدر عنها طيباً بدو وقع، ومه قوله تعالى: ﴿فَكُنْوةً هَبْءَ﴾ [النساء ۴] وقال القاري: أمراً: أسوغ وأهضم، وقوله: أروى أي أكثر ربا لأنه أقمع للعطش.

حشرم بفتح حاء وسكون شين معجمتين يصرف ولا يصرف. **مرئ** قال المناوي: هذا الحديث وإن كان صعيماً، لكن له شواهد عند المصنف في جامعه وغيره، وأحاديث الثلاثة أقوى وأصح، وقال الشارح: لا يباي ما سبق؛ لأنه في بعض الأحيان لبيان الجواز، أو أراد التنفس أثناء الشرب وأسقط الثالثة؛ لأنها بعد الشرب.

عن^(۴) جدته كبشة قالت: دخل علي رسول الله ﷺ فشرب من في قربة معلقة قائماً، فقامت إلى فيها فقطعته. حدثنا محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا عذرة بن ثابت الأنصاري،

(۷) كبشہ نبی ﷺ کا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میرے گھر تشریف لائے وہاں ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا، حضور ﷺ نے کھڑے ہوئے اس مشکیزہ کے منہ سے پانی نوش فرمایا، میں نے اُنھ کو مشکیزہ کے منہ کو کتر لیا۔

فائدہ: امام نووی رحمہ اللہ نے امام ترمذی رحمہ اللہ سے اس کترنے کی دو وجہ نقل کی ہیں: ایک تو تبرکاً کہ اس حصہ کو جس پر نبی کریم ﷺ کا دہن مبارک لگا تھا تبرک کے طور پر اپنے پاس رکھنے کے لئے کتر لیا۔ دوسرے یہ کہ جس جگہ کو حضور اقدس ﷺ کا دہن مبارک لگا ہے دوسرا کوئی اس کو استعمال نہ کرے، یعنی مقصود یہ کہ ادباً اُس جگہ کو کتر لیا کہ کسی دوسرے کا منہ اُس جگہ لگنا بے ادبی تھی۔ اس حدیث میں دو گفتگو ہیں: ایک کھڑے ہو کر پانی پینے کی، وہ پہلے گزر چکی۔ دوسری یہ کہ بخاری شریف وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مشک کے منہ سے پانی پینے کی ممانعت وارد ہوئی ہے اس لئے اس حدیث کو بیان جواز پر حمل کریں گے یا اُس ممانعت کی روایت کو خلافِ اولیٰ پر حمل کریں گے، نیز حضور ﷺ کے اس پینے کو اُس نبی کی وجہ سے ضرورت پر بھی حمل کیا جاسکتا ہے۔ ایک حدیث میں ایک قصہ آیا ہے کہ ایک شخص مشکیزہ کو منہ لگا کر پانی پی رہے تھے کہ اس میں سے ایک سانپ نکل آیا، اس پر حضور اقدس ﷺ نے اس طرح پانی پینے کی ممانعت فرمادی۔ اس حدیث کی بنا پر اس طرح پانی پینے کے واقعات بظاہر ابتدائی ہیں۔ ایک خصوصی بات اور بھی ہے کہ اس طرح پانی پینے میں منجملہ دوسرے وجوہ کے ایک وجہ ممانعت یہ بھی ہے کہ ہر شخص کا منہ ایسا نہیں ہوتا جس کے گھڑے یا مشک وغیرہ کے لگنے سے دوسروں کو گھین نہ آئے، لیکن بعض منہ ایسے ضرور ہوتے ہیں جن کا لعاب بیماروں کو شفا اور دنیا کی ہر چیز سے زیادہ لذیذ اور ہر فرحت کی چیز سے زیادہ سرور پیدا کرنے والا ہوتا ہے۔

عنا ب لعاب دہن شربت وصال نسخہ چاہئے ترے بیمار کے لئے

اس لئے حضور اقدس محبوبِ دو عالم کے مشکیزے سے پینے کو دوسروں کے پینے پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

كبشة. بت ثابت بن المنذر الأنصارية أحت حساس قاله القاري والبيجوري، وجرم المناوي بأها بت كعب بن مالك الأنصاري، وجعل الحافظ في تهذيبه هذه الرواية لكبشة بنت ثابت، ورواية أبي قتادة في الوضوء من سور اهرة لكبشة بنت كعب بن مالك الأنصارية روية ابنه عبد الله بن أبي قتادة. عورة. معلقة مفتوحة فراي ساكمة فراء مفتوحة بعدها هاء، وثمالة بضم المثناة.

عن ^۸ ثُمَامَةَ بن عبد الله قال: كان أنس بن مالك رضي الله عنه يَتَنَفَّسُ في الإناء ثَلَاثًا، وزعم أنس أن النبي ﷺ كان يَتَنَفَّسُ في الإناء ثَلَاثًا. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا أبو عاصم، عن ابن جُرَيْج، عن عبد الكريم، عن البراء بن زيد - ابن ابنة أنس بن مالك - **عن** ^۹ أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي ﷺ دخل على أم سليم وقرْبة مُعَلَّقة، فشرب من فم القرْبة وهو قائم، فقامت أم سليم إلى رأس القرْبة ففَقَطَعَتْهَا. **حدثنا** أحمد بن نصر النيسابوري، حدثنا إسحاق بن محمد الفروي،

(۸) ثمامہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ پانی تین سانس میں پیتے تھے اور کہتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

(۹) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ میری والدہ ام سلیم کے گھر تشریف لے گئے، وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا۔ حضور نے کھڑے ہی ہوئے اس میں سے پانی نوش فرمایا۔ ام سلیم کھڑی ہوئیں اور اس مشکیزہ کے منہ کو کتر کر رکھ لیا۔ **فائدہ:** حضرت کبش کی حدیث بھی اسی نوع کی ابھی گزر چکی ہے۔ لٹکے ہوئے مشکیزہ سے بیٹھ کر پانی پینا ویسے بھی مشکل ہے، اس لئے ضرورت کے درجہ میں بھی یہ واقعات داخل ہیں۔ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے قصہ میں بعض حدیثوں میں اس کی تصریح ہے کہ انھوں نے مشکیزہ کترتے ہوئے یہ کہا کہ حضور کے بعد اب کوئی اس کو منہ لگا کر نہیں پی سکتا، جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے ادباً کتر لیا۔

ثَلَاثًا قال الماوي: وهذا الحديث رواه الطبراني أيضاً بزيادة، فقال: كان يتنفس في الإناء ثلاثة أنفاس يسمي عدد كل نفس، ويشكر عدد آخرهن. اس بالالف محروور على البدنية من "اس ريد"، أو صفة ثلث مصاعداً إلى اسة أس، فين أن أباه ريد وأمه بت أس، فلاند من تحرير حرف الألف على لفظ اس. **أم سليم** [والدة أنس بن مالك]. **فقطعهها** التأييث باعتبار المصاف إليه أو لكونها قطعة، وفي نسخة: فقطعته، وهي القياس. واحديث أخرجه ابن حبان في "كتاب أحلاق النبي ﷺ" ورواه فيه: وقالت: لا يشرب منها أحد بعد شرب النبي ﷺ **الفروي** بفتح فاء وسكون راء، مسوب إلى جده أبي فروة كذا، قاله الفاري واليحيوي، فما في الماوي نسبة لأبي فروة جده بفتح القاف وسكون راء، وهم من الناسح فإنه بالفاء وهو إسحاق بن محمد بن إسماعيل بن عبد الله بن أبي فروة الفروي المدني الأموي كما في تهذيب الحافظ

حدثنا عبيدة بنت نائل، عن عائشة بنت سعد بن أبي وقاص، **عن** أبيها: أن النبي ﷺ كان يشرب قائماً. وقال أبو عيسى: وقال بعضهم: عبيدة بنت نائل ^{بالموحدة}.

(۱۰) سعد بن ابی وقاص **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کھڑے ہوئے پانی نوش فرما لیتے تھے۔ **فائدہ**: یہ عادت شریفہ نہیں بلکہ گاہے گاہے کسی ضرورت سے ایسا کرتے تھے۔ چنانچہ پہلے مفصل گزر چکا ہے۔

عبدہ قال المناوي بالتصغير عند الجمهور، وبالتصغير ضبطها القاري. **نائل** هكذا باهمة هها في السح الموجودة وكذا ضبطه القاري، وقال الحفاظ في تقييده وتهديه: عبيدة بنت نائل، ولم يضبط بشيء. **قال أبو عيسى** الظاهر في غرضه أنه وقع الاختلاف في نسب عبيدة، فقيل: بنت نائل باهمة قل اللام، وقيل: نائل بالموحدة بدل الهمة، وحزم المناوي أنها بلاء الموحدة، وصححه الأمير أبو نصر بن ماكولا. قلت: واحتنفوا في ضبط عبيدة أيضاً، فالجمهور على أنه عبيدة بالتصغير وصححه ابن ماكولا، وقال بعضهم: عبيدة بفتح العين وكسر الموحدة، قال القاري: هو خلاف تصحيح ابن ماكولا، وظاهر كلام المناوي أن المصنف أراد الإشارة إلى هذا الاختلاف أيضاً؛ لأنه جعل عبيدة في السند المذكور مصغراً وهناك ضبطه بفتح أوله، فقال: قال بعضهم مخالفاً لما مر من أن عبيدة مصغراً بفتح أوله بنت نائل بباء موحدة بعد الألف، وقال زي الحافظ العراقي: المشهور أنها عبيدة مصغرة، وبابل أوله نون وبعد الألف موحدة. والحديث إسناده حسن.

بابُ ما جاء في تعطر رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن رافع، وغير واحد قالوا: أخبرنا أبو أحمد الزبيري، حدثنا شيبان، عن عبد الله بن المختار، عن موسى بن أنس بن مالك،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے خوشبو لگانے کا ذکر

فائدة: حضور اقدس ﷺ کے بدن شریف سے خود خوشبو مہکتی تھی، گو حضور خوشبو کا استعمال نہ فرمائیں، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے کوئی خوشبو (عنبر نہ مشک نہ کوئی اور خوشبو) حضور اکرم ﷺ کی خوشبو سے زیادہ عمدہ نہیں سونگھی۔ ایسے ہی اور بہت سی روایات اس مضمون پر دال ہیں۔ حضور ﷺ کا پسینہ خوشبو کے بجائے استعمال کرنے کے بارے میں متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، چنانچہ امّ سلیم کی روایت مسلم شریف وغیرہ میں وارد ہوئی ہے، کہ ایک مرتبہ سونے کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے جسد اطہر سے پسینہ نکل رہا تھا، انھوں نے اس کو ایک شیشی میں جمع کرنا شروع کر دیا، حضور کی آنکھ کھل گئی۔ حضور نے دریافت فرمایا: یہ کیا کر رہی ہو؟ کہنے لگیں کہ اس کو ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے، یہ سب سے زیادہ معطر ہے۔ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک پر دم فرما کر حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ کی کمر اور پیٹ پر ہاتھ پھیرا جس سے اس قدر خوشبو ہو گئی تھی کہ ان کے چار پیماں تھیں، ہر ایک بیحد خوشبو لگاتی کہ ان کے برابر خوشبو ہو جائے مگر ان کی خوشبو غالب رہتی۔

گھبت گل راچہ کنم اے نسیم
بوئے آں چیر ہنم آرزو است

تعطر [كان رسول الله ﷺ طيب الرائحة وإن لم يمس طيبا، كما جاء في الأحبار الصحيحة، لكنه كان يستعمل الطيب زيادة في طيب الرائحة. يتأكد الطيب للرجال في نحو يوم الجمعة، والعديد، وعقد الإحرام، وحضور الجماعة، والمخاض، وقراءة القرآن، والعلم، والدكر] هو استعمال العطر، وهو بالكسر الطيب، ورجل معطر أي: كثير التعطر.

محمد بن رافع حكى المناوي: بعث إليه أبو طاهر بخمسة آلاف فردها إليه مع فقره، راد القاري: بعث إليه بعد العصر خمسة آلاف درهم وهو يأكل الخبز مع الفحل فلم يقل، وقال: بلعت الشمس رؤوس الحيطان أي: قربت أن تعرب.

عن أبيه قال: كان لرسول الله ﷺ سَكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا. حدثنا محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا عَزْرَةُ بن ثابت، عن ثُمَامَةَ بن عبد الله قال: كان أنس بن مالك لا يَرُدُّ الطَّيِّبَ، وقال أنس: إن النبي ﷺ كان لا يَرُدُّ الطَّيِّبَ.

ابو یعلیٰ وغیرہ نے روایت کیا ہے کہ جس کوچہ سے حضور اکرم ﷺ گزرتے تھے، بعد کے گزرنے والے اس کوچہ کو خوشبو سے مہکتا ہوا پا کر سمجھ لیتے تھے کہ حضور کا ابھی اس راہ سے گزر ہوا ہے وغیرہ وغیرہ۔ روایات کثیرہ اس مضمون پر دال ہیں لیکن باوجود اس کے بھی حضور اقدس ﷺ خوشبو کا استعمال اکثر فرماتے تھے۔

اس باب میں مصنف رحمہ اللہ نے چھ حدیثیں ذکر کی ہیں:

(۱) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس سَکَّة تھی، اس میں سے خوشبو استعمال فرماتے تھے۔ فائدہ: سَکَّة کے معنی میں علماء کے دو قول ہیں: بعض تو اس کا ترجمہ عطر دان اور اس ڈبہ کا بتلاتے ہیں جس میں خوشبو رکھی جاتی تھی۔ تب تو یہ معنی کہ اس عطر دان میں سے نکال کر استعمال فرماتے تھے۔ میرے استاذ رحمہ اللہ نے یہی ترجمہ ارشاد فرمایا تھا۔ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایک مرکب خوشبو ہے، چنانچہ قاموس وغیرہ نے اسی کو ترجیح دی ہے اور صاحب قاموس نے اس کے بنانے کی ترکیب بھی مفصل لکھی ہے۔

(۲) ثمامہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ حضور اقدس ﷺ بھی خوشبو کو رد نہ فرمایا کرتے تھے۔

سَكَّةٌ. [بوع من الطيب لونه أسود، ويرجح أنه وعاء يوضع فيه الطيب] بضم سين مهملة وتشديد كاف، ضرب من الطيب، ينحد من مسك وغيره، وقيل: عصارة الأملح، قال القاري. الظاهر أن المراد منه ظرف فيها طيب، قال ميرك: إن كان المراد بها نفس الطيب فالظاهر أن كلمة 'من' للتعيين ليسعير بأنه يستعمل بدفعات، بخلاف ما لو قال: بها، فإنه يوهم أن يستعملها بدفعة واحدة، وإن كان المراد بها الوعاء فـ 'من' للابتداء، وقال صاحب القاموس: السك طيب يتخذ من الرامك، مدقوقاً متخولاً، معجوناً بالماء، ويعرك شديداً، ويمسح به الخيري؛ لئلا يلتصق بالإناء، ويترك ليلة، ثم يسحق المسك، ويلقمه ويعرك شديداً، ويقصر، ويترك يومين، ثم يثقب مسلة، ويتطعم في حيط ويترك ستة، وكلما عتق طابت رائحته.

لا يرد. وقد ورد النهي عن رده مقروناً ببيان الحكمة في حديث رواه أبو داود والسنائي وغيرهما عن أبي هريرة مرفوعاً: من عرض عليه طيب فلا يرد، فإنه حفيف المحمل طيب الرائحة، والمراد بالمحمل الحمل أي: ليس بثقيل.

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا ابن أبي فديك، عن عبد الله بن [مسلم بن] جندب، عن أبيه، عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ: **ثلاث لا تُردّ: الوسائد، والدهن، والطيب، واللبن.** **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا أبو داود الحفري، عن سفيان، عن الجريري، عن أبي نضرة، عن رجل - **عن** أبي هريرة **رضي الله عنه** -

(۳) ابن عمر رضي الله عنهما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین چیزیں نہیں لوٹانی چاہئیں: تکیہ اور تیل، خوشبو اور دودھ۔ **فائدہ:** ان چیزوں کو اس لئے ذکر فرمایا کہ ہدیہ دینے والے پر بار نہیں ہوتا اور لوٹانے سے اس کو بعض اوقات رنج ہوتا ہے۔ انھیں چیزوں کے حکم میں وہ سب چیزیں داخل ہیں جو نہایت مختصر ہوں کہ جن سے ہدیہ دینے والے پر بار نہ ہو۔ تکیہ سے مراد بعض علماء نے ہدیہ کے طور پر تکیہ کا دینا بتایا ہے کہ اس میں بھی کچھ ایسا بار نہیں ہے اور بعض علماء نے ویسے ہی استعمال کے لئے کسی لینے یا بیٹھنے والے کے پاس عارضی طور پر تکیہ رکھ دینا اور اس پر سر رکھنا یا ٹیک لگالینا مراد بتایا ہے۔

(۴) ابو ہریرہ رضي الله عنه کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مردانہ خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو بھینکتی ہوئی ہو اور رنگ غیر محسوس ہو (جیسے گلاب، کیوڑہ وغیرہ) اور زنانہ خوشبو وہ ہے جس کا رنگ غالب ہو اور خوشبو مغلوب (جیسے حنا،

ابن فديك: بالنماء والدل المهمة، اسم محمد بن إسماعيل بن مسلم بن أبي فديك. ثلاث: أي: ثلاث من الهدايا لا يردها المهدى إليه إلى المهدى. احتلف السمع في تفصيل هذه الثلاثة، ففي بعضها: الوسائد والصب واللب، وفي بعضها: الوسائد والدهن والطيب، فيحتمل أنه ذكر أولاً الثلاث وراى الرابع تفصيلاً، والأوجه أن يقال: إن لفظ "الطيب" على تسليم صحته وأمه من تصرف السباح تفسير لقوله: "والدهن" فإن الحديث أخرجه المصنف في جامعه بهذا السد والمتن وليس فيه لفظ "الطيب" بل فيها الوسائد والدهن واللب، قال القاري: لعل المراد بالدهن هو الذي له طيب فعز تارة عنه بالصب وأخرى بالدهن. قائل: **الوسائد** [جمع وسادة، وهي: ما نحل تحت الرأس عند النوم، وسخت وسادة؛ لأنها يتوسد بها أي: يعتمد بها داخلوس والنوم، وتسمى مخدة أيضاً].

والدهن [كل ما يدهن به من ريت أو غيره، لكن المراد هنا ما فيه طيب]. الحفري: نداء مهمة ثم فاء مفتوحتين، منسوب إلى حمير محلة بالكوفة، كان يبرها، قاله القاري. قلت: وكان أبو داود هذا رجلاً راعياً ورعاً. قال عثمان بن أبي شيبة: كما عنده في عرفة وهو يمسي، فلما فرغ قلت له: أترى الكتاب قال: لا العرفة بالكراء. **ابن نصره** بفتح النون وسكون الصاد المعجمة، اسمه المصدر بن مالك. **رجل** ذلك هو الطحاوي الآتي في الرواية الآتية، وفي نسخة هناك أيضاً الطحاوي، ولم يذكر اسمه، فهو مجهول في كل حال. والحديث حسنه المؤلف في جامعه، فلعنه لأنه تابعي، والراوي عنه ثقة فجهلته تعذر من هذا الوجه قاله القاري.

قال: قال رسول الله ﷺ: طيب الرجال: ما ظهر ريحُه وخفي لونه، وطيب النساء: ما ظهر لونه وخفي ريحُه. **حدثنا** علي بن حُجر، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، عن الجريري، عن أبي نضرة، عن الطَّفَاوِي، عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ مثله بمعناه. **حدثنا** محمد بن خليفة وعمر بن علي قالوا: حدثنا يزيد بن زريع، حدثنا حجاج الصَّوَّاف، **عن** حَنان، **عن** أبي عثمان النَّهْدِي بشديد الواء

زعفران وغیرہ)۔ **فائدہ:** مطلب یہ ہے کہ مردوں کو مردانہ خوشبو استعمال کرنا چاہئے کہ رنگ اُن کی شان کے مناسب نہیں ہے اور عورتوں کو زنانہ خوشبو استعمال کرنا چاہئے کہ دور اجنبیوں تک اس کی خوشبو نہ پہنچے۔
(۵) ابو عثمان نہدی تابعی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو ریحان دیا جائے اس کو چاہئے کہ لوٹائے نہیں، اس لئے کہ (اس کی اصل) جنت سے نکل ہے۔

فائدہ: ریحان سے خاص یہی قسم مراد ہے یا ہر خوشبو ریحان کہلاتی ہے، اہل لغت کے دونوں قول ہیں اور دونوں یہاں مراد ہو سکتے ہیں۔ حق تعالیٰ جل جلالہ نے جنت کی خوشبوؤں کی نقل دُنیا میں اس لئے پیدا فرمائی ہے کہ یہ جنت کی طرف ترغیب کا سبب بنے اور زیادتی شوق کا ذریعہ ہو، کہ خوشبو کی طرف طبعاً رغبت پیدا ہوتی ہے اور طبیعت کو ادھر کشش ہوتی ہے،

طہر ریحہ [کماء الورد والمسك والعصير والكافور]. **حمي ريحه**. [كالمزهر والصدل، فإن مروره على الرجال مع ظهور رائحة الطيب مهيأه]. **الطفاوي** بضم الطاء المهملة، مسوب لطفاوة، حي من قيس غيلان، وهو المعبر بالرجل في الرواية المتقدمة لم يدر اسمه أيضاً فهو مجهول، قال الحافظ في تهذيبه: لم يسم.
حان بفتح الحاء المهملة وتخفيف الهمزة الأولى، وفي نسخة بفتح أوله فموحدة فمحفقة أي: حان، وفي أخرى: حباب موحدين وكتب الرجال يؤيد الأول. قال الحافظ في تهذيبه: حان الأسدي روى عن أبي عثمان عن النبي مرسل في الریحان، وعنه حجاج بن أبي عثمان، قال الترمذي: لا يعرف له غير هذا الحديث.

النهدي بفتح نون وسكون هاء، مسوب إلى بني هذ قبيلة من اليمن، واسمه عبد الرحمن بن مل بنثيث ميم ولام مشددة، مشهور بكنيته محصرم من كبار الثانية، أسلم في عهد النبي ﷺ ولم يلقه، فالحديث مرسل كما صرح به السيوطي في الجامع الصغير، وقال: رواه أبو داود في مراسيمه، والترمذي عن أبي عثمان مرسل قاله القاري.

قال: قال رسول الله ﷺ: إذا أعطي أحدكم الرِّيحان فلا يردّه فإنّه خرج من الجنة. قال أبو عيسى: ولا نعرف لحيان غير هذا الحديث، وقال عبد الرحمن بن أبي حاتم في كتاب "الجرح والتعديل": حنان الأسديّ من بني أسد بن شريك، وهو صاحب الرقيق، عمّ والد مُسَدَّد، وروى عن أبي عثمان التَّهْدِيّ، وروى عنه الحجاج بن أبي عثمان الصَّوَّاف. سمعت أبي يقول ذلك. **حدثنا** عمر بن إسماعيل بن مُجَالِد بن سعيد الهمداني، حدثنا أبي، عن يَافِي، عن قيس بن أبي حازم، عن **عَنْ** جَرِير بن عبد الله قال: **عُرِضْتُ** بين يدي عمر بن الخطاب،

لیکن دنیا کی خوشبوؤں کو جنت کی خوشبوؤں سے کی نسبت! کہ ان کی مہک اتنی دور پہنچتی ہے کہ پانچ سو برس میں وہ راستہ طے ہو۔

(۶) جریر بن عبد اللہ بجلی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں (معائنہ کے لئے) پیش کیے گئے۔ انھوں نے چادر اُتار کر صرف

الرِّيحان هو كل بيت طيب الريح من أنواع المشموم على ما في النهاية. قل ميرك: وأهل العرب يخصونه بالأس، والظاهر أنه هو المراد في الحديث الصحيح: "ومثل المافق الذي يقرأ القرآن كمثّل الرِّيحانة، ريحها طيب وطعمها مر" وأهل العراق والشام يخصونه بالحب، وأحق قيل: المودح، وقيل: ورق الخلاص، وقيل: الشاهيرم قانه القاري: وقال المناوي: الرِّيحان ست طيب الريح، أو كل بيت طيب الريح، كذا في القاموس واختار اس الأثير الثاني.

خرج من الجنة [يُحْتَمَلُ أَنْ يَدْرَهُ خَرَجَ مِنْ الْجَنَّةِ، وَلَيْسَ الْمُرَادُ أَنَّهُ خَرَجَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّمَا حَقَّقَ اللَّهُ الصِّبَّ فِي الدُّنْيَا، لِيَذْكُرَ بِهِ الْعِبَادَ طِيبَ الْجَنَّةِ.] **الأسديّ** [مُتَحَتِّينَ وَقَدْ يَسْكُنُ ثَابِيَهُ، وَيُقَالُ: فِي هَذِهِ النِّسْبَةِ الْأَسَدِيُّ بِلُغَتِهِ، وَالْأَرْدِيُّ بِالرَّاءِ، وَالْكَلُّ صَحِيحٌ؛ فَإِنَّهُ مِنْ بَنِي أَسَدٍ مِنْ شَرِيكَ مِنْ أَوْلَادِ الْأَرْدِ بْنِ يَعُوثَ، وَيُقَالُ لِلْأَسَدِ: الْأَرْدُ.

شريك بضم الشين المعجمة وفتح الراء اس مالك بن عمرو بن مالك بن فهم. **الرقيق** بفتح الراء وكسر القاف، اشتھر هذه الصفة، ولعله لكونه كان يبيع الرقيق قاله السجوري. **عم** يعني حنان عم مسرهد. **سمعت** مقولة عبد الرحمن. **بيان** بفتح الموحدة وتخفيف التحتية، الظاهر هو بيان بن بشر الأحمسي المجني أبو بشر الكوفي المعلم، وهو غير بيان بن بشر الطائي المجنون. **جرير** [جرير بن عبد الله البجلي صحابي مشهور، أسلم في السنة التي فارق فيها أبي: الدنيا النبي ﷺ، روى عنه خلق كثير.]

عرصت [أي: عرصي من نولي عرص أحيش على الأمير ليعرفهم ويتأمنهم. هل فيهم جلالة وقوة على القتال أولاً؟]

فألقى جرير رداءه ومشى في إزار فقال له: خذ ردائك، فقال عمر للقوم: ما رأيت رجلاً أحسن صورة من جرير،

لنگی میں چل کر اپنا امتحان کرایا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ چادر لے لو (معائنہ ہو چکا) پھر قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ میں نے جریر سے زیادہ خوبصورت کبھی کسی کو نہیں دیکھا، سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کے جیسا کہ ہم تک پہنچا۔ فائدہ: یعنی حضرت یوسف علی نبیہ علیہ السلام کے حسن کے قصے جو ہم تک پہنچے ہیں، ان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ جریر سے زیادہ حسین ہو گئے، ورنہ ان کے علاوہ ان سے زیادہ حسین کوئی معلوم نہیں ہوتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جہاد کے موقع پر لشکر کا تفصیلی معائنہ فرمایا، ہر ایک کا امتحان لیا جن میں یہ بھی پیش ہوئے۔ اس حدیث میں چند اشکالات ہیں جو اختصاراً ترک کیے جاتے ہیں، منجملہ ان کے ایک اشکال یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن کا استثناء کیا لیکن حضور اقدس ﷺ

فألقى: كان القياس: فألقيت ردائي ومشيت، فهذا التفات من التكلم إلى الغيبة، ويحتمل أن يكون من كلام قيس كمل به كلام جرير، أو نقله بالمعنى. والعرض هذا هو كمرص الجيش على الأمير ليعرفهم ويتأمنهم حتى يرد من لا يرضيه. وكان جرير لا يثبت على الخيل حتى ضرب رسول الله ﷺ قبل وصاله بنحو أربعين يوماً صدره فعداه التثبت. وأشكل: بأنه لما تحقق تثبته على الخيل بدعائه لما لم يكن لامتحان وجهه، ورد: بأن العرض إنما كان بالمشي لا بالركوب.

فقال عمر: أي بعد ما مخاطب جريراً، ومعنى ما رأيت إلخ أي: في ماعداه ﷺ فإنه كان كالمستحي عقلاً، قال المناوي: لما كان قد استقر في الأذهان أن صورة المصطفى ﷺ أجل من كل مخلوق حتى من صورة يوسف عليه السلام أيضاً لم يبال عمر ﷺ بفهام عبارته أن صورة جرير أحسن من صورته، ثم إنه لا يشكل أيضاً بما ورد في دحية أنه كان إذا دخل بعداً خرج برؤيته حتى العذراء من عذرهما؛ لأن دحية كان أجمل وجهاً وجريراً كان أجمل بدنًا؛ بدليل أن عمر ﷺ لم يقل ذلك إلا عند تجرده. ثم لاماسبة للحديث بالباب إلا أن يقال: إنه من ملحقات النساخ، أو يقال: إن حسن الصورة يلزمه غالباً طيب اريح. أو يقال: إن في الترجمة حذفاً، تقديره: وحسن صورة الأصحاب وعرضهم على ابن الخطاب، قيل: الأخير أقرب. قلت: بل هو الأبعد لما فيه من طول الحذف، والأوجه عندي هو الثاني، قال امرؤ القيس:

إذا قامتا تصوخ المسك منها نسيم الصباء جاءت برى القرنفل

وقال امتني: فلق المليحة وهي مسك هتكها إلخ

وقال عترة:

وكان فورة تاجر نقيمة سقت عوارصها إليك من امه

إِلَّا مَا بَلَّغْنَا مِنْ صُورَةِ يُوسُفَ ۝

کے جمال مبارک کا استثناء نہ کیا، مگر کھلی ہوئی بات ہے کہ جب حضور کا جمال و کمال حضرت یوسف سے بڑھا ہوا تھا تو ان کے استثناء کرنے سے حضور کے جمال کا استثناء خود ہی ہو گیا، اس کے علاوہ حضور کا پورا جمال عام طور سے مستور ہی تھا، جیسے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ نے تحریر فرمایا۔ دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس حدیث کو باب سے بھی کچھ مناسبت نہیں، اس کے جوابات میں ایک توجیہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ خوبصورتی کو خوشبو لازم ہوتی ہے، جو شخص جس درجہ کا حسین ہوتا ہے ویسے ہی مستانہ خوشبو اس کے بدن و لباس سے مہکا کرتی ہے۔ حضور اقدس ﷺ کا اجمل المخلوقات اور بدر البہدور ہونا مسلم ہے اس لئے اس کو طبعی خوشبو لازم ہے۔

صورة يوسف [أي: لبراعة حسنه وجمال صورته ...]

باب کیف کان کلام رسول اللہ ﷺ

حدثنا حمید بن مسعدة البصري، حدثنا حمید بن الأسود، عن أسامة بن زيد، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: ما كان رسول الله ﷺ يسرد سردكم هذا، ولكنه كان يتكلم بكلام بين فصل، يحفظه من جلس إليه. **حدثنا** محمد بن يحيى، حدثنا أبو قتيبة، سلم بن قتيبة، عن عبد الله بن المشي، عن ثمامة، عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: كان رسول الله ﷺ يعيد الكلمة ثلاثاً،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کیسی ہوتی تھی

فائدہ: اس باب میں تین حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی گفتگو تم لوگوں کی طرح سے لگاتار جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی، بلکہ صاف صاف، ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا، پس بیٹھنے والے اچھی طرح سے ذہن نشین کر لیتے تھے۔

فائدہ: یعنی حضور کی گفتگو مجمل یا جلدی جلدی نہیں ہوتی تھی کہ کچھ سمجھ میں آئے کچھ نہ آئے، بلکہ ایسی اطمینان کی واضح گفتگو ہوتی تھی کہ مخاطبین اچھی طرح سمجھ جاتے تھے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (بعض مرتبہ) کلام کو (حسب ضرورت) تین تین مرتبہ دہراتے،

باب کیف کان الخ ہذا كما وقع في أوّل المحاري: باب كيف كان بدء الوحي، وأطال الشراح الكلام على إعرابه وتركيبه حتى كتب القاري فيه رسالة مستقلة، والإجمال أنه بإضافة باب إلى ما بعده لكمة على تقدير مضاف أي. باب جواب كيف كان الخ وسبب التقدير أن لفظة 'باب' لا يضاف إلى الحمة على الصواب، ولذا قيل: إن إصافته إلى الحمة كلا إضافة، وأيضاً ترك الإضافة يعني مع التويز حيز مستأ محذوف، ويحتمل تسكينه أيضاً على التعداد، و"كيف" مبني على الفتح في محل نصب على أنه خبر كان إن كانت ناقصة، أو حال إن كانت تامة.

كلام [معنى التكم، أو بمعنى ما يتكلم به، بيان كيفية ما يتكلم به]. يسرد [يأتي بالكلام على الولاء، يتابعه ويستعجل فيه، بصم الراء من السرد. وهو الإتيان بالكلام على الولاء، مصوب على أنه معصوم مطلق أو سرع الحافض؛ لما في بعض النسخ: كسر دكم. والمعنى: لم يعص بعضه بعض حيث لا يشين بعض حروفه لسامعه. سردكم هذا [أي: الذي تفعلونه، حيث يورث لبساً على السامعين].

فصل: [مفصول ممتاز بعضه من بعض].

لِتُعْقَلَ عَنْهُ. **حدثنا** سفیان بن وکیع، أنبأنا جُمیع بن عمرو بن عبد الرحمن العجلی قال: حدثني رجل من بني تميم - من ولد أبي هالة زوج خديجة، يُكنى أبا عبد الله - عن ابن أبي هالة، عن الحسن بن عبي رضی اللہ عنہ قال: سألت خالي هند بن أبي هالة - وكان وصافاً - فقلت: صف لي منطلق رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم،

تاکہ آپ کے سننے والے اچھی طرح سمجھ لیں۔

فائدہ: یعنی یہ کہ اگر مضمون مشکل ہو تو غور و تدبر کے لئے، یا مجمع زیادہ ہوتا تو تینوں جانب متوجہ ہو کر تین مرتبہ مضمون بیان فرماتے، تاکہ حاضرین اچھی طرح محفوظ کر لیں۔ تین مرتبہ غایت اکثر یہ ہے ورنہ دو مرتبہ کافی ہو جاتا تو دو مرتبہ فرماتے۔

(۲) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ہاموں بند بن ابی ہالہ سے جو حضور کے اوصاف اکثر بیان فرماتے تھے، عرض کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کی کیفیت مجھ سے بیان فرمائیے، انھوں نے فرمایا کہ حضور (آخرت کے) متواتر غموم میں مشغول رہتے تھے (ذات و صفات باری یا امت کی بہبود کے متعلق) ہر وقت سوچ میں رہتے تھے، ان امور کی وجہ سے کسی وقت آپ کو بے فکری اور راحت نہیں ہوتی تھی (یہ کہ امور دنیویہ کے ساتھ آپ کو راحت نہ ملتی تھی بلکہ دینی امور سے آپ کو راحت اور چین ملتا تھا۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز ہے) اکثر اوقات خاموش رہتے تھے، بد ضرورت گفتگو نہ فرماتے تھے۔ آپ کی تمام گفتگو ابتدا سے انتہا تک منہ بھر کر ہوتی تھی (یہ نہیں کہ نوک زبان سے کٹتے ہوئے حروف کے ساتھ آدھی بات زبان سے کہی اور آدھی متکلم کے ذہن میں رہی، جیسا کہ موجودہ زمانہ کے متکبرین کا دستور ہے) جامع الفاظ کے ساتھ (جن کے الفاظ تھوڑے ہوں اور معنی بہت ہوں) کلام فرماتے تھے (چنانچہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایسی چالیس حدیثیں اپنی شرح میں جمع کی ہیں جو نہایت مختصر ہیں، عربی حاشیہ پر نقل کر دیں، جو یاد کرنا چاہے اس کو دیکھ کر یاد کر لے)

لَتُعْقَلَ عَنْهُ [ي لَتَفْهَمُ عَنْهُ وَتَلْت فِي دَهْنِ السَّمْعَيْنِ] تَعْبِلْ بِالْإِعَادَةِ نَسْهًا عَنِ الْإِعَادَةِ كَانَتْ فِي مَقَامِ الْحَاجَةِ. **جميع بن عمرو** تقدم أو حديث هذا سيد في بدء الكتاب، وتقدم هناك أن لصور فيه ضمير بالتصغير كما احتاره حافظ في انقرب، وقد أوردته امرئ وغيره روح بالجر عني أنه يد من أبي هالة، وكان روحها قبل سي رضی اللہ عنہ خالي: أي: أبا أمي من الأم. **وصافاً:** [كثير الوصف لرسول الله].

فندب سان سأت وصف أمر من الوصف، وسؤن عن كيفية الصق وهيئة اسكوت انقباضه كما يد عن عيه الخوات

قال: كان رسول الله ﷺ مُتَوَاصِلَ الْأَحْزَانِ، دَائِمَ الْفِكْرَةِ، لَيْسَتْ لَهُ رَاحَةٌ طَوِيلُ السَّكْتِ، لَا يَتَكَلَّمُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ، يَفْتَتِحُ الْكَلَامَ وَيَخْتِمُهُ بِأَشْدَاقِهِ، وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ،

آپ کا کلام ایک دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا، نہ اس میں فضولیات ہوتی تھیں نہ کوتاہیاں کہ مطلب پوری طرح واضح نہ ہو۔ آپ نہ سخت مزاج تھے نہ کسی کی تذلیل فرماتے تھے۔ اللہ کی نعمت خواہ کتنی ہی تھوڑی ہو اس کو بہت بڑا سمجھتے تھے، اس کی مذمت نہ فرماتے تھے۔ البتہ کھانے کی اشیاء کی نہ مذمت فرماتے نہ زیادہ تعریف (مذمت نہ فرمان تو ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ جل جلالہ کی نعمت ہے، زیادہ تعریف نہ فرمانا اس لئے تھا کہ اس سے حرص کا شبہ ہوتا ہے، البتہ اظہارِ رغبت یا کسی کی دلداری کی وجہ سے کبھی کبھی خاص خاص چیزوں کی تعریف بھی فرمائی ہے) دنیا اور دنیاوی امور کی وجہ سے آپ کو کبھی غصہ نہ آتا تھا

متواصل الأحزان: [يعني لا يمضي حزن إلا ويعقبه حزن، والمتواصل يفيد معنى الدائمة]. الفكرة: [الفكر لغة: تردد القلب بالنظر والتدبر لصب المعاني، واصطلاحاً: ترتيب أمور معومة يتوصل بها إلى مطلوب علمي أو ظني]. بأشداقه: جمع شديق: وهو طرف الفم، والمراد بالجمع ما فوق الواحد، وذلك لأن البيان إنما يحصل برحب الشديقين، بخلاف ضده فإنه لا يفهم منه المقصود، وفي بعض النسخ بدله 'باسم الله' وعلى هذا اعتماد القاري والمنائي والبيجوري في شروحيهم، وليس المراد البسملة خاصة بل المراد مصق ذكر الله عزوجل، ويحتمل أن يكون أحدهما محرفاً من الآخر. والحديث أخرجه القاضي عياض في الشفا بطوله، وفيه: 'ويختمه بأشداقه' وعنه بنو انقاري ثم شرحه ولم يذكر 'باسم الله'.

بجوامع الكلم: أي: بكلمات قليلة الحروف، جامعة لمعان كثيرة، وقيل: المراد القواعد الكلية المحتوية على الفروع الكثيرة، وقيل: المراد به القرآن، فمآله آية ﴿وَمَا يَنْصِقُ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾ [النجم: ٣] قاله المناوي، قال القاري: وقد جمع جمع من الأئمة من كلامه المفرد الموجز البديع أحاديث كثيرة فاستخرت الله في جمع أربعين من هذا الباب، وهي هذه: (١) الأيمن الأيمن (٢) الإيمان بيمان (٣) أخير نقله (٤) أرحامكم أرحامكم (٥) اشفعوا توجروا (٦) أعلنوا النكاح (٧) أكرموا الخبز (٨) أرم بيتك (٩) هادوا تحابوا (١٠) الحرب خدعة (١١) الحمى شهادة (١٢) الدين الصبيحة (١٣) سئدوا وقاربوا (١٤) شراركم عراكم (١٥) الصبر رضا (١٦) الصوم حمة (١٧) الصيرة شرك (١٨) العارية مؤداة (١٩) اعدة دين (٢٠) العير حق (٢١) العزم بركة (٢٢) الفحد عورة (٢٣) قفلة كعروة (٢٤) قيد وتوكل (٢٥) الكبر الكبر (٢٦) مواليا ما (٢٧) المؤمن مكفر (٢٨) احتكر ملعون (٢٩) استشار مؤمن (٣٠) المتعل راك (٣١) بصر ولا يعاقب (٣٢) البار حمار (٣٣) الحي لا يورث (٣٤) الدم تونة (٣٥) الوتر ليل (٣٦) لا تتموا الموت (٣٧) لا تعصب (٣٨) لا صرر ولا صرار (٣٩) لا وصية لوارث (٤٠) يد الله على الجماعة وذكر القاري مسانيداً وتخریجها.

کلامہ فصل، لا فضول ولا تقصیر، لیس بالجافی ولا المہین، یعظم النعمة وإن دقت، لا یذم منها شیئاً، غیر أنه لم یکن یذم ذواقاً ولا یمدحہ، ولا تُغضبہ الدنیا ولا ما کان لها، فإذا تُعَدّی الحق، لم یقم لغضبه شیء حتی یتصر لہ، ولا یغضب لنفسہ، ولا یتنصر لها، إذا أشار أشار بکفہ کلہا، وإذا تعجّب قلبہا، وإذا تحدث اتصل بها، وضرب براحۃ الیمنی بطن إہامہ الیسری، وإذا غضب أعرض وأشاح، وإذا فرح غصّ طرفہ، جُلّ ضحکہ التبسّم،
اعرض من حد

(چونکہ آپ کو ان کی پرواہ بھی نہ ہوتی تھی اس لئے کبھی دنیوی نقصان پر آپ کو غصہ نہ آتا تھا) البتہ اگر کسی دینی امر اور حق بات سے کوئی شخص تجاوز کرتا تو اس وقت آپ کے غصہ کی کوئی شخص تاب نہ لاسکتا تھا اور کوئی اس کو روک بھی نہ سکتا تھا یہاں تک کہ آپ اس کا انتقام نہ لے لیں۔ اپنی ذات کے لئے نہ کسی پر ناراض ہوتے تھے نہ اس کا انتقام لیتے تھے۔ جب کسی وجہ سے کسی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے (اس کی وجہ بعض علما نے یہ بتلائی ہے کہ انگلیوں سے اشارہ تواضع کے خلاف ہے اس لئے حضور ﷺ پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے، اور بعض علماء نے یہ تحریر فرمائی کہ حضور ﷺ کی عادت شریفہ انگلی سے توحید کی طرف اشارہ فرمانے کی تھی۔ اس لئے غیر اللہ کی طرف انگلی سے اشارہ نہ فرماتے تھے) جب کسی بات پر تعجب فرماتے تو ہاتھ پٹ لیتے تھے اور جب بات کرتے تو (کبھی گفتگو کے ساتھ ہاتھوں کو بھی حرکت فرماتے)

المہین: بضم المیم من الإهانة أي: لا يهين ولا يحقر أحد، عالم رالدة، وبروى بالفتح من المهانة: وهو الحقارة، فالميم أصلية أي: لم يكن حقيراً ذمياً بل كان كبيراً عظيماً يفشاه من أنوار الوفاق والمهابة ما ترتعد منه فرائض الكفار، والأسبب الأول: غير أنه رفع وهم نشأ من قوله: "يعظم النعمة". دواقاً: فعلاً بمعنى مفعول، أي: مذوقاً مأكولاً ومشروباً. تعدي: بصيغة المجهول من التعدي أي: إذا تجاوز أحد عن الحق. أعرض: أي: عما يقتضيه العصب، وعدل عنه إلى الحلم والكرم، وعما عنه طاهراً وباطناً، وأشاح بشئ معجزة وحاء مهمة: جد في الإعراس وبالغ فيه، كذا قاله القاري والمناوي، وقال انقاصي في الشما: أشاح: ما وانقص. جل بضم الحيم وتشديد اللام أي: معطيه وأكثره، وجل كل شيء معطيه، وجوز شارح هها كسر الحيم أيضاً، كما في حديث: اللهم اغفر لي ديني كله ذقه وجهه. والتبسّم: نشاطاً في الوجه من غير تأثير نام في هيئة العزم، وإما قال: "جل"؛ لأنه ربما ضحك حتى بدت نواجذه

يفترّ عن مثل حبّ الغمام.

اور کبھی داہنی ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصہ پر مارتے اور جب کسی پر ناراض ہوتے تو اُس سے منہ پھیر لیتے اور بے توجہی فرماتے یا درگزر فرماتے اور جب خوش ہوتے تو حیا کی وجہ سے آنکھیں گویا بند فرما لیتے۔ آپ کی اکثر ہنسی تبسم ہوتی تھی، اُس وقت آپ کے دندان مبارک اولے کی طرح چمکدار سفید ظاہر ہوتے تھے (صلی اللہ علیہ وآلہ بحسب جمالہ وکمالہ)۔ فائدہ: یہ حدیث اُسی حدیث کا بقیہ ہے جو سب سے پہلے باب میں ساتویں نمبر پر گزری ہے۔ اس کا ہر ہر کلمہ انہایت غور سے پڑھنے اور اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کے قابل ہے کہ ہر ادا تواضع اور اخلاق کا کمال لئے ہوئے ہے۔

يفترّ: يسكون الفاء وتشديد الراء من افتر فلان: ضحك ضحكا حسنا حتى بدت أسنانه من غير قهقهة، فقوله "عن مثل حب الغمام" متعلق به، والغمام: السحاب، وحبّه: البرد بفتح الحين، الذي يشبه اللؤلؤ، شبه ما يظهر من أسنانه حين التيسم بذلك في البياض والصفاء واللمعان والبريق، ومن قال كالدجى: حبه قطرة الماء، شبه ما يطفو على الثنايا من الريق فقد وهم، لأن الثنايا ليس عليه عادة إلا البهل، ولو اجتمع فلا حسن فيه، وقيل: حب العمام: اللؤلؤ؛ لأنه يحصل من ماء المطر النازل من الغمام، قال القاري: هو أنسب في باب التشبيه؛ لما فيه من زيادة تشبيه الفم بالصدف والريق بماء الرحمة، ورده المناوي لمخالفته اللغة بغير حاجة، وليس صفاء البرد دون صفاء اللؤلؤ.

باب ما جاء في ضحكك رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا عباد بن العوام، أخبرنا الحجاج - وهو ابن أرطاة - عن سيماء بن حرب، **عن** جابر بن سمرة **رضي** الله عنه قال: كان في ساقبي رسول الله ﷺ حُموشة، وكان لا يضحك إلا تبسمًا، فكنت إذا نظرت إليه قلت: أكحل العينين، وليس بأكحل.

باب حضور اقدس ﷺ کے بننے کا ذکر

فائدہ: اس باب میں نو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔

(۱) حضرت جابر بن سمرة کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی پنڈلیاں کسی قدر باریک تھیں اور آپ کا ہنسا صرف تبسم ہوتا تھا۔ میں جب حضور اقدس ﷺ کی زیارت کرتا تو دل میں سوچتا کہ آپ سرمہ لگائے ہوئے ہیں، حالانکہ اُس وقت سرمہ لگائے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔ **فائدہ:** بلکہ طبعاً آپ کی آنکھیں سرگیں تھیں۔

صحیح [أي: اسناد الوجه، وهو يشأ من سرور يعرض لقب، واصححت: تعبر عن سرور بواسطة حركة الشفتين] **سفي:** نصيحة التنبيه في أكثر السبع الموحدة، وفي بعضها بالإفراد، وبه ضبط القاري، إذ قال بالإفراد للعمية، وفي نسخة صحيحة بصيغة التنبيه كما في المشكوة برواية الترمذي **حمود** [أي دقة، وهي: ما يمتدح به الإنسان] قال القاري: بضم احاء المهملة والياء أي. دقة، ودقتها مما يمدح به، وقد أكثر أهل القيافة من ذكر محاسن دق، وضبط المناوي واس حجر والعصام بضم أو به معجم، وقل المناوي: أي: دقة، وأصل حمش الأثر، ورده القاري بأنه محذف بالأصو ومعارض لعمى ما يشهد به القاموس والنهاية، ومعير بمعنى: فإن حمش بالمعجمة: هو حدش الوجه ولطمه، قلت: وبالمهمل في المشكوة برواية الترمذي.

لا تصح قال المناوي: جمعه من لصحت بحر: بد هو مدو، فهو عمرة نسبة من نوم، قال القاري: ومنه قوله تعالى: **وإذا ساء حالك فاعر ربك شاعرًا** [المن: ۱۹] أي: شاعرًا في الصحت، وهذا الحصر يحمل على عاب أخوه - ما سبق من أن حل ضحكك التسم، وإنما سيأتي من أنه صحت حتى بدت بواجده، وقبل ما كان يصحك إلا في أمر الآخرة، وإنما في أمر الدنيا فم يرد على التسم وهو تفصيل حسن **كحل** [أي يعلو جفونه سودا مني من استعمال الكحل، وهذا حسب نادر الرأي.] **وليس** ككحل [أي: كحلا حقيقيا، وهو الماشي من الكحل، فلا ينبغي أنه كان أكحل كحلا حقيقيا.]

حدثنا قتيبة بن سعيد، أخبرنا ابن لهيعة، عن عبيد الله بن المغيرة، **عن** عبد الله بن الحارث بن جزء أنه قال: ما رأيت أحداً أكثر تبسماً من رسول الله ﷺ. **حدثنا** أحمد بن الخالد الخلال، حدثنا يحيى بن إسحاق السيلحاني، حدثنا ليث بن سعد، عن يزيد بن أبي حبيب، **عن** عبد الله بن الحارث **رضي** الله عنه قال: ما كان ضحك رسول الله ﷺ إلا تبسماً. **قال** أبو عيسى: هذا حديث غريب من حديث ليث بن سعد.

(۲) عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔

فائدہ: اس حدیث میں یہ اشکال ہے کہ اس سے پہلے باب کی اخیر حدیث میں یہ گزر چکا ہے کہ حضور اقدس ﷺ دائم الفکر اور پے در پے غوم میں مبتلا رہتے تھے، یہ بظاہر اس کے منافی ہے اس لئے اس حدیث کی دو توجہیں کی گئیں: ایک تو یہ کہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آپ کا تبسم آپ کے ہنسنے سے زیادہ ہوتا تھا، ایسا کوئی اور شخص نہیں دیکھ جس کا تبسم اُس کے ہنسنے سے زیادہ ہو۔ چنانچہ آئندہ حدیث جو انہی صحابی **رضی** اللہ عنہ سے روایت کی جا رہی ہے اُس میں یہی مطلب متعین ہے۔ دوسری توجہ یہ کی جاتی ہے کہ: حضور اقدس ﷺ باوجود طبعی غوم کے صحابہ کی دلداری اور انبساط کے خیال سے خنداں پیشاں اور تبسم فرماتے ہوئے پیش آتے تھے اور یہ کمال درجہ اخلاق و تواضع ہے۔ اسی باب کے نمبر ۶۵ پر حضرت جریر **رضی** اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور اقدس ﷺ مجھے دیکھتے تبسم فرماتے یعنی خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ملتے تھے۔ اب یہی حدیث سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آدمی کسی رنج و فکر میں مبتلا ہوتا ہے لیکن دوسروں کی دلداری یا ضرورت سے اُس کو خندہ پیشانی سے ملنے کی نوبت آتی ہے، جو لوگ دل میں عشق کی چوٹ کھائے ہوئے ہیں ان کو اس کا تجربہ بہت ہوتا ہے۔

حرء بفتح الحیم وسكون الراي بعدها هرة. **خلال** بفتح حاء معجمة فتشديد لام، يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ بَاقِ الْحُلْ أَوْ صَاعَةً. **السلحاني** بفتح السين المهملة وسكون الباء التحتية وفتح اللام وفتح الحاء بعدها ألف، سلة لسيلحون قرية بقرب بغداد. **قال** أبو عيسى قال المعتون نحل الشمال: عرابته ناشئة من نمرود الليث، وهو يجمع على إمامته وحلالته، فهي عرابة في السند لاتمافي صحة الحديث.

حدثنا أبو عمار الحسين بن حريث، أنبأنا وكيع، حدثنا الأعمش، عن **المعمر** بن سويد، عن أبي ذر رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: **إني لأعلم أول رجل يدخل الجنة**،

(۳) عبد اللہ ابن حارث ہی کی یہ بھی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا ہنسنا تبسم سے زیادہ نہیں ہوتا تھا۔

فائدہ: یعنی اکثر اوقات تبسم اور مسکراہی ہوتا تھا، ہنسنے کی نوبت بہت کم آتی تھی۔

(۴) ابو ذر رضي الله عنه کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس شخص کو خوب جانتا ہوں جو سب سے اول جنت میں داخل ہوگا اور اس سے بھی واقف ہوں جو سب سے آخر میں جہنم سے نکالا جائے گا۔ قیامت کے دن ایک آدمی دربار الہی میں حاضر کیا جائے گا، اس کے لئے یہ حکم ہوگا کہ اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کیے جائیں اور بڑے بڑے گناہ مخفی رکھے جائیں۔ جب اس پر چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے کہ تو نے فلاں دن فلاں گناہ کیے ہیں تو وہ اقرار کرے گا اس لئے کہ انکار کی گنجائش نہیں ہوگی اور اپنے دل میں نہایت خوف زدہ ہوگا کہ ابھی تو صفاری کا نمبر ہے کیا بڑے دیکھیں کیا گزرے، کہ اس دوران میں یہ حکم ہوگا کہ اس شخص کو ہر گناہ کے بدلے ایک ایک نیکی دی جائے تو وہ شخص یہ حکم سنتے ہی خود بولے گا کہ میرے تو ابھی بہت سے گناہ باقی ہیں جو یہاں نظر نہیں آتے۔ ابو ذر رضي الله عنه کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس کا مقولہ نقل فرما کر بنے یہیں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے۔ ہنسی اس بات پر تھی کہ جن گناہوں کے اظہار سے ڈر رہا تھا ان کے اظہار کا خود طالب بن گیا۔

المعمر يفتح ميم وسكون عين مهملة وصم راء، أبو أمية الكوفي عاش مائة وعشرين سنة. **اول رجل** قال القاري: وفي بعض السح المصححة المكتوب عليه "صواه آخر رجل". ففي رواية الترمذي ههما وهم، والصواب "آخر رجل" فإنه هكذا رواه مسلم وغيره من حديث أبي ذر قاله القاري أيضاً. قلت: وحديث أخرجه الخطيب في مشكوة برواية مسلم، ولفظه: **إني لأعلم** آخر أهل الجنة دخولاً وأخر أهل النار خروجاً منها، الحديث. وعنى هذا فالرجلان متحدان يعني مصداقهما واحد، وأما على السححة التي سأيدىها فهما مختلفان، ومصداق أول رجل يدخل الجنة عني الإطلاق هو النبي ﷺ. ويحتمل أن يراد: أول رجل يدخل الجنة من عصاه المؤمنين فهو رجل آخر مدب يخرج من النار ولم يسم، والمقصود بذكر العلم هؤلاء الرجال زيادة لوثوق فيما أخبر به، وعنى هذا فقوله: **يؤتى** نار رجل إلح استيفاف، لا تعنى به عما سبق كما جرم به الماوي، وذكره القاري احتمالاً، وأما عني رواية مسلم وغيره فيحتمل أن يكون استيفافاً أيضاً، ويحتمل أن يكون بياناً لهذا الرجل الذي هو آخرهم خروجاً من النار ودخولاً الجنة.

وآخر رجل يخرج من النار: يؤتى بالرجل يوم القيامة فيقال: إعرضوا عليه صغار ذنوبه - وتُخبأ عنه كبارها - فيقال له: عَمِلْتَ يوم كذا، وكذا، وهو مُقَرَّر لا ينكر، وهو مُشْفِق من كبارها، فيقال: أعطوه مكان كل سيئة عَمِلَهَا حسنة، فيقول: إن لي ذنوبا ما أراها ههنا! قال أبو ذر: فلقد رأيت رسول الله ﷺ ضحك حتى بدت نواجذه. **حدثنا أحمد بن منيع،**

قائد: یہ شخص جس کا مفضل حال بیان فرمایا وہی شخص ہے جس کو اول مجملہ جنت میں آخری داخل ہونے والا ارشاد فرمایا تھا یا کوئی اور شخص ہے، شراح کی تحقیق یہ ہے کہ یہ کوئی اور شخص ہے اور جنت میں آخری داخل ہونے والا شخص وہ ہے جس کا قصہ اسی باب کے نمبر ۷ پر آ رہا ہے۔

بوسى بالرجل قال القاري بيان للرجل الأول فيحصن باندسين، إد أول داخل على الإطلاق هو النبي ﷺ. ويحتمل أن يكون بيانا للرجل الثاني، لكن الأصح أن آخر رجل يخرج من النار هو النبي ﷺ في حديث ابن مسعود الآتي، وهذا استيفاء وبيان لحال رجل ثالث غير المذكورين. قال البيهقري في تأييده: وفي بعض الروايات بواو الاستيفاء، فحيث لا وهم في رواية الترمذي هذه أيضاً، وبلاستيفاء جرم الماوي؛ إد قال: ليس قوله: 'يؤتى بالرجل' تفصيل لـ 'أول رجل يدخل الجنة' كما وهم، بل هو استيفاء لا تعلق له بما قبله، إد أول داخل هو المصطفى ﷺ ولا دبت له.

فيقال أي: يقول الله عز وجل لملائكته، و"اعرضوا" بجمرة وصل وكسر راء أمر من العرض. ونحاً بصيغة الواحد المؤنث في المتون، والمذكر في الشروح، وعلى كل فهو بفاء المحول من الحاء بالهمز. قال المناوي: عطف على 'اعرضوا' إد هو خبر عني الأمر مائعة فيه كما قرره العصام، ودفع به ما قبل، فيه عطف عني خبر على إنشاء، ولذا احتاره الشارح عطفه عني يقال. مختصراً، وقال القاري: الطاهر أنه جملة حالية، وأعرب ابن حجر إد قال: عطف جملة عني جملة "اعرضوا". ومعنى الحاء: بهان كردن. **اعطوه** قال المناوي: لتوبة الصوح، أو لعل طاعته، أو لكونها عزمات ولم تفعل، أو لغير ذلك مما يعلمه الله. راد القاري: أو لكونه مطلوباً. قنت: أو مجرد قصه بلا استحقاق.

ههنا [أي: في مقام العرض أو في صحيفة الأعمال، وإنما يقول ذلك مع كونه مشفقاً منها؛ لأنه لما قبلت صغائرها باحساسات، صمغ أن تقابل كبارها بها أيضاً، ورأى خوفه منها فسأل عنها لتقابل بالاحساسات أيضاً. **ضحك** [أي: تعجبا من الرجل حيث كان مشفقاً من كبار ذنوبه ثم صار طالبا لرؤيتها. **بدت نواجذه** [أي: بالغ في الضحك حتى ظهرت نواجذه، وهي: أقصى أضراسه.]

حدثنا معاوية بن عمرو، حدثنا زائدة، عن بيان، عن قيس بن أبي حارم، **عن** جرير بن عبد الله **عن** رسول الله ﷺ: ما حَجَبَنِي رسول الله ﷺ منذ أسلمت، ولا رأيت إلا ضحك. **حدثنا** أحمد بن منيع، حدثنا معاوية بن عمرو، حدثنا زائدة، عن إسماعيل بن أبي خالد، عن قيس، **عن** جرير قال: ما حَجَبَنِي رسول الله ﷺ منذ أسلمت، ولا رأيت إلا تبسم. **حدثنا** هناد بن السري، حدثنا أبو معاوية، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن عُبَيْدة السُّلَمي، **عن** عبد الله بن مسعود **عن** رسول الله ﷺ:

(۶۵) جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرے مسلمان ہونے کے بعد سے کسی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا اور جب مجھے دیکھتے تھے تو ہنستے تھے اور دوسری روایت میں ہے کہ تبسم فرماتے تھے۔

فائدہ: یہ دوسری روایت اس لئے ذکر کی گئی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ پہلی حدیث میں ہنسی سے تبسم فرمانا ہی مراد ہے، اور یہ تبسم اظہار مسرت کے لئے ہوتا تھا کہ خندہ پیشانی سے منہ دوسرے کے لئے انقباض کا سبب ہوتا ہے۔ میں نے اپنے اکابر کو دیکھا ہے کہ بس اوقات آنے والوں کے ساتھ ایسی بشارت اور خندہ پیشانی سے ملتے تھے جس سے ان کو محسوس ہوتا تھا کہ ہمارے آنے کی بڑی خوشی ہوئی۔

(۷) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اُس شخص کو جانتا ہوں جو سب سے اخیر آگ سے نکلے گا، وہ ایک ایسا آدمی ہوگا کہ زمین پر گھسٹتا ہو اور دوزخ سے نکلے گا (کہ جہنم کے عذاب کی سختی کی وجہ سے سیدھے چھنے پر بھی قادر نہ ہوگا)۔ اُس کو حکم ہوگا کہ جنت میں داخل ہو جا۔ وہ وہاں جا کر دیکھے گا کہ لوگوں نے تمام

ما حَسِبِي [أي: ما معني من الدخول عليه في بيته.] **منذ أسلمت** وكان إسلامه في السنة التي توفي فيها. قل وفاته بأربعين يوماً، هذا هو المشهور وتعبه حافظ فيفتح وغان: الصحيح أنه أسلم في سنة ليعود سنة تسع، ووهم من قال: أنه أسلم في وفاته بأربعين يوماً. وجرير هذا هو الذي قل فيه عمر من الحصاب: إنه يوسف هذه الأمة. إسماعيل هذا اختلاف بين السديين، فرسدة يروي عن بيان في السند المتقدم وعن إسماعيل في هذا السند، وقد أخرج البخاري في الجهاد برواية ابن إدريس عن إسماعيل، وفي أصناف مروية حند عن بيان، فعلى رائدة سمع عنهما معاً. عدة بفتح مهملة وكسر موحدة. استماني بفتح السين وسكون اللام ويفتح، مسوب إلى بني سمان فية من مراد.

قال: قال رسول الله ﷺ: إني لأعرف آخر أهل النار خروجا: رجل يخرج منها زحفاً، فيقال له: انطلق، فادخل الحنة، قال: فيذهب ليدخل الحنة، فيجد الناس قد أخذوا المنازل فيرجع فيقول: يا رب! قد أخذ الناس المنازل، فيقال له: أتذكر الزمان الذي كنت فيه؟ فيقول: نعم، فيقال له: نعم، قال: فيتمنى، فيقال له: فإن لك الذي تمنيت وعشرة أضعاف الدنيا، قال: فيقول: أتسخرني

جگہوں پر قبضہ کر رکھا ہے، سب جگہیں پُر ہو چکی ہیں، لوٹ کر بارگاہِ الہی میں اس کی اطلاع کرے گا۔ وہاں سے ارشاد ہوگا: کیا دنیوی منازل کی حالت بھی یاد ہے؟ (کہ جب جگہ پُر ہو جائے تو آنے والوں کی گنجائش نہ ہو اور پہلے جانے والے جتنی جگہ پر چاہیں قبضہ کر میں اور بعد میں آنے والوں کے لئے جگہ نہ رہے۔ اس عبارت کا ترجمہ اکابر علماء نے یہ ہی تحریر فرمایا۔ مگر بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر اس کا مطلب یہ کہا جائے تو زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ کیا دنیا کی وسعت اور فراخی بھی یاد ہے کہ تمام دنیا کتنی بڑی تھی؟ اور یہ اس لئے یاد دلایا کہ آئندہ تمام دنیا سے دس گنا زائد اس کو عطا فرمانے کا اعلان ہونے والا ہے، تو ساری دنیا کا ایک مرتبہ تصور کرنے کے بعد اس عطیہ کی کثرت کا اندازہ ہو کہ وہ عرض کرے گا کہ رب العزت! خوب یاد ہے۔ اس پر ارشاد ہوگا کہ اچھا کچھ تمنائیں کرو۔ جس نوع سے دل چاہے وہ اپنی تمنائیں بیان کرے گا۔ وہاں سے ارشاد ہوگا کہ اچھا تم کو تمہاری تمنائیں اور خواہشات بھی دیں اور تمام دنیا سے دس گنا زائد عطا کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ!

رجل: قيل: اسمه جهينة أو هناد الجهني قاله الشراح. زحفاً: مفعول مطلق بغير لفظه أو حال أي: زاحفاً، والزحف: المشي على الإصبع مع إشراف الصدر، وفي رواية: حبواً بفتح الحاء وسكون الموحدة، وهو: المشي على اليدين والرجلين، أو الركبتين، أو المقعد، ولا تنافي بين الروایتين؛ لأن أحدهما قد يراد به الآخر، أو أنه يزحف تارة ويحبو أخرى، قيل: بمشي هكذا لضعفه بعذاب النار أو لتواريه من ملائكة العذاب.

أحد الدس المنازل [كأنه طرأ أن الحنة إذا امتلأت سأكبها لم يكن لبقادام فيها مسرور فيحتاج أن يأخذ مسرلاً منهم]. ثم [أي: اطلب ما تقدرك في نفسك وتصوره فيها] أتسخرني قولہ: "ي" بالموحدة، وفي نسخة: بالنون بدل الموحدة وهما روايتان، لكن الأصول المعتمدة والسح المصححة على الأولى، قاله القاري، قال الماوي: يقول ذلك دهشاً ما قاله من السرور ببلوع ما لم يحظر سأل، ولم يكن ضابطاً لما قاله، ولا عالماً بما يترتب عليه، بل جرى على عادته في محاطة المحنوق، فهو كمن قال ﷺ في حقه: إنه لم يصط نفسه من العرج في ادعاء فيقول: أنت عدي وأنا ربك

وَأَنْتَ الْمَلِكُ؟ قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ ضَحَكَ حَتَّى بَدَتْ بِلَدَتِ نَوَاجِدِهِ. حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، أَنبَأَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ ^{ابن مسعود} عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: شَهِدْتُ عَلِيًّا ^{بن مسعود} أَلَيَّ بِدَابَّةٍ لِيرَكِبُهَا، فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ قَالَ: بِسْمِ اللَّهِ،

آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہو کر مجھ سے تمسخر فرماتے ہیں کہ وہاں ذرا سی بھی جگہ نہیں ہے اور آپ تمام دنیا سے دس گنا زائد مجھے عطا فرما رہے ہیں۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا کہ جب اُس شخص کا یہ مقولہ نقل فرما رہے تھے تو آپ کو ہنسی آگئی حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا ہنس یا تو اللہ عزوجل کے اس اکرام و انعام پر خوشی اور مسرت کی وجہ سے ہے کہ جب ایسے شخص کو جو جہنم سے سب سے اخیر میں نکالا گیا جس سے اُس کا سب سے زیادہ گناہگار ہونا بدیہی ہے، اس قدر زیادہ عطا و انعام ہوا تو سارے مسلمانوں پر بالخصوص متقی اور پرہیزگاروں پر کیا کچھ الطاف کی بارش نہ ہوگی۔ اور امتیوں پر جس قدر انعام ہوا اتنا ہی حضور کے لئے مسرت کا سبب ہے، اور ممکن ہے کہ یہ ہنسی اس شخص کی حالت پر ہو کہ کس قدر عذاب اور مصائب برداشت کر کے تو نکلا ہے اور پھر یہ جراتیں کہ تمنائیں اور اللہ سے یہ کہے کہ آپ تمسخر کر رہے ہیں۔

(۱) ابن ربیعہ کہتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس (اُن کے زمانہ خلافت میں) ایک مرتبہ (گھوڑا وغیرہ) کوئی سواری لائی گئی۔ آپ نے رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے بسم اللہ کہا اور جب سوار ہو چکے تو الحمد للہ کہا، پھر یہ دعا پڑھی۔ سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اس کو ہمارے لئے مسخر فرما دیا ورنہ ہم کو اس کو مطیع بنانے کی طاقت نہ تھی اور واقعی ہم سب لوگ اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں

الملك بكسر اللام، وليست السحرة من دأب الملوك، وأنا أحقر من أن يسحروا ملك الملوك. وهذا هاية الخصوع وتعبد نفسه عن أن يكون محل هذا الإيعام. بدت تعجباً من دهش الرجل، أو من عظيم رتبة تواضع، أو من عنة رحمته على عباده قاله الشافعي. في بالنساء للمجهول أي: حضرته حين كونه حيء مدة أتاها بعض خدمه. بدانه أصلها: كل ما بدت على الأرض، كما في قوله تعالى: ... ثم حصها العرف العام بدوات الأربع، وكثير ما يطلق على فرس أو بغل أو حمار.

فلما استوى على ظهرها قال: الحمد لله، ثم قال: ﴿سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ﴾ [الزحرف: ۱۴، ۱۳] ثم قال: الحمد لله - ثلاثا - والله أكبر - ثلاثا - سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، ثم ضحك، فقُلتُ له: من أي شيء ضحكت يا أمير المؤمنين؟ قال: رأيت رسول الله ﷺ صنع كما صنعتُ ثم ضحك، فقُلتُ: من أي شيء ضحكت يا رسول الله؟ قال: إن ربك ليحب من عبده إذا قال: رب اغفر لي ذنوبي، يعلم أنه لا يغفر الذنوب أحدٌ غيري.

(علماء فرماتے ہیں کہ سواری چونکہ اسبابِ ہلاکت سے ہے اس لئے سواری کے تغیر پر حق تعالیٰ کے شکر یہ کے ساتھ اپنی موت کے ذکر کو بھی متصل فرمادیا کہ ہم آخر کار مرنے کے بعد اُسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں) پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے الحمد للہ تین مرتبہ کہا، پھر اللہ اکبر تین مرتبہ کہا، پھر سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ تیری ذات ہر عیب سے پاک ہے اور میں نے تیری نعمتوں کا شکر ادا نہ کرنے میں اور اوامر کی اطاعت نہ کرنے میں اپنے ہی نفس پر ظلم کیا ہے، پس یا اللہ! آپ میری مغفرت فرمائیں کیونکہ مغفرت تو آپ کے سوا اور کوئی کر ہی نہیں سکتا۔ اس دعا کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے۔ ابن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں نے ہنسنے کی وجہ پوچھی تو حضرت علی نے فرمایا کہ حضور اقدس رضی اللہ عنہ نے بھی اسی طرح دعائیں پڑھی تھیں اور اُس کے بعد حضور نے بھی تبسم فرمایا تھا، میں نے بھی حضور سے تبسم کی وجہ پوچھی تھی جیسا کہ تم نے مجھ سے پوچھی تو حضور اطہر و اقدس رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ بندہ کے اس کہنے پر کہ میرے گناہ تیرے سوا کوئی معاف نہیں کر سکتا، خوش ہو کر فرماتے ہیں کہ میرا بندہ یہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی شخص گناہ معاف نہیں کر سکتا (اللَّهُمَّ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ. اللَّهُمَّ لَا أُحْصِي ثَنَاءَ عَلَيْكَ لَكَ الْكِبَرِيَاءُ وَالْعَظَمَةُ)۔

الحمد لله شكراً على نعمة الركوب، وتذليل هذا الوحش البافر، وإطاعته لنا على ركوبه. يعلم: حال من صمير "قال" أي قال ذلك حال كونه يعلم، وهذا على سحرة "غيره" بالغائب، وأما على نسخة "غيري" بالياء المتكلم فيجعل مقولاً لقول محذوف أي قائلًا ذلك، فيجعل حالاً من فاعل "يعجب" أي يعجب الرب عروجل قائلًا يعلم إنه لا يعفو الذنوب غيري.

حدثنا محمد بن بشار، أنبأنا محمد بن عبد الله الأنصاري، حدثنا ابن عون، عن محمد بن محمد بن الأسود، عن **عمر** عامر بن سعد قال: قال سعد: لقد رأيت رسول الله ﷺ ضحك يوم الخندق حتى بدت نواجذه، قال: قلت كيف كان ضحكك؟ قال: كان رجل معه ثرس، وكان سعد رامياً، وكان يقول كذا وكذا بالثرس، يغطي جبهته، فنزع له سعد بسهم،

[حدثنا عن السهم]

(۹) عامر بن سعد کہتے ہیں کہ میرے والد سعد نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ غزوہ خندق کے دن ہنسے حتیٰ کہ آپ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ عامر کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ کس بات پر ہنسے تھے؟ انھوں نے کہا کہ ایک کافر ڈھال لئے ہوئے تھا اور سعد کو بڑے تیر انداز تھے لیکن وہ اپنی ڈھال کو ادھر ادھر کر لیتا تھا جس کی وجہ سے اپنی پیشانی کا بچاؤ کر رہا تھا (گویا مقابلہ میں سعد کا تیر لگنے نہ دیتا تھا حالانکہ یہ مشہور تیر انداز تھے) سعد نے ایک مرتبہ تیر نکالا (اور اس کو کمان میں کھینچ کر انتظار میں رہے)

الحديث قال المداوي: معرب؛ لأن الحاء والذال واقف لا تختص في كلمة عربية. وقال القاري. كجعصر. حمير حور أسوار المدنية، معرب كدة على ما في القاموس. سعد الطاهر أنه من كلام سعد، ففيه التثنية من التكلم إلى العيبة، أو رواية مانعة، وهذا إذا كان الصميم في 'قل' ثلثي بن سعد، وإن كان يصمير فيه ابن عامر فهذا أيضاً من كلامه، غاية ما فيه أنه عبر أباه باسمه، ولم يقل: وكان أبي، وهذا معروف في الأسانيد.

وكان قانوناً: هذا من كلام سعد على كل تقدير أي، وكان الرجل المذكور يفعل كذا وكذا، والعرب جعل القوم عبارة عن جميع الأفعال فنقول: قال بيده أي أحد، وقال برحله أي مشى، وقال بالياء على يده أي قلبه، وقال بثوبه أي رفعه وقال بالثرس أي أشار، وعقل الحنفى عن هذا المعنى، وقال في قوله: 'يقول كذا وكذا' أي ما لا يثبت لحساب رسول الله ﷺ ولا لأصحابه فاه القاري. قلت: واحتر هذا المعنى المناوي أيضاً، إذ قال: يقول كذا وكذا، أي ما لا ينبو عن المصطفى وصحبه، كنى به استفساحاً مذكراً. و بالثرس' معلق بقوله: 'يعطي' حصة حاسة من فاعل يقول، ذكره العصاة وغيره، وتفسير المشرح يقول بيمع ليس على ما يسمي. قلت: واضاهر عدي م قال القاري.

كذا وكذا أشار بالثرس يمينا وشمالاً، هذا على رأي القاري، ومما على رأي المناوي وغيره مراد به للكلمات التي كان يقوِّض بالثرس [ما يسر به حال الحرب] معلق بقوله 'يقول على رأي القاري، وعلى هذا قوله: "يعطي جهته" استيفاف بيان الإشارة، ومعلق بـ "يعطي" على رأي المناوي كما تقدم.

فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ رَمَاهُ فَلَمْ يَخْطِئْ هَذِهِ مِنْهُ - يَعْنِي: جَبْهَتَهُ - وَانْقَلَبَ وَشَالَ بِرَجْلِهِ، فَضَحَكَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ، قَالَ: قُلْتُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحَكَ؟ قَالَ: مِنْ فَعْلِهِ بِالرَّجُلِ.

الرَّمِيَّةُ مِنْ الرَّجْلِ أَوْ الْعَدُوِّ
ارْتَفَعَ رَأْسُهُ وَانْقَلَبَ

جس وقت اُس نے ڈھال سے سر اٹھایا فوراً ایسا لگایا کہ پیشانی سے چوکا نہیں اور فوراً گر گیا، ٹانگ بھی اوپر کو اٹھ گئی، پس حضور اقدس ﷺ اس قصہ پر ہنسے۔ میں نے پوچھا کہ اس میں کوئی بات پر؟ انھوں نے فرمایا کہ سعد کے اس فعل پر۔ فائدہ: چونکہ اس قصہ میں اس کا شبہ ہو گیا تھا کہ اُس کے پاؤں اٹھنے اور ستر کھل جانے پر تبسم فرمایا ہو اس لئے مکرر دریافت کرنے کی ضرورت ہوئی۔ انھوں نے فرمادیا کہ یہ نہیں بلکہ میرے حسن نشانہ اور اُس کے باوجود اتنی احتیاط کے تیر لگ جانے پر کہ وہ تو ہوشیاری کر ہی رہا تھا کہ ڈھال کو فوراً اُدھر اُدھر کر لیتا تھا مگر سعد نے بھی تدبیر سے ایسا جڑا کہ فوراً ہی گرا اور مہلت بھی نہ ملی۔

وانقلب: [أي: صار أعلاه أسفل وسقط على إسته]. فعلة: قال ميرك: أي: ضحك من قتل عدوه لا من الانكشاف كذا قيل، وفيه تأمل، قال القاري: من الواضح الجلي أنه ﷺ لم يضحك من كشف عورته؛ لأنه ليس من مكارم أخلاقه، بل إنما ضحك فرحاً بما فعله سعد بعدوه ﷺ. قال المناوي: أي: ضحك من رمية سعد وغبابة إصابته فرحاً بذلك وسروراً لا من رفعه رجله حتى بدت عورته. وفيه أنه يمتنع السخرية واهزاء بالكفار ولو حريياً بكشف سوءته إلا أن قياس مذهب الشافعي الجواز زيادة في النكال وإعازة لأهل الضلال.

باب ما جاء في صفة مزاح رسول الله ﷺ

بالصم والكسر مزاح کردن

حدثنا محمود بن غيلان، أنبأنا أبو أسامة، عن شريك،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے مزاح اور دل لگی کے بیان میں

فائدہ: حضور اقدس ﷺ سے مزاح ثابت ہے اور ممانعت بھی وارد ہوئی۔ چنانچہ ترمذی شریف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے اس کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے دونوں میں اس طرح تطبیق فرمائی ہے کہ کثرت مزاح جو باعث قساوتِ قلب کا بن جائے یا اللہ کے ذکر و فکر سے روک دے یا ایذائے مسلم کا سبب بن جائے یا وقار و ہیبت گرا دے یہ سب ممانعت میں داخل ہے اور جو ان سب سے خالی ہو، محض دوسرے کی دلداری اور اس کے انبساط کا سبب ہو وہ مستحب ہے۔ چنانچہ عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ سے زیادہ خوش طبعی کرنے والا کسی کو نہیں دیکھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کی خوشی طبعی بجائے گرانی کے مایہ فخر و ناز تھی۔

خاک برفرق قناعت بعد ازیں

گر طمع خواہد ز من سلطان دیں

نیز نبی کریم ﷺ کے لئے مزاح کی ایک خاص ضرورت بھی تھی وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ کا ذاتی وقار اتنا بڑھا ہوا تھا کہ ایک مہینہ کے سفر کی دوری تک آپ کا رعب پہنچتا تھا، اس لئے اگر حضور تبسم اور مزاح کا اہتمام نہ فرماتے تو حاضرین کو رعب کی وجہ سے پاس رہنا مشکل بن جاتا اور انتفاع کے اسباب مسدود ہو جاتے، نیز قیامت تک آنے والے مشائخ و اکابر جو حضور کی اتباع میں جان توڑ کوشش کرتے ہیں وہ قصد تبسم و مزاح سے گریز کرتے اور ان کے جملہ خدام کے لئے

مرح المراح صم الميم على أنه اسم، وكسرها على أنه مصدر مازحه، ومعناه: الاستساض مع العير من غير إبداء، وانه فارق اهزو والسخرية، وبشكل على أحاديث الباب ما روي أنه قال: لا تمار أحاك ولا تمارحه، أخرجه المصنف في الجامع من حديث ابن عباس وقال: هذا غريب، لا يعرفه إلا من هذا الوجه، وقال الشيخ الحرري: إسناده جيد، فقد رواه زياد بن أيوب، عن عبد الرحمن بن محمد، عن ليث بن أبي سليم، عن عبد الملك بن أبي بشر، عن عكرمة، عن ابن عباس، وهذا إسناده مستقيم. وليث وابن كان فيه ضعف من قبل حفظه لكن روى له مسلم مقرونا قاله القاري.

عن عاصم الأحول، عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ أن النبي ﷺ قال له: يا ذا الأذنين. قال محمود: قال أبو أسامة: يعني: يُمَارِزُهُ. **حدثنا** هناد بن السري، حدثنا وكيع، عن شعبة، عن أبي التياح،

بھی مشائخ کا یہ طرز مشکلات کا سبب بنتا۔ حق تعالیٰ شانہ بے انتہا درود و سلام اُس پاک ہستی پر نازل فرمائے جو امت کی ہر سہولت کا دروازہ کھول گئے۔ سفیان بن عیینہ سے جو بڑے محدث ہیں کسی نے کہا کہ مذاق بھی ایک آفت ہے۔ انھوں نے کہا بلکہ سنت ہے مگر اُس شخص کے حق میں جو اس کے مواقع جانتا ہو اور اچھا مذاق کر سکتا ہو۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اُن کو ایک مرتبہ مزاحاً یاد الاذنین فرمایا (او دو کانوں والے)۔ **فائدہ:** کان تو سب ہی کے دو ہوتے ہیں، ان کو جو دو کانوں والا فرمایا تو کوئی مقامی خصوصیت ہوگی، مثلاً: ان کے کان بڑے ہوں گے یا تیز ہوں گے کہ بات دور سے سُن لیتے ہوں گے، یہی اقرب ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمارے ساتھ میل جول مزاح فرماتے تھے، چنانچہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، حضور اُس سے فرماتے یا ہا عمیر! ما فعل البغیر؟ ارے ابو عمیر! وہ بغیر کہاں جاتی رہی؟۔ **فائدہ:** بغیر ایک جانور ہے جس کا ترجمہ علماء ”لال“ سے کرتے ہیں۔ صاحب حیوة الحیوان نے ”بلبل“ لکھا ہے۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے اُس بچہ کو کنیت سے تعبیر فرمایا۔ اُس نے ایک جانور پال رکھا تھا، وہ مر گیا تھا، جس کی وجہ سے یہ رنجیدہ بیٹھا تھا، حضور اقدس ﷺ نے اس کو چھیڑنے کے لئے پوچھا کہ وہ بغیر کیا ہوا؟ حالانکہ حضور اقدس ﷺ کو معلوم تھا کہ وہ مر گیا۔ یہ حدیث ایک مسئلہ مختلف فیہا میں حنفیہ کی تائید بھی ہے، وہ مسئلہ یہ ہے کہ حرم مدینہ کا شکار شافعیہ کے نزدیک حرم مکہ کے شکار کے حکم میں ہے اور حنفیہ کے نزدیک دونوں میں فرق ہے،

یا ذا الاذنین. قال القاري: وجه المزاح أنه سماه بعير اسمه مما قد يوهم أنه ليس له من الخواص إلا الأذنان، أو هو مختص بهما لا غير مع احتمال كون أدبيه طويلتين أو قصيرتين أو معيبتين. والله أعلم.

قال محمود نقل المصنف عن شيخه: أن قوله: هذا كان معمولاً على المزاح، فهذا مسرلة تفسير الحديث عن شيخه. **أي لباح** بفتح المثناة الفوقانية وتشديد الياء وبالحاء المهمله، اسمه يريد بن حميد.

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: إن كان رسول الله ﷺ ليخالطنا حتى يقول لأخ لي صغير: يا أبا عمير! ما فعل النغير؟ قال أبو عيسى: وفيه هذا الحديث: أن النبي ﷺ كان يمازح، وفيه: أنه كنى غلاماً صغيراً فقال له: يا أبا عمير، وفيه: أنه لا بأس أن يعطي الصبي الطير ليلعب به، وإنما قال له النبي ﷺ: يا أبا عمير! ما فعل النغير؛ لأنه كان له نغير يلعب به فمات، فحزن الغلام عليه،

حرم مکہ میں شکار جائز نہیں بخلاف حرم مدینہ کے کہ وہاں جائز ہے، چنانچہ حضور اقدس ﷺ کا اس پر انکار نہ فرمانا منجملہ دلائل کے ایک دلیل ہے، اور تفصیل کتب فقہ و حدیث میں موجود ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ ابو عمیر ان کی پہلے ہی سے کنیت تھی یا حضور اقدس ﷺ نے ہی ابتداءً کنیت سے تعبیر فرمایا۔ بعض علماء نے اس حدیث میں سو سے زائد مسائل اور فوائد بتائے ہیں۔ اُس ذات کے قربان جس کے ایک مذاقی فقرہ میں سو سو مسائل حل ہوتے ہوں اور ان علماء کی قبروں کو حق تعالیٰ شانہ سراپا نور بنائے جنہوں نے اپنے رسول کے کلام کی اس قدر خدمت کی کہ ایک ایک حدیث سے کتنے کتنے مسائل استنباط کیے، ان کو محفوظ رکھا اور پھیلایا۔ اس حدیث میں ایک اشکال یہ بھی کیا گیا ہے کہ اس میں جانور کا ہنجرہ وغیرہ میں بند کرنا اور بچہ کا اُس سے کھیلنا وارد ہے۔

لنحافظ [أي يمازحنا مع أسس وأهل بيته.] حتى قال: النووي عاية بقوله: "خاصاً" أي: انتهى محالطته بأهلنا كنها حتى الصبي. لاح لي [أي. أح من الأقم، اسمه حمص، وقيل: كشة بن أبو طلحة ريد بن سهل الأنصاري، وأمه أم سليم.] اصغير [طائر كالعصمور أحمر المنقار.] انه كنى هذا إدا كان ابتداء التكنية عنى سانه رضي الله عنه. وفي الصحيحين عن أنس قال: كان رسول الله ﷺ أحسن الناس خلقاً، وكان لي أخ يقال له: أبو عمير، وكان له نغير يبع به. الحديث. وصاحره أنه كان يكي به من أول الأمر، إلا أن في خطابه رضي الله عنه بياها بالكنية تقريراً له وحجة للجوار، وأنه لا يدخل في الكذب؛ لأن القصد من التكنية التعظيم والتفاؤل لا حقيقة اللفظ من إثبات الأبوة والبنوة.

لا بأس اح قال القاري محبه إدا علم أنه لا بعده يعني: فلا يشكل عليه أنه تعديب للحيوان، وقد صحح الهبي عنه قال المسوي: إن قامت قرية فوية على أن الصبي لا يفعل به ما فيه تعديب بل يلعب لها مباحا ويقوم بمؤنثه جار، وإلا لا. قال القاري: وفيه جوار اسمالة الصغير وإدخال السرور عليه والتقويد بالصغير بفيد أن الكبير ممنوع من اللعب بالطير؛ لما ورد: من اتبع الصيد فقد غفل.

فمازحه النبي ﷺ فقال: يا ابا عمير! ما فعل النغير؟ **حدثنا** عباس بن محمد الدوري، أخبرنا علي بن الحسن بن شقيق، أخبرنا عبد الله بن المبارك، عن أسامة بن زيد، عن سعيد المقبري، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قالوا: يا رسول الله! إنك تداعبنا؟ فقال: نعم، غير أني لا أقول إلا حقا، تداعبنا يعني تمازحنا. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، حدثنا خالد بن عبد الله، عن حميد، عن أنس بن مالك رضي الله عنه: أن رجلا استحمل رسول الله ﷺ، فقال: إني حاملك على ولد ناقه،

یہ جانور کو عذاب دینا اور ستانا ہے، اور جانور کو عذاب دینے کی حدیث میں ممانعت آئی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ محض بند کرنا یا اس سے دل بہلانا اور کھیلتا عذاب دینا نہیں ہے، ستانا اور عذاب دینا دوسری چیز ہے۔ اسی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ جانور کا رکھنا اسی کیلئے جائز ہے جو اس کو ستائے نہیں، اس کی خیر خبر رکھے اور جو بچہ نا سمجھ ہو یا سخت دل ہو کہ جانور کو تکلیف پہنچاتا ہو اس کے لئے جائز نہیں ہے۔

(۳) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! آپ ہم سے مذاق بھی فرما لیتے ہیں؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہاں ہاں، مگر میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔ **فائدہ:** صحابہ کے سوال کا منشاء یہ تھا کہ حضور ﷺ نے مذاق سے منع بھی فرما رکھا ہے اور ویسے بھی بڑائی کی شان کے خلاف ہے کہ یہ وقار کو گراتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرما دیا کہ میری خوش طبعی اس میں داخل نہیں ہے، چنانچہ شروع باب میں اس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے۔

(۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کسی شخص نے حضور اقدس ﷺ سے درخواست کی کہ کوئی سواری کا جانور مجھے عطا فرما دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ایک اونٹنی کا بچہ تم کو دیں گے۔ سائل نے عرض کیا کہ حضور! میں بچہ کو کیا کروں گا؟

فمازحه وذلك لأنه رآه حزينا فقال: مالك؟ فقيل: مات نغير. **علي بن الح** كذا صوبه المناوي، قال: وفي نسخة ضعيفة: الحسين بالتصغير، قال ميرك: وهو غلط. قنت: وليس في الرواة أحد اسمه علي بن الحسين بن شقيق. **تداعبا** مدرج من كلام المصنف أو أحد مشايخه، وكرره ليفسره، وهو بالدال والعين المهملتين والياء الموحدة. قال الرحشري: الدعابة كالمكاهة والمراحة مصدر، وفي المصباح: دعب يدعب كمرح يمزح وربما ومعى. **استحمل** [أطلب من الرسول ﷺ أن يحمله أي يعطيه حمولة يركبها] أي: سأله أن يحمله على دابة، والمراد أن يعطيه حمولة يركبها.

فقال: يا رسول الله! ما أصنع بولد الناقة؟ فقال: وهل تلد الإبل إلا التوق؟! **حدثنا** إسحاق بن منصور، **حدثنا** عبد الرزاق، **حدثنا** معمر، عن ثابت، **عن** أنس بن مالك **عن** أن رجلاً من أهل البادية، كان اسمه: زاهراً وكان يُهدي إلى النبي ﷺ هدية من البادية، **فُجِّهَزه** النبي ﷺ إذا أراد أن يخرج، فقال النبي ﷺ: إن زاهراً باديتنا، ونحن حاضروه، وكان رسول الله ﷺ يحبه، وكان رجلاً دميماً،

(مجھے تو سواری کے لئے چاہئے)۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہوتا ہے۔ **فائدہ:** سائل کا گمان یہ ہوا کہ وہ چھوٹا ناقابل سواری ہوگا۔ اس حدیث میں علاوہ مزاج کے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ آدمی کو گفتگو میں دوسرے کی بات کمال غور و فکر سے سنی اور سمجھنی چاہئے۔

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص جنگل کے رہنے والے، جن کا نام زاہر بن حرام تھا، وہ جب حاضر خدمت ہوتے تو جنگل کے ہدایا سبزی، ترکاری وغیرہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں پیش کیا کرتے تھے اور وہ جب مدینہ منورہ سے واپس جانے کا ارادہ کرتے تھے تو حضور اقدس ﷺ شہری سامان خورد و نوش کا ان کو عطا فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زاہر ہمارا جنگل ہے اور ہم اُس کے شہر ہیں۔

ولد الناقة تو ہم اُن المراد بولدھا هو الصغير من أولادھا كما هو المشار إلى الفهم. **الإبل** أي: صمرت أو كبرت، والمعنى: ما تندھا جميعاً. **التوق** بضم التاء جمع الناقة، وهي أنثى لإبل. وحاصله: أن جميع الإبل ولد الناقة صغيراً كان أو كبيراً، **زاهراً** هو اس حرم الأشعي شهد بدرًا. **من ناديه** أي: حاصلة منها مما يوجد فيها من الأرهاار والأثمار والنبات. **فُجِّهَزه**: [أي: يعطيه ما يتجهز به إلى أهله مما يعينه على كفايتهم].

باديت أي: استفيد منه ما يستفيد الرجل من باديته من أنواع السات، فصار كأنه نادية. وقيل: من إطلاق اسم المحل على الحال أو على حذف المضاف أي: ساكن ناديتا كما حقق في «وَأَسْأَلُ الْقُرْآنَ» [يوسف: ۸۲]، وقيل: تأوّه للمالعة، ويؤيده ما في بعض النسخ: باديا. والبادي: هو المقيم بالبادية. **دمماً** [أي: أنه غير حسن الصورة والشكل مع كونه مليح السيرة] بالبدال المهملة أي: قبيح الوجه كرهه المنظر.

فأتاه النبي ﷺ يوماً وهو يبيع متاعه واحتضنه من خلفه ولا يُنصره، فقال: من هذا؟ أرسلني! فالتفتَ فعرف النبي ﷺ. فجعل لا يألو ما ألصق ظهره بصدر النبي ﷺ حين عرفه،
[لا ينصر]

حضور اقدس ﷺ کو ان سے خصوصی تعلق تھا، زاہر کچھ بد شکل بھی تھے۔ ایک مرتبہ کسی جگہ کھڑے ہوئے وہ اپنا کوئی سامان فروخت کر رہے تھے کہ حضور اقدس ﷺ تشریف لائے اور پیچھے سے اُن کی کوئی ایسی طرح بھری کہ وہ حضور ﷺ کو دیکھ نہ سکیں، انھوں نے کہا ارے کون ہے؟ مجھے چھوڑ دے! لیکن جب کن انگیوں وغیرہ سے دیکھ کر حضور کو پہچان لیا تو اپنی کمر کو بہت اہتمام سے پیچھے کو کر کے حضور اقدس ﷺ کے سینہ مبارک سے ملنے لگے (کہ جتنی دیر بھی تلبیس رہے ہزار نعمتوں اور لذتوں سے بڑھ کر ہے) حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کون شخص ہے جو اس غلام کو خریدے؟ زاہر نے عرض کیا کہ حضور! اگر آپ مجھے فروخت فرمادیں گے تو کھونا اور کم قیمت پائیں گے۔ حضور نے فرمایا کہ نہیں، اللہ کے نزدیک تو تم کھوئے نہیں ہو بلکہ بیش قیمت ہو۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا پیچھے سے تشریف لا کر کوئی بھرینا اور آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینا تو مزاج تھا ہی یہ ارشاد بھی مزاج ہی تھا کہ اس غلام کا کوئی خریدار ہے، اس لئے کہ حضرت زاہر غلام نہ تھے، آزاد تھے مگر حضور کا یہ ارشاد بطور فرض اور تشبیہ کے تھا۔ بعض شراح نے لکھا ہے کہ یہ حدیث صورت مزاج میں ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے بڑی حکمتیں اور اسرار اس میں ہیں، اس لئے کہ جب حضور نے ان کو اپنے سامان کی فرد خنگی میں نہایت مشغول پایا تو حضور کو اس میں اٹھاک اور ان کی توجہ الی اللہ کی کمی کا بظاہر خوف ہوا اس لئے اول کوئی بھری کہ حضور کے ساتھ تلبیس رجوع الی اللہ کا ذریعہ ظاہر ہے اور پھر تنبیہ کے طور پر ارشاد فرمایا کہ اس غلام کا کوئی خریدار ہے، اس لئے کہ جو شخص غیر اللہ میں اس قدر مشغول ہو وہ گویا اپنی خواہشات کا بندہ ہے، لیکن حضور کے ساتھ اس تلبیس سے انابت الی اللہ یعنی اللہ کی طرف توجہ تام حاصل ہو چکی تھی اس لئے حضور نے پھر ان کو مژدہ سنایا کہ اللہ کے نزدیک تم کم قیمت نہیں ہو بلکہ بیش قیمت ہو۔

متاعه. [وكان متاعه قربة لن وقربة سمن.] فاحتضنه عطف على "أتاه" وفي المشكوة بالقاء، كما في بعض النسخ ههما أيضاً، وهو الأسبب أي: أدخله في حضنه قاله القاري. والخص: ما دون الإبط إلى الكشح، والمعنى: أدخل يديه تحت إبط زاہر فاعتنقه، 'ولا ينصره' حجة حالية. ما ألصق: لفظ 'ما' مصدرية أي: لا يقصر في لئق ظهره بصدر مصدر الفيوض تبركاً وتلذداً.

فجعل النبي ﷺ يقول: من يشتري هذا العبد؟ فقال الرجل: يا رسول الله! إذا والله تجديني كاسداً، فقال النبي ﷺ: لكن عند الله لست بكاسدٍ أو قال: أنت عند الله غال. **حدثنا** عبد بن حميد، **حدثنا** مُصْعَبُ ^{لما فيه من الدمامة} بن المِقْدَام، **حدثنا** المبارك بن فضالة، عن الحسن ^{شك واوي} قال: أنت عَجُوزُ النبي ﷺ، فقالت: يا رسول الله! أَدْعُ الله أن يُدْخِلَنِي الجنة، فقال: يا أُمّ فلان! إن الجنة لا يدخلها عجوز، قال: فوَلَّتْ تبكي، فقال: أخبروها أنها لا تدخلها وهي عجوز،

(٢) حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! دعا فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ رحمۃ اللہ علیہ مجھے جنت میں داخل فرمادے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں بوڑھی عورت داخل نہیں ہو سکتی۔ وہ عورت روتی ہوئی لوٹنے لگی۔ حضور نے فرمایا: اُس سے کہہ دو کہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی، بلکہ حق تعالیٰ رحمۃ اللہ علیہ سب اہل جنت عورتوں کو نو عمر کنواریاں بنادیں گے۔ اور حق تعالیٰ کے اس قول ﴿إِنَّا أَنشَأْنَاهُنَّ إِنِشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَاراً﴾ [الواقعة: ۳۵-۳۶] میں اس کا بیان ہے،

هذا العبد قيل: معناه: من يشتري مثل هذا العبد في الدمامة، أو من يستنده مي بأن يأتي مثله، أو من يقابل هذا العبد الذي هو عبد الله بالإكرام والتعظيم، والكل متكف قاله السوي، قال القاري: فالوجه أن الاشتراء على حقيقة، وإن العبد فيه تورية، ولا يلزم من هذا القول لا سيما والمقام مقام المراح - إرادة تحقق بيعه ليشكل على الفقيه بأن بيع الحر غير جائز اهـ. **تجدي كاسداً** [الرحيص الذي لا يرعب فيه أحد] أي: إذا عرضتني على البيع إذا تجدي متاعاً رخيصاً أو غير مرعوب فيه، وفي بعض النسخ: 'تجدي' بمعنى الجمع تعظيمه رحمۃ اللہ علیہ أو الصمير له ولأصحابه، قال الماوي: والأوفق بقواعد العربية الإفراد. **مصعب** بصيغة المفعول من الأصعب بالصاد المهملة، وفي نسخة منه مصور، قال ميرك: وهو خطأ. والمقدام بكسر الميم وسكون القاف. وفضالة بفتح الفاء. والحسن البصري التابعي المعروف، فالحديث مرسل. **عجوز** أي: امرأة كثيرة السن، ولا تقبل. عجورة إدهي لعة: رديئة على ما في القاموس. قيل: اسمها صفية بنت عبد المطلب أم الربيع بن العوام وعمه النبي ﷺ قاله الشراح **فلان** قال الراوي: نسي الاسم الذي جرى على لسانه رحمۃ اللہ علیہ فأقام لفظ 'فلان' مقامه قاله القاري. فت: ولعبه رحمۃ اللہ علیہ قال: يا أم الربيع، لأن صفية هذه أمه كما تقدم.

إِنَّ اللَّهَ تَعَالَى يَقُولُ: ﴿إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا﴾ [الواقعة: ۳۵-۳۷]

جس کا ترجمہ اور مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے یعنی ہم نے ان کو ایسا بنایا کہ وہ کنواریاں ہیں (بیان القرآن) یعنی ہمیشہ کنواریاں ہی رہتی ہیں، صحبت کے بعد پھر کنواریاں بن جاتی ہیں۔

يقول: اختلفوا في تفسير الآية كما بسط في محله، وما يناسب المقام ما في جمع الوسائل، إذ قال: وفي الحديث: هن النواقي قبضن في دار الدنيا عجائز خفيهن الله بعد الكبر فجعلهن عذارى متعشقات إلى آخر ما بسطه. إنشاء: [أي: إنا خلقنا النسوة خلقًا جديدًا من غير توسط الولادة]. أبكارًا: [أي: عذارى وإن وطن كثيرًا، فكلما أتاها الرجل وجدها بكرًا].

باب ما جاء في صفة كلام رسول الله ﷺ في الشعر

حدثنا علي بن حجر، حدثنا شريك، عن المقدام بن شريح، عن أبيه،

باب حضور اقدس ﷺ کے ارشادات و درباب اشعار

فائدہ: یعنی حضور اقدس ﷺ کا جن اشعار کو پڑھنا یا سننا روایات میں آیا ہے ان کا ذکر۔ شعر اس کلام کو کہتے ہیں جو قصداً مقفی و موزوں بنایا گیا ہو، یعنی ارادہ سے شعر کی طرز پر بنایا گیا ہو۔ حضور اقدس ﷺ کا شاعر نہ ہونا قطعی ہے، کلام اللہ شریف میں صاف طور سے مذکور ہے، بلکہ کفار کے ان مقولوں کو جو وہ حضور اقدس ﷺ کے متعلق جادوگر یا شاعر یا مجنون ہونا بیان کرتے تھے، نہایت تعجب سے ذکر کیا گیا اور آپ کی شاعری کے متعلق صاف ارشاد فرمایا: ﴿وَمَا عَلَّمْنَا الشُّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَكَ﴾ [یسس: ۶۹] ہم نے ان کو یعنی محمد کو شاعری کا علم نہیں دیا اور یہ علم شاعری ان کی شان کے مناسب بھی نہیں ہے۔ پھر جو حضور کے کلام میں کہیں کہیں کلام موزوں پایا جاتا ہے وہ بلا قصد پر محمول ہے اور کلام میں بلا قصد موزونیت اگر آجائے تو وہ شعر نہیں کہلاتا۔ بندہ ناچیز کے نزدیک درحقیقت یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا شاعر نہ ہونا عجز کی وجہ سے نہیں ہے، اس لئے کہ جس شخص کے کلام میں بلا ارادہ موزونیت آجاتی ہو وہ اگر قصداً موزوں بنائے تو کس قدر بے تکلف اور بہترین بنا سکتا ہے، لیکن حق تعالیٰ نے آپ کی شان کو اس سے بہت ارفع بنایا تھا اس لئے کبھی اس طرف توجہ نہیں فرمائی۔

اشعار کی تعریف اور مذمت کے بارے میں روایات مختلف آئی ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شعر اچھی چیز ہے اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ممنوع اور بُرا ہے، لیکن قول فیصل بھی ایک حدیث میں خود ہی وارد ہو گیا ہے کہ نفس شعر میں

الشعر قيل: أصله الشعر مفتحتين، وسمي الشاعر شاعراً، لفطنته ودقة معرفته، فالشعر في الأصل علم للعلم الدقيق، وصار في المتعارف اسماً لموروث مقفً من الكلام، والشاعر المحتص بصاعته كما قاله الرعب، وقيل: الشعر: هو كلام موروث مقفً قصداً، فحرج بهذا القيد ما صدر منه ﷺ من الكلام الموروث، أما ما وقع في الكتاب المكون فلا شك أنه مفروق بالإرادة والشيء التي هي معنى لقصد؛ لأنه لا يقع في الكون شيء دون المشية. ولعل الخواب: أنه ليس مقصوداً بالذات وأنه وقع تعاملاً كما حقق في نعت الخمر والشعر قاله القاري أنه [أي شريح الكوفي من أصحاب علي] أدرك زمن النبي ﷺ، وقتل مع أبي بكره بسجستان.]

عن عائشة ؓ قالت: قيل لها: هل كان رسول الله ﷺ يتمثل بشيء من الشعر؟ قالت: كان يتمثل بشعر ابن رواحة، ويتمثل ويقول: **ويأتيك بالأخبار من لم تُروّد. حدثنا محمد بن بشار، الأنصاري رحمه الله**

کچھ بھلائی یا بُرائی نہیں ہے، مضمون صحیح اور مفید ہے تو شعر اچھی چیز ہے اور مضمون جھوٹ یا غیر مفید ہے تو جو حکم اس مضمون کا ہے وہی حکم شعر کا بھی ہے، یعنی جس درجہ میں وہ مضمون ناجائز ہے یا حرام یا مکروہ ہے یا خلافِ اولیٰ ہے اُسی درجہ میں شعر بھی ہے، لیکن بہتر ہونے کی صورت میں بھی اس میں انہماک اور کثرت سے مشغولی ممنوع ہے۔ اس باب میں مصنف **رحمہ اللہ** نے نو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** سے کسی نے پوچھا: کیا حضور اقدس **ﷺ** کبھی شعر بھی پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ ہاں! مثال کے طور پر کبھی عبد اللہ بن رواحہ کا کوئی شعر بھی پڑھ لیتے تھے (اور کبھی کبھی کسی اور شاعر کا بھی) چنانچہ کبھی (طرفہ کا) یہ مصرعہ بھی پڑھ دیا کرتے تھے: **ويأتيك بالأخبار من لم تُروّد**۔ یعنی تیرے پاس خبریں کبھی وہ شخص بھی لے آتا ہے جس کو تو نے کسی قسم کا معاوضہ نہیں دید۔ یعنی واقعات کی تحقیق کے لئے کسی جگہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے تنخواہ دینا پڑتی ہے، سفر خرچ دے کر آدمی کو حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجتا پڑتا ہے، مگر کبھی گھر بیٹھے بٹھائے کوئی آکر خود ہی سارے حالات سنا جاتا ہے، کسی قسم کا خرچ بھی اُس کے لئے کرنا نہیں پڑتا۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حضور **ﷺ** نے اپنی

قال: أي عائشة، وفي عدة السج: قال، فالضمير لشريح. **يمثل** أي يستشهد، يقال: تمثل أي أشد شعرا، وتمثل بشيء: صر به مثلاً. **ويمثل** يشكل عليه: أن الظاهر المتبادر من الحديث أن هذا البيت من كلام ابن رواحة، ويريد الإشكال ما في نسخة أخرى لفظ: "وَيُمَثِّلُ بِقَوْلِهِ" وقد اتفقوا على أن هذا البيت من كلام طرفة. والحواب أن قوله: "وَيُمَثِّلُ" كلام مستأنف، والضمير المجرور في قوله: "بقوله" راجع إلى القائل أو الشاعر، فهو معاد إلى غير المذكور لشهرة قائله بينهم، فيكون معنى الحديث: قالت: كان أحيانا يتمثل بشعر ابن رواحة وأحيانا يتمثل بقول الشاعر هذا. **ودينيت** وهو من قصيدة طرفة بن عبد، المعلقة على الكعبة من جملة المعلقات السبع، وصدر البيت: ستدي لك الأيام ما كنت جاهلاً. قال القاري: الظاهر أنه عليه الصلوة والسلام مثل المصراع الأخير، أراد بإتيان الأخبار من غير الترويد نفسه الشريفة كما يشير إليه قوله عراسمه: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ﴾ [الفرقان: ٥٧].

حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا سفيان، عن عبد الملك بن عمير، حدثنا أبو سلمة، عن^(۱) أبي هريرة **رضي الله عنه** قال: قال رسول الله ﷺ: **إن أصدق كلمة قالها الشاعر كلمة لبيد: ألا كل شيء ما خلا الله باطل. وكاد أمية بن أبي الصلت أن يُسلم.**

مثال ارشاد فرمائی کہ بلا کسی اجرت اور معاوضہ کے گھر بیٹھے جنت، دوزخ، آخرت، قیامت، پچھلے انبیاء کے حالات اور آئندہ آنے والے واقعات سناتا ہوں پھر بھی یہ کافر قدر نہیں کرتے۔ اس حدیث میں دو شاعروں کا ذکر ہے: حضرت عبد اللہ بن رواحہ تو مشہور صحابی ہیں، حضور کی ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور حضور کے سامنے ہی غزوہ موتہ میں شہید ہو گئے تھے۔ طرفہ عرب کا مشہور شاعر ہے، ادب کی مشہور کتاب ”سبعہ معلقہ“ میں دوسرا معلقہ اسی کا ہے، اس نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔ (۲) ابو ہریرہ **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زیادہ سچا کلمہ جو کسی شاعر نے کہا وہ لبيد بن ربیعہ کا یہ کلمہ ہے: **الاکل شيء ما خلا الله باطل، آگاہ ہو جاؤ! اللہ جل جلالہ کے سوا دنیا کی ہر چیز فانی ہے اور امیہ بن ابی الصلت قریب تھا کہ اسلام لے آئے۔ فائدہ: لبيد ایک مشہور شاعر تھے لیکن مسلمان ہونے کے بعد سے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا، یہ کہتے تھے کہ مجھے حق تعالیٰ نے اشعار کا نعم البدل عطا فرما دیا۔ یہ مکرم صحابہ میں ہیں، ایک سو چالیس یا اس سے کچھ زیادہ عمر ہوئی۔ اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے: **وکل نعیم لا محالة زائل۔ جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دنیا کی ہر نعمت کسی نہ کسی وقت میں زائل ہونیوالی ہے۔****

لبيد بن أبي ربيعة العامري، وفد على النبي ﷺ وحسن إسلامه، نزل الكوفة، ومات سنة إحدى وأربعين، وله من العمر مائة وأربعون سنة، وقيل: مائة وسبع وخمسون سنة، وقيل غير ذلك، مشهور من فضحاء العرب وشعرائهم، ولما أسلم لم يقل شعراً، وقال: يكفي القرون. باطل المراد به العالی، وإنما كان كلامه أصدق؛ لأنه واقع أصدق الكلام، وهو قوله تعالى: ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ [القصص: ۸۸] ونماه البيت: **وكل نعیم لا محالة زائل.** وامرأ بالنعیم نعیم الدنيا؛ لقوله بعد ذلك: **نعيمك في الدنيا عرور وحسرة.** وأنت قريباً عن مقيلك راحل.

ابن الصبب أمیہ بالتصغیر، اس ابی الصلت بفتح فسکون آی: اس ربیعہ الثقفی، کان یطبق بالحقائق، وقد کان متعبداً في اِباحیة ویتدین، ویؤمن بالبعث لکھ ادر کہہ الإسلام ولم یسم قاته القاری، رث من قتل بدر من الکفار، ثم مات أيام حصار الطائف کافراً سنة ثمان، وقيل: تسع.

حدثنا محمد بن المثني، أنبأنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن الأسود بن قيس، عن جندب بن سفيان البجلي قال: أصاب حجرٌ إصبع رسول الله ﷺ

امیہ بن ابی الصلت بھی ایک مشہور شاعر تھا جو اپنے اشعار میں حقائق باندھتا تھا، قیامت کا قائل تھا لیکن توفیق ایزدی شامل حال نہ ہوئی اس لئے مسلمان نہیں ہو سکا۔ آٹھویں حدیث کے ذیل میں اس کی کسی قدر تفصیل بھی آرہی ہے۔

(۳) جندب بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ ایک پتھر حضور اقدس ﷺ کی انگلی میں لگ گیا تھا جس کی وجہ سے وہ خون آلودہ ہو گئی تھی تو حضور نے یہ شعر پڑھا جس کا حاصل ترجمہ یہ ہے: تو ایک انگلی ہے جس کو اس کے سوا کوئی مضرت نہیں پہنچی کہ خون آلودہ ہو گئی اور یہ بھی رازیگاں نہیں بلکہ اللہ کی راہ میں یہ تکلیف پہنچی جس کا ثواب ہوگا۔

فائدہ: اس حدیث میں بھی وہ اشکال کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے شعر کیسے فرمایا؟ اس کا مختصر جواب گزر بھی چکا ہے، اس خاص جگہ پر یہ بھی ایک جواب دیا جاتا ہے کہ یہ رجز کہلاتا ہے، شعر نہیں ہے۔ بعض لوگوں نے یہ کہا کہ ایک آدھ شعر کہنے سے آدمی شاعر نہیں ہوتا، لہذا یہ آیت: ﴿وَمَا عَلَّمْنَا الشُّعْرَ﴾ [یس: ۶۹] کے خلاف نہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ دمیت اور لقبیت کی تاء ساکنہ ہے مکسورہ نہیں، اس صورت میں موزونیت سے بھی نکل گیا۔ بندۂ ناچیز کے نزدیک اگر اس کی توجیہ یہ کی جائے کہ یہ شعر حضور اقدس ﷺ کا نہیں بلکہ منقول تھا کسی دوسرے شاعر کے کلام سے تو اس صورت میں کسی اور توجیہ کی ضرورت نہیں رہے گی، چنانچہ واقدی نے اس شعر کو ولید بن وید کا بتایا ہے اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ”محاسبة النفس“ میں ابن رواحہ کی طرف نسبت کیا ہے۔ دو شاعروں سے کسی ایک شعر کا ورد ممنوع نہیں اس لئے ممکن ہے کہ دونوں نے یہ شعر کہا ہو۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ قصہ کب کا ہے؟ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ جنگ اُحد کا ہے اور بعض لوگ اس کو ہجرۃ سے قبل بتاتے ہیں۔

حدیث بن سفيان هو جد جندب بضم جيم ودال ويفتح، ابن عبد الله، فهو منسوب إلى جده. والحلي بفتح حاء: نسبة إلى بحيلة. **أصاب** احتملوا في أنه كان في بعض غرواته كما هو المشهور أو كان قبل الهجرة، وقيل: كان في بحلي إلى الصلاة، وقيل: كان في الغار؛ لما في رواية مسم: كان ﷺ في عار فدميت إصبعه، قال الساجي: لعنه عاريا، فتصحف؛ لما في الرواية الأخرى: ”في بعض المشاهد“. وتعقب بأن القول بالتصحيف لا يصح لفظا ولا معنى، ومثل هذا الطعن لا يحور في حديث مسلم. قال القاري: فالتحقيق أنه كان في عار من جبل أحد، ولا مانع من الحمل على تعدد الواقعة.

فَدَمِيتُ فَقَالَ: هَلْ أَنْتِ إِلَّا إصْبَعٌ دَمِيتِ - وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ مَا لَقِيتِ. **حدثنا** ابن أبي عمر، حدثنا سفيان بن عيينة، عن الأسود بن قيس، عن جندب بن عبد الله البجلي نحوه. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا يحيى بن سعيد، حدثنا سفيان الثوري، حدثنا أبو إسحاق، **عن** البراء بن عازب قال: قال له رجل: **أفررت** **عن** رسول الله ﷺ يا أبا عُمارة؟ فقال: لا،

(۴) براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا: کیا تم سب لوگ حضور اقدس ﷺ کو چھوڑ کر جنگ حنین میں بھاگ گئے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ نہیں، حضور اقدس ﷺ نے پشت نہیں پھیری بلکہ فوج میں سے بعض جلد بازوں نے (جن میں اکثر قبیلہ بنی سلیم اور مکہ کے نو مسلم نوجوان تھے) قبیلہ ہوازن کے سامنے کے تیروں کی وجہ سے منہ پھیر لیا تھا۔ حضور اقدس ﷺ (جن کے ساتھ اکابر صحابہ کا ہونا ظاہر ہے، اپنی) فخرہ پر سوار تھے اور ابو سفيان بن الحارث اُس کی لگام کو پکڑے ہوئے تھے۔ حضور اُس وقت یہ فرما رہے تھے: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ. اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمَطْلَبِ۔ میں بلا شک و شبہ نبی ہوں اور عبد المطلب کی اولاد (پوتا) ہوں۔ **فائدہ:** حضور اقدس ﷺ نے اپنے آپ کو بجائے باپ کے اپنے دادا عبد المطلب کی طرف اس لئے نسبت کیا کہ انھوں نے حضور کے غلبہ کی اطلاع کفار قریش کو دی تھی اور یہ وقت گویا اس کی تصدیق کا تھا۔ بعض نے یہ وجہ بتائی ہے کہ چونکہ آپ کے والد کا انتقال زمانہ حمل ہی میں ہو گیا تھا اس لئے آپ ابن عبد المطلب ہی کے ساتھ مشہور تھے۔ نیز یہ بھی کہا گیا کہ چونکہ عبد المطلب مشہور سردار تھے اس لئے شہرت کی وجہ سے اُس طرف نسبت فرمائی۔ حافظ ابن حجر **رحمہ اللہ** نے ایک وجہ یہ بھی لکھی ہے کہ کفار میں یہ بات مشہور تھی کہ عبد المطلب کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوگا جس سے لوگوں کو ہدایت ہوگی، وہ خاتم النبیین ہوگا اس لئے حضور ﷺ نے اس نسبت کے ساتھ ان لوگوں کو یہ مشہور چیز یاد دلائی۔

فَدَمِيتُ بفتح الدال وكسر الميم يقال: دميت إصبعه وأدميتها ودميتها. **ما نسب** "ما" موصولة متدا و"في سبيل الله" حيرة، يعني: فلا تنالي بل افرحي، وقصبة كسر ليمي قدح المحبوس شهيرة، وأمثالها في سير المحب والمحبوب كثيرة. **سفيان** عن سفيان، أعاد الحديث بسد آخر؛ ليدل على أن جندب بن سفيان المذكور في السد السابق هو ابن عبد الله هذا. **رجل** جاء في رواية أنه من قيس لكن لا يعرف اسمه. **أفررت** [أي: أهربتم من العدو يوم حنين]. **عن** رسول الله ﷺ متعلق بمحذوف أي: معرضين عنه وتاركين له، أو مكشفين عنه بوصوح أن فرارهم كان عن الكفار لا عنه **عُمارة** بضم العين المهملة وتخفيف الميم كنية البراء. لا [أي: لم يفر كنا بل بعضنا، لأن أكابر الصحاب لم يفرؤا]

والله ما ولى رسول الله ﷺ، ولكن سرعان الناس، تلقّتهم هوازن بالتبيل، ورسول الله ﷺ على بعلته، وأبو سفيان بن الحارث بن عبد المطلب آخذ بلحامها، ورسول الله ﷺ يقول:

أنا النبي لا كذب - أنا ابن عبد المطلب.

غزوہ حنین سنہ ۸ ہجری میں ہوا ہے۔ قبائل عرب ایک زمانہ سے اپنے اسلام لانے میں فتح مکہ کے منتظر تھے کہ اگر حضور ﷺ نے اس پر قبضہ کر لیا تب تو سمجھو کہ آپ غالب ہیں اور بے چوں و چرا اطاعت کرو اور اگر مکہ مکرمہ فتح نہ ہو تو سمجھ لو کہ یہ لوگ غالب نہیں ہو سکتے۔ بالآخر جب مکہ مکرمہ فتح ہو گیا تو قبیلہ ہوازن وغیرہ نے بھی جو مواضع حنین وغیرہ کے رہنے والے تھے، اپنی قسمت آزمائی کا فیصلہ چاہا اور چند قبائل نے مل کر کیکجائی لڑائی کے خیال سے حنین پر جو مکہ مکرمہ سے طائف و عرفات کی جانب میں تقریباً دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے، وہاں مجتمع ہوئے۔ ہر چند کہ بعض تجربہ کار بوڑھوں نے ان کو اس ارادہ سے روکا مگر بعض جو شیلے نوجوانوں نے نہ مانا اور یہ کہہ کر کہ مسلمانوں کو اب تک تجربہ کار لڑنے والوں سے سابقہ نہیں پڑا تھا اس لئے غالب ہوتے جا رہے ہیں مبادا ہم پر بھی حملہ کریں اس لئے خود ہی ابتدا کرنی چاہئے، بیس ہزار سے زیادہ

رسول الله: سئل عن فرارهم فأجاب بعدم فراره ﷺ، إما لأنه يزم من ثبات الرسول عدم فرار أكابر الصحابة، وإما لأن فرارهم يوهم تولية الرسول ﷺ لبعده ثباته منفرداً، ولم ينقل أنه ﷺ الهزم في موطن قط، ومن ثم أجمعوا على أنه لا يجوز الانهزام عليه قط، فمن زعم أنه الهزم وقصد التنقيص كفر، وإن لم يقصد أذّب تأديباً عظيماً عند الشافعي، وقتل عند مالك قاله المناوي. قست: والأوجه عندي في الجواب أن مدار فرار الخميس على القسب، والنبي ﷺ كان في القسب، وعلى هذا يطابق الجواب السؤال، ويصح الاستدراك أيضاً. والمعنى: أن القلب يعني النبي ﷺ ومن معه لم يتولوا بل تولى سرعان الناس الذين كانوا في المقدمة. سرعان: بفتح السين والراء ويسكن: أواللهم، وأطال الكلام في ضبطه المناوي.

هوازن [قبيلة مشهورة بالرمي لا تخطئ سهامهم]. بعلته [أي: البیضاء التي أهداها له المقوقس، وهي دلدل ماتت في زم معاوية ؓ] وأبو سفيان: [ابن عم رسول الله ﷺ وأخوه من الرضاعة، كان يألوه قبل المعثة، كان شاعراً فارساً، فلما بعث ﷺ آداه، ثم أسسم وحسن إسلامه]. يقول: قال الحافظ ابن حجر: أحيب عن مقاتله ﷺ هذه بأجوة: منها أنه نظم غيره وأنه كان فيه: أنت النبي لا كذب - أنت ابن عبد المطلب. فذكره بلفظ: أنا في الموضعين، ومنها أنه رجز ليس شعر، وهذا مردود، ومنها أنه لا يسمى شعراً حتى يتم قطعة، وهذه كلمات يسيرة ولا تسمى شعراً، ومنها أنه خرج موروا ولم يقصد به الشعر، وهذا أعدل الأحوة.

جمع لڑائی کے لئے جمع کر لیا۔ حضور ﷺ کو جب اس کا علم ہوا تو دس بارہ ہزار کا مجمع جس میں مہاجرین و انصار اور فتح مکہ کے نو مسلم شریک تھے، نیز ایک جماعت کفار مکہ کی بھی شریک تھی جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئی تھی، ان میں سے بعض لوگ غنیمت کے لالچ سے شریک ہوئے تھے اور بعض لوگ محض لڑائی کا نظارہ دیکھنے گئے تھے۔ حضور اس لشکر کے ساتھ ۶ شوال سنہ ۸ ہجری کو حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ مسلمانوں کو حنین تک پہنچنے کے لئے ایک نہایت تنگ گھاٹی سے گزرنا پڑتا تھا۔ دشمنوں نے اپنے لشکر کو اُن پہاڑوں میں چھپا رکھا تھا، جیسے ہی مسلمان وہاں کو گزرے انھوں نے دفعۃً تیروں کا نشانہ بنایا۔ مسلمان اس بے خبری کے حملہ سے سخت گھبرائے اور پریشان ہو کر ادھر ادھر متفرق ہو گئے۔

بخاری کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی حملہ میں کفار کو ہزیمت ہوئی اور وہ پیچھے بھاگے۔ یہ لوگ غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے کہ دفعۃً ان لوگوں نے جو پہاڑیوں کے درمیان چھپے ہوئے تھے چاروں طرف سے حملہ کر دیا، یہ مجمع نہایت پریشانی کی حالت میں ادھر ادھر منتشر ہو گیا۔ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ بجز چند اکابر صحابہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ، وغیرہ وغیرہ چند حضرات کے کوئی بھی نہیں رہا تھا، اس پریشانی کی حالت میں بعض ضعیف الاسلام لوگوں کا عقیدہ بھی متزلزل ہوا اور بعض نے آوازیں اور فقرے کننا شروع کئے۔

بعض لوگ بھاگ کر مکہ واپس آ گئے اور مسلمانوں کے مغلوب ہو جانے کا مشرکہ ان لوگوں کو سنایا جو مسلمان نہ ہوئے تھے یا ظاہری طور پر اسلام قبول کر لیا تھا۔ حضور کا ہاشمی خون اس وقت جوش پر تھا، آپ نے اس خوف ناک منظر میں اپنی سواری سے اتر کر پایادہ انا للہی لا کذب کہتے ہوئے دشمنوں کی فوج کا رخ کیا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے مہاجرین انصار اور اصحاب شجرہ کو علیحدہ علیحدہ ایک ایک آواز دی کہ کہاں جا رہے ہو؟ ادھر آؤ۔ آواز کا سُنا تھا کہ پریشان حال متشکر جماعت بیک کہتی ہوئی ایسی جوشِ محبت میں لوٹی جیسے اونٹنی اپنے بچہ کی طرف لوٹتی ہے۔ مسلمانوں کا لوشا تھا کہ طرفین میں ایک گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ نے زمین سے کچھ مٹی کٹ کر یاں وغیرہ اٹھا کر شہادت الوجوہ کہتے ہوئے مقابل پر پھینکی۔ تھوڑی دیر لڑائی کا یہ منظر رہا اُس کے بعد لڑائی کا رخ ایسا پھرا کہ جس میدان میں مسلمان پریشان نظر آ رہے تھے اب کافر بدحواس بھاگتے ہوئے نظر آنے لگے اور اپنا مال و متاع، اہل و عیال مسلمانوں کے لئے مال غنیمت بنا کر ایسے بھاگے کہ ادھر کا رخ بھی نہ کیا۔ قصہ حسبِ ضرورت مختصر طور سے لکھا گیا جو صاحبِ مفضل دیکھنا چاہیں کسی اردو اسلامی تاریخ میں دیکھ لیں۔

تنبیہ: یہاں پر ایک امر پر تنبیہ اشد ضروری ہے اور وہ یہ ہے کہ کسی واقعہ کے متعلق صرف ایک دو روایت دیکھنے سے کسی قسم کا اشکال پیدا کر لینا یہ علم کی کوتاہی ہے، کسی ایک دو حدیث میں اکثر واقعہ کی پوری تفصیل نہ آسکتی ہے نہ مقصود ہوتی ہے، ہر واقعہ کے متعلق اگر کوئی رائے قائم کرنا ہو تو جب تک اُس واقعہ کے پورے حالات سامنے نہ ہوں رائے زنی بے عمل ہے۔ اسی جنگ حنین کے متعلق کسی مختصر تاریخ کو دیکھ کر یا ایک دو حدیثوں کا ترجمہ دیکھ کر یہ خیال کرنا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ساری جماعت یا یہ پورا لشکر دس ہزار کا بھاگ گیا تھا اور بجز دو چار نفر کے حضور کے ساتھ کوئی بھی نہیں رہا تھا، واقعہ کے خلاف ہونے کے علاوہ عقل سے بھی دور ہے۔ کفار کی جماعت جو بیس ہزار سے زیادہ تھی اُس کو کیا مشکل تھا کہ دو چار نفر کا محاصرہ کر لیتے جب کہ سب بھاگ چکے تھے، چہ جائیکہ ایک روایت میں یہ آیا ہے کہ حضور تہاتھے، کوئی بھی ساتھ نہ تھا۔ زیادہ تعجب ان لوگوں پر ہے جو لڑائیوں کے حالات سے واقف ہوتے ہیں، لشکروں کی ترحیب اور حمہ کے حالات پر بصیرت رکھتے ہیں وہ کسی ایسی روایت سے متعجب یا متاثر ہوں۔

لشکر کی عام ترتیب کے موافق پانچوں حصوں پر حضور اقدس ﷺ نے اس لشکر کی بھی ترتیب فرمائی تھی، مقدمہ الجیش (لشکر کا اگلا حصہ) سینہ میسرہ (دایاں بایاں حصہ) قلب یعنی درمیانی حصہ جس میں امیر لشکر کی حیثیت سے نبی کریم ﷺ جلوہ افروز تھے اور پانچواں حصہ لشکر کا پچھلا حصہ، اس کے علاوہ ہر ہر جماعت کا مستقل حصہ تھا جس کا ایک امیر مستقل جہنڈہ لئے ہوئے تھا، اُس کی جماعت اُس کے ساتھ تھی۔ مہاجرین کا جہنڈہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ، سعد بن ابی وقاص، اسید بن نضیر، خباب بن منذر رضی اللہ عنہم وغیرہ حضرات ایک ایک جماعت کے امیر بنے ہوئے اپنی اپنی مقررہ جگہ پر مامور تھے۔

مقدمہ الجیش میں قبیلہ بنی سلیم کی جماعت تھی جس کا جہنڈہ حضرت خالد بن ولید کے ہاتھ میں تھا، یہ جماعت لشکر کا اگلا حصہ تھا، اسی جماعت کے ساتھ یہ قصبہ پیش آیا کہ جب یہ گھائیوں کے درمیان سے نکلے تو دشمنوں نے اول پسپائی اختیار کی جس کی وجہ سے ان کو آگے بڑھنے اور اپنے کو غالب سمجھ کر مال غنیمت کی طرف متوجہ ہونے کا موقع ملا اور چھپے ہوئے دشمنوں نے چاروں طرف تیر برسانا شروع کر دیے۔ ایسی صورت میں اس جماعت کی پسپائی بھی فطری چیز تھی اور ان کی پسپائی سے تمام لشکر میں تشویش انتشار ادھر ادھر دوڑنا ضروری تھا، لیکن اس کا مطلب یہ لینا کہ سارا ہی لشکر بھاگ گیا تھا، پورے حالات پر نظر نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔

چنانچہ عبد الرحمن ایک شخص کا بیان نقل کرتے ہیں جو اُس وقت کافر تھا کہ ہم نے جب مسلمانوں پر حنین میں حملہ کیا اور ان کو پیچھے ہٹانا شروع کیا تو وہ ہمارے مقابلہ کی تاب نہ لاسکے اور پیچھے ہٹتے رہے، ہم لوگ ان کا تعاقب کرتے رہے اور آگے بڑھتے بڑھتے ہم ایک ایسے شخص تک پہنچے جو سفید خچر پر سوار تھے اور نہایت حسین چہرہ والے، لوگ ان کے گرد جمع تھے۔ انھوں نے ہم کو دیکھ کر شَاحِبَ الْوُجُوهِ اِزْجَعُوْا کہا، یہ کہتا تھا کہ ہم مغلوب ہونا شروع ہو گئے اور وہ جماعت ہم پر چڑھ گئی۔

اسی بنا پر حضرت براء نے شاکل کی روایت میں جو اوپر گزری یہ کہا کہ حضور نے منہ نہیں پھیرا بلکہ کچھ تیز رو لوگ جو تیروں کو برداشت نہ کر سکے بھاگے تھے۔ اس کے ساتھ ہی یہ قصہ بھی پیش آیا کہ حضور اقدس ﷺ نے جس راستے سے بڑھ رہے تھے اُس کو ترک فرما کر دائیں جانب کو بڑھنا شروع کیا۔ غور کرنے کی بات ہے کہ اس انتشار کی حالت میں لشکر کے اکثر حصہ کو کیسے یہ معلوم ہو سکتا تھا کہ حضور نے اس وقت کس جانب کو بڑھنے کا ارادہ کیا، ایسی حالت میں حضور کے قریب ایک وقت میں سو آدمیوں کا رہ جانا جیسا کہ ایک روایت میں وارد ہے اور ایک موقع پر اتنی کا رہ جانا جیسا کہ دوسری روایت میں وارد ہے، حتیٰ کہ جب حضور نے خچر کو تیزی سے بڑھایا تو سامنے سے لوگ ہٹتے رہے اور صرف بارہ آدمی رہ گئے، اور اس کے بعد صرف وہ چار شخص رہ گئے جو خچر کی باگ اور رکاب تھامے ہوئے تھے یا رکاب وغیرہ پکڑے ہوئے تھے، حتیٰ کہ جب خچر بھی حضور کی منشاء کے موافق نہ بڑھ سکا تو حضور اُس پر سے اتر کر تنہا کنکریوں کی ایک مٹی لے کر ان کی طرف بڑھ گئے، یہی وقت ہے جس کو بخاری شریف کی روایت میں اس سے تعبیر کیا کہ حضور تنہا تھے کوئی بھی ساتھ نہ تھا۔ اس کے ساتھ ایک اجمالی مضمون اپنے ذہن میں یہ ہونے سے کہ اس جنگ میں لوگ بھاگ گئے تھے یہ تجویز کر لینا کہ سارے ہی صحابہ حضور کے علاوہ بھاگ گئے تھے، پورے واقعات پر نظر نہ ہونے کا ثمرہ ہے۔

چونکہ پورے لشکر میں انتشار تھا اور یقیناً بہت سے لوگ بھاگ بھی رہے تھے بلکہ بعض لوگ اس ہزیمت سے خوش بھی ہو رہے تھے، جیسا کہ مفصل واقعات میں مذکور ہے، ایک کو دوسرے کی خبر نہ تھی، جیسا کہ انتشار کے وقت کا لازمی نتیجہ ہے، اس لئے حضور نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے جو نہایت بلند آواز تھے، لوگوں کو آوازیں دلوائیں اور مہاجرین، انصار اصحاب شجرہ وغیرہ جماعتوں کو علیحدہ علیحدہ آواز دلوائی جس کے سننے پر وہ سب پھر حضور کے گرد جمع ہو گئے، اور دوسرے حملہ میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ تھا۔

حدثنا إسحاق بن منصور، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا جعفر بن سليمان، أنبأنا ثابت، **عن** أنس **رضي الله عنه** أن النبي ﷺ دخل مكة في عمرة القضاء، وابن رَوَاحَةَ يمشي بين يديه وهو

بہر حال اس مضمون میں کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اُس وقت کتنے آدمی تھے، مختلف روایتیں ہیں اور ہر روایت اپنے اپنے موقع پر چسپاں ہے، حتیٰ کہ صحیح بخاری کی روایت کہ حضور تن تنہا تھے کوئی ساتھ نہ تھا، بھی اپنی جگہ پر صحیح ہے کہ جب حضور نے حجر سے اتر کر آگے بڑھ کر ان پر کنکریاں یا مٹی پھینکی تو سب ہی اُس وقت پیچھے رہ گئے تھے اور حضور تنہا بڑھے چلے جا رہے تھے، لیکن کسی روایت میں بھی یہ نہیں ہے کہ جتنے کسی وقت حضور کے قریب تھے ان کے علاوہ باقی سب ہی بھاگ گئے تھے۔

(۵) انس **رضي الله عنه** فرماتے ہیں کہ جب حضور اقدس ﷺ عمرۃ القضاء کے لئے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عبد اللہ بن رواحہ اپنی گردن میں تلوار ڈالے ہوئے حضور اقدس ﷺ کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے خَلُّوا بَنِي الْكَفَّارِ الْبَغْ كَافِرٌ زَاوُوا هُوَ، آپ کا راستہ چھوڑو، آج حضور اقدس کے مکہ مکرمہ آنے سے روک دینے پر جیسا کہ تم گزشتہ سال کر چکے ہو، ہم تم لوگوں کی ایسی خبر لیں گے کہ کھوپڑیوں کو تن سے جدا کر دیں گے اور دوست کو دوست سے بھلا دیں گے۔ حضرت عمر **رضي الله عنه** نے ابن رواحہ کو روکا کہ اللہ کے حرم میں اور حضور اقدس ﷺ کے سامنے شعر پڑھتے جا رہے ہو! حضور نے ارشاد فرمایا کہ عمر! روکو مت، یہ اشعار اُن پر اثر کرنے میں تیر بربسانے سے زیادہ سے زیادہ سخت ہیں۔

الفصاء أي قضاء عمرة الحديبية، وهو صريح لما قاله علماؤنا من أن المحصر يجب عليه القضاء، سواء كان حجه فرضاً أو نعلاناً، أو كان إحرامه لعمرة قاله القاري. قلت: يعني أن تسميته بعمرة القضاء مؤيد لما، وما أوله الشافعية من أن المراد به القضية بمعنى المقاضاة لا يساعد اللفظ.

و**ابن رَوَاحَةَ** أي: عبد الله بن رواحة، وكان من أحد شعرائه، والحديث أخرجه المصنف في جامعه، ثم قال: وروى في غير هذا الحديث أن النبي ﷺ دخل مكة في عمرة القضاء، وكعب بن مالك بين يديه، وهذا أصح عند بعض أهل الحديث؛ لأن ابن رواحة قتل يوم موقعة بدر، وإنما كانت عمرة القضاء بعد ذلك. وتعقبه الحافظ في الفتح كما ذكر في هامش الكوكب الدرّي؛ إذ قال: ما حكى قول الترمذي هذا ذهول شديد وغلط مردود، وما أدري كيف وقع الترمذي في ذلك مع وفور معرفته إلى آخر ما ذكره. وحاصله: أن عمرة القضاء قبل سرية موقعة بدر التي امتشهد فيها ابن رواحة.

يقول: خَلُّوا بني الكفار عن سبيله - اليوم نضربكم على تنزيله - ضرباً يُزيل الهم عن مقلبه - ويُذهل الخليل عن خليله. فقال له عمر: يا ابن رَواحَة! بين يدي رسول الله ﷺ وفي حرم الله تعالى تقول الشعر! فقال النبي ﷺ: خلّ عنه يا عمر! فلهي أسرع فيهم من نضح النبل. **حدثنا** علي بن حُجر، أنبأنا شريك، عن سِمَاك بن حرب،

فائدہ: سنہ ۶ ہجری میں حضور اقدس ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا تھا لیکن کفار مکہ نے حضور کو موضع حدیبیہ میں روک دیا تھا۔ اُس وقت جو شرائط فریقین میں ٹھہری تھیں اُن میں یہ بھی تھا کہ سال آئندہ آکر اپنا عمرہ پورا کر لیں۔ اس معاہدہ کی بنا پر ذیقعدہ سنہ ۷ ہجری میں حضور اقدس ﷺ نے عمرہ کا ارادہ فرمایا۔ یہ عمرہ حنیفہ کے نزدیک پہلے عمرہ کی قضاء ہے اور اس عمرہ کا نام عمرۃ القضاء ہونا بھی حنیفہ ہی کی تائید کرتا ہے۔ بعض ائمہ شافعیہ وغیرہ کا اس میں ظاف ہے، اس کی بحث شرح حدیث میں مفصل مذکور ہے۔ اسی سفر میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور باعزت و شوکت عمرہ سے فراغت فرما کر حسب قرارداد تین دن مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور پھر مدینہ منورہ کو واپس ہو گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضور کے ادب اور حرم کے احترام کی رعایت سے ابن رواحہ کو منع فرمایا لیکن حضور اقدس ﷺ نے مقامی اور وقتی مصلحت سے کہ اشعار بھی سانی جہاد ہے، اس کو باقی رکھا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ حضرت کعب بن لُہیہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ حق تعالیٰ شانہ نے قرآن پاک میں شعر کی مذمت نازل فرمائی، تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ مؤمن تلوار سے بھی جہاد کرتا ہے

يقول: احتلقت الروایات في ألسان هذه لأبيات وترتيب مضاريعها كما سطه لحافظ في الفتح. **حجوا** [حجوا له مكة؛ لأن المنشركين حرجوا من مكة يومئذ إلى رؤوس الجبال] **تنزيله** قال القاري: أي: ساء على كونه رسولاً مسرلاً عليه الوحى، أو ساء على تنزيلكم إياه وبعضاء العهد والأمان، وعلى كل فالصميم في كلا المصراعين إلى رسول الله وهو لظاهر، وأبعد أن حجر حيث جعل الصميم إلى القرآن. قلت: وهذا هو المعروف عند شراح الحديث، وقال المناوي: قوله. "عنى تنزيهه" أي: عنى تنزيل النبي ﷺ في مكة، ولا يرجع كما رجعا في عام الحديبية، أو عنى تنزيل القرآن وإن لم يتقدم له ذكر **عن مقبله** [عن محبة الذي هو الأعناق]. **ويذهل** [أي: ويشعل ويبعد المحب عن حبيبه شدته]. **فقال له عمر** [عنى سبيل اليوم والتوبيخ]. **سمّاك** بكسر السين وتخميف الميم.

عن جابر بن سمره قال: جالست النبي ﷺ أكثر من مائة مرة، وكان أصحابه يتناشدون الشعر ويتذاكرون أشياء من أمر الجاهلية وهو ساكت، وربما تبسم معهم.

اور زبان سے بھی، اور یہ زبانی جہاد بھی ایسا ہی ہے گویا کہ تم تیر بر سار ہے ہو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اشعار بھی جہاد کے حکم میں ہیں مگر شرائط اور قواعد کی رعایت جیسا کہ اُس جہاد میں ضروری ہے اس میں بھی ہے۔

(۶) جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں سو مجلسوں سے زیادہ بیٹھا ہوں جن میں صحابہ اشعار پڑھتے تھے اور جاہلیت کے زمانہ کے قہے قصائص نقل فرماتے تھے، حضور اقدس ﷺ (اُن کو روکتے نہیں تھے) خاموشی سے سنتے تھے، بلکہ کبھی کبھی اُن کے ساتھ ہنسنے میں شرکت فرماتے تھے۔

فائدہ: یعنی ان تذکروں میں کوئی ہنسی کی بات ہوتی تو حضور بھی تبسم فرماتے، جس سے معلوم ہوا کہ وہ سکوت اور خاموشی ناراضی یا گرانی سے نہ تھی بلکہ توجہ باطنی کی وجہ سے ہوتی تھی، اس لئے کوئی بات ایسی ہوتی تو حضور بھی تبسم فرماتے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کاتب وحی فرماتے ہیں کہ میں حضور کے پڑوس میں رہتا تھا، جب وحی نازل ہوتی تو مجھے طلب فرما کر اُس کو لکھوایا کرتے تھے۔ ہم لوگ جب دنیا کے تذکرے کرتے تو حضور بھی دنیا کا تذکرہ فرماتے تھے اور جب ہم آخرت کے متعلق تذکرہ کرتے تو حضور بھی آخرت کا تذکرہ فرماتے، جب ہم کھانے کا کوئی تذکرہ کرتے تو حضور اُسی نوع کا تذکرہ فرماتے۔ مطلب یہ ہے کہ جس نوع کا تذکرہ صحابہ کرام کرتے تھے حضور اقدس ﷺ کمال شفقت و رافت کی وجہ سے اُسی نوع کے تذکرے ان کی دلداری کے لئے فرماتے، یہ نہ تھا کہ حضور کی مجلس میں صرف دین ہی دین کا تذکرہ ہو اور کوئی تذکرہ حضور کی مجلس میں نہ آئے کہ ان مختلف انواع کے تذکروں سے حضور کے ساتھ محبت اور موانست بڑھتی تھی، اور جب ایک ہی نوع کا ذکر ہر وقت رہے تو بسا اوقات توخس کا سبب بن جاتا ہے، بالخصوص اجنبی کے لئے کہ اجانب عموماً دنیاوی اغراض لے کر آتے ہیں اور یہی تذکرے ان کے تعلقات اور موانست کا سبب بنتے ہیں۔

يتناشدون أي: يطلب بعضهم بعضاً أن يشد الشعر المحمود، والإشاد: هو أن يقرأ شعر الغير. وفي بعض النسخ: يناشدون من باب المصاعمة قاله القاري، وقال الماوي: التاشد والمناشدة: قراءة البعض على بعض شعراً.

الجاهلية [رمن ما قبل الإسلام.] **ساكت** أي عني عادته الشريفة، كما تقدم في باب كلامه ﷺ من حديث ابن أبي هالة من أنه كان طويل السكت، لا يتكلم في غير حاجة، أو المعنى ساكت عنهم لا يجمعهم من إشاد الشعر.

حدثنا علي بن حجر، أنبأنا شريك، عن عبد الملك بن عمير، عن أبي سلمة، **عن** أبي هريرة **رضي** الله عنه، عن النبي ﷺ قال: **أشعر** كلمة تكلمت بها العرب: كلمة لييد: ألاكل شيء ما خلا الله باطل.

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا مروان بن معاوية، عن عبد الله بن عبد الرحمن الطائفي، عن عمرو بن الشريد **عن** أبيه قال: كنت ردف رسول الله ﷺ فأنشدته مائة قافية من قول أمية بن أبي الصلت الثقفي، كلما أنشدته بيتاً قال لي النبي ﷺ: **هيه** حتى أنشدته مائة، يعني: بيتاً، فقال النبي ﷺ: **إن كاد لئسلم**.

مجمعة من الثقبه

(۷) ابو ہریرہ **رضی** اللہ عنہ حضور اقدس ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ شاعران عرب کے کلام میں بہترین کلمہ لید کا یہ مقولہ ہے: **الاکل شيء ما خلا الله باطل**. **فائدہ**۔ ابو ہریرہ **رضی** اللہ عنہ کی یہ حدیث اسی باب کے نمبر ۲ پر گزر چکی ہے۔

(۸) حضرت شریذ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور کے ساتھ سواری پر آپ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، اُس وقت میں نے حضور کو امیہ کے سو شعر سنائے، ہر شعر پر حضور ارشاد فرماتے تھے کہ اور سناؤ۔ اخیر میں حضور نے ارشاد فرمایا کہ اُس کا اسلام لے آنا بہت ہی قریب تھا۔ **فائدہ**۔ اس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ اُس کے اشعار میں توحید، اعترافِ قیامت وغیرہ امورِ حقہ و نصائح زیادہ ہوتے تھے، یہی وجہ حضور اقدس ﷺ کے سننے کی تھی اور یہی وجہ اس کے قریب عن الاسلام ہونے کی تھی۔

اشعر أي: أحسها وأدقها وأجودها. **عرب** [العرب العاربة والعرب العجم، وهم أولاد إسماعيل . . .] عمرو بالواو على الصواب، وفي نسخة بدون الواو ولا يصح؛ إذ ليس في الرواة أحد اسمه عمر بن الشريد وهو عمرو بن سويد الثقفي. قال عصام: لم أجد ترجمته وتعقبه المصاوي. **ردف** [أي: راكم خلف رسول الله ﷺ على الدابة]. **أنشدته** هكدا في المتن الموجودة عدي، وراى في بعض الشروح بعد قوله: كنت ردف النبي ﷺ فقال: هل معك من شعر أمية بن أبي الصلت شيء؟ فقلت: نعم، فقال: هيه، فأنشدته بيتاً فقال: هيه، ثم أنشدته بيتاً فقال: هيه، حتى أنشدته مائة بيت فأنشدته مائة قافية، الحديث. والظاهر أن هذه ليست نسخة بل وقع التحيط في المتن والشرح واحتيط رواية بالأحرى.

قافية المراد بها البيت، أطلق الحرء وأراد الكل مجازاً. هيه بكسر الهاء وإسكان الياء وكسر الهاء الثانية، قالوا: والهاء الأولى مبدلة من الهمزة، والأصل: "إيه" للاستراحة من الحديث المعهود، وتستعمل للاستراحة من غير معهود اسم فعل بمعنى حدث، وهي بسكون الهاء كلمة رجح بمعنى: "حسبك" فما في بعض الأحوال من صطلها ههنا بالسكون مشكل قاله المصاوي.

حدثنا إسماعيل بن موسى الفزاري، وعلي بن حجر - والمعنى واحد - قالوا: أنبأنا عبد الرحمن بن أبي الزناد، عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن** عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يضع **لحسان** بن ثابت منبراً في المسجد يقوم عليه قائماً، يُفَاخِر عن رسول الله ﷺ - أو قال: ينافح عن رسول الله ﷺ - ويقول رسول الله ﷺ: ان الله يؤيد حسن بروح القدس ما ينافح،

مادام

بعض علماء نے نقل کیا ہے کہ حضور کا یہ ارشاد اس شعر پر تھا:

فلا شيء أعلى منك حمداً ولا مجداً

لك الحمد والنعمة والفضل ربنا

اے ہمارے رب! آپ ہی کے لئے سب تعریفیں ہیں اور آپ ہی کے لئے ملک کی تمام نعمتیں ہیں اور آپ ہی کے لئے سب فضیلتیں ہیں، نہ آپ سے زیادہ کوئی تعریف کے قابل ہے نہ آپ سے زیادہ کوئی بڑائی والا ہے۔

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے لئے مسجد میں منبر رکھایا کرتے تھے تاکہ اُس پر کھڑے ہو کر حضور کی طرف سے مفاخرہ کریں، یعنی حضور کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا حضور کی طرف سے مدافعت کریں یعنی کفار کے الزامات کا جواب دیں (یہ شک راوی ہے) اور حضور یہ بھی فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ شانہ روح القدس سے حسان کی امداد فرماتے ہیں جب تک وہ دین کی امداد کرتے ہیں۔ **فائدہ:** جہاد ہر وقت اور ہر زمانہ میں مختلف انواع سے ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک جہاد سیفی تھا کہ تلوار سے باہم فیصلہ ہو جائے، دوسرا جہاد لسانی تھا کہ وقتیہ اشعار و قصائد پڑھے جائیں اور ان اشعار میں مقابلے ہوتے تھے اپنے فخر کے واقعات ذکر کئے جاتے تھے جیسا کہ آج کل مناظروں کا طرز ہے۔

لحسان ضبط مصرفاً وغير مصرف بقاء علی أنه فعّال أو فعّالان، والثاني هو الأطهر قاله القاري، وقال أيضاً: هو حسان بن ثابت بن المنذر بن عمرو بن حرام الأنصاري، عاش مائة وعشرين سنة، نصفها في الإسلام، وكذا عاش أبوه وجده وجد أبيه المذكورون. وفي الحديث دليل على جوار الإشاد في المسجد للضرورة.

مصرأ أي آلة المبر وهو الارتقاء، وكل شيء رفع فقد نبر. **بفاخر** أي: يذكر مفاخر رسول الله ﷺ **بناجح** أي: يحاجهم ويدافع من نفحت الدابة: صبرت برحبها. **روح القدس** أي: جبرئيل، وقد جاء في حديث مصرحاً. وسمي به: لأنه يأتي الأسياء بما فيه الحياة الأبدية، وإضافته إلى القدس وهو الطهارة؛ لأنه خلق منهما. والمراد بتأييده: إمداده بأبلغ جواب، أو أنه يحفظه عن الأعداء.

أو يفاخر عن رسول الله ﷺ. **حدثنا** إسماعيل بن موسى، وعلي بن حنجر قالوا: حدثنا ابن أبي الزناد، عن أبيه، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي ﷺ مثله.

ایک مرتبہ بنو تمیم کا وفد آیا، ان کے ساتھ ان کا شاعر اقرب بھی تھا، انھوں نے آکر حضور کو مناظرانہ دعوت اشعار اور فخریہ مضامین بیان کرنے کی دی۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میری بعثت نہ تو اشعار کے لئے ہے نہ فخر کے لئے، تاہم یہ مناظرہ بھی کر لو، اول ان کا مقرر کھڑا ہوا تو حضور نے حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ مقابلہ پر تقریر کریں، اُس کے بعد ان کا شاعر کھڑا ہوا جس کے جواب کے لئے حضور اقدس ﷺ نے حضرت حسن کو حکم فرمایا، دونوں مناظروں میں مسلمانوں کو غلبہ رہا اور سب سے اول ان کا شاعر مسلمان ہوا۔ غرض اشعار کا مقابلہ اُس وقت کا عام دستور تھا اور یہ اشعار کثرت سے نقل کئے جاتے تھے اور یہ اشعار اُن پر موثر بھی ہوتے تھے، چنانچہ اسی باب کی پانچویں حدیث میں یہ مضمون گزر چکا ہے۔ مسلم شریف میں بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کا یہ ارشاد وارد ہے کہ بھو (مذمت بیان کرنا) قریش کے لئے تیر برسانے سے زیادہ نافع ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں استیعاب سے نقل کیا ہے کہ حضرت کعب بن جحش رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے اشعار کے بارے میں استمزاج کیا تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ مومن اپنی تلوار سے بھی جہد کرتا ہے اور زبان سے بھی۔ اسی قصہ کی ایک روایت میں ہے کہ واللہ! یہ اشعار اُن پر ایسے جا کر لگتے ہیں جیسے تیر۔

نصاحہ شك من الراوي عن طلق الشك السابق، إلا أنه بشر لا على طريق البع. **مثله** أي: مثل الحديث المتقدم، والفرق بين الإسنادين: أن في الأول رواية عن همام عن عروة، وهذا رواية عن الرحمن عن أبيه عن عروة، بدل همام عن عروة، والسندان متصلان، وذكرهما للتقوية قاله القاري.

باب ما جاء في كلام رسول الله ﷺ في السمر

حدثنا الحسن بن صباح البزار، حدثنا أبو النضر، حدثنا أبو عقيل الثقفي: عبد الله بن عقيل، عن مُجالد، عن الشعبي، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: حدث رسول الله ﷺ ذات ليلة نساءه حديثاً فقالت امرأة منهن:

الروية

باب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام رات کو قصہ گوئی میں

فائدہ: یعنی حضور نے جو قصے کہانی نقل فرمائے ہیں ان کا نمونہ دو حدیثیں مصنف رحمہ اللہ نے اس میں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھروالوں کو ایک قصہ سنا۔ ایک عورت نے کہا: یہ قصہ حیرت اور تعجب میں بالکل خرافہ کے قصوں جیسا ہے (عرب میں خرافہ کے تھے ضرب المثل تھے) حضور نے دریافت فرمایا کہ جانتی بھی ہو خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا؟ خرافہ بنو عذرہ کا ایک شخص تھا جس کو جنات پکڑ کے لے گئے تھے، ایک عرصہ تک انھوں نے اُس کو اپنے پاس رکھا پھر لوگوں میں چھوڑ گئے، وہاں کے زمانہ قیام کے عجائبات وہ لوگوں سے نقل کرتا تھا تو وہ متحیر ہوتے تھے، اُس کے بعد سے لوگ ہر حیرت انگیز قصہ کو حدیثِ خرافہ کہنے لگے۔ **فائدہ:** ممکن ہے کہ اس شخص کا نام کچھ اور ہو۔ اُس کے قصوں کو لوگ جھوٹ اور من گھڑت سمجھتے تھے اس لئے وہ شخص خرافہ سے مشہور ہو گیا۔

السمر [هو الحديث بالليل، والمقصود من هذا الباب أنه ﷺ جَوَّزَ السمر] بفتح السين المهملة وسكون الميم، حديث الليل، من المسامرة وهي المحادثة، وفي النهاية: الرواية بفتح الميم، ورواه بعضهم بسكون الميم. وأصل السمر ضوء لون القمر، سمي به؛ لأنهم كانوا يتحدثون فيه قاله القاري، وقال البيهقري: هو بفتح الميم أي حديث الليل، وجوز بعضهم تسكيه على أنه مصدر معى المسامرة وهي المحادثة. وقال الماوي: السمر بفتح الميم حديث الليل. وأصله الليل وحديثه وظل القمر كما في القاموس. مقصود الباب أنه ﷺ جَوَّزَ السمر وسمعه وفعله.

البرار بتشديد الراء آخره راء مهملة، قال الماوي: البزار كلمة بمعجمتين إلا ثلثة: هذا وحلف بن هشام وأبو بكر بن عمر صاحب المسند. أبو النصر بفتح النون وسكون الضاد المعجمة سالم بن أبي أمية، أو هو هاشم بن قاسم التيمي قاله الماوي وتبعه البيهقري. **ذات ليلة:** [في ساعات ذات ليلة].

كَانَ الْحَدِيثُ حَدِيثُ خِرَافَةٍ؟ فَقَالَ: أَتَدْرُونَ مَا خِرَافَةٌ؟ إِنْ خِرَافَةٌ كَانَ رَجُلًا مِنْ عُذْرَةِ أَسْرَثَةِ الْجَنِّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَكَثَ فِيهِمْ دَهْرًا ثُمَّ رَدُّوهُ إِلَى الْإِنْسِ، فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَأَى فِيهِمْ مِنَ الْأَعَاجِيبِ، فَقَالَ النَّاسُ: حَدِيثُ خِرَافَةٍ. **حَدِيثُ أُمِّ زَرْعٍ: حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ،**
 [اسی طرح]
 ساکے بقرے میں قری مکہ وفیل میں قری میں

زمانہ جاہلیت میں جنات کا نہایت غلبہ اور زور تھا، وہ نہایت کثرت سے لوگوں کو ستاتے تھے، لے جاتے تھے، ان سے باتیں کرتے تھے، عورتوں سے صحبت کرتے تھے، جن کے واقعات مشہور ہیں۔ اسلام کے بعد ان کا زور گھٹ گیا حتیٰ کہ بعض لوگ تو اس کے قائل ہو گئے کہ جنات کا وجود پہلے تھا اب ہے ہی نہیں، لیکن یہ صحیح نہیں، البتہ یہ صحیح ہے کہ ان کا وہ زور نہیں رہا۔ چنانچہ حضور اکرم ﷺ کے اس عالم میں تشریف آوری کے وقت کے واقعات اور جنات کی حیرانی پریشانی اور گریہ و نوحہ کے واقعات اس کے شاہد ہیں، بخاری شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک کاہن کی محبوبہ جنتیہ کے حسرت بھرے اشعار اور جنات کی ذلت و کجی کا حال ذکر کیا ہے، سیوطی نے خصائص کبریٰ میں بہت سے واقعات اس کے ذکر کئے ہیں۔

(۲) **حدیث ام زرع:** یہ باب مذکور کی دوسری حدیث ہے، لیکن چونکہ اس کا قصہ طویل ہے اور نیز مشہور ہے،

خرافة بضم الخاء المعجمة وتخفيف اراء المهملة، ولا تدحبه 'أل' كما في الصحاح؛ لأنه معرفة إلا أن تريد به اخرافات الموصوعة من حديث الليل. قال ابن حجر وتبعه المناوي: لم ترد امرأة ما يرد من هذا اللفظ، وهو الكناية عن دلالة الحديث بأنه كذب مستمخ؛ لأنها عالمة بأنه لا يجري على لسانه ﷺ إلا الحق. وإنما أرادت أنه حديث يستمخ فحسب، وذلك لأن حديث خرافة يشتمل على وصفين: الكذب والاستمخ، فالتشبيه في أحدهما لا في كليهما، وقال القاري: أظهر أن يقال: إن حديث خرافة يطلق على كل ما يكذبونه من الأحاديث، وعلى كل ما يستمخ ويتعجب منه على ما في الهاية، فاستعمل ههنا على المعنى الثاني فلا إشكال.

أتدرون تدكير الصمير باعتبار كمال عقوه، ويحتمل أن يكون هناك بعض محارم من الرجال، وفي بعض النسخ: أتدري، ولما كانت العرب يكذبون أحاديثه كلها حتى صرب المثل بأحاديثه في الكذب حبر النبي ﷺ على حقيقة أمره. **عذرة** بضم عين مهملة وسكون دال معجمة، قبيلة مشهورة من اليمن، وهي قبل بعثته ﷺ قاله القاري. **أسرته** الحس [اختطفته الحس في أيام الجاهلية، وهي ما قبل البعثة، وكان احتشاف الحس للإنس كثيرًا، إذ ذاك]. **الأعاجب** [جمع أعجوبة: الأشياء التي يتعجب منها]. **حدیث خرافة:** [قال الناس ذلك فيما سمعوه من الأحاديث العجيبة والحكايات الغريبة مع أن الرجل كان صادقًا لا كاذبًا]. **أم زرع** [هي إحدى النساء لإحدى عشرة، والزرع الولد أصيغت إليه في كبتها، واسمها عاتكة]. [براي مفتوحة وراء =

أخبرنا عيسى بن يونس، عن هشام بن عروة، عن أخيه عبد الله بن عروة، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: جلست إحدى عشرة امرأة، فتعاهدن وتعاقدن ألا يكتمن من أخبار أزواجهن شيئاً. **فقلت الأولى:** زوجي لحم جمل غث، على رأس جبل وعور، اسمها مهور

چنانچہ اس پر مستقل تصانیف بھی کی گئی ہیں، اس لئے امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی اس کو ذرا ممتاز کر دیا۔ اس حدیث کے نام بھی مختلف ہیں مگر مشہور نام یہی ہے۔ چونکہ قصہ طویل ہے اس لئے ہر ہر عورت کا قصہ علیحدہ علیحدہ مع اُس کے فائدے کے بیان کیا جاتا ہے۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک مرتبہ گیارہ عورتیں یہ معاہدہ کر کے بیٹھیں کہ اپنے اپنے خاوند کا پورا پورا حال سچا سچا بیان کر دیں، کچھ چھپائیں نہیں۔ **فائدہ:** ان گیارہ عورتوں کے نام صحیح روایات سے ثابت نہیں، اگرچہ بعض روایات میں بعض کا نام آتا ہے، یہ عورتیں یعنی یا حجازی تھیں، ان کے ناموں میں بہت اختلاف ہے اس لئے نام حذف کر دیے گئے۔ ان کے خاوند دوسری جگہوں پر اپنی اپنی ضروریات میں گئے ہوئے تھے، یہ خالی تھیں دل بہلانے کو باتیں شروع ہو گئیں اور یہ معاہدہ قرار پایا کہ ہر عورت اپنے خاوند کا صحیح صحیح حال بیان کرے۔

قالت: (۱) ایک عورت اُن میں سے بولی کہ میرا خاوند ناکارہ دُبلے اونٹ کے گوشت کی طرح ہے (گویا بالکل گوشت

ساكنة وعين مهملة واحدة من النساء المذكورات في الحديث، أضيف إليها الحديث؛ لأن معظم الكلام فيه يتعلق بها. ولهذا الحديث ألقاب أشهرها هذا، وأفرده أئمة بالتأليف، منهم القاضي عياض والرافعي في مؤلف جامع، وساقه بتمامه في تاريخ قزوين، وآخرهم مولانا فيص الحس الأديب السهاري نفوري شرحه في مؤلف سماه "التحفة الصديقية". قال الحافظ ابن حجر: روي هذا الحديث من أوجه: بعضها موقوف وبعضها مرفوع، ويقوي رفعه ما في آخره: "كنت لك كأبي زرع لأم ررع" متعلق على رفعه، وذلك يقتضي أنه ع سمع القصة وأقرأها فيكون كله مرفوعاً من هذه الحثية قاله المناوي.

جلست [أي: جلس من بعض قرى مكة أو اليمن]. امرأة كن حجازيات أو بمنيات قولان، ومن قال: كن من خثعم فليس بقول ثالث؛ فإن خثعم بطن من اليمن. **تعاهدن** [أي: ألزمن أنفسهن عهداً]. **ألا يكمن** [أن لا يخفين شيئاً من أخبار أزواجهن مدحاً أو دماً، بل يظهرن ويصدقن]. **لحم جمل** تشبيه بليغ كأنه لحم لحياء فيه، ثم لحم حمل أدون اللحوم. والمقصود المبالغة في قلة نعمة والرغبة عنه ونفار الطبع منه. **ع** مهزول وشديد الردي. بالجرح صفة جمل، وبالرفع صفة لحم. والوعر بفتح فسكون صفة لجبل بمعنى: صعب. فيستقى أي يختار للأكل، وفي نسخة: فينتقل. **وعر** [أي: صعب، فيشق الوصول إليه، والمقصود منه المبالغة في تكبره وسوء خلقه].

لا سَهْلٌ فِئْتَقِي، وَلَا سَمِينٌ فِئْتَقِي. **قالت الثانية:** 'زوجي لا أثبت خبره، إني أخاف أن لا أذره، إن أذكره أذكر عُجْرَهُ وَبُجْرَهُ.'

کا ایک ٹکڑا ہے جس میں زندگی باقی ہی نہیں رہی، اور گوشت بھی اونٹ کا جو زیادہ مرغوب بھی نہیں ہوتا اور گوشت بھی سخت و شوار گزار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو، کہ نہ پہاڑ کا راستہ سہل ہے جس کی وجہ سے وہاں چڑھنا ممکن ہو اور نہ وہ گوشت ایسا ہے کہ اس کی وجہ سے سو دقت اٹھا کر اُس کے اتارنے کی کوشش کی ہی جائے اور اُس کو اختیار کیا ہی جائے۔ **فائدہ:** مطلب یہ کہ وہ ایک بیکار ہستی ہے جس سے کسی کو جانی یا مالی نفع نہیں ہے، اور پھر اس کے باوجود متکبر اور بد خلق بھی اس درجہ کا ہے کہ اُس تک رسائی بھی مشکل ہے۔ نہ ملنے بن پڑے نہ چھوڑتے بن پڑے، کسی مصرف کی دوا نہیں ہے، بیکار محض ہے اور بد خلقی اور سخت مزاجی کی وجہ سے اُس تک رسائی بھی مشکل ہے۔

قالت: (۲) دوسری بولی (کہ میں اپنے خاوند کی بات کہوں تو کیا کہوں، اُس کے متعلق کچھ کہہ نہیں سکتی) مجھے یہ ڈر ہے کہ اگر اُس کے عیوب شروع کروں تو پھر خاتمہ کا ذکر نہیں، اگر کہوں تو ظاہری اور باطنی عیوب سب ہی کہوں۔ **فائدہ:** مقصود یہ ہے کہ میں اُس کے عیوب کو گنواؤں تو کہاں تک گنواؤں؟ سراپا عیب ہے، کسی میں دو چار عیب ہوں تو ان کو گنوا بھی دے اور جس میں عیوب ہی عیوب ہوں کہاں تک گنوائے؟ کس کس کو بتائے؟ اتنی لمبی داستان ہے کہ سننے والے اکت جائیں۔ بعض شراح نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ اس نے معاہدہ کے خلاف اپنے خاوند کی بات کہنے سے انکار کر دیا، مگر صحیح یہ ہے کہ اس نے مختصر الفاظ میں سب ہی کچھ کہہ دیا کہ وہ مجسمہ عیوب ہے، اُس کے عیوب شمار سے باہر ہیں۔

لا أثبت أشكل عليه، أنه نقض العهد، ورد: نأثر لم يكن مسلمات فإبقاء العهد لم يكن واجبا عنهن، وهذا كله ليس بشيء، بل هذا هو بيان حاله، أشارت إليه بأدق وجه وأكملته، يعنى: إني لشدة حاله لا أستطيع أن أثبت خبره، فهو بيان سوء حقيقه. **لا أذره** الصمير المصوب للحير أي: خبره طويل، إن قتلته م أتمه، وقيل: لروح، وقيل: هو بعيد. و 'إن' مكسورة، والجملة مستأنفة.

عجْرهُ جمع عَجْرَةٍ وهي: نفحة في عروق اعنق حتى ترها نائثة من الحسد. وسجر جمع سجرة: هونتو السرة ثم استعملنا في العيوب الطاهرة والباطنة. أرادت ما تقاسي منه من الأذية وسوء العشرة قاله القاري، وما قيل: إن المراد أمره كله لا بمعنى عيوبه فيحتمل المدح يفيد من ظاهر السياق قاله المناوي.

قالت الثالثة: "زوجي العَشَقُ، إن أنطق أطلق، فإن أسكت أعلق. **قالت الرابعة:**

قالت: (۳) تیسری بولی کہ میرا خاوند لڈھیٹنگ ہے یعنی بہت زیادہ لمبے قد کا آدمی ہے، اگر میں کبھی کسی بات میں بول پڑوں تو فوراً اطلاق، اگر چپ رہوں تو ادھر میں لٹکی رہوں۔ **فائدہ:** اس کے زیادہ لمبے ہونے کو یا تو اس لئے ذکر کیا کہ مشہور قول کے موافق یہ بے وقوفی کی علامت ہوتی ہے اور اگلا کلام اُس کی بے وقوفی کا بیان ہے، یا اس لئے ذکر کیا کہ بد صورت بھی منارہ کی طرح لمبا جو بلا مناسب موٹاپے کے بد نما ہوتا ہے اور بد خلق بھی ہے کہ اگر کوئی بات بھی زبان سے نکالوں، کوئی اپنی ضرورت ظاہر کروں تو فوراً اطلاق دے دے اور چپ رہوں، کوئی ضرورت اپنی اُس پر ظاہر نہ کروں تو خود سے کسی بات کی پرواہی نہیں ہے، بس یوں ادھر میں لٹکی رہتی ہوں۔ نہ شوہر والیوں میں شمار کہ شوہروں جیسی کوئی بات ہی نہیں اور نہ بے شوہر والیوں میں کہ کوئی دوسری جگہ تلاش کروں۔ بعض روایات میں اس عورت کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ میں ہر وقت ایسی رہتی ہوں جیسے کوئی تیز تلوار کی دھار کے نیچے ہو کہ ہر وقت فکر سوار، نہ معلوم کب کام تمام ہو جائے۔

قالت: (۴) چوتھی نے کہا کہ میرا خاوند تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے، نہ گرم ہے نہ ٹھنڈا، نہ اُس سے کسی قسم کا خوف ہے نہ ملال۔ **فائدہ:** یعنی معتدل مزاج ہے، نہ زیادہ چالوسی کرتا ہے نہ بیزار رہتا ہے، نہ اُس کے پاس رہنے سے خوف ہوتا ہے نہ طبیعت اکتاتی ہے۔ اس عورت کا نام مہد بن ابی ہر وہمہ بتلایا جاتا ہے۔ تہامہ مکہ مکرمہ اور اُس کے گرد و نواح کو کہتے ہیں، وہاں کی رات ہمیشہ معتدل رہتی ہے خواہ دن میں کتنی ہی گرمی ہو۔

العشيق معجمة مفتوحة من مشددة مفتوحة ففاف، الطويل المستكره، وقيل: معناه سيء الخلق، وإن أرادت سوء الخلق فما بعده بيان له، وإن أرادت الطول فلاؤه في الغالب دليل السعة. **إن أنطق أطلق** [أي إن أنطق بعبويه تعصيلاً يطلقني سوء حقه، ولا أحب الطلاق لأولادي منه، أو لحاجتي إليه]. أي أنكلم بعبويه أو للتملق به قاله القاري. قلت أو التكمم محصره مطلقاً. **وإن أسكت أعلق** [وإن أسكت عن عبويه بصبري معنقة، وهي: المرأة التي لا هي مزوجة ولا مطلقة]. قال الماوي: أي بصبري معنقة، امرأة لا بعل لها يرعى حالها، ولا أئماً يتوقع أن تزوج، قال تعالى: **يَوْمَئِذٍ هُمْ كَسُفْعَةٍ** [النساء: ۱۲۹] قال القاري: وراد في رواية: على حد السان الدلق بفتح المعجمة وتشديد اللام أي المحدث، والمعنى: أئماً منه على حذر كثير ووجل كبير.

زوجي كليل تهامة، لآخر ولاقر، ولا مخافة ولاسامة. **قالت الخامسة:** زوجي إن دخل فهد،
وإن خرج أسد،
بفتح الميم
اصحاب رهرة

قالت: (۵) پانچویں نے کہا کہ میرا خاوند جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے اور جو کچھ گھر میں ہوتا ہے اُس کی تحقیقات نہیں کرتا۔ **فائدہ:** اس عورت کا نام کبشہ بتلایا جاتا ہے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ اُس نے اپنے خاوند کی مذمت کی یا تعریف کی، اس کے کلام سے دونوں نکل سکتی ہیں، لیکن ظاہر تعریف ہی معلوم ہوتی ہے۔ بالجملہ اگر اس کو مذمت قرار دیا جائے تو مطلب یہ ہے کہ گھر میں آکر چیتے کی طرح سے سورو بن جاتا ہے، نہ بات کا کہنا نہ کام سے غرض، باہر جاتا ہے تو اچھا خاصہ شریفانہ برتاؤ کرتا ہے، گھر میں کچھ مصیبت آجائے اُس سے کچھ مطلب نہیں، نہ پوچھنا نہ خبر لینا۔ اور اگر تعریف ہے تو مطلب یہ ہے کہ گھر میں آکر نہایت بے خبر ہو جاتا ہے، کسی بات میں کرچل نہیں نکالتا، خفا نہیں ہوتا۔ ایسا بے خبر رہتا ہے جیسے سونے والا ہوتا ہے، ہم جو چاہے کھائیں پکائیں وہ کسی چیز میں دخل نہیں دیتا، نہ ہم پر ہر بات کی تحقیق کرتا ہے کہ فلاں کام کیوں کیا؟ فلاں بات کیوں ہوئی؟ باہر جاتا ہے تو شیروں کی طرح سے ڈانٹ ڈپٹ خوب دھڑکتا ہے۔ گھر میں جو کھانے پینے وغیرہ کی اشیاء ہوں اُن کا مطالبہ اور تحقیقات نہیں کرتا کہ کہاں خرچ کی اور کیوں خرچ کی؟ جو چیز گھر میں آگئی گھر والے جس طرح چاہیں اُس کو خرچ کریں۔

کلیل تهامة [أي: في كمال الاعتدال وعدم الأذى وسهولة أمره، وتهامة: مكة وما حولها من البلاد المحفصة] بكسر التاء وهي مكة وما حولها من الاعوار، وقيل: كل ما نزل عن نجد من بلاد الحجاز، وأما المدينة المنورة فلا تهامية ولا نجدية. **لا حر ولاقر** [أي: لا ذو حر مغرط ولا برد فاس، وهو معتدل الخلق.] **ولا مخافة** الظاهر أن "لا" لنفي الخس، فهو مفتوح والخير مخلوف، والجمل الأربع في محل النصب على الحالية من ليل تهامة، والليل توصف بالمخافة كما قول الهندي: حملت به في لينة مزووة، بحسب ما فيها من العارات. وتوصف بالملال، لطول الامتداد وشدة الحر أو البرد، ويحتمل أن يكون الحمل في محل الرفع على الحرية من الروح، فيراد بالحر: الطيش والقر: التبلد. [والمعنى: لا أخاف غائلة أخلاقه ولا يسأمي ولا أعل صحبتي] **إن دخل فهد** [أي: إذا دخل عليها وثب كوثة اليهود لحماعتها أو صرهما.] بكسر الهاء عنى أنه فعل ماضٍ، ويحتمل أنه اسم حبر مبتدأ محذوف أي: فهو فهد، وكذا قوله: أسد. والحملة تحتمل الدم أي: كالفهد في وثوبه للصرع وعمرده وتعامله عن أمور أهله؛ فإن الفهد موصوف بكثرة النوم حتى يقال في المثل: فلان أنوم من المهدي، وعلى المدح فكالفهد في وثوبه للجماع وتعامله عما أضاغت. **وإن خرج أسد** [أي: إن خرج من عنده صار بين الناس أو في الحرب كالأسد قوة وشرافة.]

ولا يسأل عما عهد. **قالت السادسة:** زوجي إن أكل لفًا، وإن شرب اشتفًا، وإن اضطجع التفت، ولا يؤلج الكف ليعلم البث.

قالت: (٦) چھٹی بولی کہ میرا خاوند اگر کھاتا ہے تو سب نمشا دیتا ہے اور جب پیتا ہے تو سب چڑھا جاتا ہے، جب لیٹتا ہے تو اکیلا ہی کپڑے میں لیٹ جاتا ہے، میری طرف ہاتھ بھی نہیں بڑھاتا جس سے میری پراگندگی معلوم ہو سکے۔

فائدہ: اس کے کلام میں بھی تعریف اور مذمت دونوں کہی جاتی ہیں، لیکن جیسا کہ پانچویں کے کلام میں تعریف زیادہ ظاہر ہے اس کے کلام میں مذمت زیادہ ظاہر ہے، جیسا کہ ترجمہ سے معلوم ہو گیا ہوگا۔ اگر مدح ہے جیسا کہ بعض شراح نے کہا ہے تو مطلب یہ ہے کہ جب کھاتا ہے تو سب کچھ کھاتا ہے، کہیں میوہ جات ہیں، کہیں پھل ہیں، مختلف انواع کے کھانے ہیں اور جب پینے کا نمبر آتا ہے تو کبھی دودھ ہے، کبھی شراب ہے، شربت ہے، غرض سب کچھ پیتا ہے ہر قسم کی چیزیں اُس کے دستِ خوان پر ہوتی ہیں۔ خرچ کرنے والا ہے، کنجوس بخیل نہیں ہے کہ دال ہے تو گوشت نہیں ہے، پانی ہے تو دودھ نہیں۔ جھگڑوں سے علیحدہ رہتا ہے، دوسروں کی پھٹن میں ہاتھ نہیں ڈالتا، یعنی عیوب کی تفتیش نہیں کرتا، کوتاہیوں کو تلاش کرتا نہیں پھرتا۔ اور اگر مذمت ہے جیسا کہ اکثر کی رائے ہے تو مطلب یہ ہے کہ جب کھانے کا نمبر آئے تو جو کچھ سامنے ہے سب نمشادے، گھر والوں کو بچے نہ بچے بھیئیں کی طرح ساری کونڈ ختم کر دے، پینے کا نمبر آئے تو سارا کنواں چڑھا جائے۔ غیروں اور اجنبیوں کی طرح الگ اپنی چادر میں لیٹ کر سو جائے، مجھ سے پلٹنا تو درکنار کبھی بدن کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا کہ میرے دکھ درد کی کوئی خبر لے، یا میرے بدن کی گرمی سردی کا کچھ پتہ لے۔

ولا يسأل [أي: يعضل عن تعهد متاعه في البيت]. **عما عهد** أي: عما رآه سابقا أو عما في عهده من ضبط المال ونفقة العيال، ففيه إشعار إلى سحاوة نفسه وحوادة طبعه، وقال بعضهم: يحتمل أنه إما تكرم وإما تكاسل. **لفًا** [أي: يكثر من أكل الطعام مع التحليط في أصيافه]. **اشتفًا** [أي: أحمي لشربه جميع ما في الإناء]. أي شرب الشفاعة بضم الشين، وهي: بقية الماء في قعره أي: يستقصي الماء ولا بدع في الإناء شيئا. وإرادة المدح بأنه: يأكل كل صنوف الطعام، ويشرب مع أهله كل الشراب، ولا يدحر الشيء لعد بعيد. **وإن اضطجع التفت** [أي: إن رقد التفت في ثيابه مفرّدًا في ناحية وحده ولا يباشرها، فلا نفع فيه لزوجه].

ولا يؤلج [أي: لا يدخل يده تحت ثيابه عند مرضها ليعلم الحزن والمرض ليصطلحه، فلا شفقة عنده عليها حتى في حال مرضها]. **البث**. قال في القاموس: البث: الحال أو أشد الحزن. فالمعنى: أنه لا يدخل يده في ثياب المرأة ليعلم حرارتها وحالتها

قالت السابعة: زوجي عيايا - أو غيايا - طباقا، كل داء له داء، شجك أو فلک، أو جمع كلالك. **قالت الثامنة:** زوجي: المسّ مسّ أرنب، والريح ریح زرنب.

قالت: (٤) ساتویں کہنے لگی کہ میرا خاوند صحبت سے عاجز، نامرد اور اتنا بے وقوف کہ بات بھی نہیں کر سکتا، دنیا میں جو کوئی بیماری کسی میں ہوگی وہ اس میں موجود ہے، اخلاق ایسے کہ میرا سر پھوڑ دے یا بدن زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گزرے۔
قالت: (٨) آٹھویں نے کہا کہ میرا خاوند چھوٹے میں خرگوش کی طرح نرم ہے اور خوشبو میں زعفران کی طرح مہکتا ہوا ہے۔
فائدہ: اس عوت کا نام ناشرہ بنت اوس بتلایا جاتا ہے۔ اس کی تعریف کا حاصل یہ ہے کہ وہ نرم مزاج ہے، سخت اور بد خو نہیں، اس میں لذتِ جسمانی و روحانی دونوں موجود ہیں کہ نازک بدن ہے لپٹنے کو دل چاہے یا نرم مزاج ہے کہ غصہ کا نام ہی نہیں، اس کے ساتھ خوشبو میں مہکتا رہتا ہے۔ بعض روایات میں اس کے بیان میں ایک جملہ اور بھی ہے جس کا ترجمہ ہے کہ میں اس پر غالب رہتی ہوں اور وہ لوگوں پر غالب رہتا ہے، یعنی میرا غالب رہنا اس کے عاجز اور ناکارہ ہونے کی وجہ سے نہیں ہے اس لئے کہ وہ سب پر غالب رہتا ہے، بلکہ میری محبت یا اس کی شرافت کی وجہ سے میں غالب رہتی ہوں۔

عناء: [أي: إنه عيّب لا يقدر على الجماع، وقيل: هو العاجر عن إحكام أمره] يفتح العين المهملة، العين العاجر عن الضراب. وعيايا يفتح العين المعجمة، دوعي هو الصلالة والحية شك من الراوي، ويختل التحجير. وطباقا يفتح أوله ممدودا، أي: أحق تطبق عليه الأمور، أو مفحم يطبق عليه الكلام، أو يصبى بصدرة عني المرأة، وهو مكروه عند النساء؛ ولذا قالت امرأة امرئ القيس ندمته: ثقيل الصدر، حفيف العجر، سريع الإراقة، بضيء الإفاقة، وذلك؛ لأن الرجل إذا طابقها لا يصبى إلى ما تريد المرأة إصانته. كل داء كل داء في الناس له داء أي: جميع الأدوية فيه موجودة.

شجك: [أي: إن صر بك جرحك] بتشديد الحيم المفتوحة وكسر الكاف أي: جرحك في الرأس، واحطاب لمسه أو اراد حطاب العام. فلک: أي صر بك وكسرك، والفل: كسر عظم باقي الأعضاء دون الرأس أو جمع كلا من الشج والفل

كلالك: [أي: كلا من الشج والفل، والمعنى: أنه صروبها، فإن صر بها شجها أو كسر عظمها، أو جمع اشج والكسر معاً لسوء عشرته مع الأهل]. المسّ أي: مسه، فاللام عوض عن صمير المصاف إليه. والأرنب معروفة بين المسس وعمومة اخذ والور. [والمعنى: مسه كمس أرنب في اللبن وعمومة] والرنب - يفتح الراء أو الدال لعتان فالمهملة فالنون - ست طيب الرائحة، وقيل: الرعفران، وقيل: نوع من الطيب. زاد في بعض الروايات كما حكاه الحافظ وأنا أعنيه والناس يغلب.

قالت التاسعة: 'زوجي: رفيع العماد، عظيم الرماد، طويل التجاد، قريب البيت من الناد.'

[طویل القامة]

قالت: (۹) نويس نے کہا کہ میرا خوند رفیع الثان، بڑا مہمان نواز، اونچے مکان والا، بڑی راکھ والا اور دراز قد والا ہے۔ اُس کا مکان مجلس اور دار المسورہ کے قریب ہے۔ **فائدہ:** اس عورت نے اپنے اس کلام میں بہت سی تعریفیں کی ہیں۔ اول تو یہ کہ اُس کا گھر اونچا ہے، اس سے اگر حقیقت میں بڑی عمارت مراد ہے تب تو اُس کی ریاست اور بالدار ہونے کی طرف اشارہ ہے، اس سے کہ اونچا محل بالدار ہی تیار کرائے گا اور اگر اونچے محل سے مکان کا اونچائی پر ہونا مراد ہے جیسا کہ عرب کا دستور تھا کہ نخی اور کریم لوگ اپنا مکان بلندی پر بناتے تھے تاکہ پر دیسی مسافر دور سے دیکھ کر چلا آئے تو اس صورت میں اُس کے شریف، کریم اور نخی ہونے کی تعریف ہے۔ اور بعض علماء نے لکھا ہے کہ اونچے مکان سے مراد شرافت اور حسب نسب کے اعتبار سے اونچائی مراد ہے، تو مطلب یہ ہے کہ اونچے خاندان کا ہے۔ دوسری تعریف اُس کی مہمان نوازی کی ہے، گھر میں راکھ کا بہت ہونا لازم ہے کثرت سے کھانا پکینے کو جو مہمان نوازی کے لئے لازم ہے۔ تیسری تعریف اُس کے دراز قد کی ہے، دراز قد ہونا بشرطیکہ اعتدال سے زیادہ نہ ہو، مردوں میں ممدوح شمار ہوتا ہے۔ مجلس سے گھر کے قریب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ذی رائے اور سمجھدار ہے، ہر شخص اُس سے مشورہ پوچھنے آتا ہے اس سے گویا اُس کا گھر ہر وقت دار المسورہ رہتا ہے کہ ہر وقت کوئی نہ کوئی شخص مشورہ کرنے کے لئے آتا ہی رہتا ہے۔ بندہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ بھی محتمل ہے کہ دار المسورہ سے اپنا گھر قریب رکھتا ہے تاکہ مجتمع ہونے والوں کے لئے تواضع وغیرہ میں یہ کہنا نہ پڑے کہ میرا گھر تو دور ہے، اس لئے گھر قریب رکھتا ہے تاکہ تواضعی سامان میں دیر نہ لگے اور اس کی وجہ سے عذر کرنے کی نوبت نہ آئے۔

رفيع العماد: أي: شريف الذكر صاهر الصيت، إذ العماد في الأصل: عمد تقوم عليها البيوت، كُنْتُ بَدَنْتُ عَنْ عُلُوِّ حَسْبِهِ وَشَرَفِ سَبَبِهِ، أَوْ هُوَ عَلَى الْحَقِيقَةِ: هَانِ بَيُوتِ الْأَشْرَافِ أَعْلَى مِنْ بَيُوتِ الْأَحَادِ. **عظم الرماد** [أي: عظيم الكرم والجود] **التجاد** بكسر النون: حمائل السيف، وطوله يدل على امتداد القامة؛ لأن طولها ملزم لطول نخاعه، ويمكن أن يكون كناية عن سعة حكمه على أشيائه، يقال: سيف السلطان طويل: أي يصل حكمه إلى أقصى منكبه، فهو إشارة إلى شجاعته. **قريب البيت من الناد** [أي: قريب المنزل من النادي الذي هو الموضع الذي يجتمع فيه وجوه القوم للحديث].

قالت العاشرة: "زوجي مالك، وما مالك؟ خيرٌ من ذلك، له إبل كثيرات المبارك، قليلات المسارح، إذا سمعَ صوت المِزهر أيقنَ أنَّهنَّ هوالك." استفهام بتعظيم وتعجب
عرصها انه يحمل الإبل ولا يرسل إلى المرعى

قالت: (۱۰) دسویں نے کہا کہ میرا خاوند مالک ہے، مالک کا کیا حال بیان کروں! وہ ان سب سے جواب تک کسی نے تعریف کی ہے یا ان سب تعریفوں سے جو میں بیان کروں گی بہت ہی زیادہ قابل تعریف ہے، اُس کے اونٹ بکثرت ہیں جو اکثر مکان کے قریب بٹھائے جاتے ہیں، چراگاہ میں چرنے کے لئے کم جاتے ہیں۔ وہ اونٹ جب باجے کی آواز سنتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ اب ہلاکت کا وقت آگیا۔

فائدہ: اس عورت کا نام کبش بنت مالک بتلایا جاتا ہے، اس نے اپنے خاوند کی سخاوت کی تعریف کی ہے، جس کی توضیح یہ ہے کہ اونٹ اگر چراگاہ میں چرنے جائیں تو ضیافت اور مہمانی کے وقت اُن کے واپس آنے کا انتظار کرنا پڑتا ہے اور اس کے یہاں ہر وقت مہمان داری رہتی ہے اس لئے اس کے اونٹ چرنے نہیں جاتے، گھر ہی کھڑے کر کے کھلائے جاتے ہیں تاکہ مہمانوں کے آنے پر فوراً ذبح کر دیے جائیں۔ باجے کی آواز کی بعض نے یہ تفسیر کی ہے کہ اُس کی عادت ہے کہ جب کوئی مہمان وغیرہ آتا ہے تو اُس کی مسرت میں باجے سے استقبال کرتا ہے، تو اُس باجے کی آواز سنتے ہی اونٹ سمجھ جیتے ہیں کہ اب ذبح کا وقت آگیا، کوئی مہمان آیا ہے۔ لیکن عرب کے دستور کے موافق یہ مطلب زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی مہمان آتا ہے تو وہ شراب کباب، گانے بجانے سے اس کی فوری تواضع کرتا ہے، اس آواز سے اونٹ سمجھتے ہیں کہ اب عنقریب کھانے کا وقت آیا چاہتا ہے، اُس کی تیاری کے لئے ہمارے ذبح کا وقت آگیا ہے۔

روحی مالک [اُی اسمہ مالک] **حیر من دلث** [اُی: من کل روح سبق ذکرہ] اُی من تناسعہ، اُو من کل من ذکر، اُو مما اُذکرہ بعد. والمنسرح وکذا امرت مصدر میمی اُو صرف رما اُو مکان. والمرهر نکسر المیم: اعود الیدی بصرہ، وأخطأ من قال. بضم المیم. له إبل كثيرات المبارک [اُی: له إبل كثيره، وهي بارکة فی مائه.]

قليلات المسارح [اُی: لا یوجهها لمرعى إلا قليلا، کتابة عن استفهام بتعظيم حتى إذا برز به ضيف کانت حاضرة عده ليسرح إليه بلسها أو خمها.] **المرهر** [هو العود الذي يضرب به عند العناء] **أيقنَ أنَّهنَّ هوالك** [اُی: إذا سمعَ صوت المرهر علم أنَّهنَّ منحورت بضميف، ما عودهن إذا برز به ضيف أتاها بالعيدين والعارف والشراب وخره منها.]

قالت الحادية عشرة: زوجي أبو زرع، وما أبو زرع؟ أناس من حُلِّي أدني، وملا من شحم عضُدَيَّ، بَحَحني فَبَحَحْتُ إلى نفسي،

قالت: (۱۱) گیارہویں عورت ام زرع نے کہا: میرا خاوند ابو زرع تھا، ابو زرع کی کیا تعریف کروں! زیوروں سے میرے کان جھکا دیئے (اور کھلا کھلا کر) چڑی سے میرے بازو پر کر دیئے، مجھے ایسا خوش و خرم رکھا کہ میں خود پسندی اور عُجب میں اپنے آپ کو بھلی لگنے لگی، مجھے اُس نے ایک ایسے غریب گھرانے میں پایا تھا جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گزر کرتے تھے اور وہاں سے ایسے خوش حال خاندان میں لے آیا تھا جن کے یہاں گھوڑی، اونٹ، کھیتی کے نیل اور کسان ہر قسم کی ثروت موجود تھی (اس سب کے باوجود اس کی خوش خلقی کہ) میری کسی بات پر بھی مجھے بُرا نہیں کہتا تھا۔ میں دن چڑھے تک سوتی رہتی تو کوئی جگا نہیں سکتا تھا، کھانے پینے میں ایسی ہی وسعت کہ میں سیر ہو کر چھوڑ دیتی تھی (اور ختم نہ ہوتا تھا)۔ ابو زرع کی ماں (مری خوش دامن) بھلا اُس کی کیا تعریف کروں! اُس کے بڑے بڑے برتن ہمیشہ بھرپور رہتے تھے، اُس کا مکان نہایت وسیع تھا (یعنی مالدار بھی تھی اور عورتوں کی عادت کے موافق بخیل بھی نہیں تھی، اس لئے کہ مکان کی وسعت سے مہمانوں کی کثرت مراد لی جاتی ہے)۔ ابو زرع کا بیٹا، بھلا اُس کا کیا کہنا! وہ بھی نور علی نور،

أبو زرع [كنه بذلك؛ لكثرة ررعه، وقيل: تعاؤلا بكثرة أولاده]. أناس [أي: حرك، من اللوس، وهو: تحرك الشيء متديلاً] أي: أمال واللوس: التحرك. وأخلي بضم الحاء ويكسر وتشديد الياء، جمع حلية: ما يتزين به. أدني مثني أدن مضاف لياء، المتكلم، وكذا عضدي، وخصهما بالذكر؛ لأهما إذا سمنا سائر البدن، أو مجاورهما بالأذن، أو لظهور شحمهما عند مراولة الأشياء. أدني [المراد به أنه حرك أدنيها من أجل ما حلّاهما به].

بححني: بفتح الباء وتشديد الحيم أي: مرحني. فبححت بفتح الموحدة وكسر الحيم المحففة على الألفصح وقد تفتح. عيمة بالضم مصعراً للتقليل يعني: أن أهله كانوا في غم قليلة. بشق بفتح المعجمة وكسرها: اسم موضع أو ناحية من الخيل، أو بمعنى المشقة وهو الأسب. سهيل بفتح فكسر: صوت الخيل. وأطيط بفتح فكسر: صوت الإبل. ودائس اسم فاعل من اندوس: هو الذي يدوس كس احب ويبدره من النقر وغيره. منق بضم الميم وفتح الون عبي الأشهر: اسم فاعل من انتقية: الذي ينقي الحب ويصلحه ويظلمه من التبن وغيره بعد الدوس. **فبححت إلى نفسي:** [فرحني فرحت نفسي، أو عظمني فعظمت نفسي حال كونها مائلة إلى].

وَجَدَنِي فِي أَهْلِ غَنِيْمَةٍ بِشَقٍّ، فَجَعَلَنِي فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَأَطْيَطٍ وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ، فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلَا أَقْبَحَ، وَأَرْقُدُ فَاتَصَبَّحَ، وَأَشْرَبُ فَاتَقَمَّحَ.

مصر نفس

اصوب عین

ایہ پتلا ڈبلا چہرے بدن کا کہ اُس کے سونے کا حصہ (یعنی پبلی وغیرہ) سُتی ہوئی ٹہنی یا سُتی ہوئی تلوار کی طرح سے باریک، بکری کے بچے کا ایک دست اُس کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی۔ یعنی بہادر کہ سونے کے لئے بے چوڑے انتظامات کی ضرورت نہ تھی، سپاہیانہ زندگی ذرا اسی جگہ میں تھوڑا بہت لیٹ گیا، اسی طرح کھانے میں بھی مختصر مگر بہداری کے مناسب گوشت کے دو چار ٹکڑے اُس کی غذا تھی۔ ابو زرع کی بیٹی، بھلا اُس کی کیا بات! ماں کی تابعدار، باپ کی فرماں بردار، موٹی تازی اور سوکن کی جلن تھی (یعنی سوکن کو اُس کے کمالات سے جلن پیدا ہو۔ عرب میں مرد کے لئے چھیرا ہونا اور عورت کے لئے موٹی تازی ہونا مدوح شمار کیا جاتا ہے) ابو زرع کی باندی کا بھی کمال کیا بتاؤں! ہمارے گھر کی بات کبھی بھی باہر جا کر نہ کہتی تھی، کھانے تک کی چیز بھی بے اجازت خرچ نہیں کرتی تھی۔ گھر میں کوڑا کبڑ نہیں ہونے دیتی تھی، مکان کو صاف شفاف رکھتی تھی۔ ہماری یہ حالت تھی، لطف سے دن گزر رہے تھے کہ ایک دن صبح کے وقت جب دودھ کے برتن ہوئے جارہے تھے، ابو زرع گھر سے نکلا، راستہ میں ایک عورت پڑی ہوئی ملی جس کی کمر کے نیچے چپتے جیسے دو نیچے اناروں سے کھیل رہے تھے (چپتے کے ساتھ تشبیہ کھیل کود میں ہے اور اناروں سے یا تو حقیقتاً انار مراد ہیں کہ اُن کو لڑھکا کر کھیل رہے تھے

أَهْلُ عَسِمَةٍ [أَي: إِنَّ أَهْلَهَا كُنُوا أَصْحَابَ عَمٍّ لَا يَبْنِي] أَهْلُ صَهِيلٍ [مَحْمَدِي إِلَى أَهْلِ حِيلٍ دَاتِ صَهِيلٍ، فَالْصَّهِيلُ صَوْتُ الْحِيلِ].
أَطْيَطُ [صَوْتُ الْإِبِلِ، وَهِيَ إِشَارَةٌ إِلَى تَعَمُّدِهَا وَتَرْفَعُهَا هَذَا الْمَاءَ الْكَثِيرَ]. دَائِسُ [أَي: بَقَرٌ تَدُوسُ بَرْعَ فِي بَيْدَرِهِ يَبْجَرُحُ
خَتَّ مَنِ السَّيْلِ]. وَمُنَقٌّ [وَهُوَ الَّذِي يَبْقِي وَيُطْفِئُ مِنَ النَّارِ وَغَيْرِهِ بَعْدَ الدُّوسِ بِغَرَامٍ وَغَيْرِهِ، يَعْنِي: هُمْ أَصْحَابُ رَرَعٍ شَرِيفٍ وَأَرْبَابِ حَبِّ نَصِيفٍ، وَامْرَادُ مَنْ دَلَّتْ كَمَهُ أَمَّا كَانَتْ فِي أَهْلِ قَنَةٍ وَمَشَقَّةٍ فَهَقَمَهَا إِلَى أَهْلِ ثَرَوَةٍ وَكَثْرَةٍ].
قَبَحٌ [أَي: أَنْتُمْ بِكَلَامِ فَلَا يَسْجِي إِلَى الْقَبَحِ لِكِرَامَتِي عِنْدَهُ خَسِيسٌ كَلَامِي نَذِيهِ]. أَرْقُدُ فَاتَصَبَّحْ [أَي: أَمَّا فَادْحَلُ فِي الصَّبْحِ فَيَرْفُقُ بِي وَلَا يَوْقُظُنِي لِحَدَمَتِهِ وَمَهْمَتِهِ؛ لِأَنِّي مَحْبُوبَةٌ إِلَيْهِ مَعَ اسْتِعَانَتِهِ عَنِّي بِالْحَدَمِ لِنِي تَخْدُمُهُ وَتَخْدُمُنِي]. وَأَشْرَبُ فَاتَقَمَّحْ [أَي: أَرُورِي وَأَدْعُ الْمَاءَ كَثْرَتَهُ عِنْدَهُ مَعَ قَلَّتِهِ عِنْدَ غَيْرِهِ. وَالْمَعْنَى: أَمَّا لَمْ تَتَّامِ مَعَهُ، لَا مِنْ جِهَةِ لَمْرُقَدٍ وَلَا مِنْ جِهَةِ الْمَأْكَلِ وَالشَّرْبِ]. [أَتَقَمَّحُ نَقَافَ وَنَوْبَ كَمٍّ فِي الصَّحِيحَيْنِ أَي: أَقْصَعُ اشْرَبُ وَاهْتَمْتُ كَثْرَةَ مَاءِ عِنْدِهِ، وَفِي رِوَايَةِ بِالْمِيَةِ بَدَلِ اسْوَنَ، قَالَ الْحَارِثِيُّ: هُوَ أَصَحُّ قَالَهُ الْمَنَاوِيُّ، وَأَكْبَرُ اخْطَاطِي رِوَايَةُ الْمَوْنِ، وَالْمَعْنَى وَاحِدًا].

أُمُّ أَبِي زَرَعٍ، فَمَا أُمُّ أَبِي زَرَعٍ؟ عَكُومَهَا رِدَاخٌ، وَبَيْتُهَا فَسَاحٌ. ابْنُ أَبِي زَرَعٍ، فَمَا ابْنُ أَبِي زَرَعٍ؟ مَضْجَعُهُ كَمَسَلٍ شَطْبَةٍ، وَتُشْبَعُهُ ذِرَاعُ الْخَفْرَةِ.

یادواناروں سے اس عورت کے دونوں پستان مراد ہیں) پس وہ کچھ ایسی پسند آئی کہ مجھے طلاق دیدی اور اُس سے نکاح کر لیا (طلاق اس لئے دی کہ سوکن ہونے کی وجہ سے اُس کو رنج نہ ہو اور اُس کی وجہ سے مجھے طلاق دے دینے سے اُس کے دل میں ابو زرع کی وقعت ہو جائے) ایک روایت میں ہے اُس سے نکاح کر لیا، نکاح کے بعد وہ مجھے طلاق دینے پر اصرار کرتی رہی، آخر مجھے طلاق دے دی۔ اُس کے بعد میں نے ایک اور سردار شریف آدمی سے نکاح کر لیا جو شہسوار ہے اور سپہ گر ہے۔ اُس نے مجھے بڑی نعمتیں دیں اور ہر قسم کے جانور اونٹ، گائے، بکری وغیرہ وغیرہ ہر چیز میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا اور یہ بھی کہا کہ ام زرع! خود بھی کھا اور اپنے میکہ میں جو چاہے بھیج دے۔ لیکن بات یہ ہے کہ اگر میں اُس کی ساری عطوفت کو جمع کروں تب بھی ابو زرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر نہیں ہو سکتی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ قصہ سنا کر مجھ سے یہ ارشاد فرمایا کہ میں بھی تیرے لئے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابو زرع ام زرع کے واسطے۔ فائدہ: اس کے بعد اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ مگر میں تجھے طلاق نہیں دوں گا۔ طہرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس پر فرمایا کہ حضرت! ابو زرع کی کیا حقیقت! میرے ماں باپ آپ پر قربان،

م اَبی زَرَعٍ [لَمَّا مَدَحَتْ أُمُّ زَرَعٍ انْتَقَلَتْ إِلَى مَدْحِ أُمِّهِ مَعَ مَا جِئِلَ عَلَيْهِ السَّاءُ مِنْ كَرَاهَةِ أُمِّ الرُّوحِ عَالِئًا؛ إِعْلَامًا بِأَهْلِهَا فِي هَامِيَةِ حَسَنِ الْحَقِّ وَكَمَالِ الْإِنصَافِ.] عَكُومَهَا بَصْمٌ الْعَيْنِ وَتَفْتَحُ مَعَ عَكْمٍ بِالْكَسْرِ، هُوَ الْعَدْلُ إِذَا كَانَ فِيهِ مَنَاعٌ. الرِدَاخُ يَفْتَحُ أَوَّلُهُ، وَرَوِي بِالْكَسْرِ أَيْ: عَطَامٌ كَبِيرٌ. فَسَاحٌ بَفَاءٍ مَفْتُوحَةٍ، وَرَوِي بِالضَّمِّ أَيْ: وَاسِعٌ، كَمَايَةُ عَنِ الثَّرْوَةِ وَكَثْرَةِ الْخِدْمَةِ وَالْحَشْمِ، أَوْ كَمَايَةُ عَنِ كَثْرَةِ الْأَصْبَافِ، وَصَفَتْ بِهَا؛ لِأَنَّهَا حَلَّافٌ مَا حَقَّقَتْ عَلَيْهِ السَّاءُ مِنَ الْيَوْمِ وَابْتِجِلَ. فَسَاحٌ [أَيْ وَاسِعٌ، وَدَلَّتْ دَلِيلٌ عَلَى سَعَةِ الثَّرْوَةِ وَسُوءِ الْعَمَةِ.] اس اَبی زَرَعٍ [لَمَّا مَدَحَتْ أُمُّ زَرَعٍ وَأُمُّهُ انْتَقَلَتْ إِلَى مَدْحِ ابْنِهِ، وَالْمَقْصُودُ مِنْهُ التَّعْظِيمُ وَالتَّفْجِيمُ.] كَمَسَلٍ يَفْتَحُ الْمِيَهُ وَالسَّيْرَ وَتَشْدِيدُ اللَّامِ مَصْدَرٌ مِمِّىٌّ مَعْنَى الْمَسْلُولِ، وَيَحْتَمِلُ اسْمَ مَكَانٍ مِنَ السُّبُولِ. وَشَطْبَةُ يَفْتَحُ الشَّيْرَ الْمَعْجَمَةَ وَسُكُونُ الطَّاءِ الْمَهْمَلَةُ: جَرِيدَةُ النَّحْلِ الْخَصْرَاءِ، وَقِيلَ: هِيَ السَّيْفُ. وَالْمَعْنَى: أَنَّ مَحَلَّ اصْطِحَاعِهِ وَهُوَ الْحَبُّ كَشْطَةِ مَسْبُوءَةٍ مِنَ الْجَرِيدِ فِي الدَّقَةِ، فَهُوَ حَفِيفٌ النِّجْمِ دَقِيقُ الْحَصْرِ. وَالْخَفْرَةُ يَفْتَحُ الْجِيمَ وَسُكُونُ الْفَاءِ: وَلَدُ الشَّاةِ أَيْ: هُوَ قَلِيلُ الْأَكْلِ.

بنت ابي زرع، فما بنت ابي زرع؟ طوع أيها وطوع أمها، وملء كسائها، وغيظ جارها.
جارية ابي زرع، فما جارية ابي زرع؟ لا تبث حديثنا تبثنا، ولا تنقث ميرتنا تنقثنا، ولا تملأ بيتنا
تعشيشا. قالت: خرج أبو زرع والأوطاب ثمخض، فلقي امرأة معها ولدان لها كالفهدين،
برگدہ کردن صاعدا

آپ میرے لئے اُس سے بہت زیادہ بڑھ کر ہیں۔ حق تعالیٰ شانہ ہر مسلم زوجین کو حضور اقدس ﷺ کا اتباع اس مضمون
میں بھی نصیب فرمادیں کہ یہ عفت کا باعث ہوتا ہے۔ آمین۔ بعض علماء نے اس قصہ میں یہ اشکال کیا ہے کہ جن عورتوں
نے اپنے خاوندوں کی بُرائی بیان کی ہے وہ غیبت ہے جو حضور کی مجلس میں ہوئی، اور اگر خود حضور نے اس قصہ کو ارشاد فرمایا
تو اشکال اور بھی قوی ہو جاتا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے، کسی غیر معروف شخص کا حال بیان
کرنا جس کو لوگ نہ جانتے ہوں غیبت نہیں ہے۔

طوع أي مضطعة فما عاية الإصاعة، ودلت باعنت فيها وجعنتها نفس الطوع، وأعادت، إشارة إلى أن صوع كل منهما مستقل.
وملء كسائها كتابة عن صحامتها وسنمها وكثرة شحمها ولحمها، وهو مصوب في النساء، أو هو كناية عن المبالغة في
حالتها حيث لا يسعها غير ثوبها. غيظ حارها أي مغيظ صرقتها، وسميت جارة؛ للمحاربة بين الصرتين عالة فتعيط صرقتها
حسبها صورة وسيرة. لا تبث حديثنا [أي: لا تشر كلاما يدي نكتم به فيما بين ندياتها.] بصم الموحدة وتشديد
المثلثة، وروي بالنون بدل الموحدة، ومعناها واحد، أي: لا تظهر.

ولا تنقث ميرتنا [أي: لا تقل صعاما قللا لأمانتها وصياتها، واميرة هي الطعام.] بضم اثناء وكسر القاف أو فتح اثناء
وصم نقاف، فاسون في كتيههم ساكنة، أو صم اثناء وفتح اسون وكسر انقاف المشددة، معناه عني كل: لا تنقل، وفيه عدة
روايات. واميرة بكسر الميم: الطعام. تعشيشا بعين مهمله من عش الطائر أي: لا تترك بيتا ممنوعة من القمامة والكساسة،
حتى يصير كأنه عش الطائر، وروي بالعين المعجمة من العش صد الخالص أي: لا تملؤه الحياينة أو لسميمة، وقيل: كناية
عن عفة فرجها. والأوطاب جمع قبة لوصف بفتحتين، وقيل: كعلس، وهو أسقية اس.

ثمخض نصيحة الجھوں: أي: تحرك لاستخرج لربد من اس. ولدان أي مصاحبان ها، ولا يدرم من دلت أن يكونا
وبديها مدلت أنت بقولها: "معها" كالفهدين أي. مشبهان هما في الوثوب واللعب وسرعة الحركة. العهد: سعة
مشهور يضرب به المثل في الوثوب.

يلعبان من تحت **خَصْرَها برُمَانَتَيْنِ**، **فَطَلَقْنِي** ونكحها، فنكحتُ بعده رجلاً **سَرِيًّا**، ركب **شَرِيًّا**، وأخذ **خَطِيًّا**، وأراح عليَّ **نَعْمًا ثَرِيًّا**، وأعطاني من كل رائحة زوجاً، وقال: كلِّي أُمَ زَرع ومِوِي أهلك، فلو جمعتُ كلَّ شيءٍ أعطانيه ما بلغ أصغر آنية أبي زرع. قالت عائشة أي: أعطاني **رَضِيًّا**: فقال لي رسول الله ﷺ: كنت لك كأي زرع لأُم زرع.

حَصْرُها بفتح الحاء المعجمة وسكون الصاد المهملة أي: وسطها. **برماني** أي: دنت كمل عصبه، إذا استنقت يصير تحتها فجوة بحري فيها الرمان، يلعب ولذاها يرمي الرمان في تلك الفجوة، أو دنت ثديين صغيرين كالرمانين فيلعبان بهما. **فطلعتني** وفي رواية: فحصبها أبو زرع فتزوجها فسمي نرب به حتى طلق أم زرع كذا في الفتح. **سرياً** بسين مهملة أي: من سراة الناس. **شرياً**: [أي: فرساً يشتري في مشيه أي: يبع فيه دلا فتور]. **بالمعجمة**: أي: فرساً يشتري ويبع في سيره دلا فتور ولا انكسار، وقال بن السكيت: فرساً قائفاً جيداً. **خطياً** بفتح الحاء المعجمة ويكسر وتشديد الطاء المهملة منكسورة بعدها تحتية مشددة، رمح مسوب إلى الخط قرية ساحل البحر عند عمان واسحري.

واراح أي: أتى بعد الروا. **نعماً** بفتح النون أي: أنعماً من الإبل واسقر. وفي رواية: نعماً بكسر النون على أنه جمع نعمة، قال الحافظ: والأول أشهر. **ثرياً** بفتح التاء وكسر الراء وتشديد التحتانية، أي: كثيرة من الثروة، وهو كثرة المال. **رائحة** أي: كل ما يروح في مساء إلى امراح من الإبل وسقر واعسم، وفي رواية مسبه: دابة أي: مدبوحة أي: أعصاي من كل شيء يذبح، وفي رواية الطبراني: من كل سائمة، كذا في الفتح.

روحاً [أي: أعصاي مما يروح إلى مسرله من إبل وبقر وعسم وعيد ودواب ثمين أو صفا صفا]. **ميري** [أي: أعطي أقاربك، من إميرة بكسر الميم، وهي: الصعام الذي يمتاره الإنسان ويحبه لأهله]. **كأي زرع** [أي: من الألفة والعطاء لا في العرفة والخلاء، فالتشبيه ليس من كل وجه، يعني في المع لا في الضرب الذي حصل بطلاقها].

باب ما جاء في صفة نوم رسول الله ﷺ

حدثنا محمد بن المثنى، أنبأنا عبد الرحمن بن مهدي، أنبأنا إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن عبد الله بن يزيد، عن البراء بن عازب رضي الله عنه: أن رسول الله ﷺ كان إذا أخذ مضجعه وضع كفه اليمنى تحت خده الأيمن وقال: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ.

ای یوم القیامۃ

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے سونے کا ذکر

فائدہ: یعنی حضور اقدس ﷺ کس طرح سوتے تھے، سوتے وقت کیا کیا پڑھتے تھے۔ اس باب میں چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔
(۱) حضرت براء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جس وقت آرام فرماتے اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے تھے اور یہ دعا پڑھتے: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ۔ اے اللہ! مجھے قیامت کے دن اپنے عذاب سے بچاؤ۔

فائدہ: حصن حصین میں ہے کہ تین مرتبہ یہ دعا پڑھتے تھے۔ دوسری حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مضمون نقل کیا گیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کا یہ عام معمول تھا جس کو متعدد حضرات نے سنا۔ حضور اقدس ﷺ کا معصوم ہونے کے باوجود اس قسم کی دعاؤں کو پڑھنا یا اظہار عبودیت کے لئے ہوتا تھا کہ بندگی کا مقتضی مولیٰ سے مانگنا ہی ہے، یا امت کی تعلیم کے لئے۔ اس حدیث سے حضور اقدس ﷺ کا دائیں کروٹ پر سونا معلوم ہوتا ہے اور یہی حضور کا دائمی معمول تھا، اسی وجہ سے دائیں کروٹ پر سونا مستحب بھی ہے اور اس میں ایک خاص مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ آدمی کا دل چونکہ سینہ کے بائیں طرف ہوتا ہے اس لئے دائیں کروٹ پر سونے سے وہ اوپر رہتا ہے اور استغراق کی اور گہری نیند نہیں آتی، بلکہ آدمی چونکہ سوتا ہے، اور اگر بائیں کروٹ پر سوتا ہے تو دل نیچے کی جانب ہوتا ہے اور اس صورت میں گہری نیند آتی ہے، اس وجہ سے بعض اطباء نے بائیں جانب سونے کو اچھا بتایا ہے کہ گہری نیند آنے سے ہضم بہتر ہوتا ہے،

یوم الخ ہو عشية ثقیبة تھجم علی الفیق فتقصعه عن المعرفة بالأشیاء ولما كان يوم بعد اسمر عسماً ناسب أن يذكره بعده. [أو حالة صبيغة تتعطل معها لقوى سبب ترقی الحارات، ی لدماع، تتعطل الحواس الخمسة وشعور وإدراك] **مصححه** [إذا استقر في محل اصصاحاه پیام فيه] بفتح المیم ویمیم ویکسر محل الاضطجاع، والمرد بأحد المصحح: النوم فيه، فاعنی إذا أراد النوم واستقر في المصحح لبام. الأيمن [وضع رحته مع أصابعه الیمی تحت شقه الأيمن من وجهه]. **قنی:** [أي: حثینی عذابك].

حدثنا محمد بن المثنیٰ، أنبأنا عبد الرحمن، أنبأنا إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن أبي عبيدة، عن عبد الله مثله، وقال: يوم تجمع عبادك. حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا عبد الرزاق، أخبرنا سفيان، عن عبد الملك بن عُمير، عن ربعي بن جِرَاش، عن حذيفة رضي الله عنه قال: كان النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم

اور یہ صحیح ہے، لیکن اس میں ایک معصرت بھی ہے جس کی طرف ان کا ذہن نہیں گیا، وہ یہ کہ جب دل نیچے کی جانب ہوگا تو تمام بدن کا زور اُس پر پڑے گا اور بدن کا مواد اُس پر اثر کرے گا۔ دل اعضاء ریشہ میں اہم عضو ہے اُس پر مواد کا تھوڑا سا اثر ہونا بھی بہت سے امراض کا سبب ہے، اس لئے بائیں کروٹ پر سونے میں اگر ایک طبقی مصلحت ہے تو ایک طبقی معصرت بھی ہے اور معصرت سے بچنا زیادہ اہم ہے، اس لئے طبقی حیثیت سے بھی دائیں کروٹ پر سونا بہتر ہے اس کے علاوہ دائیں کروٹ پر لیٹنا موت کے بعد قبر میں لیٹنے کی یاد کو تازہ کرتا ہے اور موت کو یاد کرنے کا حکم بھی ہے، اور دینی دنیوی بہت سے فوائد موت کو یاد رکھنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ آدمی کو چاہئے کہ اس لذتوں کے ختم کر دینے والی چیز کو کثرت سے یاد کیا کرے اور حق تو یہ ہے کہ آدمی ایسی چیز کو کیسے بھولے جو بہر حال آنے والی ہے، نہ معلوم کب آجائے۔

(۲) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر لیٹتے تو اللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوتُ وَاَحْيَا۔ پڑھتے تھے۔ یا اللہ! تیرے ہی نام سے مرتا (یعنی سوتا) ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا (یعنی سو کر اٹھوں گا) **فائدہ:** نوم موت کے مشابہ ہوتی ہے اس لئے سونے کو مرنے سے اور جاگنے کو زندگی سے تعبیر کر دیتے ہیں، اور اس لئے بھی سوتے وقت دائیں کروٹ پر لیٹنا چاہئے کہ سونا مرنے کا نمونہ ہے۔ اور جب جاگتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُورُ۔ تمام تعریف اُس اللہ جل جلالہ کے لئے ہے جس نے موت کے بعد زندگی عطا فرمائی اور اسی پاک ذات کی طرف قیامت میں لوٹنا ہے۔ (یا زندگی کی پریشانیوں میں وہی مرجع ہے)

فائدہ: چونکہ نیند موت کے مشابہ تھی اس لئے جاگنے کو دوبارہ زندہ ہونے سے تعبیر کیا۔ علماء نے لکھا ہے کہ سو کر اٹھنے کے بعد یہ بھی سوچنے کی چیز ہے کہ اسی طرح مرنے کے بعد قیامت میں دوبارہ زندہ ہونا ہے۔ درحقیقت حق تعالیٰ جل جلالہ نے اس دنیا کو آخرت کی مثال بنایا ہے اور عبرت اور غور کے واسطے ہر قسم کی چیزیں یہاں پیدا فرمائیں۔ دنیا کی ساری زندگی

إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأُحْيَى، وَإِذَا اسْتَقِيمَ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ. **حدثنا** قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، **حدثنا** الْمُفَضَّلُ بْنُ فُضَالَةَ، عَنْ عُقَيْلٍ: **أَرَاهُ** عَنِ الزَّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ،

ایک خواب سے زیادہ نہیں ہے۔ ایک آدمی نہایت خوش حال ہے، متمول ہے، ہر قسم کی راحت کے سامان اُس کے پاس موجود ہیں، کسی قسم کی اُس کو کوئی بھی تکلیف نہیں ہے، وہ خواب میں اگر اپنے کو قید میں کوڑے کھاتا ہوا دیکھے، ہر قسم کی مصیبتوں میں گرفتار دیکھے، وہ نہیں سمجھ رہا کہ یہ خواب ہے، وہ اُس سے پریشان بھی ہے، رو بھی رہا ہے، لیکن دفعۃً آنکھ کھل جاتی ہے، وہ سب راحت و آرام مل جاتے ہیں، اس خواب کی تکلیف کا ذرا بھی احساس اُس کو نہیں رہتا۔ اسی طرح ایک دین دار کا حال سمجھ لو، وہ اس دنیا میں جتنی بھی تکالیف اٹھائے، وہ خواب ہے، اگر آنکھ کھلنے کے بعد اُس کو ساری راحتیں میسر ہیں تو اس خواب کا کیا اثر اُس پر ہو سکتا ہے۔ اس کے بالمقابل حسرت سے غور کرو اُس جہی دست پر جو اس خواب میں ہر قسم کے آرام پا رہا ہے، مگر آنکھ کھلنے کے بعد وہ جیل خانہ میں ہے، کوڑے اُس پر پڑ رہے ہیں، تو اس خواب کی راحت و آرام کو لے کر وہ کیا پاٹ لے گا۔ ایک بامشقت سزا کا قیدی خواب میں اپنے کو ہفت اقصیم کا بادشاہ بنا ہوا دیکھے، لیکن آنکھ کھلنے کے بعد وہ جیل کی اندھیری کوٹھڑی میں ہے، جھٹکڑی لگی ہوئی ہے، تو اس خواب کی بادشاہت سے اُس کو کیا ملا۔ اس گر کو صحابہ نے سمجھا تھا اس لئے وہ دنیا میں ہر مشقت کو لطف و لذت سے برداشت کرتے تھے، وہ سمجھتے تھے کہ یہ خواب ہے۔ حق تعالیٰ جس نے اپنے لطف سے ہم لوگوں کو بھی یہ دولت نصیب فرمادے تو اُس کے کرم سے بعید نہیں۔

اللهم أي يا الله، فالله عوص من يا'وند لا يجتمعان إلا شذوذاً، كما قال ابن خالط وشذ ما اللهم في فريص أي شعر. **النشور** [الرجوع لنشوات أو العقاب، أو إليه الإحياء بعد موت يوم القيامة] أي المنفرد في أمر المعاش كالافتراق حال المعاد، وقيل: النشور هو الحياة بعد السمات. **المفضل** يفتح المصاد معجمة مشددة، بن فضاله يفتح الفاء **أراه** بصم، همزة، قال اسيجوري: قائمه مفصل، والصمير منصوب لعقيل يعني قال لمفضل: أطل عقيلاً رواه عن زرهي. قلت: واحديث أخرجه المصنف في جامعه بعد سند وخرس بعينه، وليس فيه عطف: 'أراه' بن قال عقيل: عن ابن شهاب إلخ فلعله وقع السهو لأحد من الرواة.

عن عائشة ؓ قالت: كان رسول الله ﷺ إذا أوى إلى فراشه كل ليلة، جمع كفيه فنفت فيهما، وقرأ فيهما: ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ و﴿قُلْ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْفَقْرِ﴾ و﴿قُلْ أَعُوذُ بِكَ مِنَ الْبَاسِ﴾ ثم مسح بهما ما استطاع من جسده، يبدأ بهما رأسه ووجهه وما أقبل من جسده،

(۳) حضرت عائشہ ؓ کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہر شبانہ جب بستر پر لیٹتے تھے تو دونوں ہاتھوں کو دعا مانگنے کی طرح ملا کر ان پر دم فرماتے اور سورۃ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر تمام بدن پر سر سے پاؤں تک جہاں جہاں ہاتھ جاتا، ہاتھ پھیر لیا کرتے تھے۔ تین مرتبہ ایسی ہی کرتے، سر سے ابتداء فرماتے اور پھر منہ اور بدن کا اگلا حصہ، پھر بقیہ بدن پر۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ سے سونے کے وقت مختلف دعائیں پڑھنا بھی ثابت ہے اور کلام اللہ کی مختلف سورتیں پڑھنا بھی ثابت ہے۔ ایک حدیث میں حضور کا یہ ارشاد بھی نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص قرآن پاک کی کوئی سورت سوتے وقت پڑھے، اللہ کی طرف سے ایک فرشتہ محافظ اُس کے لئے مقرر ہو جاتا ہے جو جانے کے وقت تک اُس کی حفاظت کرتا رہتا ہے۔ خود حضور اکرم ﷺ سے تین سورتوں کا پڑھنا حدیث بالا میں وارد ہے ان کے علاوہ مستحبات یعنی ان سورتوں کا پڑھنا جو سُبْح، يُسْبِحُ، سُبْحَانَ، سُبْحٌ سے شروع ہوئی ہیں، وارد ہے۔ نیز اَلَمْ سَجِدْ اور تَبَارَكَ الَّذِي کا ہمیشہ پڑھنا وارد ہے۔ نیز آیتہ الکرسی اور سورۃ بقرہ کی اخیر دو آیتوں کا پڑھنا بھی وارد ہے۔ ایک صحابی کہتے ہیں کہ مجھے حضور نے ارشاد فرمایا کہ سوتے ہوئے ہمیشہ قل یا ایہا الکافرون پڑھ کر سویا کرو۔ ان کے علاوہ بہت سی دعائیں پڑھنا بھی حضور سے ثابت ہے۔ (خج ۱۶۱)

فہم [آی: مع فیہما معاً حمیفا غیر ممزوج بریق] طاہرہ تقدیم الفث علی القراءة، وأوضح منه ما فی بعض طرق الحدیث من لفظ: ثم نمت فقرأ، واستبعد ذلك بعض العلماء بأنه لا فائدة فيه، وحمه علی وهم الرواة. وأجاب بعضهم بأن الحكمة فيه مخالفة السحرة، وقيل: معناه: ثم أراد الفث فقرأ ونفت، وبعضهم حمه عني التقديم والتأخير بأنه قرأ ثم نمت، وقال بعضهم: إن الفث وقع قبل القراءة وبعدها أيضاً، وأما رواية هذا الكتاب بلفظ الواو فأحرف إشكالاً؛ لأن الواو مطلق الجمع، وكذا رواية البخاري بالواو، وقال شارح من علمائنا: هو الوجه؛ لأن تقديم الفث عني القراءة لم يقل به أحد، وقال الفراء: لا تعيد الفاء للترتيب؛ لقوله تعالى: ﴿هُكَّهْ فَجَاءَهَا الْمَلَكُ﴾ [الأعراف: ۴] وأجيب: بأن المعنى أردنا إهلاكها أو هي لترتيب الذكر. وفي القاموس: إن الفاء تأتي عنى الواو قاله القاري، وما الحافظ في المتن إلى تقديم القراءة على الفث. وقرأ فيهما [يعني السور الثلاث بكماضاً]. مسح بهما. [فوق الثوب، وهو: ما وصلت إليه يده من بدنه.]

يصنع ذلك ثلاث مرّات. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا سفيان، عن سلمة بن كهيل، عن كريب، **عن** ابن عباس **رضي** عنهما أن رسول الله ﷺ نام حتى نفخ، وكان إذا نام نفخ، فأتاه بلال فأذنه بالصَّلوة، فقام وصلى ولم يتوضأ، وفي الحديث قصة. **حدثنا** إسحاق بن منصور، حدثنا عفان، حدثنا حماد بن سلمة، عن ثابت، **عن** أنس بن مالك **رضي** عنهما:

(۴) ابن عباس **رضي** عنہما کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ سوئے اور خرائے لینے لگے۔ حضور کی یہ عادت شریفہ تھی کہ جب سوتے تو خرائے لیتے تھے، پس حضرت بلال **رضي** عنہ نے آکر نماز کی تیاری کی اطلاع دی، حضور تشریف لے گئے اور نماز پڑھائی، وضو نہیں کیا۔ اس حدیث میں ایک قصہ بھی ہے۔ **فائدہ:** انبیاء **علیہم** السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کی نیند ناقض وضو نہیں ہوتی، اس لئے حضور نے وضو نہیں فرمایا، اور اس کی وجہ حضور نے یہ ارشاد فرمائی ہے کہ سونے کی حالت میں انبیاء کی آنکھ سوتی ہے لیکن دل نہیں سوتا، وہ جاگتا رہتا ہے، اسی وجہ سے انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے کہ شیطان کے اثر سے وہ محفوظ ہوتے ہیں۔ وہ قصہ جس کی طرف امام ترمذی **رحمۃ** اللہ علیہ نے اشارہ کیا ہے، ابن عباس **رضي** عنہما کے اپنی خالہ کے گھر سونے کے متعلق ہے، جو آئندہ باب کی پانچویں حدیث میں مفصل مذکور ہے۔ اس باب سے اُس کو کچھ تعلق نہیں تھا اس لئے مصنف نے اُس کو اختصاراً چھوڑ دیا۔

(۵) انس **رضي** عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تو یہ دعا پڑھتے: **الحمد لله الذي أطعنا وسَقَانَا وَكَفَّانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مَمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَّ**۔ تمام تعریفیں اللہ **جل** جلالہ کے لئے ہیں جس نے شکم سیر فرمایا اور

بصع ذلك [آی: المذكور من جمع الكفيع والفت فيهما وقراءة واسع]. **نفخ** [آی: أخرج الزبيح من فمه بصوت، ودلت عدد ستعراق الدائم في يومه]. **ولم يتوضأ** قال البيهقري: لأن من خصائصه **ﷺ** أن يومه لا يقص وضوء؛ بقاء بقصة قبیه كما في حديث: نحن معاشر الأنبياء، ننام أعيناً ولا ننام قلوباً فهذه خصوصية له **ﷺ** على أمته لا على باقي الأنبياء **قصة**. [هي يوم عبد الله ابن عباس عند حاتته ميمونة وصلاته مع النبي **ﷺ** دليل، وستأتي في حديث مفصل من باب عادته **ﷺ**] قال البيهقري تبعاً لغيره: ستأتي قريباً في حديث الخامس من باب عادته **ﷺ** من يوم بن عباس عند حالته ميمونة **ﷺ** قال المناوي: ذهل شارح زعم ألفاً في كتاب آخر كالمشكوة.

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا، وَكَفَّلَنَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَّ.

سیراب کیا اور ہماری مہمات کے لئے خود کفایت فرمائی اور سونے کے لئے ٹھکانا مرحمت فرمایا، بہت سے لوگ ایسے ہیں جن کو نہ کوئی کفایت کرنے والا ہے نہ کوئی ٹھکانا دینے والا ہے۔

فائدہ: چونکہ عادت اللہ یہ ہے کہ جو شخص اللہ جل جلالہ پر اپنے کاموں کو چھوڑ دیتا ہے، حق تعالیٰ بھی اُس کے کاموں کو غیب سے پورا فرماتے ہیں۔ ﴿وَمَنْ يُوَكِّلْ عَلَى اللَّهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ [الطلاق: ۳] جس کا کسی نے ترجمہ کیا ہے: خدا خود میرے سامان است ارباب توکل را۔ اور حضور اقدس ﷺ میں یہ مضمون علی وجہ الاتم ہونا ہی چاہئے تھا، اس لئے وہاں کفایت بھی علی وجہ الاتم ہوتی تھی۔ اس کے بعد جو شخص جتن زیادہ بھروسہ اللہ جل جلالہ پر کرتا ہے اتنا ہی حق تعالیٰ جل جلالہ اس کی طرف سے اُس کی اعانت ہوتی ہے۔ متعدد احادیث میں مختلف عنوانات سے یہ مضمون وارد ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے: جس شخص کو فائدہ پہنچے اور وہ لوگوں سے اُس کے ازالہ کی درخواست کرے تو اُس کی حاجت پوری نہیں کی جاتی اور اگر اللہ جل جلالہ کی بارگاہ میں اُس کو پیش کرے تو بہت جلد کسی نہ کسی طرح سے اُس کی ضرورت پوری کر دی جاتی ہے۔ ایک حدیث میں حق تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے آدمی کے بچے! اگر تو میری عبادت کے لئے فارغ ہو جائے تو میں تیری ضرورتوں کو پورا کروں اور تیرے دل کو غنہ سے بھر دوں، ورنہ تیرے دل کو تفکرات سے بھر دوں گا اور ضرورتیں پوری نہ ہونے دوں گا۔ جو لوگ دینی کاموں میں مشغول ہونے کے لئے ضروریات سے فراغت کا انتظار دیکھا کرتے ہیں وہ اس سے سبق حاصل کریں کہ ضروریات سے فراغت کا راستہ ہی اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور اُس کے کاموں میں مشغول ہونا ہے۔ حدیث بالا میں جو دعا نقل کی گئی ہے اُس میں حضور اقدس ﷺ نے شکر کی طرف متوجہ فرمایا ہے کہ ہر شخص کو اپنی حالت میں شکر کرنا ضروری ہے کہ زیادتی انعام کا ذریعہ ہے۔ حق تعالیٰ جل جلالہ کا ارشاد ہے ﴿لَنْ شُكْرُكُمْ لَارِيدَ نَكَمٍ﴾ [ابراہیم: ۷] اگر تم شکر کرتے رہو گے تو میں

أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا قیل: ذکرهما، لأن الحیوة لاتتم بدوھما کالوھما، فالثلاثة من واد واحد فکان ذکرہ مستعدیاً لذكرهما، وأيضاً الوھم فرع الشبع والری. وکھما. [أي: کھانا مہماتنا ورفع عنا أدياتنا.] و آوانا [أي: رقدنا إلى مسکنا و لم یجعلنا من استشرین کاسبھائہ فی اصحراء.] فکَمْ ممس. [أي: کم من اخلق لا کافي له ولا مؤوي علی الوجه الأكمل.]

حدثنا الحسين بن محمد الجوري، حدثنا سليمان بن حرب، حدثنا حماد بن سلمة، عن حميد، عن بكر بن عبد الله المزني، عن عبد الله بن رباح، عن أبي قتادة رضي الله عنه: أن النبي ﷺ كان إذا عرس ببليل اضطجع على شقه الأيمن، وإذا عرس قبيل الصبح نصب ذراعه و وضع رأسه على كفه.
[المعنى]

اپنے احسانات میں اضافہ کروں گا، اور اس طرف متوجہ فرمایا کہ اپنے سے کمتر کی حالت کی طرف بھی غور کرنا چاہئے تاکہ شکر دل سے نکلے، کتنے آدمی دنیا میں ایسے ہیں جن کو کھانا میسر نہیں فاقہ کرتے ہیں، کتنے لوگ ایسے ہیں جن کو ٹھکانا نصیب نہیں بے ٹھکانے گزر کرتے ہیں۔ اسی طرح سے کوئی حامی مددگار نہیں ہے جو مصائب میں کوئی اعانت کر سکے، اللہ تعالیٰ کے کتنے احسانات ہیں جس نے یہ سب کچھ عطا فرما رکھا ہے۔

(۶) ابو قتادہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (سفر میں رات کو چلنے کے بعد) اگر اخیر شب میں کچھ سویرے کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو دائیں کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے، اور اگر صبح کے قریب ٹھہرنا ہوتا تو اپنا دایاں بازو کھڑا کرتے اور ہاتھ پر سر رکھ کر کچھ آرام فرما لیتے۔ **فائدہ:** مقصود یہ ہے کہ اگر وقت وسیع ہوتا تو لیٹ کر سو جاتے تھے اور عادت شریفہ دائیں کروٹ پر لیٹنے کی تھی ہی، لیکن اگر وقت قلیل ہوتا تو پھر ہاتھ پر ٹیک لگا کر تھوڑی دیر آرام فرما لیتے، ایسے وقت میں بالکل لیٹ کر آرام نہ فرماتے تھے کہ نیند گہری آجائے اور نماز فوت ہو جائے، بلکہ کہنی پر ٹیک لگا کر سر مبارک کو ہاتھ پر رکھ کر تھوڑا سا آرام کر لیتے تھے۔

الحريري قيل: بمهمة مفتوحة مكررا، وقيل: نجيم مضمومة مصعرا، صوبه ابن حجر في شرح الشماثل، ورجح القاري الأول وقال: في نسخة ضعيفة ناجيم المضمومة وسكت أهل لرحا عن ضبطه. **عرس** التعريس: درون القوم في السفر من آخر الليل للاستراحة، وقوله: "ليل" المراد به رمس ممتد؛ بدليل قوله في الشق الثاني: قبيل الصبح. **على كفه:** [لأنه أعون على الانتباه، ولا يستغرق في النوم على هذه الهيئة.]

باب ما جاء في عبادة رسول الله ﷺ

حدثنا قتيبة بن سعيد وبشر بن معاذ قالوا: أخبرنا أبو عوانة، عن زياد بن علقمة،
ابن الوصاح

باب حضور اقدس ﷺ کی عبادت کا ذکر

فائدہ: حضور اکرم ﷺ کی ہر حرکت و سکون عبادت ہے، ہر کلام و خاموشی ذکر و فکر ہے، لیکن مثال کے طور پر شامل کا جزو ہونے کی وجہ سے مصنف **رحمۃ اللہ علیہ** نے چند عبادات کا ذکر کیا ہے جس سے اندازہ ہو جائے کہ نبی کریم ﷺ معصوم ہونے کے باوجود مغفرت اور مراتب عالیہ کے حصول کا پروانہ ملنے کے باوجود، اُس مرتبہ پر فائز ہو جانے کے باوجود جہاں تک نہ کوئی ولی پہنچ سکتا ہے نہ کوئی نبی پہنچا، کس قدر نفی عبادت کا اہتمام فرماتے تھے، اور ہم لوگ جو اتنی کہلاتے ہیں، حضور کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں، کتنے اہتمام کرتے ہیں، حالانکہ ہم گنہگار ہیں، سیاہ کار ہیں، گناہوں کے مقابلے اور تول کے لئے بھی ہم عبادت کے حضور سے زیادہ محتاج ہیں، پھر ہماری عبادتیں بھی ایسی ہیں جن کا پورا معاوضہ تو درکنار، ان کا کوئی بھی معاوضہ مل جائے تو بسا غنیمت ہے۔ اللہ جل جلالہ کے یہاں ہر عبادت کا وزن اور اس کی قیمت اخلاص پر مبنی ہے، جس درجہ کا اخلاص ہو گا اسی درجہ کا عبادت میں وزن ہو گا۔

عبادة [هو فعل المكلف على خلاف هوى نفسه تعطيما لربه، والمراد بها ههنا الزيادة على الواجبات] قال المناوي: إعادة أقصى غاية الخضوع، وتعريف في الشرع فيما جعل علامة لنهاية الخضوع من صوة وصوم وجهاد وقراءة. قال القاري: والمراد بها ههنا الزيادة على الواجبات. واحتلف هل كان ﷺ قل السورة متعبداً بشرع من قبله؟ فقال الجمهور: لا، وإلا لقل، وقال إمام الحرمین: بالوقف، وقال آخرون: نعم، ثم أحجم بعضهم عن التعيين وحسر عليه بعضهم، وعلى هذا فقيل: آدم، وقيل: نوح، وقيل: إبراهيم، وقيل: موسى، وقيل: عيسى، وقيل: جميع الشرائع، وقال السراج السلفي في شرح البحاري: لم يبح في الأحاديث التي وقفنا عليها كيفية تعبد، لكن روى ابن إسحاق وغيره: أنه ﷺ كان يخرج إلى حراء في كل عام شهراً يتنسك فيه. قال القاري: اظاهر أنه ﷺ كان متعبداً بالعبادات الساطية من الأدكار القلبية والتفكير في الصفات الإلهية والمصوغات الأخلاقية على ما يكون حال كمال الأولياء، ونذا قيل بداية الأشياء هاية الأولياء، وما قال بعضهم "بداية لوب هاية النبي" فإما هو باعتبار التكليف الشرعية من الأوامر والعصية والروايجر المنهية، فمالم يتصف السالك بما انتهى إليه أمر ديه م يدخل في باب الولاية. علاقة يكسر العين وتحميف اللام والقفاف، ووهه من فتح العين، كذا في الشروح.

عن المغيرة بن شعبه رضی اللہ عنہ قال: صلى رسول الله ﷺ حتى انتخفت قدماه،

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی نماز سے فارغ ہوتا ہے اور اُس کے لئے اُس نماز کا دسواں حصہ لکھا جاتا ہے، کسی کے لئے نواں، اسی طرح آٹھواں، ساتواں، چھٹا، پانچواں، چوتھائی، تہائی اور آدھا حصہ لکھا جاتا ہے (ابوداؤد) اور دسواں بھی مثال کے طور پر ارشاد ہے ورنہ اس سے بھی کم ہوتا ہے۔ دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ قیمت میں سب سے اول نماز کا حساب ہوگا، حق تعالیٰ ﷻ فرشتوں سے ارشاد فرمائے گا کہ میرے بندے کی نماز کو دیکھو، پوری ہے یا ناقص ہے، اگر وہ پوری ہوگی ہے تو جائزہ میں پوری لکھ دی جائے گی اور اگر ناقص ہوگی تو ارشاد ہوگا کہ دیکھو اس کے لئے کچھ نوافل بھی ہیں یا نہیں، اگر نوافل ہوتی ہیں تو ان سے فرائض کی تکمیل کر دی جاتی ہے، اُس کے بعد پھر اسی طرح دوسری عبادات زکوٰۃ وغیرہ کا محاسبہ ہوتا ہے (ابوداؤد) ہم لوگوں کے فرائض جیسے ادا ہوتے ہیں وہ ہمیں بھی معلوم ہیں، ایسی صورت میں کیا ضروری نہیں کہ نفلی عبادات نماز کے قبیلہ سے ہوں یا صدقات کے یا اور دوسری عبادات کے، نہایت کثرت و اہتمام اور اخلاص سے کی جائیں؟ عدالت میں پیشی کا وقت نہایت سخت ہے اور ہمارے اعمال کے دو گنا ہر وقت ہمارے ساتھ ہیں، اور اسی پر بس نہیں بلکہ آدمی کے بدن کا ہر ہر جزو اُس عمل نیک یا بد کی گواہی دینے والا ہے جو اس سے صادر ہوئے ہیں، اسی لئے حضور کا ارشاد ہے کہ انگلیوں پر کلمہ طیبہ اور تسبیحات کو گنا کر کہ قیمت کے دن ان انگلیوں سے بھی محاسبہ ہوگا کہ اپنے اپنے اعمال بتائیں اور ان کو گویائی عطا کی جائے گی، اور حضور پر میرے ماں باپ قربان! کہ آپ کا نمونہ ہر چیز میں ہمارے سامنے ہے۔ اس باب میں چوبیس حدیثیں ہیں۔

(۱) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس قدر لمبی نفلیں پڑھتے تھے کہ آپ کے قدم مبارک درم کر گئے تھے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ آپ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں! حالانکہ حق تعالیٰ نے آپ کے اول و آخر سب گناہ بخش دیے ہیں۔ حضور نے ارشاد فرمایا (کہ جب حق جل جلالہ نے مجھ پر اتنا انعام فرمایا ہے) تو کیا میں اُس کا شکر ادا نہ کروں؟ **فائدہ:** سائل کی غرض بظاہر یہ تھی کہ کثرت عبادت معاصی کے کفارہ کے لئے ہوتی ہے۔ جب آپ معصوم ہیں آپ سے گناہ صادر ہی نہیں ہوتا پھر آپ کو اس درجہ مشقت برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور نے اُس کا جواب فرمادیا کہ

فقيل له: أتتكلف هذا! و قد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر، قال: أفلا أكون عبداً شكوراً؟ حدثنا أبو عمار الحسين بن حُرَيْث، أخبرنا الفضل بن موسى، عن محمد بن عمرو،

عبادت کی یہی ایک غرض نہیں ہوتی، بلکہ مختلف وجہ سے ہوتی ہے اور جب اللہ نے میرے سارے گناہ معاف فرمادیے تو اس کا مقتضا تو یہی ہے کہ میں اُس کے احسان کے شکر میں کثرت سے عبادت کروں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ عبادت کبھی جنت وغیرہ کی رغبت کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ تاجروں کی عبادت ہے کہ عبادت سے خریداری مقصود ہے۔ یہاں قیمت ادا کی جا رہی ہے وہاں مال مل جائے گا۔ اور کبھی عبادت خوف کی وجہ سے ہوتی ہے، یہ غلاموں کی عبادت ہے کہ ڈنڈے کے خوف سے کام کرتے ہیں، جیسا نوکروں کا عام دستور ہوتا ہے۔ ایک وہ عبادت ہے جو بلا رغبت و بلا خوف محض اللہ کے انعامات کے شکر میں ہو، یہ احرار کی عبادت ہے۔ حدیث بالا میں گزرا ہے کہ حق تعالیٰ **بنی ثا** نے آپ کے سب گناہ معاف فرمادیے اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ گناہ تو آپ سے صادر ہوئے لیکن حق تعالیٰ **بنی ثا** نے معاف فرمادیے، حالانکہ انبیاء علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں، اُن سے گناہ صادر نہیں ہوتا۔ اس کے بہت سے جواب علماء نے مرحمت فرمائے ہیں جو اپنے موقعوں پر درج ہیں، بالخصوص سورہ اِنْفِثْمٰن کی تفسیروں میں مختلف جواب نقل کیے گئے ہیں۔ بندہ کے نزدیک اسل یہ ہے کہ حساسات الأبرار سیئات المقربین (نیک لوگوں کی خوبیاں مقربین کے لئے گناہ بن جاتی ہیں) ہر شخص کے گناہ اُس کے درجہ کے مناسب ہوتے ہیں۔ آپ کے درجہ اور رتبہ کے مناسب جو کوتاہیاں شمار کی گئیں وہ ایسے امور ہیں جو ہمارے لئے عین طاعت ہیں۔ مثال کے طور پر دیکھ لیجئے کہ حضور اقدس ﷺ کافر سرداروں کے اسلام لانے کی توقع اور اُمید میں اُن سے گفتگو فرما رہے تھے جو عین دین تھا، اس وقت ایک نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے آکر کچھ بات کی جس کی طرف حضور ﷺ کو ان لوگوں کی اہمیت کی وجہ سے ان کا درمیان میں دخل دینا گراں ہوا۔ اس پر سورہ عَبَسَ میں حضور پر تنبیہ ہوئی۔

فقيل. قالوا: القائل عمر. أتتكلف التكليف اسم لما يصنعه الإنسان مشقة أو تصعب. الأول محمود والثاني مذموم، ومن الير أن المراد ههنا الأول دون الثاني، والمعنى: أتلزم نفسك هذه الكلفة والمشقة التي لا نطاق. **أفلا أكون** عطف على مقدر أي: أأترك صلاتي اعتماداً على العفران فلا أكون عبداً مشكوراً. ولا يحفى ذكر 'العبد' في هذا المقام أدعى إلى الشكر على اللوام؛ لأنه إذا لاحظ كونه عبداً أعم عليه مولاة وحب عليه القيام بشكره. **شكورا** [أي: إذا أكرمني مولاي بغفرانه أفلا أكون عبداً شكوراً لإحسانه.] **حريث** بضم الحاء وفتح الراء المهملتين فتحية ساكة فمثلة.

عن أبي سلمة، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يصلي حتى تورم قدماه، قال: فقيل له: أتفعل هذا وقد جاعك؟ أن الله تعالى قد غفرلك ما تقدم من ذنبك وما تأخر؟ قال: أفلا أكون عبدا شكورا؟ **حدثنا** عيسى بن عثمان بن عيسى بن عبد الرحمن الرَّمْلِي،

نسبة إلى رملة كطلحة من بلاد الشام

اسی طرح جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضور اقدس ﷺ نے غایت شفقت اور رحمت کی وجہ سے اس توقع پر کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں یا ان کی نسل سے مسلمان پیدا ہوں، فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا تو قرآن پاک میں اس پر تنبیہ ہوئی۔ غرض اس نوع کے واقعات ہیں جو حضور کی علو شان کے لحاظ سے وہ تقصیر شمار کیے گئے۔

(۱۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اس درجہ نوافل پڑھا کرتے تھے کہ پاؤں پر درم ہو جاتا تھا۔ کسی نے عرض کیا کہ آپ پر اگلے پچھلے سب گناہوں کی معافی کی بشارت نازل ہو چکی ہے پھر آپ اس درجہ کیوں مشقت برداشت فرماتے ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں؟

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی اس شکر یہ کے بارے میں ایک مفصل روایت نقل کی گئی ہے۔ حضرت عطاء کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی کوئی عجیب ترین بات سنائیں۔ انھوں نے ارشاد فرمایا کہ حضور کی کوئی بات ایسی تھی کہ جو عجیب ترین نہ تھی، اُس کے بعد فرمانے لگیں۔ ایک رات کا قصہ ہے کہ سونے کے لئے مکان پر تشریف لائے اور میرے پاس میرے لحاف میں لیٹ گئے، لیٹتے ہی تھوڑی سی دیر میں فرمایا کہ چھوڑ! میں تو اپنے رب کی عبادت کروں، یہ فرما کر کھڑے ہو گئے، وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی اور رونا شروع کر دیا، یہاں تک کہ سینہ مبارک تک آنسو بہہ کر آنے لگے، اُس کے بعد رکوع کیا اُس میں بھی روتے رہے، پھر سجدہ کیا اُس میں بھی روتے رہے، پھر سجدہ سے اٹھے اور روتے رہے۔ غرض صبح تک یہی کیفیت رہی، حتیٰ کہ بلال صبح کی نماز کے لئے بلانے کو آ گئے۔

نرم | أصله تورم، وإما تورمت قدماه؛ لأنه بسبب طول القيام تصبّت مواد من أعلى الدن إلى أسفله، ومن ثم يسرع الفساد إلى القدم قبل غيره من الجسد | يصب الفعل بإصمار "أن" بعد "حتى" وهو يفتح المشاة وكسر الراء وتخفيف الميم على وزن 'تعد' وفي نسخة: حتى تورّم ساء على أنه فعل ماضٍ أو مضارع يخذف إحدى تائييه. أفلا تكون الفاء للعطف على المقدر، تقديره: أترك فلا أكون إلخ عف.

حدثني عمي يحيى بن عيسى الرّملي، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن **عَنْ** أَبِي هُرَيْرَةَ **رَضِيَ** عَنْهُ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ **يَقُومُ يَصَلِّي حَتَّى تَنْفُخَ قَدَمَاهُ**، فيقال له: يَا رَسُولَ اللَّهِ! **أَتَفْعَلُ هَذَا** وَقَدْ غَفَرَ اللَّهُ لَكَ مَا تَقْدُمُ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأْخُرُ؟ قَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا؟

میں نے عرض کیا: حضور آپ اس قدر کیوں روئے؟ اللہ ﷻ نے تو آپ کے اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ تو میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا: میں ایسا کیونکر نہ کرتا حالانکہ آج مجھ پر یہ آیتیں نازل ہوئیں، اُس کے بعد **فِي حَتَّى تَنْفُخَ قَدَمَاهُ** [آل عمران: ۱۹۰] سورۃ آل عمران کے آخر رکوع کی آیت تلاوت فرمائی۔ (۳) نیز ابو ہریرہ **رَضِيَ** عَنْهُ ہی سے مروی ہے کہ حضور اقدس ﷺ نماز اتنی طویل پڑھتے کہ آپ کے قدم مبارک ورم کر آئے۔ آپ سے عرض کیا گیا کہ آپ اتنی طویل نماز پڑھتے ہیں حالانکہ آپ کے سب گناہ اولین و آخرین معاف ہو چکے ہیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ میں شکر گزار بندہ نہ ہوں؟ **فائدہ:** امام ترمذی **رَضِيَ** عَنْهُ نے اہتمام کی وجہ سے تین طریقوں سے اس مضمون کو ذکر کیا۔ ان روایات پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے، وہ یہ کہ نبی کریم **رَضِيَ** عَنْهُ سے مختلف طریقوں سے طاقت سے زیادہ مجاہدات اور عبادات کی ممانعت وارد ہوئی ہے، لیکن حق یہ ہے کہ آدمی صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے، حق تعالیٰ نے قرآن شریف میں ارشاد فرمادیا کہ میں نے جن و انس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔ جب یہی اصل مقصد پیدائش کا ہے تو اس میں جتنا بھی اضافہ اور اہتمام اور زیادتی ہوگی وہ ممدوح اور پسندیدہ ہوگی۔

نہوہ مصنی [آی: يقوم باللیل حال کونہ یصلی۔] **نتیجہ** بصیغة التأیث، ویروی بالتدکیر من الانتماع. قال القاری: ذکر المصنف الحدیث بالأسانید الثلاثة للتأکید والتقویة. قلت: وبیشکل علی هذه الروایات ما ورد من الهمی عن التشدید فی العبادة، كما بسط الروایات المختلفة فی ذلك صاحب إقامة الحجة، ثم قال: وخلاصة المرام أن الإكثار من المجاهدات والرياضات لیس ببذعة ولا بمنهي عنه فی الشرع، بل هو أمر حسن مرغوب فیہ لکن بشروط، ثم ذکر ها عشرة شرائط، فأرجع إلیه لوشئت التفصیل. وقال الحافظ فی الفتح تحت حدیث الباب: فیہ أحد الإنسان علی نفسه بالشدة بالعبادة وإن أصر ذلك یبدیه، ومعه ما إذا لم یص إلى الملل، وعلیه یحمل قوله **حَدَّثُوا** من العمل ما تطیقون فإن الله لا یمل حتی تملوا. **تفعل هذا:** [أتفعل هذا الاجتهاد والتکلف.]

حدثنا محمد بن بشار، أنبأنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق، عن **الأسود بن يزيد قال:** سألت عائشة **رضي الله عنها** عن صلوة رسول الله **ﷺ** بالليل، فقالت: كان ينام أول الليل ثم يقوم، فإذا كان من السحر أوتر،

قريباً من السحر

اس کے بعد زیادتی کی ممانعت جہاں جہاں وارد ہوئی ہے وہ عوارض کی وجہ سے ہے، جہاں کوئی عارض اور مانع پیش آجائے گا وہاں غیر مستحسن ہو جائے گی۔ منجمد ان عوارض کے اکتا جانا اور گھبرا کر بالکل ترک کر دینا ہے۔ مثل مشہور ہے: ”نہ بھاگ کر چلنا نہ اکھڑ کر گرنا“۔ احادیث منع میں اسی طرف اشارہ ہے، چنانچہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اعمال اسی قدر کرو جتنے کا تحمل ہو سکے، اللہ **بی** ثواب عطا کرنے سے نہیں دریغ فرماتے جب تک کہ تم عمل سے نہ اکتا جاؤ۔ اسی لئے علماء مجاہدات کی زیادتی سے روکتے ہیں کہ مبادا اکتا کر بالکل ہی ترک ہو جائے، نبی کریم ﷺ کی شان اس سے بہت بلند تھی، وہاں اکتا جانے کا کیا احتمال پیدا ہو سکتا ہے جب کہ حضور کا ارشاد ہے کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اور کیوں نہ ہوتی جب کہ نماز اللہ کے ساتھ راز و نیاز ہے، تو حضور جیسے مخلص بندے کے لئے آقا کے ساتھ سرگوشی میں جتنی بھی لذت ہو قرین قیاس ہے۔ اکتائے وہ جو اس مذت سے محروم ہو۔ اسی طرح دوسرا مانع جو احادیث میں وارد ہوا ہے حقوق لازمہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہے کہ مجاہدات کی کثرت سے ضعف پیدا ہو کر حقوق میں کوتاہی ہوگی۔ حضور کے یہاں یہ سوال بھی پیدا نہیں ہوتا، اس لئے کہ جو قدسی ذات ان مجاہدات اور تقلیل طعام وغیرہ پر بھی ایک دفعہ میں نو بیبیوں سے صحبت کر سکتا ہو وہاں ضعف کا کیا سوال! اسی طرح دیگر عوارض کا حال ہے جو حضور کے یہاں منتفی تھے، اس لئے ان جیسی روایات پر کوئی اشکال نہیں ہے۔

(۴) اسود کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** سے حضور اقدس ﷺ کی رات کی نماز یعنی تہجد اور وتر کے متعلق استفسار کیا کہ حضور کا کیا معمول تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ حضور ﷺ (عشاء کی نماز کے بعد) شب کے نصف اول میں استراحت فرماتے تھے، اُس کے بعد تہجد پڑھتے رہتے تھے یہاں تک کہ اخیر شب ہو جاتی تب وتر پڑھتے، اُس کے بعد اپنے

باللیل | أي: في أي وقت كان منه، والمراد بصلاته بالليل ما يشمل الوتر والتهجيد. | **يقوم** أي: يصلي؛ فإن قيام الليل متعارف في الصلوة فيه فيستمر يصلي السدس الرابع والخامس.

ثم أتى فراشه فإذا كانت كان له حاجة ألم بأهله، فإذا سمع الأذان وثب، فإن كان جنباً أفاض عليه من الماء، وإلا توضأ وخرج إلى الصلوة. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس. **ح** وحدثنا إسحاق بن موسى الأنصاري، **حدثنا** معن، عن مالك، عن مخزومة بن سليمان، عن كُريب، **عن** ابن عباس **رضي الله عنه**: أنه أخبره: أنه بات عند ميمونة - وهي خالته - قال: إشارة إلى أنه محرم

بستر پر تشریف لے آتے، اگر رغبت ہوتی تو اہل کے پاس تشریف لے جاتے یعنی صحبت کرتے، پھر صبح کی اذان کے بعد فوراً اٹھ کر غسل کی ضرورت ہوتی تو غسل فرماتے ورنہ وضو فرما کر نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

فائدہ: اطباء کے نزدیک صحبت کے لئے بہترین وقت اخیر شب ہے کہ وہ اعتدال کا وقت ہے، نیز سو کر اٹھنے کے بعد طرفین کی طبیعت بھی نشاط پر ہوتی ہے۔ اول شب میں پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے ایسی حالت میں صحبت مضر ہوتی ہے اور بھوک کی حالت میں زیادہ مضر ہے، اخیر شب کا وقت اس لحاظ سے بھی اعتدال کا ہوتا ہے۔ لیکن یہ سب طبی مصالح ہیں، شرعاً جواز ہر وقت حاصل ہے۔ نبی کریم ﷺ سے بھی اول شب اور دن کے مختلف اوقات میں صحبت کرنا ثابت ہے۔ البتہ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ عین نماز کے وقت اگر صحبت کی جائے اور اُس سے حمل نہر جائے تو وہ اولاد والدین کی نافرمان ہوتی ہے۔

(۵) حضرت ابن عباس **رضی اللہ عنہ** فرماتے ہیں کہ میں ایک رات (لڑکپن میں) اپنی خالہ حضرت ميمونة (ام المؤمنين **رضی اللہ عنہا**) کے یہاں سویا۔ حضور اقدس ﷺ اور اُن کی اہل تکیہ کے طولانی حصہ پر سر رکھے ہوئے تھے اور میں تکیہ کی چوڑان پر سر رکھے ہوئے تھا (قاضی عیاض وغیرہ حضرات نے بجائے تکیہ کے بسترے کا ترجمہ فرمایا ہے، لیکن جب لفظ کا اصل ترجمہ تکیہ

أتى فراشه. [إيام السادس، ليقوم لصلاة الصبح نشاط]. **إذا كانت** قال ميرك: وفي أكثر الروايات بلفظ: "ثم" وقيل: في كلمة "ثم" فائدة، وهي أنه **لم** يقصي حاجته بعد إحياء الليل بالتهجد، فأداء العبادة قبل قضاء الشهوة حدير به **ﷺ**، وقيل: يحتمل أن "ثم" لتراخي الإخبار أي: كان عادته **ﷺ** هكذا، ثم إن اتفق أحداً أن يقصّي حاجته فيقضّيها. **ألم بأهله:** أي: قرب من زوجته، كناية عن الجماع.

وثب [أي: قام بهضة وشدة]. **أفاض.** [أسال على جميع بدنه من الماء] **محرمه** بفتح الميم وسكون الحاء المعجمة وفتح الراء المهملة. **ميمونة** [هي الواهة نفسها له **ﷺ**، لأنها لما بلغها أن النبي **ﷺ** حطبها، وكانت إذ ذاك على غير لها، قالت: هو وما عليه لله ولرسوله، وفوضت أمرها للعباس فزوجها النبي **ﷺ**].

فاضطجعت في عَرْضِ الوسادة، واضطجع رسول الله ﷺ في طولها، فنام رسول الله ﷺ حتى إذا انتصف الليل، أو قبله بقليل، فاستيقظ رسول الله ﷺ فجعل يمسح التوم عن وجهه، وقرأ العشر الآيات ^{خواص الآيات} الخواتيم من سورة آل عمران، ثم قام إلى شئ معلق فتوضأ منه، فأحسن الوضوء، ^{من قوله ان في خلق السوء} ثم قام يصلي.

ہی کا ہے اور تکیہ مراد لینے میں کوئی بُعد بھی نہیں تو پھر بستر مراد لینے کی ضرورت نہیں ہے کہ مثلاً: تکیہ کی لمبائی پر حضور اقدس ﷺ سر رکھ کر قبلہ کی طرف منہ کر کے لیٹ گئے ہوں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما تکیہ کے چوڑائی پر سر رکھ کر یعنی قبلہ کی طرف سر کر کے لیٹ گئے ہوں) حضور اقدس ﷺ (اپنی اہل سے تھوڑی باتیں فرمانے کے بعد) سو گئے اور تقریباً نصف رات ہونے پر اپنے چہرہ مبارک پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دور فرمانے لگے، پھر سورۃ آل عمران کے اخیر رکوع ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ﴾ [آل عمران: ۱۹۰] کو تلاوت فرمایا (علماء کہتے ہیں کہ جاگنے کے بعد تھوڑا سا قرآن شریف پڑھ لینا چاہئے کہ اُس سے نشاط پیدا ہوتا ہے اور ان آیات کا پڑھنا مستحب ہے) اُس کے بعد مشکیزہ کی طرف جو پانی سے بھرا ہوا لٹک رہا تھا، تشریف لے گئے اور اُس سے (برتن میں پانی لے کر) وضو کیا اور نماز کی نیت باندھ لی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں بھی وضو کر کے حضور اقدس ﷺ کی (بائیں جانب) برابر کھڑا ہو گیا۔ حضور اقدس نے (اس لئے کہ مقتدی کو دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے) میرے سر پر ہاتھ رکھ کر میرا کان مروڑا (تنبیہ کے لئے ایسا کیا ہو گا۔ اور ایک روایت میں ہے

عَرْضُ بفتح العين على الأصح الأشهر، وفي رواية بضمها، وهو بمعنى مفتوح العين أي: جاسها قاله القاري. الوسادة بكسر الواو، المحدة المعروفة الموصوعة تحت الرؤوس، ونقل القاضي عياض وعمره أن المراد هناك الفراش؛ لقوله: اضطجع ﷺ في طولها إلخ مكانه. نام تحت رجليه تأديبا وتبركا. قلت: كان هذا أحسن ولو ساعده اللفظ. فالأوجه عندی أن المراد بالمحدة هو معناه الحقيقي ولا محذور فيه كما لا يخفى. أو قلله الطاهر أنه تردید من ابن عباس بناء على تردده في أن عاية اليوم نصف الليل أو أقل منه أو أكثر، ويحتمل الشك من الراوي قاله القاري.

مسح التوم [أي: فشرع يمسح أثر التوم]. الخواتيم وفي نسخة: خواتم، جمع ختام، بمعنى الخاتمة، منصوب على أن الآيات بدل من العشر قاله المناوي. آل عمران [وهي بداية قوله تعالى: هـ. في حسن سمعته ورواه إلى آخر السورة، آل عمران ۱۹۰] نس [هي القرية الصغيرة يكون الماء فيها أبرد من غيرها.]

قال عبد الله بن عباس: فقمْتُ إلى جنبه، فوضع رسول الله ﷺ يده اليمنى على رأسي، ثم أخذ بأذني اليمنى ففعلها، فصلَّى ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين، ثم ركعتين - قال معن: ست مرات - ثم أوتر، ثم اضطجع، ثم جاءه المؤذن فقام فصلَّى ركعتين خفيفتين، ثم خرج فصلَّى الصبح. **حدثنا** أبو كريب محمد بن العلاء، حدثنا وكيع، عن شعبة، عن أبي حمزة، **عن** ابن عباس **رضي الله عنه** قال: كان النبي ﷺ يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة.

أي بعد الوضوء كما هو موضح في رواية الصحيحين
المن: ثامر ودوب كرد
اتفقوا على توثيق أبي حمزة عن ابن عباس

کہ میں اونگھنے لگا تو حضور نے میرا کان پکڑا۔ ایک روایت میں ہے کہ کان پکڑ کر دائیں جانب کو کھینچا تاکہ سنت کے موافق امام کے دائیں جانب کھڑے ہو جائیں) پھر حضور اقدس ﷺ دو دو رکعت پڑھتے رہے۔ معن جو اس روایت کے راوی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ چھ مرتبہ حضور نے دو دو رکعت پڑھی، گویا بارہ رکعت ہو گئی (ملا علی قاری **رحمہ اللہ** نے لکھا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ **رحمہ اللہ** کے نزدیک تہجد کی بارہ رکعتیں ہیں) پھر وتر پڑھ کر لیٹ گئے۔ صبح نماز کے لئے جب بلال بلانے آئے تو دو رکعت سنت مختصر قرأت سے پڑھ کر صبح کی نماز کے لئے تشریف لے گئے۔

فائدہ: نبی کریم ﷺ سے تہجد کی مختلف رکعات نقل کی گئی ہیں جو مختلف اوقات کے اعتبار سے ہیں کہ وقت میں گنجائش زیادہ ہوئی تو زیادہ پڑھ لیں ورنہ کم پڑھ لیں۔ کوئی خاص تحدید تہجد کی رکعات میں ایسی نہیں ہے جس سے کم و بیش جائز نہ ہوں، بس اوقات نبی کریم ﷺ باوجود وسیع وقت ہونے کے بھی رکعات کم پڑھتے تھے، البتہ ان میں قرآن پاک کی تلاوت زیادہ مقدار میں فرماتے تھے، جیسا کہ اسی باب کی مختلف احادیث میں یہ مضامین آرہے ہیں۔

(۶) ابن عباس **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تہجد (صبح و ترکیبی) تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔ **فائدہ:** یعنی دس رکعت تہجد اور تین رکعت وتر۔ بعض علماء نے ان میں صبح کی دو سنتیں شمار کی ہیں، اس صورت میں آٹھ رکعت تہجد کی ہوئیں۔

فہتلہا: [أي: لفها ولوها برحمة و رقة، فأخذ بأذني فأدارني عن يمينه تنبيهاً على ما هو السنة من وقوف المأموم الواحد عن يمين الإمام، فإن وقف عن يساره حوله الإمام مدبها] قال القاري: وفعلها إما لينبهه على مخالفة السنة، أو ليزداد تيقظه لحفظ تلك الأفعال، أو ليزيل ما عده من العاس لرؤية، فجعلت إذا أعفيت يأخذ بشحمة أذني. راد الماوي: أو استعطافاً للصبي المحتاج إلى العطف في مقام العادة، أو إرعاجاً، أو تهيجاً، أو تحريصاً له على قيام الليل وتعلم الدين. **المؤذن:** [أي: بلال، كما هو الطاهر للإعلام بدحول وقت الصلاة.] **ركعتين خفيفتين.** [هما ستتا الصبح.] **أبي حمزة:** نجيم وراء كطلحة، اسمه نصر بن عمران الضبيعي.

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا أبو عوانة، عن قتادة، عن زُرارة بن أوفى، عن سعد بن هشام، عن عائشة رضي الله عنها : أن النبي ﷺ كان إذا لم يُصلِّ بالليل، منعه من ذلك النوم، أو غلبته عيناه، شك من الراوي عن عائشة أو من دونه صلى من النهار ثلثي عشرة ركعة. **حدثنا** محمد بن العلاء، أخبرنا أبو أسامة، عن هشام - يعني ابن حسان - عن محمد بن سيرين، أي قضاء جهده عن ^(۸) أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي ﷺ قال: إذا قام أحدكم من الليل فليفتح صلاته بركتين خفيفتين. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس.

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب کبھی کسی عارض کی وجہ سے رات کو تہجد نہیں پڑھ سکتے تھے تو دن میں (چاشت کے وقت) بارہ رکعتیں پڑھ لیا کرتے تھے۔ **فائدہ:** اگر حضور پر تہجد فرض تھا تو قضا ظاہر ہے اور اگر فرض نہیں تھا تب بیانِ افضلیت کے لئے قضا فرماتے تھے۔ مسلم شریف میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور کا یہ ارشاد بھی وارد ہے: جو شخص اپنا ورد اور معمول رات کو پورا نہ کر سکے اس کو چاہئے کہ صبح کے بعد سے دوپہر تک کسی وقت پورا کر لے، یہ ایسا ہی ہے گویا رات ہی کو پورا کر لیا۔ اسی سے مشائخ سلوک کا یہ معمول ماخوذ ہے کہ ذکر وغیرہ اگر رات کو پورا نہ ہو سکے تو صبح کے وقت اس کو پورا کر لے۔ وقت گزر جانے کی وجہ سے بالکل ترک نہ کر دے کہ پھر نفس اس کا عادی ہو جاتا ہے۔

(۸) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جب رات کو تہجد کے لئے اٹھو تو شروع میں اول دو مختصر رکعتیں پڑھ لو۔ **فائدہ:** تاکہ شروع ہی سے طویل رکعتیں شروع کرنے سے تھکان نہ ہو جائے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضوء ہوتی تھیں اور تحیۃ الوضوء کا مختصر پڑھنا اولیٰ ہے اس لئے ان کو مختصر پڑھنے کا ارشاد ہے اور حضور بھی مختصر پڑھتے تھے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے شرح بخاری میں ایک لطیف بات لکھی ہے، وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی سوتا ہے تو شیطان اُس کے بالوں میں تین گرہیں جادوگر کی طرح سے لگاتا ہے جن میں یہ افسون ہوتا ہے کہ ابھی تو رات بہت ہے اور سوتا رہوں۔ جب آدمی اٹھ کر اللہ کا پاک نام لیتا ہے یعنی کوئی دعا وغیرہ پڑھتا ہے

زرارة بضم الزاي أول الحروف ثم مهملات. معه حاجة دعا إلى اليوم فاختار اليوم فلا حاجة إلى الشك. ثلثي. قال انقاري: فيه دليل على حوار قضاء النافعة بل على استحبابه، وعلى أن صلوۃ الليل ثلثا عشرة ركعة، كما هو المختار عند أبي حنيفة. قال الخ ماسة الحديث بالترجمة بأن أمره شيء يقتضي فعله ﷺ فليفتح صلاته [أي: الأحد أو الليل، ولعلها صلاة التهجّد.]

ح وحدثنا إسحاق بن موسى، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن عبد الله بن أبي بكر، عن أبيه: أن عبد الله بن قيس بن مخرمة أخبره عن^(۹) زيد بن خالد الجهني^{رضي الله عنه} أنه قال: لأرْمُقَنَّ صلوة رسول الله ﷺ فتوسدت عتبه - أو فسطاطه - فصلى رسول الله ﷺ ركعتين خفيفتين،

شك من الراوي

تو ایک گرہ کھل جاتی ہے اور جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھلتی ہے اور جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھلتی ہے۔ چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری گرہ نماز پڑھنے پر کھلتی ہے اس لئے دو رکعت مختصر طور پر پڑھنے کا حکم ہے تاکہ وہ تیسری گرہ بھی کھل جائے اور پھر ساری نماز شیطان کے اثر سے محفوظ ہونے کے بعد پڑھی جائے۔ نبی کریم ﷺ شیطان کے تسلط سے گو محفوظ تھے مگر حضور کا معمول اُمت کی تعلیم کے لحاظ سے ایسے امور کی رعایت فرمانے کا تھا جن کی اُمت کو احتیاج ہو، اس لئے نبی کریم ﷺ بھی بسا اوقات ان مختصر رکعتوں کو پڑھتے تھے جیسا کہ بعض روایات میں وارد ہے۔

(۹) حضرت زید بن خالد^{رضي الله عنه} فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن یہ ارادہ کیا کہ حضور اقدس ﷺ کی نماز کو آج غور سے دیکھوں گا۔ میں آپ کے مکان یا خیمہ کی چوکھٹ پر سر رکھ کر لیٹ گیا (تاکہ غور سے دیکھتا رہوں) حضور اقدس ﷺ نے اول دو مختصر رکعتیں پڑھیں اُس کے بعد طویل طویل رکعتیں پڑھیں (تین دفعہ طویل کا لفظ اس کے زیادتی طول بیان کرنے کے لئے فرمایا) پھر اُن سے مختصر دو رکعتیں پڑھیں، پھر اُن سے بھی مختصر دو رکعتیں پڑھیں، پھر اُن سے بھی مختصر دو رکعتیں، پھر اُن سے بھی مختصر دو رکعتیں پڑھیں، پھر وتر پڑھے۔ یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔

فائدہ: جو لوگ وتر کی ایک رکعت ہونے کے قائل ہیں اُن کے نزدیک چھ مرتبہ دو دو رکعتیں نوافل اور ایک رکعت وتر، کل تیرہ ہوئیں اور جن کے نزدیک وتر تین رکعت ہیں اُن کے نزدیک کل پندرہ رکعتیں ہوئیں، تیرہ رکعتیں فرمانا اس بنا پر ہے کہ تحتہ الوضوء شروع کی دو رکعت اس میں شمار نہیں کی گئیں۔ بعض روایتوں میں ”پھر اُن سے مختصر دو رکعت پڑھیں“

عبد الله. هو عبد الله بن أبي بكر بن محمد بن عمرو بن حرم، فما في بعض النسخ من زيادة الناء في آخر لفظ "أبي بكر" سهو من الناسخ. الجهني. بضم الحيم وفتح الهاء، نسبة إلى قبيلة جهينة. لأرْمُقَنَّ [أي: لأُنظرون من الرمي، وهو: النظر إلى الشيء على وجه المراقبة.] فتوسدت عتبه [أي: جعلتها وسادة، والعتبة: هي الدرجة التي يوطأ عليها.] فسطاطه بضم فاء ويكسر، بيت من شعر، وهو شك من الراوي. عن زيد أنه توسد عتبة بيته أو عتة فسطاطه، والظاهر الثاني، لأن الاطلاع على صلواته ﷺ إنما يتصور حال كونه في الحيمة في دوران السفر الخالي عن الأرواج الطاهرات قاله القاري، وهو مختار المساوي؛ إذ قال: الظاهر أن ذلك كان في السفر؛ فإنه عند سائته في الحضر، فلا يمكن أن يرمقه ريد.

ثم صلى ركعتين طويلتين طويلتين، ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما، ثم صلى
ركعتين وهما دون اللتين قبلهما، ثم صلى ركعتين وهما دون اللتين قبلهما، ثم صلى ركعتين وهما
دون اللتين قبلهما، ثم أوتر، فذلك ثلث عشرة ركعة. حدثنا إسحاق بن موسى، حدثنا معن،
حدثنا مالك، عن سعيد بن أبي سعيد المقبري، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن أنه أخبره:
أنه سأل عائشة كيف كان صلوة رسول الله ﷺ في رمضان؟

یہ لفظ بجائے چار مرتبہ کے تین مرتبہ ہے، اس صورت میں تحیۃ الوضوء کی دو خفیف رکعتیں جو شروع میں وارد ہوئی ہیں اُن کے باوجود دس رکعت نوافل ہوتی ہیں۔ ایسی حالت میں لامحالہ وتر کو تین ہی رکعت ماننا پڑے گا، ایک رکعت ماننے کی صورت میں تیرہ رکعت کا عدد پورا نہ ہوگا۔ اس حدیث میں ایک لفظ گزرا ہے کہ ”آپ کے مکان یا خیمہ کی چوکھٹ پر“ یہ کسی راوی کو شک ہے کہ اُستاد نے مکان کی چوکھٹ کہا تھا یا خیمہ کی، اور یہ حضرات محدثین **رحمۃ اللہ علیہم** کی غایت احتیاط ہوتی ہے کہ جس لفظ میں اُن کو ذرا بھی تردد ہوا کرتا ہے اُس کو ظاہر فرما دیا کرتے ہیں۔ لیکن ظاہر یہ ہے کہ خیمہ کی چوکھٹ مراد ہے اور یہ قصہ کسی سفر کا ہے، اس لئے کہ مدینہ طیبہ کے قیام میں حضور کا معمول زنانہ مکان میں آرام فرمانے کا تھا، وہاں کوئی سی بیوی پاس ہوتی تھیں، اس لئے حضرت خالد کو دیکھنے کا موقع نہ مل سکتا تھا، سفر میں یہ صورت کہ خیمہ میں حضور تنہا آرام فرما رہے ہوں، بیبیوں میں سے کوئی ساتھ نہ ہوں، قرین قیاس ہے، اس لئے یہی اقرب ہے۔ اکثر علماء نے اس قصہ کو سفر ہی کا تجویز فرمایا ہے۔

(۱۰) ابو سلمہ کہتے ہیں کہ انھوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں تہجد

في رمضان قال القاري: أي في لياليه وقت التهجّد، فلا يافيه ما صلاه بعد صلوة العشاء من صلوة التراويح. وكتب الشيخ في البذل: يشكّل عليه ما ورد من روايتها أنه كان يصلي من الليل ثلاث عشرة ركعة، وأيضاً يشكّل عليه بصلوة التراويح، فإنه **صلاها ثلاث ليل** ثم تركها بعد فرضيتها. والحواب عن الأول: أن السائل لما سأل عن صلوة الليل وورد لفظ: "في رمضان" قطي أن عنده أن رسول الله **ﷺ** لعله كان يريد في رمضان على تحجده في غير رمضان فردته بقوها: ما كان 'يريد في رمضان ولا في غيره' أي: في غالب الأحوال والأوقات، وفرضها بهذا الرد على ما بطل أنه **ﷺ** كان يريد في رمضان على غيره، فلا يافيه ما كان يريد في بعض الأوقات، وأما عن الثاني: فإن هذا الحديث لا تعلق له بصلوة التراويح، لأنفيا ولا إثباتاً؛ لأنها صلوة أخرى، والاستدلال بهذا الحديث على أن التراويح ثمان ركعات لغو. هكذا كتاب مولانا محمد يحيى المرحوم من تقرير شيخه. مختصراً.

فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِيَزِيدَ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةِ رَكْعَةٍ، يَصَلِّي أَرْبَعًا لَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ، ثُمَّ يَصَلِّي أَرْبَعًا لَا تَسْأَلُ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطَوْلِهِنَّ، ثُمَّ يَصَلِّي ثَلَاثًا. قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تَوْتِرَ؟ قَالَ: يَا عَائِشَةُ! إِنَّ عَيْنِي تَنَامُ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.

کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ حضور رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے (گویا آٹھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر، چنانچہ خود اس کی تفصیل فرماتی ہیں) کہ اول چار رکعت پڑھتے تھے، یہ نہ پوچھ کہ وہ کتنی طویل ہوتی تھیں اور کس عمدگی کے ساتھ بہترین حالت یعنی خشوع و خضوع سے پڑھی جاتی تھیں۔ اسی طرح پھر چار رکعت اور پڑھتے تھے ان کی بھی لمبائی اور عمدگی کا حال کچھ نہ پوچھ۔ پھر تین رکعات پڑھتے تھے یعنی وتر۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور سے عرض کیا کہ آپ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن دل جاگتا رہتا ہے (یہ انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے کہ ان کے قلوب جاگتے رہتے ہیں)۔

فائدہ: اس حدیث میں چند ضروری مباحث ہیں جن میں سے دو ذکر کئے جاتے ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس حدیث میں رمضان اور غیر رمضان میں تہجد کی گیارہ رکعت سے زیادہ کی نفی فرماتی ہیں، حالانکہ حضرت ابن عباس، زید بن خالد وغیرہ وغیرہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی روایات سے تیرہ ثابت ہے بلکہ بعض روایات میں تیرہ سے زیادہ بھی وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ابو داؤد میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عبد اللہ بن ابی قیس کے سوال پر حضور کی شب کی نماز کی رکعات یہ گنوائی ہیں کہ چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ اور تین، دس اور تین جو تیرہ ہوتی ہیں۔ حتیٰ کہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی تیرہ رکعتیں نقل کی گئی ہیں،

أَتَمَّ: المشهور عند الشراح في معنى الحديث أنها تعني أن الوتر ربما يفوت بأن لا يستيقظ في الوقت، ثم أشكلوا عليه بقصة ليلة التكريس، فأجابوا عنها بأجوبة عديدة، والأوجه عندي: أن الحديث من باب نقض الوضوء باليوم دون باب الوقت، والمعنى: أنك تام قبل الوتر بعد الاستيقاظ ولا تجدد الوضوء أحياناً، فأجابها عليه بأن قله يقظان فيترك الحدث، فلا يتراد ولا جواب، فتأمل. أتم قبل أن توتر [مع أنك أمرت بعض أصحابك بالوتر قبل النوم مخافة أن يعلب اليوم فيموت الوتر]. ولا ينام قلبي [أي: فلا أخاف فوت الوتر، ومن أمن فوته سن له تأخير، الحاصل: أن من وثق بيقظته سن له تأخير، ومن لم يثق بما سن له تقديمه].

چنانچہ ابو داؤد کی ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور ﷺ سات رکعات سے کم اور تیرہ سے زیادہ نہ پڑھتے تھے اور مؤطا امام مالک کی روایت ہے:

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: كان رسول الله ﷺ يُصَلِّي بالليل ثلاث عشرة ركعة، ثم يصلي إذا سمع النداء للصبح بركعتين خفيفتين.

یعنی حضور رات کو تیرہ رکعت پڑھتے تھے، اُس کے بعد صبح کی اذان پر دو رکعت صبح کی سنتیں پڑھتے تھے۔ بعض علماء نے تو اس اختلاف کو دیکھ کر یہ کہہ دیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایتیں تہجد کی رکعات کے بارے میں مضطرب ہیں یعنی ضعیف ہیں، لیکن مضطرب کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس میں کیا اشکال ہے! کہ گیارہ رکعات اکثر اوقات اور عام معمول کے اعتبار سے ہوں اور کبھی کبھی ان سے کم و بیش بھی حضور نے پڑھی ہوں، جیسا کہ دوسری روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ دوسری بحث یہ ہے کہ بعض لوگ اس حدیث سے یہ بھی مسد نکالتے ہیں کہ تراویح بھی آٹھ رکعت ہے، حالانکہ اس روایت سے تہجد کا صرف آٹھ رکعت ہونا بھی معلوم نہیں ہوتا جیسا کہ پہلے گزر چکا، چہ جائیکہ تراویح۔

اس حدیث کو تراویح سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ صلوۃ اللیل کے لفظی معنی رات کی نماز کے ہیں، لیکن اس سے مراد قرینہ سے تہجد کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ اس سے اگر رات کی ہر نماز مراد لی جائے تو تراویح کے ساتھ مغرب اور عشاء کے فرض اور اُن کی سنتیں سب ہی خارج ہو جائیں گی جن کو کوئی بھی نہیں نکال سکتا۔ غرض اس حدیث میں صرف تہجد کا ذکر ہے، وہی پوچھنا مقصود ہے، اسی کا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جواب مرحمت فرمایا، اور بظاہر پوچھنے کی یہ ضرورت پیش آئی تھی کہ حضور کی عادت شریفہ رمضان المبارک میں زیادتی عبادت کی تھی جیسا کہ متعدد روایات میں آیا ہے، اس لئے ابو سلمہ کو خیال ہوا کہ شاید تہجد کے عدد رکعات میں بھی کچھ اضافہ فرماتے ہوں اس لئے پوچھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اُس کی نفی فرمادی، ورنہ خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بھی یہ مقصود نہیں کہ تراویح تو درکنار تہجد کی رکعات بھی گیارہ سے زیادہ کبھی نہیں ہوتی تھیں، اس لئے کہ تیرہ رکعات تک خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ثابت ہو چکا ہے۔

تراویح کے بارے میں حضرت اقدس فخر المحدثین مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مفصل رسالہ ”الرأي الصحيح“ اردو میں شائع شدہ ہے، جس کا دل چاہے اُسے دیکھ لے۔ مختصر امر یہ ہے کہ احادیث میں تہجد کو صلوۃ اللیل (رات کی نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے اور تراویح کو قیام رمضان (رمضان کی نماز) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہ دونوں نمازیں علیحدہ علیحدہ ہیں۔

متعدد علماء نے اس پر اجماع نقل کیا ہے کہ قیام رمضان سے تراویح مراد ہے۔ نبی کریم ﷺ کو قیام رمضان کا بہت اہتمام تھا، متعدد احادیث میں قولاً اور فعلاً اس کی اہمیت وارد ہے۔ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص ایمان اور ثواب کی امید کے ساتھ قیام رمضان کرے، اُس نے جتنے بھی گناہ کیے ہیں تمام معاف ہو جاتے ہیں (علاء کے نزدیک صغار مراد ہیں) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ قیام رمضان کا ایجابی حکم تو نہ فرماتے تھے البتہ ترغیب دیا کرتے تھے، خود نبی اکرم ﷺ کبھی کبھی بڑی لمبی جماعت کے ساتھ اس نماز کو پڑھتے تھے اور ہمیشہ نہ پڑھنے کا یہ عذر فرماتے تھے کہ مجھے اس کے فرض ہو جانے کا اندیشہ ہے، اور حضور کے ہمیشہ پڑھنے سے فرض ہو جانا کئی وجوہ سے محتمل تھا۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم متفرق طور پر کچھ تنہا اور کچھ جماعت میں پڑھتے تھے جو تقریباً نصف رات تک پڑھتے تھے اور کبھی اس سے بھی زیادہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں ان متفرق جماعتوں اور علیحدہ پڑھنے والوں کو ایک امام کے پیچھے پڑھنے کا حکم فرما دیا کہ انتشار نہ ہو۔ سائب کہتے ہیں کہ امام عموماً ہر رکعت میں سو سو آیتوں والی سورتیں پڑھتے تھے، ہم لوگ کھڑے کھڑے تھکان کی وجہ سے کسی چیز پر سہارا لگاتے تھے اور سحر کے قریب فارغ ہوتے تھے۔

بہت سے علماء نے لکھا ہے کہ تراویح کے مسنون ہونے پر اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے اور اہل قبلہ میں سے روافض کے سوا کوئی فرقہ بھی اس کا انکار نہیں کرتا۔ ائمہ اربعہ یعنی امام اعظم، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم سب حضرات کے فقہ کی کتابوں میں اس کی تصریح ہے کہ تراویح کی بیس رکعات سنت مؤکدہ ہیں، البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مشہور قول کے موافق چھتیس رکعتیں ہیں۔ فقہ حنبلی کی مشہور کتاب ”مغنی“ میں لکھا ہے کہ امام احمد کے نزدیک رائج قول بیس رکعات کا ہے اور یہی مذہب ہے سفیان ثوری اور امام ابو حنیفہ، امام شافعی کا، البتہ امام مالک کے نزدیک چھتیس رکعات ہیں۔ امام مالک سے نقل کیا گیا کہ میرے پاس بادشاہ کا قاصد آیا کہ تراویح کی رکعات میں تخفیف کی اجازت دے دی جائے، میں نے انکار کر دیا۔ امام مالک کے شاگرد کہتے ہیں کہ مدینہ میں انتالیس رکعات پڑھی جاتی تھیں، یعنی چھتیس تراویح اور تین وتر۔ او جز میں یہ بحث مفصل ہے۔ میرے اساتذہ کا ارشاد ہے کہ مدینہ میں چھتیس رکعات جو پڑھی جاتی تھیں، ان میں بیس تراویح ہوتی تھیں، لیکن ہر ترویج میں اتنی دیر ٹھہرنا مستحب ہے جتنی دیر میں چار رکعت پڑھے اس لئے وہ حضرات ہر ترویج میں چار رکعت نفل پڑھ لیتے تھے، اس لئے یہ سولہ رکعات چار درمیانی ترویجوں کی بڑھ گئیں۔ بہر حال یہ مالکیہ کا مذہب ہے، بقیہ تینوں اماموں کے نزدیک رائج قول بیس رکعات ہی کا ہے۔

حدثنا إسحاق بن موسى، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن ابن شهاب، عن عروة، **عن عائشة** **رضي الله عنها** أن رسول الله ﷺ كان يُصلي من الليل إحدى عشرة ركعة، يوتر منها بواحدة، فإذا فرغ منها اضطجع على شقه الأيمن. **حدثنا** ابن أبي عمر، أخبرنا معن، عن مالك، عن ابن شهاب، نحوه. وحدثنا قتيبة، عن مالك، عن ابن شهاب، نحوه.

(۱۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گیارہ رکعت پڑھا کرتے تھے جس میں ایک رکعت وتر ہوتی تھی۔ جب آپ اس سے فارغ ہوتے تو اپنی دائیں کروٹ پر آرام فرماتے۔ **فائدہ:** یہ حدیث خود اس پہلی حدیث کے خلاف ہے جس میں آٹھ رکعت کا بیان تھا، اسی وجہ سے بعض علماء نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایات میں کلام کیا ہے جیسا کہ پہلی حدیث کے ذیل میں گزر چکا۔ البتہ توجیہ کے درجہ میں اس اختلاف روایات کو اختلاف اوقات پر محمول کیا جاسکتا ہے۔ گاہے حضور اکرم ﷺ آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے اور گاہے کم و بیش۔ دوسرا مسئلہ وتر کی ایک رکعت کا ہے۔ وتر کے بارے میں چند اختلافات ہیں۔ سب سے اول اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کے نزدیک وہ واجب ہے۔

بعض دیگر ائمہ کے نزدیک مستحب ہے۔ حدیث چونکہ اس سے ساکت ہے اس لئے اس بحث کو چھوڑ دیا گیا۔ دوسرا اختلاف اس کی رکعات میں ہے حنفیہ کے نزدیک تین رکعتیں حتیٰ ایک سلام سے ہیں، دوسرے بعض اماموں کے نزدیک ایک رکعت ہے۔ اُن میں بھی اختلاف ہے، بعض صرف ایک رکعت فرماتے ہیں اور بعض ائمہ ایک رکعت کے ساتھ اُس سے پہلے دو رکعت علیحدہ سلام کے ساتھ واجب بتاتے ہیں۔ احادیث میں مختلف روایات اس بارے میں وارد ہوئی ہیں جن کی ترجیح میں ائمہ میں اختلاف ہوا اسی وجہ سے اس مسئلہ میں اختلاف ہوا۔ حنفیہ اپنے مسلک پر چند احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔

اصطح عنی سمعہ الامس [لیام حتی یأتیہ امودن فیودہ بالصلاة کما تقدم.]

نحوہ اختلفت السح في ذكر لفظ 'نحوه' ولفظ 'ح' التحويل، ففي بعضها أحدهما وفي بعضها ذكرهما معا، ولا وجه لذكرهما معا، والوجه الاختصار عنی أحدهما، والمقصود بيان الطرف عديدة الرواية المتقدمة، قال القاري: إجماع السح على قوله: "وحدثنا قتيبة" بالواو العاطفة يدل على ثبوت التحويل، سواء ضم معه لفظ "نحوه" للتأكيد أو حذف، نعم! كان حق التحويل أن يوتى بعد قوله "حدثنا معن"، كما لا يخفى.

حدثنا هناد، حدثنا أبو الأحوص، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن الأسود، عن عائشة رضی اللہ عنہا

اول عبد اللہ بن ابی قیس کی وہ روایت جو ابو داؤد وغیرہ نے ذکر کی ہے، گزشتہ حدیث کی بحث اول میں گزر چکی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کی شب کی نماز چار اور تین، چھ اور تین، آٹھ اور تین، دس اور تین رکعتیں ذکر فرمائیں۔ اس تکلف کے ساتھ ذکر کرنا اور تین رکعت کو ہر جگہ بلا کم و زیادہ علیحدہ ذکر کرنا اس پر صاف دلیل ہے کہ یہ کوئی ایسی نماز ہے جس میں کمی زیادتی نہیں ہوتی تھی یہ تین ہی رکعتیں رہتی تھیں، ورنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سات، نو، گیارہ فرماتیں۔ چار اور تین، چھ اور تین وغیرہ کیوں فرماتیں۔

دوم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے حنفیہ کی دلیل یہ لکھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا اس پر اجماع ہے کہ تین رکعات وتر جائز و مستحسن ہیں اور اس سے کم میں اختلاف ہے۔ بعض کے نزدیک ایک رکعت بھی جائز ہے اور بعض کے نزدیک جائز ہی نہیں، اور یہ ظاہر ہے کہ صحابہ کا مجمع علیہ قول اولیٰ ہے مختلف فیہ سے۔ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ جو مشہور محدثین اور اکابر صوفیہ میں ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ وتر تین رکعت ہیں۔ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ عمر ثانی رضی اللہ عنہ نے علمائے مدینہ سے تحقیق کے بعد یہ حکم نافذ کر دیا تھا کہ وتر تین رکعات پڑھی جائیں۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وتر کی تین رکعات میں دو پر سلام پھیرتے ہیں اور تیسری رکعت علیحدہ پڑھتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ ان کے باپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تینوں رکعات ایک ہی سلام سے پڑھتے تھے اور وہ ابن عمر سے زیادہ عالم تھے۔ **سوم:** احادیث میں ایک رکعت پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ حضرت سعد وتر کی ایک رکعت پڑھتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا کہ ایک رکعت نماز ہی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اور بہت سے طریقوں سے حنفیہ استدلال فرماتے ہیں۔ علماء نے اس بارے میں مستقل رسائل تحریر فرمائے ہیں۔ اس رسالہ میں فقہی مسائل سے بحث نہیں کی گئی، بقدر ضرورت مختصر اشارے کر دیے گئے۔

(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نو رکعات پڑھتے تھے۔

فائدہ: حنفیہ کے نزدیک چھ رکعت تہجد اور تین رکعت وتر۔ چنانچہ عبد اللہ بن ابی قیس کی روایت میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے چھ اور تین فرمایا۔

قالت: كان رسول الله ﷺ يُصَلِّي من الليل تسع ركعات. **حدثنا** محمود بن غيلان، **حدثنا** يحيى بن آدم، **حدثنا** سفيان الثوري، عن الأعمش، نحوه. **حدثنا** محمد بن المثني، **حدثنا** محمد بن جعفر، **حدثنا** شعبة، عن عمرو بن مرة، عن أبي حمزة - رجل من الأنصار - عن رجل من بني عبس، **عن** حذيفة بن اليمان **رضي** الله عنه: أنه صَلَّى مع رسول الله ﷺ من الليل،

(۱۳) حضرت حذیفہ **رضی** اللہ عنہ کہتے ہیں کہ انھوں نے ایک رات حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی (بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ قصہ رمضان المبارک کی رات کا تھا، اس لئے محتمل ہے کہ یہ تہجد کی نماز ہو یا تراویح ہوں) حضور نے نماز شروع فرما کر یہ دعا پڑھی: اللہ اکبر ذو الملکوت والجبروت والکبرياء والعظمة (اللہ تعالیٰ کی ذات والا صفات سب سے برتر ہے۔ وہ ایسی ذات ہے جو بڑی بادشاہت والی ہے، بڑے غلبہ والی ہے، بڑائی اور بزرگی و عظمت والی ذات ہے) پھر حضور نے (سورۃ فاتحہ پڑھ کر) سورۃ بقرہ تلاوت فرمائی، پھر رکوع کیا۔ یہ رکوع قیام ہی جیسا تھا (اس کے دو مطلب علماء فرماتے ہیں اور دونوں محتمل ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ رکوع تقریباً اتنا ہی طویل تھا کہ جتنا قیام یعنی اگر قیام، مثلاً ایک گھنٹہ کا تھا تو تقریباً ایک ہی گھنٹہ کا رکوع بھی تھا۔ اس قول کے موافق اس حدیث سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر رکوع سجدہ نماز میں عام معمول سے زیادہ لمبا ہو جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ جیسے قیام معمول سے زائد تھا

سبع قال القرطبي: استشكل حديثها على كثير حتى سبب إلى الاضطراب، وأجيب: بأنه إنما يتم لو اتخذ الراوي عنها وبوقت والصلوة، والصواب حمه على أوقات متعددة وأحوال مختلفة، فتارة بصبي سعا وتارة تسعاً وتارة إحدى عشرة وهو الأعيب. **و** حمزه قال القاري: قال المؤلف في جامعه: أبو حمزة عندنا طلحة بن زيد، وقال النسائي: هو عندنا طلحة بن يزيد، قال ميرك: هو قول الأكثر. قلت: وبه جرم أهل الرجال، وسيأتي شيء منه في آخر الحديث.

بني عبس مهملتين بينهما موحدة تخنية ساكنة كفلس، اسمه صلة بن زهر العسي الكوفي، حكاها القاري عن المدري **مع رسول الله** قال البيهقوري. أي: جماعة، فإن كانت الصلوة صوة التراويح فالأمر طاهر؛ لأن الجماعة مشروعة فيها، وإن كانت غيرها ففعلها جماعة جائز، ويؤيده ظاهر السياق من أن الأربع ركعات كانت بسلام واحد، وعنى كونها صلوة التراويح يتعين أنها كانت بسلامين؛ لأن التراويح يجب فيها السلام من كل ركعتين، ولا يصح فيها أربع ركعات بسلام واحد. **من الليل** 'من' لشعبيص أو بمعنى 'في'، ولعل أحمد والنسائي: أنه معه في ليلة من رمضان.

قال: فلما دخل في الصلوة قال: الله أكبر ذو الملكوت والجبروت، والكبرياء والعظمة، قال: ثم

المثل والنساء للصاعدة

قرأ البقرة، ثم ركع فكان ركوعه نحواً من قيامه،

أي يكماها كما هو صاهر لعمارة

ایسے ہی یہ رکوع بھی معمولی رکوع سے طویل تھا۔ اس صورت میں قیام کے ایک گھنٹہ ہونے کی صورت میں رکوع اگر پندرہ منٹ کا بھی ہو گیا تو اس حدیث کا مصداق بن گیا۔ اس قول کے موافق نماز اپنے عام معمول کے موافق رہی یعنی جو رکن لمبا ہوتا ہے جیسا کھڑا ہونا، وہ لمبا رہا اور جو مختصر ہوتا تھا جیسے رکوع یا سجدہ، وہ مختصر رہا، البتہ ہر رکن عام نمازوں کے اعتبار سے بڑھا ہوا تھا۔ حضور اپنے اس رکوع میں سبحان ربی العظیم، سبحان ربی العظیم فرماتے رہے۔ رکوع سے سر اٹھا کر کھڑے ہوئے اور یہ کھڑا ہونا بھی رکوع ہی جیسا تھا۔ اُس وقت لربی الحمد، لربی الحمد فرماتے رہے، پھر سجدہ ادا کیا اور وہ سجدہ بھی کھڑے ہونے کے برابر ہی تھا۔ اُس میں سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ فرماتے رہے، پھر سجدہ سے اٹھ کر بیٹھے۔ یہ بھی سجدہ کی طرح سے طویل تھا، اس میں حضور ﷺ رب اغفر لی، رب اغفر لی فرماتے رہے۔ غرض حضور نے اپنی اس نماز میں سورۃ بقرہ، سورۃ آل عمران، سورۃ نساء، سورۃ مائدۃ یا سورۃ النعام (راوی کو ان اخیر کی دو سورتوں میں شک ہو گیا کہ کون سی تھی، لیکن اول کی تین محقق ہیں۔ غرض تینوں سورتیں وہ اور ان دونوں میں سے ایک سورت) یہ چاروں سورتیں تلاوت فرمائیں۔ فائدہ: اس حدیث کا ظاہر اس پر دلالت کرتا ہے کہ یہ چاروں سورتیں تلاوت فرمائیں، لیکن مسلم وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضور نے سورۃ بقرہ، سورۃ نساء، سورۃ آل عمران تین سورتیں ایک ہی رکعت میں تلاوت فرمائیں۔ اس لئے مسلم اور ابو داؤد کی روایت کے موافق بظاہر دو قسے علیحدہ علیحدہ ہیں۔

دخل: [أي: بتكبير الإحرام.] قال: قال القاري: الأظهر أنه بعد تكبيرة التحريمة، وقال المناوي: أي: أراد الدخول فيها. ذو الملكوت [صاحب الملك والعزة.] والجبروت [الحبر والقهر.] والكبرياء: [الترفع عن جميع الخلق مع انقيادهم له، والتسزه عن كل نقص.] والعظمة: [تجاوز القدر عن الإحاطة به، وقيل: الكبرياء عبارة عن كمال الذات، والعظمة عبارة عن جمال الصفات.] قال [أي: حديفة بن اليمان.] البقرة أي بعد العاتجة لا كما توهم أنه افتتحها، بدو الفاتحة، ولم يذكرها الراوي اعتماداً على فهم السامع، وكان معروفاً من عادته، فقد قال: لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب.

من قيامه قال القاري: المراد أن ركوعه كان متجاوزاً عن المعهود كالقيام، وأعرب من رعم أن "من" هذه لبيان، حيث قال: هذا بيان لقوله "نحواً" أي: مثلاً. وقال المناوي: والطرف متعلق بـ "نحو" المتضمن معنى القرب، أي: قريباً.

وكان يقول: **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ**، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ، ثم رفع رأسه، فكان قيامه نحوًا من ركوعه، وكان يقول: لِرَبِّيَ الْحَمْدُ، ثم سجد فكان سجوده نحوًا من قيامه، وكان يقول: **سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى**، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى، ثم رفع رأسه فكان ما بين السجدين نحوًا من السجود، وكان يقول: رَبِّ اغْفِرْ لِي، رَبِّ اغْفِرْ لِي، حتى قرأ البقرة وآل عمران والنساء والمائدة أو الأنعام - ^[أي: في جلوسه] شعبة الذي شدّ في المائدة والأنعام - قال أبو عيسى: وأبو حمزة اسمه طليحة بن زيد، وأبو حمزة الضُّبَعِيُّ اسمه نصر بن عمران.

اگرچہ یہ بھی احتمال ہے یہ ایک ہی فقرہ ہو اور کوئی سی روایت میں کچھ سہو واقع ہو گیا ہو۔ لیکن غلطی پر حمل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں جب کہ حضور اقدس ﷺ کا لمبی لمبی نماز پڑھنا روزانہ کا معمول تھا، اس لئے ایک مرتبہ چار سورتیں چار رکعت میں اور ایک مرتبہ تین سورتیں ایک رکعت میں پڑھی ہوں تو کیا مانع ہے۔

يقول إلخ كثر الألفاظ لإفادته الكثير. أو إشارة إلى جمع كل من نسي نفس واحد، ذكره جمع من الشراح. **سبحان ربّي العظيم** [مرتان، مرد منها التكرار مرار كثيرة، فك يكرر هذه كلمة مادام ركعاً | **فكان قيامه** فيه حجة للجمهور، منهم لأئمة الثلاثة، أن من أصل الاعتدال أو حصة تصح صومه، خلافاً لشافعية فإن الشافعي لا دليل فيه ما ذهب أكثر الشافعية، منهم سبوي: أن الاعتدال والقبول بين سجدين ركعتين صولان، من المذهب أنهما ركعتان قصيران، فمضى زاد فيهما على قدر الذكر المشروع عمداً لمطلبت صلوته. **حتى قرأ** ظاهره أنه قرأ لسور الأربع في الركعت الأربع، وبه صرح رواية أبي داود، لكن رواية شيوخ طهره في أنه قرأ بكل في ركعة، فعل الواقعة بعدد، قاله الشافعي، ونقصه بقاري بأن الرواية مسمومة وحده لا سحاري، وأنه قرأ سور ثلاث أي: البقرة وآل عمران والنساء في ركعة، ثم قرأ فلما أن جلس على بعد الواقعة ونكسوا تسوية حديدة معه ^[أي: في البيت] وقعت في بيتين، في أحدهما قرأ سور ثلاث في ركعة، وفي الأخرى قرأ سور الأربع في أربع ركعات، أو يقال إن في رواية أبي داود والترمذي وهما، والنسب رواية مسمومة وسائلي، فإن فيهما التفصيل والنسب **قال أبو عيسى** إلخ عرص المصنف، أن أن حمزة راوي في أول نسبه مختلف في اسمه، وأيضاً كان يحتمل نسي أبي حمزة الصنعبي رجل آخر من الرواة، في أول اسمه وذكر بعده اسم أبي حمزة الصنعبي أنه رجل آخر، اسمه نصر بن عمران. وأبو طلحة هذا الذي في سند الترمذي مختلف في اسمه، كما تقدم في أول السند.

حدثنا أبو بكر محمد بن نافع البصري، حدثنا عبد الصمد بن عبد الوارث، عن إسماعيل بن مسلم العبدی، عن أبي المتوكل، **عن** عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قام رسول الله ﷺ **بآية من القرآن ليلة**.

یعنی صلی رسول اللہ ﷺ

(۱۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک رات تہجد میں صرف ایک آیت کو تکرار فرماتے رہے۔ **فائدہ:** وہ آیت سورہ ملکہ کے اخیر رکوع کی آیت: ﴿لَعَنَهُمُ فِيْهَا عَذْرَاءٌ اُنْعَمَ لَهُمُ فَسَتْ لُبُّ الْغُرِّ الْحَكِيْمَةِ﴾ [المائدة: ۱۱۸] تھی۔ اے اللہ! اگر تو ان سب کو عذاب دینا چاہے تو یہ تیرے بندے ہیں یعنی ہر طرح سے تیری ملک ہیں، تیری چیز ہیں، تو جو چاہے تصرف فرما دے اور اگر تو ان کی مغفرت فرما دے اور سب کو معاف کر دے تو تیری شان سے کچھ بھی بعید نہیں۔ تو بڑی قدرت والا ہے، بڑی حکمت والا ہے۔

فائدہ: جس شخص کو زبردست قدرت حاصل ہو وہ جس مجرم کو چاہے معافی دے دے اور جو بڑی حکمت والا ہو اُس کے ہر فعل میں حکمت اور مصالح ہو سکتے ہیں۔ حضور کا کھڑے ہونے میں اور رکوع سجدہ میں بھی اس آیت کو پڑھتے رہنا اور بار بار دہراتے رہنا اللہ جل جلالہ کی دو صفت عدل و مغفرت کے متحضر ہو جانے کی وجہ سے تھا کہ قیامت کا سارا منظر انہی دو صفوں کا مظہر ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بھی نقل کیا گیا ہے کہ ایک شب تمام رات یہ آیت پڑھتے رہے: ﴿وَمَرْءٌ اَنْتُمْ لَا تَخْرُجُوْنَ﴾ [یس: ۵۹] اس آیت شریفہ میں بھی قیمت کے منظر کا بیان ہے، کہ اُس دن یہ حکم ہو گا کہ آج مجرم لوگ غیر مجرموں سے علیحدہ اور ممتاز ہو جائیں۔ کس قدر سخت اور کپکپا دینے والا حکم ہے کہ آج اللہ والوں کے ساتھ ملے جلے ہیں، ان کی برکات سے نفع اٹھا رہے ہیں لیکن اُس وقت مجرم لوگوں کو ان سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اللہ ہی اپنے فضل سے وہاں بھی ان مقدس نفوس کے زیر سایہ رکھے ورنہ بڑی ہی مشکلات ہیں۔

العبدی نسبة لبي عبد قيس، فبينة مشهورة. **أبي المتوكل** اساجي، اسمه عبي بن دواد بضم الدال وبقية الواو، وقيل: دواد بفتح الدال. **بآية من القرآن** وهي ﴿لَعَنَهُمُ فِيْهَا عَذْرَاءٌ﴾ [المائدة: ۱۱۸] وكان ﷺ يركع ويسجد كما رواه أبو عبيد وغيره، ويشكك عليه. ما في رواية مسموعه من الهی عن القراءة في الركوع والسجود، وأجيب: بأنه يحتمل أن يكون لبيان الحوار إشارة إلى أن الهی لتسريه، أو قبل الهی، أو بوجه بأن المعنى يركع ويسجد عنقضي هذه الآية، مثلاً. يفظ 'سجود' في العبر الحكيمة. ليلة [أي: كلها، قد استمر يكررها ليلته كلها في ركعات سجده، فعم يقرأ فيها بعبرها، وبما كررها؛ لما اعتراه عند قراءتها من هون ما ابتدأت به، ومن حلاوة ما احتتمت به.]

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا سليمان بن حرب، حدثنا شعبة، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن عبد الله قال: صليت ليلة مع رسول الله ﷺ فلم يزل قائماً حتى هممت بأمر سوء، قيل له: وما هممت به؟ قال: هممت أن أقعد وأدع النبي ﷺ. **حدثنا** سفيان بن وكيع، حدثنا جرير، عن الأعمش، نحوه. **حدثنا** إسحاق بن موسى الأنصاري، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن أبي النضر، عن أبي سلمة،

(۵) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، حضور نے اتنا طویل قیام فرمایا کہ میں نے ایک بُرے کام کا ارادہ کر لیا۔ کسی نے پوچھا کہ کس کام کا ارادہ کر لیا تھا؟ کہنے لگے کہ میں بیٹھ جاؤں اور حضور کو تہا چھوڑ دوں۔

فائدہ اس کے دو مطلب محتمل ہیں کہ بیٹھ کر نماز پڑھنے لگوں اور حضور تہا کھڑے رہیں۔ یہ اس بناء پر بُرا ارادہ تھا کہ بے ادبی کو متناول تھا، اور ہو سکتا ہے کہ بیٹھ جاؤں کا یہ مطلب ہے کہ نماز ہی پڑھنی چھوڑ دوں۔ اس کا بُرا ہونا بالکل ظاہر ہے کہ حضور کے ساتھ ساتھ نماز کی بھی بے ادبی اور اس سے لا پرواہی بھی معوم ہوتی ہے کہ حضور کے ساتھ نماز پڑھتے پڑھتے نیت توڑ کے بیٹھ جائیں۔ مگر کھڑے کھڑے جب تھک گئے تو اس قسم کے خیال آنے لگے۔

سوء بالفتح، يقض اسرة، مصدر وبالضم اسم، وشاع الإصافة بن المفتوح، قاه اسوي، وقال القاري: بأمر سوء بالإصافة، وروي بقصعها على لصفة، قال ميرك: الرواية بالإصافة كما يفهم من كلام الحافظ ابن حجر، وحور الكرماني أن يكون بالصفة.

أقعد قال القاري: أي: أصبى قاعداً وأتركه، يصي قائماً، أو معنى 'أقعد' لا أصبى معه، بعد دلت الشمع وأتركه يصبي، وكلاهما أمر سوء في الجملة، لظهور صورة المخالفة وما يتبادر إلى ذهنه أن مراده بصل لصوة لإطالة وقعوده لئلا يطل، لقوله على، لا يصح، [محمد: ۳۳] فلا يجوز حمل فعل صحابي حين عني دلت، مختصراً، وقال اسوي مؤولاً على مسند الشافعية: أي: يوي قصع بقودة وبسم صوتته مفرداً، لا أنه يقصع صوتته كما صه الفسطلاني وغيره؛ لأن دلت لا يبين تجللة ابن مسعود، قنت. وظاهر السياق مع القسطلاني وغيره.

عن عائشة رضی اللہ عنہا: أن النبي ﷺ كان يُصَلِّي جالسا فقراً وهو جالس، فإذا بقي من قراءته قدر ما يكون ثلاثين أو أربعين آية قام فقراً وهو قائم، ثم ركع وسجد، ثم صنع في الركعة الثانية مثل ذلك. **حدثنا** أحمد بن منيع، حدثنا هُشَيْم، أنبأنا خالد الخذاء،

(۱۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (زمانہ ضعف میں) نوافل میں قرآن شریف (چونکہ زیادہ پڑھتے تھے اس لئے) بیٹھ کر تلاوت فرماتے تھے اور جب رکوع کرنے میں تقریباً تیس چالیس آیت رہ جاتی تھیں تو کھڑے ہو کر تلاوت فرماتے اور رکوع میں تشریف لے جاتے اور کھڑے ہونے کی حالت میں رکوع فرماتے پھر سجدہ کرتے اور اسی طرح دوسری رکعت ادا فرماتے۔ **فائدہ:** بعض علماء نے اس شخص کے لئے جو بیٹھ کر نماز پڑھے، کھڑے ہو کر رکوع سجدہ کرنا ناجائز بتایا ہے۔ مگر جمہور علماء جن میں چاروں امام بھی شامل ہیں، کے نزدیک یہ صورت جائز ہے۔ اسی طرح اس کے خلاف جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھے اُس کو بیٹھ کر رکوع سجدہ کرنا بھی جائز ہے، مگر یہ سب نفیوں میں ہے۔ فرضوں میں جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہے اُس کو بیٹھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے۔

حائس [ومن حصائمه أن تطوعه قاعدا، كهو قائما؛ لأنه مأموں اكسل فلا يقص أحره، بخلاف غيره.] **إذا بقي** فيه إيماء إلى أن الذي كان يقرأه قبل أن يقوم أكثر؛ لأن السقية تطلق في الغالب على الأقل. **أو أربعين** يحتمل أن يكون شكاً من الراوي عن عائشة أو من دونه، ويحتمل أن يكون من كلامها إشارة إلى أن ما ذكرته مبي على التحمين تحراً عن الكذب، أو إشارة إلى التنويع، بأن يكون نارة إدا بقي ثلاثون ونارة إدا بقي أربعون راد المساوي: أو عكس طوع الآيات وقصرها، والظاهر أنها إشارة إلى أن المذكور مبني على التحمين. قلت: وهو المرجع عندي. **قام فقراً** في الحديث مساسستان خلافتين: الأولى ما قال الربيع العراقي: الحديث يقتضي أن من افتتح الصلوة قاعداً ثم انتقل إلى القيام لا يقرأ حال هوصه، بخلاف عكسه فقراً حال اهوى، وبه صرح الشافعية في فرض المعذور، وأما في الفعل فمحبر في القراءة حال الهوص وهوى، لكن الأفضل القراءة هاويا لاهاصا. والثانية ما قال مارك: إن في الحديث رداً على من اشترط على من افتتح المائة قاعداً أن يركع قاعداً، أو قائماً أن يركع قائماً، وهو محكي عن أشهب وبعض الحنفية، قلت والأئمة الأربعة على حوار قيام لمن افتتح قاعداً وعكسه، وتفصيل الخلاف في المصولات. **الخذاء** مفتوحة وشدة دال معجمة، هو خالد بن مهران، ولم يكن خذاء، ولكن كان يجلس إليهم فسب إليهم.

عن^{۱۷} عبد الله بن شقيق قال: سألت عائشة رضي الله عنها عن صلاة رسول الله ﷺ عن قَطْوَعِه؟ فقالت: كان يُصَيِّ ليلاً طويلاً قائماً، وليلاً طويلاً قاعداً، فإذا قرأ وهو قائم ركع وسجد وهو قائم، وإذا قرأ وهو جالس ركع وسجد وهو جالس.

(۱۷) عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور کے نوافل کے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور رات کے طویل حصہ میں نوافل کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور طویل حصہ میں نوافل بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ حضور کی عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے تو رکوع و سجود بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ادا فرماتے اور جب قرآن بیٹھ کر پڑھتے تو رکوع و سجود بھی بیٹھے ہی کی حالت میں ادا فرماتے۔ **فائدہ** رات کے طویل حصہ میں نوافل کے نماز نے دو مطلب تحریر فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ ایک ہی رات میں بہت سا حصہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے اور بہت سا حصہ بیٹھ کر۔ اور دوسرا مطلب یہ کہ یہ مختلف راتوں کا حال ہے کہ بعضے راتوں میں طویل نماز کھڑے ہو کر پڑھتے تھے اور بعض راتوں میں طویل نماز بیٹھ کر پڑھتے تھے۔ دوسرا مطلب رائج ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضور کا معمول رات کی نماز یعنی تہجد کی رعت لمبی لمبی پڑھنے کا تو ہمیشہ ہی رہتا تھا، اگر طبع مبارک پر ضعف، اضمحلال ہوتا تو بیٹھ کر پڑھتے تھے ورنہ کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔ اس حدیث کا اخیر مضمون بظاہر اس سے پہلی حدیث کے مخالف ہے، اس لئے علماء نے ان دونوں کو دو حالتوں پر محمول فرمایا کہ نوافل کا مدار نشاط اور سرور پر ہے، جس وقت جس طرح نشاط زیادہ حاصل ہوتا اسی طرح پڑھتے۔ اس کے علاوہ حضور اقدس ﷺ کے بہت سے افعال میں تعلیم بھی مقصود ہوتی تھی، یعنی بہت سے افعال حضور اس لئے بھی کرتے تھے کہ لوگوں کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ اس طرح بھی یہ کام کرنا جائز ہے اس کو بیان جواز کہتے ہیں۔

قَطْوَعِه | اِتَقْلُوْعٌ، فعل شيء مما يتقرب به إلى الله تعالى سرعاً من السمع | بدن مما قبله بإعادة أحده، وهد في لندن كثير نسبها عسى أنه هو المقصود، وسئل منه نوطية، وفي عطف "التصوع" شعار إلى أن صلاة الليل لم تكن فرضاً عليه ﷺ ليلاً قال في المفاتيح: يعني يصلي صلاة كثيرة من القيام والقعود، أو يصلي ركعات مصونة في بعض الساعات من القيام وفي بعضها من القعود، كذا في السند، وسط لقاري في إعراب "ليلاً طويلاً"، فارجع إليه. **وسجد وهو قائم** لا ينافي حديث عائشة رضي الله عنها المتقدم؛ فإن له ﷺ أحوالاً مختلفة في قعوده، فكان يفعل مرة كذا ومرة كذا.

حدثنا إسحاق بن موسى الأنصاري، حدثنا معن، حدثنا مالك، عن ابن شهاب، عن السائب بن يزيد، عن المطلب بن أبي وداعة السهمي، **عن** ^{۱۸۸}حفصة زوج النبي ﷺ قالت: كان رسول الله ﷺ يُصلي في سُبُحْتِه قاعداً، وبقراً بالسُّورَةِ ويُوتِّلُهَا حَتَّى تَكُونَ أَطُولَ مِنْ أَطُولِ مِنْهَا. **حدثنا** الحسن بن محمد الزعفراني، حدثنا الحجاج بن محمد،

اسی لئے نبی کریم ﷺ کو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب پورا ملتا ہے، دوسروں کو کھڑے ہو کر نماز پڑھنے پر جتنا ثواب ملتا ہے، بیٹھ کر پڑھنے پر اُس سے سے آدھا ملتا ہے اس لئے کہ حضور کا بیٹھ کر نماز پڑھنا بھی نبوت کے مقصد کو پورا کرنا ہے یعنی اعمال کو کر کے دکھا دینا، یہی نبی کے آنے کی غرض ہوتی ہے۔

(۱۸) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نوافل بیٹھ کر پڑھتے اور اُس میں کوئی سورت پڑھتے تو اس قدر ترتیل سے پڑھتے کہ وہ سورت اپنے سے لمبی سورت سے بھی بڑھ جاتی تھی۔ **فائدہ:** یعنی چھوٹی سورت میں ترتیل اور قرأت سے پڑھنے کی وجہ سے بڑی سورتوں کے برابر دیر لگ جاتی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ قرآن پاک کو نہایت اطمینان سے ٹھہرا ٹھہرا کر پڑھتے تھے، جلدی جلدی نہ پڑھتے تھے جس سے چھوٹی سورت بھی اتنی دیر میں ختم ہوتی جتنی دیر میں دوسرے آدمی لمبی سورت پڑھ لیں، اور پھر جب حضور لمبی سورتیں بھی پڑھتے تھے تو کتنی دیر لگتی ہوگی۔ اسی وجہ سے کھڑے کھڑے پاؤں پر دُورم آجاتا تھا۔

وداعة. فتح ابواو ونعيم الدار المهمة بعدها ألف ثم عين مهمة. السهمي. سنة لقية من قريش، صحابي أسبه يوم الفتح. **حفصة** [سنة عمر من الحصاب، كانت تحت حبيب السهمي، ثم تزوجها مصطفي ﷺ، ثم صلفها ورجعها بأمر حبريل له حيث قال له: 'راجع حفصة فإنها صوامة قوامة، وإنها زوجتك في الجنة'].

سبحته نعمه اسير وسكون. اموحة أي: نومه، سميت سحرة، لاشتغالها على التسبيح، وإنما حصلت السحرة بذلك لأن التسبيح لذي في المريضة أيضاً مائة، وانحصص باعتبار العالب، وقد تصق على الصوة مطلقاً، يقال: فلان يسبح أي: يصلي فرضاً أو نفلاً. ويُوتِّلُهَا [أي: يبين حروفها وحرركاتها ووقوفها مع التاني في قراءتها].

الزعفراني. فتح الراي المعجمة وسكون لعين المهمة وفتح الحاء والراء، وبعد الألف نون سنة إلى اربع عماية، قرية قرب بغداد، وقيل: محلة قديمة بكرخ بغداد، كذا في هامش تهذيب التهذيب.

عن ابن جريج قال: أخبرني عثمان بن أبي سليمان: أن أبا سلمة بن عبد الرحمن أخبره: أن عائشة رضي الله عنها أخبرته: أن النبي ﷺ لم يمض حتى كان أكثر صلوته وهو جالس. **حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا إسماعيل بن إبراهيم، عن أيوب، عن نافع، عن ابن عمر** قال: **صليت مع رسول الله ﷺ ركعتين قبل الظهر، وركعتين بعدها،**

أي في المسجد، ويقيد هذا تفيد أمر بيقوله، في بيته

(۱۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس وصال کے قریب زمانہ میں اکثر نوافل بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے۔ **فائدہ:** چونکہ زمانہ ضعف کا تھا اور نیز حضور تلاوت زیادہ فرماتے تھے جیسا کہ پہلی روایات میں گزر چکا ہے، اس لئے اکثر حصہ نوافل کا بیٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ گو بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب کھڑے ہونے سے آدھا ہوتا ہے، لیکن حضور اقدس ﷺ اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ حضور کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے کا ثواب اتنا ہی ہے جتنا کھڑے ہو کر ہوتا ہے جس کی وجہ پہلے گزر چکی ہے، چنانچہ ابو داؤد وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ میں (یعنی حضور ﷺ) اس بارے میں تم جیسا نہیں ہوں، میرے لئے بیٹھ کر نماز پڑھنے میں بھی اتنا ہی ثواب ہے۔

(۲۰) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ دو رکعتیں ظہر سے قبل اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اپنے گھر میں اور دو عشاء کے بعد وہ بھی گھر میں پڑھیں۔ **فائدہ:** اس حدیث میں سنتوں کا ذکر ہے سنت مؤکدہ حنفیہ کے نزدیک بھی اس طرح ہیں جیسا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں گزرا، البتہ ظہر کی سنتیں حنفیہ کے نزدیک چار رکعت ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے متعدد احادیث میں یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ جو شخص رات دن میں بارہ رکعت پڑھے

کد تامة، أي وجد أكثر صلوته والحال أنه جالس، وقيل: ناقصة أحمر محدوف، مثل: كان صرني ريدًا قائما، وقيل: الواو رائدة كما هو شائع في حمر "كان"، وحمزة: "وهو جالس"، حمر "كان"، والراصة محدوفة. قال ابن حجر: هذا تكلف بعيد لا يعور عيبه. جالس [يعني كان أكثر صلاته قاعدا، إلا المكتوبة]. مع رسول الله ﷺ أي: شاركته في الصلوة، معني أن كلا منهما فعل تلك الصلوة، وليس المراد أنه صلى معه جماعة؛ لأنه بعد ذلك هبنا، وإن كانت الجماعة جائرة في الرواتب، لكنها غير مشروعة فيها، قاله السيوري، وقال أبو زرعة: ذلك يحتمل ثلاثة أوجه: أحدها: المراد المعية في صلوة الجماعة، وهو بعيد؛ لأنه لم يفعل الرتبة جماعة، الثاني: المعية في الزمان أو المكان أو فيهما وإن كانا معمردين، والثالث: المعية في أصل الفعل أي: كل منهما فعل ذلك وإن اختلف زمن الفعل ومحلّه، وهذا أرجح.

ور کعتین بعد المغرب فی بیتہ، ور کعتین بعد العشاء فی بیتہ۔ حدثنا أحمد بن منیع، حدثنا إسماعیل ابن إبراهیم، حدثنا أبو یوب، عن نافع،

مداومت کرے حق تعالیٰ اس کے لئے جنت میں گھر بنادیتے ہیں۔ ان بارہ رکعات کی تفصیل حضرت عائشہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما کی روایات سے کئی حدیثوں میں یہی آئی ہے جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں گزری۔ البتہ ظہر سے قبل ان روایتوں میں چار رکعت وارد ہوئی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ظہر سے پہلے چار رکعت ایک سلام کے ساتھ ہوں ان کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں یعنی بہت جلد قبول ہوتی ہیں۔ بخاری شریف اور مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت کبھی ترک نہیں فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مسند احمد، ابو داؤد وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر کی نماز کے لئے تشریف لے جاتے وقت چار رکعت گھر سے پڑھ کر تشریف لے جاتے تھے۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور سنتیں مکان پر پڑھ کر تشریف لاتے تھے اور وہ چار رکعت ہوتی تھیں۔ جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کی روایت میں ہے۔ ابو داؤد شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک مفصل روایت نقل کی گئی ہے جس میں وہ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ ظہر سے پہلے چار رکعت میرے گھر پڑھتے تھے پھر مسجد میں تشریف لے جاتے اور فرض پڑھاتے اس کے بعد گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور مغرب کی نماز کے بعد میرے گھر تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور عشاء کی نماز کے بعد بھی تشریف لاتے اور دو رکعت پڑھتے اور صبح صادق کے بعد دو رکعت پڑھتے اور نماز کے لئے تشریف لے جاتے۔

اس مفصل حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتیں اکثر گھر پر پڑھتے تھے اور مسجد میں تشریف لا کر غالب یہ ہے کہ دو رکعت تحیۃ المسجد پڑھا کرتے تھے جس کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد فرماتے ہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی

فی بیتہ متصل بالثلاثة قله أو بسنة المغرب فقط، وهو الظاهر؛ لقوله الآتي في العشاء أيضاً: "في بیتہ"، فإنه لو كان هذا راجعاً إلى الثلاثة لا يحتاج إلى ذكره ههنا، بل يكفي بذكره بعد العشاء فقط، وأصرح منه دلالة ما في رواية للبخاري: فأما المغرب والعشاء ففي بیتہ، وأعرب ابن أبي بلبلی فقال: لا تحزئ سنة المغرب في المسجد. قاله القاري.

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: وحدثني حفصة: أن رسول الله ﷺ كان يُصلي ركعتين حين يطلع الفجر وينادي المنادي. قال أيوب: أراه قال: خفيفتين. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، حدثنا مروان بن معاوية الفزاري، عن جعفر بن بُرقان، عن ميمون بن مهران،

کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے دو ہی رکعت سنت پڑھی ہوں جن کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے نقل فرمایا، نیز حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اس حدیث میں یہ ارشاد کہ میں نے حضور کے ساتھ یہ نمازیں پڑھیں، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حضور کے ساتھ جماعت کی بلکہ مطلب یہ ہے کہ حضور بھی پڑھتے تھے اور میں بھی پڑھتا تھا۔ سنتوں کا جماعت کے ساتھ پڑھنا ثابت نہیں ہے۔ (۲۱) ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ مجھ سے (میری بہن ام المومنین) حضرت حفصة رضی اللہ عنہا کہتی تھیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صبح صادق کے بعد جس وقت مؤذن اذان کہتا ہے اُس وقت دو مختصر رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔ **فائدہ**: صبح کی سنتوں کے متعلق اکثر روایت میں یہی آیا ہے کہ حضور ان کو مختصر پڑھا کرتے تھے، حتیٰ کہ بعض علماء نے ان احادیث کی وجہ سے یہ کہہ دیا کہ ان میں صرف الحمد شریف پڑھی جائے اور کوئی سورت پڑھنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ان میں سورت کا پڑھنا ثابت ہے، البتہ مختصر سورت پڑھنا اولیٰ ہے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضور ان سنتوں میں سورہ کافرون اور سورہ اخلاص پڑھا کرتے تھے، اگرچہ بعض احادیث میں ان کے علاوہ کا پڑھنا بھی وارد ہے۔ ایک حدیث میں حضور کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ دونوں سورتیں ایسی اچھی ہیں! کہ صبح کی سنتوں میں پڑھی جاتی ہیں۔

وحدثني قيل. ابو رندة، وفضل عصف على عذوف، أي. حدثني غير حفصة وحدثني حفصة قاته لفاري، رد معاوي هد أحسن من جعفر رندة الفجر | هو صوا، نصح، وهو حمرة سمس في سود نس، وورد صبح المصادق، وهو لدى بندو س صعا مستصير غا، الأفق س صه. | وبادي المادي | وبادون لودن. وسمي الأذان بداء لأن أصل النداء الدعاء، والأذان دعاء للصلاة. [أراه: الصمير المنسوب لنافع؛ لأن أيوب راو عنه.

حقیقتیں وقد صح ذلك من طرق في صحيحين وغيرهما من صحيحين، وحدثني عذوف في تصويلهم من مرس سعيد بن حمير، يحمل على بيان الحوار على أن فيه رداً ه س، ولا حجة فيه من قال يندب تصويلهم ولو من قاته شيء من فرائض صوة المل، قاله لفاري، قال المادي وأحد مسك من خفيفهما أنه لا يقرأ فيهما غير مائة، وحكمة من عند امر عن لأكثر، ونامع سيف فقال: لا يقرأ فيهما شيئاً أصلاً الفزاري بفتح الفاء وتخفيف لاري وبعد الألف راء، سمة إلى فرارة، وهي قبة

عن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال: حفظت من رسول اللہ ﷺ ثمانی رکعات: رکعتین قبل الظهر، ورکعتین بعدہما، ورکعتین بعد المغرب، ورکعتین بعد العشاء. قال ابن عمر: وحدثني حفصة بركعتي الغداة، ولم أكن أراهما من النبي ﷺ. حدثنا أبو سلمة يحيى بن خلف، حدثنا بشر بن المفضل، عن خالد الحذاء،

(۲۲) ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ میں نے حضور ﷺ سے آٹھ رکعتیں یاد کی ہیں۔ دو ظہر سے قبل، دو ظہر کے بعد، دو مغرب کے بعد، دو عشاء کے بعد۔ مجھے میری بہن حفصہ نے صبح کی دو رکعتوں کی بھی خبر دی ہے جن کو میں نے نہیں دیکھا تھا۔ فائدہ: یہ دو رکعتیں چونکہ ہمیشہ گھر میں ہی پڑھی جاتی تھیں اور صبح کا وقت زیادہ تر حاضر باشی کا ہوتا نہیں اس لئے ابن عمر رضی اللہ عنہما کا یہ کہنا کچھ مستبعد نہیں۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ نہ دیکھنے کا یہ مطلب ہے کہ اُس وقت تک نہیں دیکھا تھا جس وقت حضرت حفصہ نے خبر دی تھی، اُس کے بعد دیکھنے کی نوبت آئی، اس لئے کہ بعض روایات سے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا اپنا مشاہدہ بھی ان سنتوں کے متعلق معلوم ہوتا ہے۔ تمام سنتوں میں صبح کی سنتیں سب سے زیادہ مؤکد ہیں۔ حضور سے بھی ان کی تاکید اور اہتمام کثرت سے نقل کیا گیا ہے، اسی وجہ سے بعض علماء نے ان کو واجب بتایا ہے، اسی وجہ سے ان کا بہت زیادہ اہتمام چاہئے۔

ثمانی رکعات [أي: من السس المؤكدة]. بركعتي الغداة. [أي: الفجر. وأصل الغداة ما بين طلوع الفجر وطلوع الشمس]. أراهما بفتح هاء أي: لم أبصرهما، قال الفاري. قد روى المصنف أي: في الجامع والسنائي عن ابن عمر رضی اللہ عنہما رفعت السبي شهماً كان يقرأ بهما، أي: بسورتي الإخلاص في ركعتي الفجر؛ ومن ثم استدلل به بعضهم على الجهر بالقراءة فيهما. وأجيب: بأنه لا حجة فيه. لاحتمال أنه عرف ذلك بقراءته بعض السورة، وقد صح عن عائشة رضی اللہ عنہا أنه كان يسر فيهما بالقراءة، ويوافق قياسي الإحفاء في سائر السس النهارية واليلية، قال ابن حجر: وهذا كله صريح في أنه رأى النبي ﷺ يصليهما، فيأتي رواية الشماثل أنه لم يره يصليهما، ويمكن أن يحاب: بأنه م يره قبل أن تحدثه. وتعرض الماوي عن التعارض، وسكت عن اجواب، وحكى البيهقوري عن الشبر أمليسي: أن النبي ﷺ محمول على الخصر، فإنه كان يصليهما عند نسائه، والرؤية محمولة على البصر، فإنه كان فيه يصليهما عند صحبه.

عن عبد الله بن شقيق قال: سألت عائشة رضي الله عنها عن صلاة النبي ﷺ ؟ قالت: كان يصلي قبل الظهر ركعتين، وبعدها ركعتين، وبعد المغرب ركعتين، وبعد العشاء ركعتين، وقبل الفجر ركعتين. **حدثنا** محمد بن المثنى، حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، **عن** أبي إسحاق قال: سمعت

عاصم بن ضمرة يقول: سألتنا علياً رضي الله عنه عن صلاة رسول الله ﷺ من النهار،
[أي: عن كنهها]

(۲۳) عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس ﷺ کے نوافل کے متعلق سوال کیا تو انھوں نے دو رکعت ظہر سے قبل اور دو ظہر کے بعد اور دو مغرب کے بعد اور دو عشاء کے بعد اور دو صبح کی نماز سے قبل بتلائیں۔ **فائدہ:** اس میں ظہر کے قبل دو سنتوں کے علاوہ باقی میں حنفیہ کا اتفاق ہے۔ ظہر کی سنتیں حنفیہ کے نزدیک چار رکعت ہیں، چنانچہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث کے ذیل میں وضاحت سے گزر چکا ہے۔ بخاری شریف میں خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ ظہر سے قبل چار رکعت اور صبح سے قبل دو رکعت نہیں چھوڑتے تھے یعنی ہمیشہ پڑھتے تھے، اس لئے اس کو کبھی کسی ضرورت پر حمل کریں گے۔

(۲۴) عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور اقدس ﷺ کی ان نوافل کے متعلق استفسار کیا جن کو آپ دن میں پڑھتے تھے (رات کی نوافل یعنی تہجد وغیرہ ان کو پہلے سے معلوم ہوں گی، تہجد کی روایات بالخصوص کثرت

رکعتیں۔ **ہکذا** في هذه الرواية ركعتان قبل الظهر، لكن المعروف عن عائشة بروي عنها طرق: أربع قبل الظهر، ويؤيده أيضاً ما روي عنها مرفوعاً من ثابر على ثني عشر ركعة، الحديث، ومصر فيه بأربع قبل الظهر، فيمكن أن يؤول حديث الباب على بعض الأوقات، وقد أخرج البخاري في صحيحه برواية ابن المنذر، عن عائشة: أن النبي كان لا يدع أربعاً قبل الظهر وركعتين قبل العداة، وفان يصري: الأربع كانت في كثير من أحواله وركعتان في قبيها، فلذلك: وهذا يجمع بين ما اختلف عن عائشة في ذلك.

وقبل الفجر قال الماوي: أفضل الروايات ركعتا الفجر لاجل خلاف في وجوبهما، فان العراقي: وم أر لأصحابنا تعرضاً لأكدھا بعدھا، وقال المالكية والحنابلة: أكدھا بعدھا اركعتان بعد المغرب، ويشهد له أن أحسن قال بوجوبهما أيضاً، ثم 'بعدھا' يحتمل بعدية العشاء: لأنها من صلاة الليل وهي أفضل، ويحتمل ستة الصبح لاتفاق الروايات عليها. واحتلقت حنفية في ذلك كما بسط في مرافي الملاح والطحاوي **ضمرة** بفتح الصاد المعجمة وسكون الميم.

فَقَالَ: إِنَّكُمْ لَا تُطِيقُونَ ذَلِكَ، قَالَ: فَقُلْنَا: مِنْ أَطَاقٍ مِمَّا ذَلِكَ صَلَّى، فَقَالَ: كَانَ إِذَا كَانَتْ

الشمس من ههنا كهيتها من ههنا عند العصر صلى ركعتين، وإذا كانت الشمس من ههنا
 كهيتها من ههنا عند الظهر صلى أربعاً، ويصلي قبل الظهر أربعاً وبعدها ركعتين،
إشارة إلى جانب المشرق إشارة إلى جانب المغرب أي: صيغة الضحى إشارة إلى جانب المشرق أي: الصلوة قبل الزوال إشارة إلى جانب المغرب

سے منقول ہیں اور مشہور ہیں) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ تم اس کی طاقت کہاں رکھ سکتے ہو؟ (یعنی جس اہتمام و انتظام اور خشوع و خضوع سے حضور پڑھتے تھے وہ کہاں ہو سکتا ہے۔ اس سے مقصود تنبیہ تھی کہ محض سوال اور تحقیق سے کیا فائدہ جب تک عمل کی سعی نہ ہو)۔ ہم نے عرض کیا کہ جو طاقت رکھ سکتا ہو گا وہ پڑھے گا (اور جو طاقت نہیں رکھے گا وہ معلوم کر لے گا تاکہ دوسروں کو بتا سکے اور خود عمل کرنے کی کوشش کرے) اس پر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ صبح کے وقت جب آفتاب آسمان پر اتنا اوپر چڑھ جاتا جتنا اوپر عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے، اُس وقت حضور دو رکعت (صلوۃ الاشراف) پڑھتے تھے اور جب مشرق کی طرف اس قدر اوپر ہو جاتا جس قدر ظہر کی نماز کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے تو اُس وقت چار رکعت (چاشت کی نماز جس کا مفصل بیان دوسرے باب میں آ رہا ہے) پڑھتے تھے۔ ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور ظہر کے بعد دو رکعت (یہ چھ رکعتیں سنت مؤکدہ ہیں) اور عصر سے قبل چار رکعت پڑھتے۔ چار رکعت کے درمیان بیٹھ کر ملائکہ مقررین اور انبیاء و مؤمنین پر سلام بھیجتے تھے۔ فائدہ: اس سے اتحیات بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس میں السلام علیک ایہا النبی الخ ہوتا ہے۔ اس صورت میں حدیث میں جہاں جہاں چار رکعت بیان کیا گیا ہے،

لَا يَطُوقُونَ أَيُّ حَسَبِ الْكَيْفِيَّةِ وَاحْتَالَةٍ أَوْ بِاعْتِبَارِ الدَّوامِ وَالتَّوَاتُؤِ، وَفِيهِ إِشَارَةٌ إِلَى تَرْغِيبِ السَّائِئِينَ عَلَى الْمُدَامَةِ فِي التَّابِعَةِ. أَطَاقَ أَيُّ يَعْنِي وَمِنْ مَّا يُطْلَقُ مِمَّا دَلَّتْ عَلَيْهِ. رَكْعَتَيْنِ قَالَ الْقَارِي وَالسَّائِي: هَذِهِ صَلَاةُ الضُّحَى وَالْأَرْبَعُ الْآتِيَةُ عَدُّ الرُّوَالِ، تَسْمَى صَلَاةُ الْأَوَائِينَ؛ لَمَّا رَوَى مُسْنَدُ مِنْ حَدِيثِ رِيْدٍ بَنِ أَرْقَمَ مَرْفُوعاً: صَلَاةُ الْأَوَائِينَ حِينَ تَرْمِضُ الْفَصَالُ قَتْلًا. وَالْأَوْحَةُ عَدِي أَنْ هَذِهِ صَلَاةُ الْإِشْرَاقِ وَالْآتِيَةُ صَلَاةُ الضُّحَى، وَهِيَ وَاحِدَةٌ عَدُّ الْفَقْهَاءِ وَالْمُحَدِّثِينَ، فَهَؤُلَاءِ ذَكَرُوا أَنَّ وَقْتُ الضُّحَى مِنْ ارْتِفَاعِ الشَّمْسِ إِلَى قَرِيبٍ مِنَ الرُّوَالِ، وَصَلَاتُهَا عَدُّ مَشَائِخِ السَّلُوكِ، يَسْمَوْنَ الْأَوَى صَلَاةَ الْإِشْرَاقِ، وَوَقْتُهَا مِنْ ارْتِفَاعِ الشَّمْسِ إِلَى رُبْعِ النَّهَارِ، وَالثَّانِيَةُ صَلَاةُ الضُّحَى، وَوَقْتُهَا مِنْ رُبْعِ النَّهَارِ إِلَى قَرِيبٍ مِنْ بَصْفِ النَّهَارِ وَهُوَ الْأَوْحَةُ عَدِي، كَمَا حَقَّقْتَهُ فِي أَوْحَرِ الْمَسَالِكِ عَلَى مَوْطَأِ مَالِكٍ. صَلَّى أَرْبَعًا [هِيَ صَلَاةُ الْأَوَائِينَ، وَرَدَّ فِي أَحَدِ حَدِيثِ صَلَاةِ الْأَوَائِينَ حِينَ تَرْمِضُ الْفَصَالُ].

وقبل العصر أربعاً يفصل بين كل ركعتين بالتسليم على الملائكة المقربين والنبیین ومن تبعهم من المؤمنین والمسلمین.

سب کو شامل ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے دو رکعت پر سلام پھیرنا مراد ہو، تو مقصود یہ ہے کہ ان چار رکعتوں میں جو عصر سے قبل پڑھی جاتی تھیں دو سلام پھیر دیتے تھے۔ عصر کی نوافل دو رکعت اور چار رکعت دونوں طرح سے ثابت ہیں، خود حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی دونوں روایتیں ہیں۔

بالتسليم قيل يعني به التشهد، سمي تسليماً؛ لاشتماله عليه. **والنبیین** هذه قرية قوية على أن المراد 'بالتسليم' التشهد، لا تسليم التحل، كما حرم به الشراح شافعية، قال القاري: أي يفصل بالتشهد اشتتم على قوله: اسلام عينا وعلى عدد الله الصالحين، فإنه يشمل كل عدد صالح في السماء والأرض على ما ورد في الصحيح، ويؤيده حديث ابن مسعود في اتفاق عليه. كما بدأ صلواً مع النبي ﷺ قلنا السلام على الله من عباده، السلام على جبرئيل، السلام على ميكائيل، السلام على فلان. الحديث ذكره الطبري وتبعه الحنفی. وأعرب ابن حجر حيث تعقبهما بقوله: فيه بطلان؛ إذ عطف الحديث يأبى ذلك، وإي المراد 'بالتسليم' فيه تسليم التحل، قال القاري: ولا يحتمل أن سلام تحلن إنما يكون محصوراً بمن حصر المصنوع من الملائكة والمؤمنين، ولعل الحديث أعم منه حيث ذكر الملائكة والمقربين والنبیین ومن تبعهم من المؤمنین إلى يوم الدين **المؤمنين والمسلمين** لعل الجمع بين الوصفين مع أن موصوفهما واحد؛ للإشارة إلى اتقائهم لبعضهما البعض، والجمع بين النسبة العلمية والمباشرة العملية.

بابُ صلوٰۃ الضحیٰ

چاشت گاہ

حدثنا محمود بن غیلان، حدثنا أبو داود الطیالسی، حدثنا شعبة، عن یزید الرّشک قال:

باب۔ چاشت کی نماز کا ذکر

فائدہ: فقہاء اور محدثین کے نزدیک صبح کے بعد وقت مکروہ نکل جانے کے بعد سے زوال تک سب صلوٰۃ الضحیٰ کہلاتی ہے، لیکن صوفیہ کے یہاں یہ دو نمازیں ہیں ایک اشراق کی نماز کہلاتی ہے دوسری چاشت کی نماز کہلاتی ہے۔ چوتھائی دن تک اشراق کا وقت رہتا ہے اور چوتھائی کے بعد سے نصف النہار تک چاشت کا وقت۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی وہ روایت جو گزشتہ باب کے اخیر میں ذکر کی گئی ہے اور ایسی ہی اور دیگر روایات صوفیہ کا ماخذ ہیں۔ صلوٰۃ الضحیٰ میں عہد کا بہت اختلاف ہے۔ شراح حدیث نے اس میں عہد کے آٹھ مذاہب لکھے ہیں، حنفیہ کے نزدیک یہ نماز مستحب ہے۔ عہد نے لکھا ہے کہ اس نماز کے بارے میں بہت کثرت سے روایت وارد ہوئی ہیں، انیس حضرات صحیہ کرام علیہ السلام سے اس نماز کی حدیثیں نقل کی گئی ہیں اور اوجز میں پچیس حضرات صحیہ کرام کی روایت ذکر کی گئی ہیں، انکے علاوہ اور بھی ہیں۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ آدمی میں تین سو ساٹھ جوڑ ہیں، ہر جوڑ پر روزانہ ایک صدقہ لازم ہوتا ہے، یعنی اس کے شکر میں کہ حق تعالیٰ جلّ جلالہ نے اس کو صحیح سالم اپنی وضع پر رکھا۔ انگلی ہی کا ایک جوڑ دیکھ لیجئے، اگر جدا ہو جائے انگلی بے کار ہے، وہ بجائے نرم ہونے کے سخت بن جائے، نہ انگلی حرکت کر سکے، نہ کسی چیز کو پکڑ سکے وغیرہ وغیرہ۔

صلوٰۃ الضحیٰ [الصلاة التي تصلى في الصبح، والصبح اسم لوقت الذي يكون من تمام ضوء الشمس إلى تمام ربيع النهار] حنيف في صبطه ومصدق لعة، كما بسط في الأوجز، واحصت مذهب السلف في بدنه وعدمه، كما بسط في البدن. فارجع إليهما قال النووي: شهد تسعة عشر من كبار الصالحين: أنهم رأوا المصطفى ﷺ يصليها، حتى قال ابن جرير: أحاديثها بسعت حد التواتر. قلت: وسط في الأوجز أسماء من رواها من الصحابة، بسعت أكثر من خمس وعشرين، فارجع إليه لو شئت تفصيل أسماؤهم. الرشك بكسر الراء وسكون المعجمة: كبير النجبة، ولفظ به كبر الحنطة، قال ابن خوري: دخل عقرب في الحنطة فأقام في ثلاثا، هذا هو المشهور، وقيل الرشك القسم، كما يأتي في النصيب من المصنف.

سمعت معاذہ رضی اللہ عنہ قالت: قلت لعائشة رضی اللہ عنہا: أكان النبي ﷺ يصلي الضُّحَى؟ قالت: نعم، أربع ركعات، ويزيد ما شاء الله عز وجل. **حدثنا** محمد بن المثنى، حدثني حكيم بن معاوية الزَّيَادِيُّ، حدثنا زياد بن عبيد الله بن الربيع الزَّيَادِيُّ، عن حُميد الطويل، **عن** أنس بن مالك رضي الله عنه أن النبي ﷺ كان يُصَلِّي الضُّحَى ست ركعات.

پھر حضور نے صدقے گنوائے ہیں کہ ایک مرتبہ سبحان اللہ کہنا بھی ایک قسم کا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا بھی وغیرہ وغیرہ۔ پھر ارشاد فرمایا کہ چاشت کی دو رکعت ان تین سو ساٹھ جوڑوں کی سب کی طرف سے صدقہ ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) معاذہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا حضور اقدس ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں! چار رکعت (کم سے کم) پڑھتے تھے اور اس سے زائد جتنا دل چاہتا پڑھ لیتے۔ **فائدہ**: صلوٰۃ الضحیٰ نوافل ہیں اس لئے کم سے کم دو رکعت اور زیادہ جتنا دل چاہے پڑھے کوئی انتہا نہیں، لیکن نبی کریم ﷺ سے بارہ رکعات تک پڑھنا ثابت ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور سے پڑھنا آٹھ ہی رکعت کا ثابت ہے البتہ ترغیب بارہ رکعات تک وارد ہوئی ہے۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صلوٰۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی چھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔

فائدہ: اختلاف اوقات کے لحاظ سے حضور کی صلوٰۃ الضحیٰ کی رکعات بھی مختلف ہیں، لہذا ان احادیث کو کچھ ایک دوسرے سے تعارض نہیں ہے، اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ کم از کم دو رکعت اور بہتر یہ ہے کہ آٹھ رکعت یا بارہ رکعت پڑھے۔ حضور سے زیادہ تر آٹھ رکعت نقل کی گئی ہیں۔

فاب احتلقت الروایات عن عائشة رضی اللہ عنہا في صلوتہ ﷺ الضحیٰ، كما سیأتي قريبا، وفي هذا الحديث إثباتها عنها مطلقا، وقال ابن عبد البر: حديث معاذة عن عائشة مكرر، وتعقبا كلامه كما في الأوجز. الرمادى بكسر الزاى وفتح التحتبة، وبعد الألف دل مهمة، نسبة إلى أحد أجداده زياد. عبد الله مصعرا، وفي نسخة مكررا، قاله القاري. قلت: ومؤيد بكتب الرجال هو المصعري. س رکعات قال الماوي: وهذا روي من حديث علي وجابر وعائشة، قال القسطلاني: لا يخلو إسناد كل منهما من مقال.

حدثنا محمد بن المثنیٰ، حدثنا محمد بن جعفر، أخبرنا شعبة، عن عمرو بن مرة، **عن** عبد الرحمن بن أبي ليلى قال: ما أخبرني أحد أنه رأى النبي ﷺ يُصلي الضحى إلا أم هانئ **رحمہم اللہ**.

(۳) عبد الرحمن ایک تابعی کہتے ہیں کہ مجھے حضرت ام ہانی **رضی اللہ عنہا** کے سوا اور کسی نے حضور کی صلوۃ الضحیٰ کی خبر نہیں پہنچائی، البتہ حضرت ام ہانی **رضی اللہ عنہا** نے یہ فرمایا کہ حضور اقدس **صلی اللہ علیہ وسلم** اُس روز جس دن مکہ مکرمہ فتح ہوا تھا، اُن کے مکان پر تشریف لے گئے اور غسل فرما کر آٹھ رکعات نماز پڑھی۔ میں نے اُن آٹھ رکعات سے زیادہ مختصر حضور کی کبھی کوئی نماز نہیں دیکھی، لیکن باوجود مختصر ہونے کے رکوع، سجود پورے پورے فرما رہے تھے، یہ نہیں کہ مختصر ہونے کی وجہ سے رکوع اور سجدے ناقص ہوں۔

فائدہ: عبد الرحمن **رضی اللہ عنہ** کے اس کہنے سے کہ ام ہانی **رضی اللہ عنہا** کے سوا کسی اور نے روایت نہیں کی، یہ نہیں لازم آتا کہ یہ نماز ام ہانی کے سوا کسی اور صحابی کو معلوم نہیں تھی، خود اسی باب میں چند صحابہ کی روایات موجود ہیں۔ ابن جریر **رحمہم اللہ** تو کہتے ہیں کہ صلوۃ الضحیٰ کی روایات اس کثرت سے موجود ہیں کہ تو اترا تک پہنچ گئیں اور یہ پہلے معلوم ہو چکا کہ انیس صحابہ سے یہ نماز منقول ہے، البتہ عبد الرحمن نے جن حضرات سے تحقیق کیا ان کو علم نہ ہوگا، اس میں کوئی اشکال نہیں۔ بعض علماء یہ کہتے ہیں کہ یہ نماز جو اس حدیث میں ذکر کی گئی چاشت کی نماز نہ تھی بلکہ مکہ مکرمہ فتح ہونے کے شکرانہ کی نماز تھی۔ حضور اقدس **صلی اللہ علیہ وسلم** کا معمول تھا کہ جب کوئی مسرت کی بات ہوتی تو شکرانہ کی نماز پڑھتے تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ ان آٹھ رکعات میں سے کچھ حصہ چاشت کی نماز ہو اور کچھ حصہ شکرانہ کی نماز ہو۔

أحد أي: من الصحابة، وفي ابن أبي شيبة من وجه آخر عن ابن أبي ليلى قال: أدرکت الناس وهم متوافرون فلم يحبرني أحد أن النبي ﷺ صلى الضحى إلا أم هانئ، ولمسلم، عن عبد الله بن الحارث قال: سألت وحرصت على أن أحدًا من الناس يحبرني أن النبي ﷺ سبح سحرة الضحى، فلم يحبرني أحد غير أم هانئ، فذكر الحديث، وفي ابن ماجه في رواية وقت سؤال عبد الله بن الحارث عن ذلك، ولفظه: سألت في زمن عثمان - والناس متوافرون - أن أحدًا يحبرني، فلم يحبرني أحد غير أم هانئ. أم هانئ [بت أبي طالب، شقيقة علي كرم الله وجهه].

فإنها حدثت: أن رسول الله ﷺ دخل بيتها يوم فتح مكة، فاغتسل فسبح ثمانين ركعات، ما رأيته ﷺ صلى صلوٰۃ قطّ أحفّ منها غير أنه كان يتم الركوع والسجود. **حدثنا** ابن أبي عمر، حدثنا وكيع، حدثنا كهَمَس بن الحسن، **عن** عبد الله بن شقيق قال: قلت لعائشة **رضي** الله عنها: أكان النبي ﷺ يُصلي الضحى؟ قالت: لا،

(۴) عبد اللہ بن شقیق کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہ **رضی** اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور صلوٰۃ الضحیٰ پڑھتے تھے؟ انھوں نے یہ فرمایا کہ معمولاً تو نہیں پڑھتے تھے، ہاں! سفر سے جب لوٹتے تو ضرور پڑھتے۔ **فائدہ:** حضور **صلی** اللہ علیہ وسلم کی عادت شریف تھی کہ اکثر مدینہ منورہ صبح کے وقت میں داخل ہوتے اور اول مسجد میں تشریف لے جا کر نوافل ادا فرماتے۔ حضرت عائشہ **رضی** اللہ عنہا کا یہ جواب معاذہ کے اس جواب کے بالکل خلاف ہے جو شروع باب میں گزر چکا ہے۔ اس لئے علماء نے اس کی مختلف طرح سے توجیہ فرمائی۔ امام بیہقی **رحمۃ** اللہ علیہ نے یہ توجیہ کی ہے کہ جس حدیث میں نفی وارد ہے اس میں نفی دوام کی مراد ہے جو گاہے گاہے پڑھنے کے منافی نہیں یعنی ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے اور جس حدیث میں اثبات ہے اس میں اکثر اوقات کے اعتبار سے ہے۔ بعض علماء نے اس طرح جمع فرمایا کہ سفر سے لوٹنے کے علاوہ اور ایام میں مسجد میں نہیں پڑھتے تھے بلکہ گھر میں پڑھتے تھے۔ اس حدیث میں نفی خاصۃً مسجد میں پڑھنے کی مقصود ہے کہ مسجد میں جب ہی پڑھتے تھے جب سفر سے واپس تشریف لاتے جیسا کہ اوپر گزرا۔

سہا بظاہرہ بجانب رواية الشيخين عنها، قالت: دعت إلى رسول الله عام الفتح فوجدته يغتسل وفاضة استه يستره ثوباً حديث. اللهم إلا أن يقال: فوجدته يغتسل في بيتي، أو يقال: كان لها بيتان: أحدهما كان **صلی** اللہ علیہ وسلم يرل فيه، والآخر سكناها، فالإضافة باعتبار الملك، أو بحمل على تعدد الواقعة، أو كان في بيتها في ناحية عنها، وعنده فاطمة **رضي** الله عنها، فدهمت إليه، قال ميرك: وصاهر حديث الباب أن الاعتسال وقع في بيتها، ولمسلم من طريق أبي مرة عنها. أما دعت إلى النبي **صلی** اللہ علیہ وسلم وهو ناعى مكة فوجدته يغتسل. ويجمع بينهما بأن ذلك تكرر منه، ويؤيده ما رواه ابن حريمة من طريق مجاهد عنها، وفيه: أن أبا در ستره لما اعتسل، وبمك أن يكون نزل في بيتها في أعنى مكة وكنت هي في بيت آخر، وأما لستر فيحتمل أن يكون أحدهما ستره في ابتداء العسل، والآخر في أثائه، على ما أشار إليه العسقلاني، لكنه لا يخلو عن بعد.

ثمانی رکعات: وفي الطبراني من حديث ابن أبي أوفى: أنه صلى الضحى ركعتين، فسأته امرأته، فقال: إن النبي **صلی** اللہ علیہ وسلم صلى يوم الفتح ركعتين، وهو محمول على أنه رأى من صوته ركعتين، وأن أم هانئ رأت بقية الثمان، وهذا يقوّي أنه صلاحها مفصلة، كما أفاده الحافظ العسقلاني، وروى أبو داود عنها. أنه **صلی** اللہ علیہ وسلم صلى يوم الفتح سبعة الضحى ثمانی ركعات، وسلم من كل ركعتين.

إلا أن يجيء من غيبته. **حدثنا** زياد بن أيوب البغدادي، حدثنا محمد بن ربيعة، عن فضيل بن مرزوق، عن عطية، **عن** أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: كان النبي ﷺ يُصلي الضحى حتى نقول: لا يدعها، ويدعها حتى نقول: لا يصليها. **حدثنا** أحمد بن منيع، عن هشيم، أخبرنا عبيدة، عن إبراهيم، عن سَهْم بن منجاب،

(۵) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صلوۃ الضحیٰ کبھی تو اس قدر اہتمام سے پڑھتے تھے کہ ہم لوگوں کو یہ خیال ہوتا تھا کہ آپ کبھی نہیں چھوڑیں گے اور حضور کبھی (فرض ہونے کے خوف سے یا کسی اور مصلحت سے) ایسا ترک فرماتے تھے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ بالکل چھوڑ دی، اب کبھی نہیں پڑھیں گے۔ **فائدہ:** بہت سے امور کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم امت کی سہولت کے خیال سے ترک فرمادیتے تھے، جس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ بعض امور حضور کا کرنے کو دل چاہتا تھا مگر اس ڈر سے اہتمام نہیں فرماتے کہ مبادا امت پر فرض ہو جائیں۔

إلا أن يجيء احتلفت الروايات عن عائشة في صلوته ﷺ الضحى، ففي حديث الباب تقييده بالجيء عن مغيبه، وتقدم في أول الباب من حديث معادة عنها الإثبات مطلقاً، وفي الصحيحين وغيرهما برواية عروة عنها: ما رأيته ﷺ يصلي سبحة الضحى قط، الحديث. وهذا لفظ مالك في الموطأ، وفيه نفي رؤيتها مطلقاً مؤكداً، واحتلف العلماء في ذلك، فذهب ابن عبد البر إلى ترجيح ما اتفق عليه الشيخان، وقالوا: لا يستلزم من عدم رؤيتها عدم الوقوع، فيقدم إثبات من روي عنه من الصحابة، وذهب آخرون إلى الجمع بين رواياتهما، فقال البيهقي: عدي المراد بقولها: "ما سحها" أي: ما داوم عليها، وأنت خير بأن تأكيد نفي الرؤية بـ"قط" يأتي هذا التأويل، وحكى المحب أنه جمع بعضهم بين روايتي الشمائل يعني: حديثي معادة وابن شقيق بأن حديث ابن شقيق محمول على المسجد وحديث معادة على البيت، ويكر عليه حديث عروة، ويجاب عنه: بأن المنفي صفة محصورة، وأخذ الجمع المذكور من كلام ابن حبان، وقيل في الجمع أيضاً: بأن النفي محمول على المعهودة حينئذ من هيئة محصورة بعدد محصور في وقت محصور، وكان ﷺ يصليها بعدد محصور كما قالت: يصلي أربعاً ويزيد ما شاء الله، منخص من جمع الوسائل. والأوجه عدي في الجمع: أن حديث عروة محمول على صلوۃ الإشراق، ويطلق عليها أيضاً صلوۃ الضحى في الروايات، فإنه ﷺ كان يصليها في المسجد، فما رأيها عائشة رضی اللہ عنہا قط، وحديث معادة على البيت، وحديث ابن شقيق على المسجد، كما في الأوجز.

عبيدة مصفراً، ابن معتب، كما حزم به القاري، وذكره الماوي بلفظ: أبي عبيدة، والطاهر أنه وهم، وإبراهيم شيخه هو البخاري. **سَهْم** رضي الله عنه بفتح سين وسكون هاء كفلس. ابن منجاب، بكسر ميم فسكون نون فحجم فألف بعدها موحدة آخر الحروف.

عن قَرْنَعِ الضَّبِّيِّ، - أو عن قرعة، عَنْ قَرْنَعٍ، - **عن** أبي أيوب الأنصاري رضي الله عنه: أن النبي ﷺ كان يُدْمِنُ أربع ركعات عند زوال الشمس فقلت: يا رسول الله! إنك تدمن هذه الأربع ركعات أي يداوم عند زوال الشمس، فقال: إن أبواب السماء تُفتح عند زوال الشمس، فلا تُرتج حتى يُصَلِّيَ الظهر، [لا سقا]

(۶) ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہمیشہ زوال کے وقت چار رکعت پڑھتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ ان چار رکعتوں کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ آسمان کے دروازے زوال کے وقت سے ظہر کی نماز تک کھلے رہتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی کارِ خیر اُس وقت آسمان پر پہنچ جائے۔ میں نے عرض کیا کہ ان کی ہر رکعت میں قراءت کی جائے؟ حضور نے فرمایا کہ ہاں! قراءت کی جائے۔ میں نے عرض کیا کہ ان میں دو رکعت پر سلام پھیرا جائے؟ حضور نے فرمایا کہ نہیں، چاروں رکعات ایک ہی سلام سے ہونی چاہئیں۔

فائدہ: یہ نماز صوفیہ کے یہاں ”صلوۃ الزوال“ سے تعبیر کی جاتی ہے اور اُن کے نزدیک مستحب نمازوں میں زوال کی نماز کا بھی شمار ہے۔ لیکن اکثر محدثین کے نزدیک یہ ظہر کی سنتیں ہیں اس لئے کہ اُن کے نزدیک ظہر کی سنت کے علاوہ اور کوئی نوافل زوال کے بعد ایسے نہیں ہیں جن کو حضور ہمیشہ پڑھتے ہوں۔ بہر صورت دونوں قول کے موافق اس کو اور نیز آئندہ احادیث کو صلوۃ الصبحی سے کوئی ظاہری مناسبت نہیں اس لئے امام ترمذی کا ان احادیث کو چاشت کی نماز کے ذیل میں ذکر کرنا مشکل ہے۔ لیکن مشائخ نے اس کی مختلف توجیہات فرمائی ہیں: اول یہ کہ چونکہ ان کا وقت چاشت کی نماز کا منتہا تھا اس لئے تبجّان کے ساتھ ذکر فرمادی، مستقل باب کی ضرورت نہیں۔ بعض لوگوں کی یہ رائے ہے کہ یہ کاتب کی غلطی سے اس جگہ نقل ہو گئی۔

فروع بفتح قاف وسكون راء فمثلة مصوحة فعين مهملة على ورن جعفر. او **عن** فرعة بفتح قاف وراي وعين مهملة كدرجة. وعرضه أنه شد هشيم في أن الرواية بواسطة قرعة أو بدون الوسطة، وسيأتي الحديث لآي بدون الشك بزيادة الوسطة. **عد** زوال **إخ** قيل في المسألة بالترجمة: إن مذهب عد "كما يطلق على عقب رواي الشمس بمك حمه على ما قبله، فتكون صلوۃ الصبحی، وحكى البيهقوري: أن هذه الأحاديث وجدت في باب العادة، كما في بعض السبع، وهو الأحسن. ولعل إيرادها في هذا الباب من تصرف السباح، وم يكن في السبح المقروءة على المصنف ترجمة باب صلوۃ الصبحی، ولا باب التصوع، ولا باب الصوم، ووقعت هذه الأحاديث كتبها في باب العادة، فلا إشكال **إنك تدمن** **إخ** [والقصد الاستمهام عن حكمة ذلك]. **يصلی** على صيغة المجهول والظهر قائمه مقام فاعله

فَأَجِبَ أَنْ يَصْعَدَ لِي فِي تِلْكَ السَّاعَةِ خَيْرٌ، قُلْتُ: أَوْ فِي كُلِّهِنَّ قِرَاءَةً؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْتُ: هَلْ فِيهِنَّ تَسْلِيمٌ فَاصِلٌ؟ قَالَ: لَا. **حدثنا أحمد بن منيع**، **حدثنا أبو معاوية**، **حدثنا عبيدة**، عن **إبراهيم**، عن **سهم بن منجاب**، عن **قرعة**، عن **قرن**، عن **أبي أيوب**، عن **النبي**، **نحوه**. **حدثنا محمد بن المثني**، أخبرنا **أبوداود**، **حدثنا محمد بن مسلم** بن **أبي الوضاح**، عن **عبد الكريم الجزري**، عن **بجاهد**، عن **عبد الله بن السائب**:

ورنہ اس کا اصل محل گزشتہ باب ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ بعض نسخوں میں اس جگہ ذکر نہیں بلکہ اُس پہلے ہی باب میں ذکر کی گئی ہیں اور بھی مختلف توجیہات کی گئی ہیں۔

(۱) **عبد الله بن سائب** کہتے ہیں کہ حضور اقدس **صلی اللہ علیہ وسلم** زوال کے بعد ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس وقت میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرا کوئی عمل صالح اُس وقت بارگاہِ عالی تک پہنچے۔ **فائدہ**: اور نماز سے بڑھ کر کوئی اور عمل صالح کیا ہو سکتا ہے کہ تمام عبادات سے افضل ترین عبادت ہے۔ حضور کا ارشاد ہے کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ نماز پڑھنے والا اللہ بل جنت سے سرگوشی کرتا ہے۔

يَصْعَدُ يَشْكُلُ عَلَيْهِ: أَنْ امْلَأَتْكَ الْحَفَظَةُ لَا يَصْعَدُونَ إِلَّا بَعْدَ صَلَاةِ الْعَصْرِ وَبَعْدَ صَلَاةِ الصُّبْحِ، وَيَبْعَدُ أَنْ الْعَمَلُ يَصْعَدَ قَبْلَ صُعُودِهِمْ، وَقَدْ يُرَادُ بِالصُّعُودِ الْقَبُولُ، قَالَهُ الْبَيْهَقِيُّ، وَقَالَ الْمَوَاوِي: قَدِيرَادُ بِالصُّعُودِ تَعْلُقُ عِلْمُ اللَّهِ بِهِ.

أحمد بن محمد عرض المصنف بإيراد هذا السند: أن أحمد بن مبيع روى هذا الحديث عن هشيم بالشك في ذكر قرعة وعدمه، وروى عن أبي معاوية بالواسطة بدون الشك، والحرم فاص على الشك، فكان واسطة قرعة ثابتة في الرواية، وكذا بالثبات الواسطة أخرج ابن ماجه والإمام أحمد في مسنده، إلا أن أبا داود أخرج عن ابن منجاب، عن قرن، عن أبي أيوب، فتأمل.

أبو معاوية قيل: هو هشيم المذكور في السند المتقدم، وأشكِل: بأنه إن كان كذلك فلا فائدة لتكرار السند، ووجه: بأن الغرض أن ابن مبيع روى تارة عن هشيم بالتردد وتارة بدونه، قَالَهُ الْمَوَاوِي. قُتِلَ: وَأَتَتْ حَبِيرُ بَأْنِ الْمَشْهُورِ هَذِهِ الْكَلِمَةُ عِدَّةَ رَحَلٍ، لَكِنَّ الظَّاهِرَ هُنَاكَ هُوَ كَوْنُهُ هَشِيمًا الْمَذْكُورَ، فَإِنَّهُ أَيْضًا يَكُونُ أَبَايَ مُعَاوِيَةَ.

نحوه [الحديث السابق في المعنى وإن اختلف اللفظ]. **عبد الكريم** هو ابن مالك الحرري.

أن رسول الله ﷺ كان يُصَلِّي أربعاً بعد أن تزول الشمس، قبل الظهر، وقال: إنها ساعة تُفتح فيها أبواب السماء، فأحب أن يصعدَ لي فيها عمل صالح. **حدثنا** أبو سلمة يحيى بن خلف، حدثنا عمر بن عليّ المقدميّ، عن مسعر بن كدام، عن أبي إسحاق، عن عاصم بن ضمرّة، **عن** عليّ رضي الله عنه: أنه كان يُصَلِّي قبل الظهر أربعاً، وذكر أن النبي ﷺ كان يُصَلِّيها [أي: تلك الأربع] عند الزوال ويمدُّ فيها.

(۸) حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر سے قبل چار رکعت پڑھتے تھے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان چار رکعت کو پڑھتے تھے اور ان میں طویل قراءت پڑھتے تھے۔ **فائدہ** امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ان چار رکعات میں بہتر یہ ہے کہ سورہ بقرہ پڑھے ورنہ کوئی ایسی سورت جو سو آیت سے زیادہ ہو تاکہ حضور کا اتباع طویل قراءت میں ہو جائے۔

تزول الشمس هذه قريبة على أن المراد في الرواية السابقة بقوله: 'بعد روال الشمس' هو بعد الروال؛ فإن الصلوة عند الروال لا تخور. واحتلفوا في هذه الصلوة هل هي صلوة الروال أو سنة الظهر؟ قال القاري: أبعاد اس حجر حيث قال: هذه ورد مستقل، سنة انتصاف النهار، وبعده لا يحق؛ إذ لا يعرف منه بشرط المداومة حينئذ على غير سنة الظهر؛ ولذا لم يعد أحد من لعقاء صلوة الروال، لا من السس المؤكدة ولا من المستحبة. مختصراً، ووافق الشاوي اس حجر؛ إذ قال: هذه الأربع ورد مستقل، سببه انتصاف النهار، إلى آخر ما قلته. **إها ساعة** [أي: قطعة الزمن التي بعد الروال].

المقدمي بضم الميم وفتح القاف وتشديد الدال المهملة المفتوحة، هو عمر بن علي بن عطاء بن مقدم المقدمي. **ويتمد فيها** قال العراقي في الإحياء. ويطوّن هذه الركعات، ويقرأ فيها سورة البقرة أو سورة من اثنين أو أربعاً من المثالي.

بابُ صلوٰۃ التطوع فی البیت

حدثنا عباس العنبري، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، عن معاوية بن صالح، عن العلاء بن الحارث، عن حرام بن معاوية، **عن** عمه عبد الله بن سعد قال: سألت رسول الله ﷺ عن الصلوة في بيتي والصلوة في المسجد؟ قال: قد ترى ما أقرب يقي من المسجد،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے نوافل گھر میں پڑھنے کا ذکر

فائدہ: نوافل کا گھر میں پڑھنا افضل ہے، نبی کریم ﷺ سے قولاً اور فعلاً متعدد روایات میں یہ مضمون وارد ہے اور بہت سے مصالح اس میں ملحوظ ہیں، منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ نماز کی برکات سے گھر میں برکت اور نورانیت بڑھے، گھر کے لوگ نماز کو سیکھیں اور ان کو بھی شوق پیدا ہو۔ حضور کا حکم بعض احادیث میں آیا ہے کہ نماز کا کچھ حصہ گھر میں ادا کیا کرو اور گھروں کو قبرستان نہ بناؤ، یعنی جیسا قبرستان میں نماز نہیں پڑھی جاتی یا جیسا کہ مردے نماز نہیں پڑھتے، تمہارے گھر بھی قبرستان کے مشابہ بن جائیں، ایسا نہ کرو۔ اس باب میں مصنف **رحمۃ اللہ علیہ** نے ایک حدیث ذکر فرمائی ہے۔

(۱) عبد اللہ بن سعد **رحمۃ اللہ علیہ** کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس **ﷺ** سے دریافت کیا کہ نوافل مسجد میں پڑھنا افضل ہیں یا گھر میں؟ حضور نے فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے۔ (جس کی وجہ سے مسجد کے آنے میں کسی قسم کی دقت یا رکاوٹ نہیں ہوتی، لیکن اس کے باوجود) فرائض کے علاوہ مجھے اپنے گھر میں نماز پڑھنا مسجد سے زیادہ پسند ہے۔

التطوع ا ح [اسم لما شرع زيادة على المص والواحات، والتطوع: التبرع، والمراد به ههنا ما راد على المرائض] قال القاري المراد بالتطوع: غير المص، فيشمل المس الموكدة المستحقة وغيرها من صلوٰۃ الصبحی وأمثاها. **العنبري** نسبة لابي عمر، حي من تميم. **حرام** مهمتين مفتوحتين، اس معاوية، وهو حرام بن حكيم بن خالد بن سعد بن احکم، ووهم من جعلهما اثنين، قاله القاري. **عبد الله** عبد الله بن سعد الأنصاري الحرمي، ووهم من جعله عبد الله بن سعيد نالباء **ما أقرب** يعني صيغة تعجب، وفيه زيادة في الخواب، يد بين له أن ما يفعله يكون أدعى إلى التأسي به، وليفهمه أنه لا فرق في كونها أفضل في البيت بين قرب المسجد عن بيته وبعده عنه.

فَلَا تُأْصِلِي فِي بَيْتِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا أَنْ تَكُونِ صَلَاةً مَكْتُوبَةً.

فائدہ: نوافل کا معنی چونکہ اخفا پر ہے اس لئے اُن کا گھر میں پڑھنا افضل ہے تاکہ اخفا کامل ہو، ریاکاری سے بعد ہو جائے، البتہ فرائض وغیرہ جن کا اخفا مناسب نہیں، وہ مسجد ہی میں افضل ہیں جیسے طوافِ کعبہ کی رکعتیں اور صلوٰۃ التَّوَاتُّعِ وغیرہ۔ صلوٰۃ التَّوَاتُّعِ اگرچہ فرائض میں نہیں لیکن رمضان المبارک کا خصوصی امتیاز ہے اور جماعت اس میں مسنون ہے اور اسی طرح ہر وہ نماز جو جماعت سے ادا کی جاتی ہے جیسے کسوف کی نماز کہ ان نمازوں کا اظہار مقصود ہے، اس لئے ان کا مسجد میں پڑھنا اولیٰ ہے۔

أَحَبُّ إِلَيَّ: [وَذَلِكَ لِتَحْصُلِ الْبَرَكَةِ لِلْبَيْتِ وَأَهْلِهِ، وَلِتَنْزِلِ الْمَلَائِكَةُ، وَلِيَذْهَبَ عَنْ الشَّيْطَانِ.]

باب ما جاء في صوم رسول الله ﷺ

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا حماد بن زيد، عن أيوب،

باب حضور اقدس ﷺ کے روزوں کا ذکر

فائدہ: اس باب سے مقصود حضور اقدس ﷺ کے نفل روزوں کا بیان ہے۔ آپ کی عادت شریفہ روزے بہت رکھنے کی تھی، کبھی کبھی آپ مسلسل کئی کئی دن کے روزے رکھتے تھے۔ روزے کی فضیلتیں احادیث کی کتابوں میں بہت سی وارد ہوئی ہیں۔ حق تعالیٰ جل جلالہ کے ہر حکم میں ہر ارشاد میں ہزاروں مصالح ہیں، حکمتیں ہیں۔ آدمی کی عقل کی اتنی پرواز کہاں ہے کہ حق تعالیٰ جل جلالہ جیسے حکیم کی حکمتوں تک پہنچ سکے، ہر شخص کی جہاں تک پرواز ہے وہاں تک وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کے دینی اور دنیوی فوائد کا ادراک کر سکتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اُس سے بھی اونچی ہوتی ہیں۔ جس طرح اور احکام میں ہزاروں مصلحتیں ہیں روزے میں بھی ہیں، منجملہ ان کے چند مصالح ظاہر اور بدیہی ہیں جن میں سے ایک جذبہ مواساة اور ہمدردی ہے، جو شخص خود بھوکا رہتا ہے اُس کو بھوکے کی ہمدردی پیدا ہو سکتی ہے، جو خود بھوک کی تکلیف اٹھاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ غریب پر کیا گزرتی ہے، بھوکے کو کس مصیبت کا سامنا ہے، ایسی حالت میں اُس کو بھوکے کی امداد کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے اور غریب کے ساتھ ہمدردی کو بھی طبیعت تقاضا کرتی ہے۔ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ روزہ سے قوت بہیمیہ اور شہوانیہ کا زور کم ہوتا ہے یہ قوت جب زور پکڑتی ہے تو بہت سے ایسے امور آدمی سے سرزد ہوتے ہیں جو دین و دنیا میں زوئیائی کا سبب بنتے ہیں۔ اسی کو مولانا فرماتے ہیں:

این فسادِ خور و نِ گندم بود

اِس نہ عشق است آن کہ در مردم بود

صوم: [الصوم في اللغة: مطلق الإمساك، وفي الشرع: عبارة عن إمساك مخصوص، وهو الإمساك عن الأكل والشرب والجماع من الصبح إلى المغرب مع النية، والمراد به ههنا ما يشمل الفرض والنفل] قال البيهقوري. وفي بعض السح: صيام رسول الله، وكل مهما مصدر لـ"صام"، فهما بمعنى واحد، وهو لغة: الإمساك ولو عن الكلام، ومنه قوله تعالى: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا﴾ [مرم: ۲۶]، وشرعاً: الإمساك عن المعطرات جميع النهار بيته، والمراد به ههنا ما يشمل الفرض والنفل.

عن عبد الله بن شقيق قال: سألت عائشة رضي الله عنها عن صيام رسول الله ﷺ؟ قالت: كان يصوم حتى نقول: قد صام، ويُفطر حتى نقول: قد أفطر، قالت: وما صام رسول الله ﷺ شهرًا كاملاً منذ قدم المدينة إلا رمضان.

یہ عشق یعنی جو آج کل لوگوں میں ہوتا ہے، وہ عشق نہیں ہے جو بھلے آدمیوں میں ہوتا ہے، یہ پیٹ بھرنے کا فساد ہے کہ جب پیٹ بھرائی مل جاتی ہے تو ناپاک حرکتیں خوب سوچتی ہیں اور جب بھوک کا غلبہ ہو رہا ہو تو عشق و شوق سب بھول جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا ہے کہ جو نکاح نہ کر سکتا ہو اس کو چاہئے کہ روزے کثرت سے رکھا کرے کہ یہ شہوت کو توڑنے والا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بڑی مصلحت روحانیت کی قوت ہے۔ روزہ سے روحانیت کو بہت زیادہ ترقی ہوتی ہے، اسی وجہ سے ہر ملت و مذہب میں کسی نہ کسی صورت سے روزے کا وجود ہے اور مذاہب حقہ میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ سے روزہ کی مشروعیت رہی ہے۔ حضرات انبیاء کرام علی نبینا وآلہٖ وسلم کا معمول روزے میں مختلف رہا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کا معمول ہمیشہ بارہ مہینے روزے رکھنے کا تھا اور حضرت داؤد علیہ السلام کا معمول ایک دن روزہ اور ایک دن افطار، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معمول ایک دن روزہ دو دن افطار تھا، اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کے مختلف معمولات رہے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اس میں بھی عجیب نرالا تھا کہ مصالح و مصلحت کے تحت میں خاص خاص ایام کے روزے معمول اور متعین فرما رکھے تھے اور ان کے علاوہ وقتی مصالح کے تحت میں بسا اوقات لگاتار روزے رکھتے اور بسا اوقات افطار فرماتے جس کی وجہ ظاہر ہے کہ جب روزہ بمنزلہ ایک تریاق اور دوا کے ہے تو وقتی مصالح سے اس میں قلت و کثرت جیسا کہ دوا کا اصول ہے لابد ہے۔ چنانچہ حضور کے چند معمولات نمونہ کے طور پر مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر فرمائے ہیں۔

(۱) عبد اللہ بن شقیق رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روزے رکھنے کے متعلق پوچھا، انھوں نے فرمایا کہ کبھی حضور اس قدر متواتر روزے رکھتے کہ ہمارا یہ خیال ہوتا کہ اس ماہ میں افطار ہی نہیں فرمائیں گے

كان يصوم [أي: يتابع صوم النفل]. بقول بالنصب على الرواية الصحيحة، وحور بعضهم الرفع، قال القسطلاني: وهو ضعيف روية ودراية **قد صام**: أي: الشهر كله أو داوم على الصيام، وعثر عن المستفسر بالاصح دلالة على عدم اشتك في تحققه. **مد قدم** قيدت به؛ لأن الأحكام إما كثرت من حين قدمها، ورمضان م يحرص إلا فيها. **رمضان**: [متى بذلك؛ لأنه يرمض الذنوب أي: يذهبها.]

حدثنا علي بن حجو، حدثنا إسماعيل بن جعفر، عن حميد، عن أنس بن مالك: أنه سئل عن صوم النبي ﷺ، فقال: كان يصوم من الشهر حتى نرى أن لا يُريد أن يفطر منه، ويفطر حتى نرى أن لا يُريد أن يصوم منه شيئاً، وكنت لا تشاء أن تراه من الليل مُصلياً إلا أن رأيته مُصلياً، ولا نائماً إلا رأيته نائماً.

اور کبھی ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے کہ ہمارا خیال یہ ہوتا کہ اس ماہ میں روزہ ہی نہیں رکھیں گے۔ لیکن مدینہ منورہ تشریف آوری کے بعد رمضان المبارک کے علاوہ کسی ماہ کے تمام روزے نہیں رکھے (ایسے ہی کسی ماہ کو کامل افطار میں گزار دیا ہو یہ بھی نہیں کیا۔ کما فی ابی داود) حضور اقدس ﷺ کے اس معمول کے متعلق کسی قدر تفصیل حدیث نمبر ۳ کے ذیل میں آئے گی۔

(۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے حضور کے روزوں کے متعلق پوچھا، انھوں نے فرمایا کہ عادت شریفہ اس میں مختلف تھی۔ کسی ماہ میں تو اتنی کثرت سے روزے رکھتے تھے جس سے خیال ہو جاتا کہ اس میں افطار فرمانے کا ارادہ ہی نہیں ہے اور کسی ماہ میں ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے جس سے ہم یہ سمجھتے کہ اس ماہ میں آپ کا روزہ کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ آپ کی عادت شریفہ یہ بھی تھی کہ اگر تم حضور ﷺ کو رات کو سوتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی مل جاتا اور اگر نماز پڑھتا ہوا دیکھنا چاہو تو یہ بھی میسر ہو جاتا۔ **فائدہ:** مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی عادت شریفہ نہ تمام رات سونے کی تھی نہ تمام رات جاگنے کی، بلکہ درمیانی رفتار میں حقوقِ نفس کی رعایت فرماتے ہوئے عبادات کا اہتمام بھی پورا پورا فرماتے تھے۔ اس لئے شب کو سوتے ہوئے دیکھنا بھی ممکن تھا کہ کچھ حصہ آرام بھی فرماتے تھے اور نماز کی حالت میں دیکھنا بھی کہ کچھ حصہ نماز میں گزرتا تھا۔

حجر بضم الحاء المهملة وسكون الجيم. روى بون الجمع أو بالتحناية على باء المجهول أو بالخطاب، ثلاثة وجوه، قاري. وجعل المناوي الثاني أيضاً ببناء المعروف فقال: وفيه ضمير من غير مرجع.

أن لا يريد بالصّب، ووجه طاهر، وروي بالرفع على أن "أن" مخففة من الثقيلة.

ولا نائماً قال المناوي: لا يشكل على الحديث قول عائشة: كان إذا صلى صلاةً دوام عليها، وقولها: كان عمله دعة؛ لأن المراد بدلت ما اتخذ راتباً، لا مطلق النفل، فهذا وجه الجمع بين الحديثين، وإلا فظاهرهما التعارض. قال ميرك: وهو لا يشفي العليل، كما ترى، قال القاري: والأظهر أن يقال: إعمال العمل المسمى بالتهجد مثلاً تارة في أول الليل وتارة في آخره لا يباي مداومة العمل، كما أن صلاة الفرض تارة بصلي في أول الوقت وتارة في آخره، وهو ظاهر، يشفي العليل.

حدثنا محمود بن غیلان، حدثنا أبو داود، حدثنا شعبة، عن أبي بشر قال: سمعت سعيد بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: كان النبي ﷺ يصوم حتى نقول: ما يُريد أن يفطر منه، ويفطر حتى نقول: ما يُريد أن يصوم، وما صام شهرا كاملا منذ قدم المدينة إلا رمضان.

بعض علماء نے اس کا دوسرا مطلب بھی بتایا ہے وہ یہ کہ عادت شریفہ اس باب میں مختلف تھی کہ کبھی اول شب میں نوافل پڑھتے، کبھی وسط رات میں، کبھی اخیر میں۔ اس لئے رات کے کسی حصہ خاص میں کوئی سوتے ہوئے یا نماز پڑھتے ہوئے دیکھنا چاہیے تو دیکھ سکتا ہے، یعنی اگر کوئی یہ چاہے کہ میں اول رات میں حضور کو نماز پڑھتا ہوا دیکھوں تو کسی دن یہ بھی مل جاتا اور اس وقت سوتا ہوا دیکھنا چاہیے تو یہ بھی مل جاتا۔ اس لئے کہ رات کا ہر حصہ کسی نہ کسی دن حضور نماز میں گزارتے تھے اور اس کی دو مصلحتیں سمجھ میں آتی ہیں: اول تو یہ کہ عبادت جو اصل مقصد اور آدمی کے وجود کی غرض ہے اور اللہ کی رضا کا سبب ہے، رات کے ہر حصہ کو کبھی نہ کبھی اُس کی برکات میسر ہو جائیں اور قیمت میں رات کا ہر حصہ اپنے اندر عبادت کا وجود رکھے۔ دوسرے یہ کہ عبادت جب ایک ہی وقت میں ہوتی رہے تو بمنزلہ عادت بن جاتی ہے پھر مشقت کا لطف نہیں رہتا اور جب رات کے مختلف حصوں میں عبادت کی جائے گی تو عادت نہ بنے گی۔

(۳) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی حضور کی یہ عادت شریفہ مروی ہے کہ کسی ماہ میں اکثر حصہ روزہ رکھتے تھے جس سے ہمارا خیال ہوتا تھا کہ اس میں افطار کا ارادہ نہیں اور کسی ماہ میں ایسے ہی اکثر افطار فرماتے تھے، لیکن کسی ماہ میں بجز رمضان المبارک کے تمام ماہ روزہ نہیں رکھتے تھے۔ **فائدہ:** نبی کریم ﷺ کا یہ معمول متعدد روایات میں گزر چکا ہے۔ اس معمول کی دو وجہ ہیں: اول تو یہ کہ باب کے شروع میں گزر چکا ہے کہ روزہ حقیقت میں ایک تریاق ہے اور بسا اوقات روحانی ترقی اور دیگر وقتی مصالح کے لئے بطور دوا کے بھی رکھا جاتا ہے ایسی صورت میں دوا کے عام اصول کے موافق بسا اوقات اُس کے مسلسل استعمال کی حاجت ہوتی ہے اور بسا اوقات خاص ضرورت نہیں ہوتی، یا اگر معمولی ضرورت بھی ہوتی ہے تو دوسرے وقتی عوارض کی وجہ سے دوا کا ترک ضروری ہوتا ہے جو اطبا کے یہاں ایک معروف چیز ہے، اور نبی کریم ﷺ کے برابر روحانیت کا طبیب کون ہو سکتا ہے! اس لئے نبی کریم ﷺ وقتی ضروریات کے لحاظ سے بسا اوقات مسلسل روزے رکھتے تھے

حدثنا محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، عن سفيان، عن منصور، عن سالم بن أبي الجعد، عن أبي سلمة، **عن** أم سلمة رضي الله عنها قالت: ما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم يصوم شهرين متتابعين إلا شعبان ورمضان.

اور بسا اوقات مسلسل افطار فرماتے تھے۔ امت کے لئے بھی جو حضرات خود روحانی طبیب ہیں وہ روحانی مصالح کے لحاظ سے روزے اور افطار کے اوقات متعین فرما سکتے ہیں اور جو شخص خود طبیب نہیں ہے وہ کسی روحانی طبیب کے زیر علاج عمل درآمد کرے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ خصوصی معمولات تھے، مثلاً: پیر، جمعرات کا روزہ رکھنا، ہر مہینہ میں تین روزے رکھنا، ایام بیض، عشرہ محرم، عشرہ ذی الحجہ کے روزے رکھنا وغیرہ وغیرہ، یہ معمولات بسا اوقات اسفار وغیرہ عوارض کی وجہ سے چھوٹ جاتے تھے اس لئے عوارض دور ہو جانے کے بعد بطور تقاضا اور تلافی کے جتنے روزے معمول میں سے ترک ہو جاتے تھے ان کو پورا فرمایا کرتے تھے کہ یہ بھی حضور کی ایک خصوصی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی عبادت کو شروع فرماتے تو اس پر دوام اور نباہ فرمایا کرتے تھے، اس لئے جتنے روزے معمول سے رہ جاتے تو ان کو رکھتے اس لئے لگاتار روزے رکھنے کی نوبت آ جاتی تھی۔ **اللهم وفقنا لاتباعه**.

(۶) ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو رمضان و شعبان کے سوا دو ماہ کامل روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ **فائدہ:** یہ حدیث بظاہر گزشتہ تمام احادیث کے خلاف ہے کیونکہ اب تک سب روایتیں اس پر متفق تھیں کہ حضور رمضان المبارک

شعبان [سمي بذلك؛ لتشعبهم في العارات بعد أن يرحح رجب، وقيل: لتشعبهم في طيب الماء] هذا ينافي ما سبق أنه ﷺ لم يصم شهراً كاملاً غير رمضان، وجمع بأن المراد أنه صام أكثره؛ لرواية مسلم: كان يصوم شعبان كله، كان يصومه إلا قليلاً، قال النووي: الثاني مفسر للأول، يعني معنى قولها: "كله" غالیه، وقد نقل الترمذي عن ابن المبارك أنه جاء في كلام العرب: إذا صام أكثر الشهر أن يقال: صام الشهر كله، واستعبده الطيبي معذراً بأن الكل تأكيد لإرادة الشمول ودفع التحور، فتفسيره ببعض مناف له، قال: فيحمل على أنه كان يصومه كله في وقت ويصوم أكثره في وقت آخر؛ لئلا يتوهم أنه واحب كرمضان، فعلى هذا مراد عائشة وابن عباس رضي الله عنهما من قولهما: "ما صام شهراً" ما صامه على الدوام، وقيل: المراد بقولها: "كله": أنه يصوم من أوله تارة، وآخره أخرى، وأشأله طوراً، فلا يحل شيئا منه من صيام ولا يخلو عن بعد، على أنه صام شعبان كله، واطبعت عليه أم سلمة ولم يطلع عليه ابن عباس وعائشة رضي الله عنهما.

قال أبو عيسى: هذا الإسناد صحيح، وهكذا قال: عن أبي سلمة، عن أم سلمة، وروى هذا الحديث غير واحد عن أبي سلمة، عن عائشة رضي الله عنها، عن النبي ﷺ،

کے علاوہ کسی ماہ کے مسلسل روزے نہیں رکھتے تھے، لیکن اس حدیث میں اُس کے ساتھ شعبان کو بھی ملا دیا۔ ان دونوں کی تطبیق علماء نے مختلف طریقہ سے فرمائی ہے: اول یہ کہ اس حدیث میں تمام شعبان کو مبالغہ کے طور پر کہا گیا ہے۔ حضور کی عادت شریفہ اکثر حصہ شعبان کے روزے رکھنے کی تھی، چنانچہ آئندہ حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے خود اس کی تصریح موجود ہے۔ دوسرے یہ کہ ممکن ہے کسی وقت میں اتفاقاً حضور نے تمام ماہ شعبان کے روزے رکھے ہوں جس کی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کو اطلاع ہوئی آوروں کو نہیں ہوئی۔ تیسرے یہ کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ حضرات کی روایت میں عادت کی نفی ہے کہ حضور کی عادت شریفہ رمضان کے علاوہ اور کسی ماہ کے مسلسل روزے رکھنے کی نہیں تھی، اتفاقاً کسی ماہ کے پورے روزے رکھ لینا اُس کے منافی نہیں ہے، اس لئے اگر کسی سال کسی عارض کی وجہ سے حضور نے شعبان کے بھی پورے روزے رکھ لئے ہوں، تو چونکہ وہ معمول نہ تھا اس لئے حضرت عائشہ وغیرہ نے ان کا تذکرہ نہیں کیا اور چونکہ پورے مہینے کے رکھے تھے اس لئے حضرت ام سلمہ نے ان کو ذکر کر دیا، اس لئے اس میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ چوتھے یہ کہ حضور ابتدا میں شعبان کے تمام مہینے کے روزے رکھتے ہوں اور اخیر میں ضعف کی وجہ سے کم کر دیئے ہوں، اس لئے جس نے آخری فعل ذکر کیا اس وجہ سے کہ وہ آخری فعل تھا، اُس نے اکثر ذکر کر دیا اور جس نے یہ خیال کیا کہ یہ عارض کی وجہ سے تھا، اصل معمول تمام مہینہ کا تھا، اُس نے تمام مہینہ ذکر کر دیا۔

قال أبو عيسى إلخ: غرض المصنف دفع ما يظهر في هذا الحديث من الاختلاف على أبي سلمة بأن سلماً رواه عن أبي سلمة، عن أم سلمة، وغير واحد رواه عنه، عن عائشة فدفعه المصنف بقوله: إنه يحتمل أن أبا سلمة روى عنهما جميعاً. الإسناد يشكك عليه: بأن المصنف أخرج الحديث في الجامع هذا الإسناد، وحكم عليه بأنه حسن، فكيف حكم عليه في الشمائل بالصحة؟ وأجيب: بأنه حكم ههما بالصحة على الإسناد، والحكم على الإسناد بالصحة أنزل درجة من الحكم على الحديث بالصحة، كما ذكره ابن الصلاح. غير واحد أي: كثير من الرواة. قال ميرك: رواه محمد بن إبراهيم التيمي عن أبي سلمة، عن عائشة، ووافقه يحيى بن أبي كثير، وسالم أبو النضر عند البحاري وغيره، ومحمد بن إبراهيم، وزيد بن أبي عياث عند النسائي، وخالفهم يحيى بن سعيد، وسالم بن أبي الجعد، فروياه عن أبي سلمة، عن عائشة.

ويحتمل: أن يكون أبو سلمة بن عبد الرحمن قد روى هذا الحديث، عن عائشة وأم سلمة جميعاً عن النبي ﷺ. **حدثنا** هناد، حدثنا عبدة، عن محمد بن عمرو، حدثنا أبو سلمة، **عن** عائشة رضي الله عنها قالت: لم أر رسول الله ﷺ يصوم في شهر أكثر من صيامه في شعبان، كان يصوم شعبان إلا قليلاً بل كان يصومه كله.

ای کا نہ بصوم کلہ

بعض نے اس کا عکس بتایا ہے جیسا کہ روایت کے ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اول اکثر مہینے کے روزے رکھتے تھے بعد میں تمام کے رکھنے لگے۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو (رمضان کے علاوہ) شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے رکھتے نہیں دیکھا۔ شعبان کے اکثر حصہ میں آپ روزے رکھتے تھے، بلکہ (قریب قریب) تمام مہینہ کے روزے رکھتے تھے۔ **فائدہ**: یہ ترقی کر کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا تمام ماہ رمضان کے روزوں کا ذکر صاف بتا رہا ہے کہ اس سے مبالغہ مقصود ہے۔ شعبان میں روزوں کی کثرت کی وجہ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمائی کہ اس مہینہ میں وہ دن بھی ہے جس میں سال کے اعمال حق تعالیٰ **جل جلالہ** کے دربار میں پیش ہوتے ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں۔ اس کے علاوہ اور بھی بعض وجوہ احادیث وغیرہ میں وارد ہوئی ہیں اور بعض اوقات ایک وجہ کا ہونا دوسرے وقت میں دوسری وجہ کا ہونا بھی ممکن ہے اور متعدد وجوہ کا جمع ہو جانا بھی۔

كان يصوم حال من مفعول 'لم أر' إن كانت الرؤية بصرية، وإلا بأن كانت علمية وهو الأظهر فهي مفعول ثان، وقوله: "أكثر" صفة مفعول مطلق، أي: صياماً أكثر من صيام النبي ﷺ في شعبان بل كان إلخ يعني: أن ما لا يصومه من شعبان في غاية من القلة بحيث يظن أنه صام كله، فكلمة "بل" للترقي، ولا ينافيه حيث قد قولها: "إلا قليلاً" ولا ما سبق من أنه "ما صام شهراً كاملاً منذ قدم المدينة" ويشكل: إكثاره ﷺ صيام شعبان مع أنه ورد عند معلّم وغيره: أفضل الصيام بعد رمضان صوم شهر الله المحرم، وأجيب: باحتمال أنه كان يعرض له ﷺ أعذار تمنعه عن الصوم كالسفر وغيره، أو لأن لشعبان تخصيص رفع الأعمال وهو لا يوجد في المحرم، أو لأنه ﷺ ما علم أفضلية المحرم إلا في آخر عمره الشريف، قاله البيهقوري. قلت: يحتمل أن المراد بشهر المحرم صوم بعضه وهو يوم عاشوراء دون تمام الشهر، وكان ﷺ يصوم، فلا إيراد.

حدثنا القاسم بن دينار الكوفي، حدثنا عبيد الله بن موسى، وطلّح بن غنّام، عن شيبان، عن عاصم، عن زرّ، عن عبد الله بن مسعود قال: كان رسول الله ﷺ يصوم من غرة كل شهر ثلاثة أيام،
[اول الشهر]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور کا معمول تین دن ہر ماہ روزے رکھنے کا تھا، وہ بسا اوقات عوارض کی وجہ سے رہ جاتے تھے اور سب کا مجموعہ شعبان میں حضور رکھا کرتے تھے، اس کے ساتھ دوسری روایات میں پیر، جمعرات کا روزہ بھی حضور کا معمول نقل کیا گیا ہے۔ ایسی صورت میں اگر دو تین مہینے بھی تمام سال میں کسی عذر سے چھوٹ گئے تو ایک مہینہ کے روزے بن جانا کیا مشکل ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رمضان کی تعظیم کی وجہ سے شعبان کا روزہ افضل ہے، یعنی جیسا فرض نمازوں سے قبل سنتیں پڑھی جاتی ہیں ایسے ہی رمضان سے قبل نفل روزے ہیں۔ اگرچہ حضور نے ضعف کے خیال سے رمضان شریف سے قبل روزے کو منع بھی فرمایا ہے مگر حضور پر ضعف روزہ کا کچھ ایسا نہ ہوتا تھا اسی وجہ سے لگاتار روزے بھی رکھ لیتے تھے۔ ایک حدیث میں آیا ہے حضور سے کسی نے شعبان میں روزوں کی کثرت کا سبب پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ اس مہینہ میں ہر اُس شخص کا نام مرنے والوں میں لکھا جاتا ہے جو اس تمام سال میں مرنے والے ہوں، میرا دل چاہتا ہے کہ میری موت ایسی حالت میں لکھی جائے کہ میں روزہ دار ہوں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم ﷺ کا ہر مہینہ میں نفل روزے رکھنے کا مخصوص معمول تھا اور رمضان المبارک میں نفل روزے رکھنے کی کوئی صورت نہ تھی اس لئے ماہ رمضان کے حصے کے روزے بھی پیشگی شعبان ہی میں رکھ لیتے تھے اور اسی بناء پر شعبان رمضان دو مہینوں کے روزے مل کر اکثر حصہ مہینہ کا ہو جاتا تھا۔

(۶) عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہر مہینہ کے شروع میں تین دن روزہ رکھ کرتے تھے اور جمعہ کے دن بہت کم افطار فرماتے تھے۔ **فائدہ:** ہر مہینہ میں تین دن روزہ رکھنے کی ترغیب مختلف احادیث میں وارد ہوئی ہے۔

عبيد الله بن موسى يلعط التصغير. فما في بعض النسخ: عن عبد الله بن موسى غلط. غنام يعين معجمة فون مشددة عبد الله أي: ابن مسعود كما هو مصرح في رواية المشكوة، مع أنه يكون هو المراد عند الإطلاق في اصطلاح المحدثين قاله القاري. غرة بضم عين معجمة وتشديد راء أي: أوله، والمراد هناك أوائمه. ثلاثة أيام [أي افتتاحا للشهر عما يقوم مقام صوم كله، إذ الحسنة بعشر أمثالها].

وَقَلَّمَا كَانَ يَفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا أبو داود، أخبرنا شعبة، عن يزيد الرُّشك قال: **سمعت** ^۷ مُعَاذَةَ قَالَتْ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ، قُلْتُ: مَنْ أَيُّهُ كَانَ يَصُومُ؟ قَالَتْ: كَانَ لَا يُيَالِي مِنْ أَيُّهِ صَامَ. قَالَ أَبُو عِيْسَى: يَزِيدُ الرُّشكُ هُوَ: يَزِيدُ الضُّبَعِيُّ الْبَصْرِيُّ،

ہر نیکی کا ثواب دس گن ہونے کی وجہ سے تین روزوں کا ثواب ایک ماہ کے روزوں کے برابر ہو جاتا ہے اور اس حیثیت سے یہ شخص گویا عمر بھر روزہ دار رہنے کے حکم میں ہوگا۔ ان تین دن کی تعیین میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں لیکن کوئی مخالفت نہیں، کبھی حضور اقدس ﷺ مہینہ کے شروع ہی میں تین روزے رکھ لیتے تھے، کبھی کبھی ہر چہر، جمعرات کو، کبھی تیرہ، چودہ، پندرہ کو، ایسے ہی اور مختلف اوقات میں بھی، اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آئندہ حدیث میں وارد ہے کہ متعین ایام نہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایام بیض کے روزے کبھی سفر یا حضر میں ترک نہیں فرماتے تھے۔ دوسرا مضمون حدیث بالا میں جمعہ کے روزہ کے متعلق ہے، اس حدیث سے جمعہ کے دن روزہ کا اہتمام معلوم ہوتا ہے لیکن دوسری روایات میں روزہ کے لئے جمعہ کی تخصیص کی ممانعت آئی ہے، اسی وجہ سے بعض علماء حدیث بالا کی وجہ سے اس کے استحباب کے قائل ہوئے ہیں اور بعض علماء ممانعت کی وجہ سے جمعہ کی تخصیص کو مکروہ بتاتے ہیں، خود حنفیہ کے یہاں بھی دونوں قول ہیں۔

وقلما [أي: قل ببطاره يوم الجمعة] قيل: 'ما' كافة، وقيل: صلة لتأكيد معنى القلة، وقيل: مصدرية أي: قل كونه مفطراً يوم الجمعة، وهو دليل لأبي حنيفة ومالك حيث ذهبوا إلى أن صوم يوم الجمعة وحده حسن، وعند جمهور الشافعية بكره أفرادها بالصوم؛ لرواية الصحيحين عن أبي هريرة مرفوعاً: "لا يصوم أحدكم يوم الجمعة" الحديث إلى آخر ما بسطه القاري، وفيه أيضاً قال القاسمي: يَحْتَمِلُ أَنْ يَكُونَ الْمَعْنَى: أَنَّهُ لَا يَتَعَدَّى إِلَّا بَعْدَ الْجُمُعَةِ، كَمَا رَوَى عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ وَبَعْدَهُ لَا يَحْفَى، وَسَبَّحَ اخْتِلَافَ الْمَذَاهِبِ فِي ذَلِكَ فِي الْأَوْجُرِ، وَاحْتَلَفَتْ الْأَقْوَالُ فِي كُلِّ مَذْهَبٍ مِنْ مَذَاهِبِ الْأُئِمَّةِ، وَاحْتَمَلَتْ الْمَرْجِعَ عَنِ الشَّافِعِيَّةِ وَالْحَنَابِلَةِ كَرَاهَةَ الْإِفْرَادِ، وَعَنِ الْمَالِكِيَّةِ نَدْبَ الصَّوْمِ، وَاحْتَمَلَتْ التَّرْجِيحَ عَنِ الْحَنَفِيَّةِ فِي الدُّبِّ وَالْكَرَاهَةَ.

قال أبو عيسى إلخ: غرض المصنف بيان توثيقه، ويشكل عليه: بأنه تقدم ترجمته في أبواب الضمعي، فكان الأنسب إيراد التوثيق هناك، وأجيب: بأنه احتيج إلى بيان توثيقه ههنا؛ لأن ما رواه ههنا يعارضه ما مر من أنه كان يصوم عرّة كل شهر. **الضمعي** بصم المعجمة وفتح الموحدة بعدها مهملة، سنة إلى صيغة بن ثعلبة، قاله اسمعالي في الأساب.

وهو ثقة، وروى عنه شعبة وعبد الوارث بن سعيد وحماد بن زيد وإسماعيل بن إبراهيم، وغير واحد من الأئمة، وهو يزيد القاسم، ويقال: القسّام. والرشك بلغة أهل البصرة هو: القسّام. **حدثنا** أبو حفص عمرو بن علي، **حدثنا** عبد الله بن داود، عن ثور بن يزيد، عن خالد بن معدان، عن ربيعة الجرشى، **عن عائشة** ^ع قالت: كان النبي ﷺ يتحرى، صوم الاثنين والخميس.

(۷) معاذہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ ^ع سے پوچھا کہ حضور ہر ماہ میں تین روزے رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ رکھتے تھے۔ میں نے مکرر پوچھا کہ مہینہ کے کن ایام میں رکھتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ اس کا اہتمام نہیں تھا، جن ایام میں موقعہ ہوتا رکھ لیتے۔ **فائدہ**: یعنی کسی زمانہ میں یہ بھی معمول شریف رہا ہے کہ تعین ایام کا اہتمام نہیں تھا اور کبھی مخصوص ایام میں، مثلاً مہینہ کی پہلی تین تاریخوں میں، کبھی مہینہ کی اخیر تین ایام میں، کبھی ایک مہینہ میں شنبہ، یکشنبہ، دو شنبہ کو رکھتے اور دوسرے مہینہ میں سہ شنبہ، چہار شنبہ، پنجشنبہ کو رکھتے، اسی لئے اس بارے میں مختلف روایت وارد ہوئی ہیں اور اسی لئے حضرت عائشہ ^ع نے تعین کا انکار فرمادیا۔

(۸) عائشہ ^ع فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ پیر جمعرات کے روزہ کا (اکثر) اہتمام فرماتے تھے۔ **فائدہ**: بعض روایات میں ان دنوں کے روزے کے اہتمام کی وجہ بھی وارد ہوئی ہیں، چنانچہ ایک وجہ ابو ہریرہ ^ع کی حدیث میں قریب ہی آرہی ہے

والرشك احتف في معنى الرشك، وسب تقيمه به فقي به معنى كثير محبة، وقدم في باب صحى، ومال المصنف إلى أنه معنى القسمة، وكان يراد عرف عم القسمة، أو كان يشارها من جهة تمسكه، وكان مذهب في قسمة الأراضي وحرفها، وقيل رشك: العقر، نف به؛ مدحوه في حبه ومكته ثلاثا، وقيل لأنه كان عبوراً فكان عين لعيبة والرشك، دل لعسلاقي هو المعتمد. فالرشك بالفتح في لغارية معنى لعيبة، وعرب فعير، أو قاله بقري.

عمرو فتح أوله والواو، هو أبو حفص القاسم الخافط. **عند** لله بن داود كذا في الأصل وكذا في جامع الترمذي وسنن أبي داود في نسخة بقري وسنن أبي داود بزيادة لفظ أبي سفيان من نسخة.

الجرشي نصب جيم وفتح راء وثني معجمة، موضع باليمن. يتحرى [من التحرى، وهو: التقصد والاجتهاد، والعزم في الصب] تحراه. نعمده نصب ما هو آخرى بالاسنعم، بمعنى عبي الأول. يتعمد صومهما فيصوم عن الصوم متصراً هما، وعلى الثاني: مجتهداً في إيقاع الصوم فيهما.

حدثنا أبو مُصْعَب المَدِينِيّ، عن مالك بن أنس، عن أبي النضر، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن عائشة ؓ قالت: ما كان رسول الله ﷺ يصوم في شهر أكثر من صيامه في شعبان.
حدثنا محمد بن يحيى، حدثنا أبو عاصم، عن محمد بن رفاعه، عن سُهَيْل بن أبي صالح، عن أبيه، عن أبي هريرة ؓ أن النبي ﷺ قال: تعرض الأعمال يوم الاثنين والخميس، فأحب أن يُعرض عملي وأنا صائم.

کہ یہ دونوں دن اعمال کی پیشی کے ہیں۔ پیر کے دن کے متعلق مسلم شریف کی ایک روایت میں یہ بھی وارد ہوا ہے کہ میں پیر ہی کے دن پیدا کیا گیا ہوں اور پیر ہی کے روز مجھ پر قرآن شریف نازل ہونا شروع ہوا ہے۔ ایک حدیث میں وارد ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن حق تعالیٰ شانہ ہر مسلمان کی مغفرت (بشرط قواعد) فرمادیتے ہیں، مگر جن دو شخصوں میں آپس میں چھوٹ چھٹاؤ ہو، ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ ان کی مغفرت کو اُس وقت تک روک دیا جائے جب تک یہ آپس میں صلح نہ کر لیں۔

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔ **فائدہ:** اس کا بیان مفصل گزر چکا ہے۔

(۱۰) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اعمال پیر اور جمعرات کے دن حق تعالیٰ کی عالی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں۔ **فائدہ:** تاکہ قبولیت کے زیادہ قریب ہو جائیں۔

ابو مصعب. بصيغة المفعول، واحتجعت نسخ الشرائع في صفته بين المديني والاسمي، والأكثر على الأول، قال اسوي: هو عبد لسلام بن حمص البني أو السمي، ولهم أبو مصعب آخر وآخر. **رفاعة.** بكسر الراء وبعد الألف عين مهملة، وقال اسوي: كعمامة بقاء ومهملات. **تعرض** [العرض ثلاثة أقسام: عرض لعمل اليوم والليلة، وعرض لعمل الأسبوع، وعرض لعمل السنة، وحكمة العرض: أن الله تعالى يباهي بالطائعين الملائكة، وإلا فهو عي عن العرض؛ لأنه أعلم بعباده من الملائكة] أشكل عليه برواية مسلم يرفع إليه عمل الليل قبل عمل النهار، وعمل النهار قبل عمل الليل، وأجيب. بأن الرفع غير العرض، وفيه توجيهات آخر، قال اسوي: وكذا تعرض ليلة النصف من شعبان وليلة القدر، فالأول إجمالي باعتبار الأسبوع، والثاني والثالث باعتبار العام، وفائدة تكرير العرض إظهار شرف العاملين بين الملائكة الأعمى، وبالخير يعلمه شذوذ قول الحلبي: اعتياد صومها مكروه.

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبو أحمد ومعاوية بن هيثم قالوا: حدثنا سفيان، عن منصور، عن **خَيْثَمَةَ**، عن عائشة **رضي** الله عنها قالت: كان رسول الله **ﷺ** يصوم من الشهر: السبت والأحد والاثنين، ومن الشهر الآخر: الثلاثاء والأربعاء والخميس.

اعمال پیش ہونے میں یہ اشکال ہے کہ مسم شریف کی ایک روایت کا یہ حاصل ہے کہ اعمال صبح شام دو مرتبہ روزانہ بارگاہ تک پہنچتے ہیں، پھر پیر جمعرات کو پیش ہونے کا کیا مطلب؟ ان دونوں کے درمیان میں محدثین نے مختلف طریقہ سے جمع کیا ہے، سہل یہ ہے کہ رات دن کے اعمال تفصیلی طور پر روزانہ دو مرتبہ پیش ہوتے ہیں، رات کے علیحدہ، دن کے علیحدہ اور معمولی تفصیل سے، اور پھر ہفتہ میں دو بار پیر جمعرات کو پیش ہوتے ہیں اور تمام سال کے مجموعی اعمال اجمالی طور پر شعبان میں اور شب قدر میں بھی پیش ہوتے ہیں۔ اور بار بار کی پیشی میں منجمد متعدد مصالح کے ایک مصلحت فرشتوں کے سامنے نیک لوگوں کا اظہار شرف ہے کہ ان حضرات نے آدمی کے پیدائش کے وقت یہ اشکال کیا تھا کہ آپ ایسی مخلوق کو پیدا فرما رہے ہیں جو دنیا میں کشت و خون اور فساد برپا کریں گے، اسی لئے حق تعالیٰ نے بہت سے نیک اعمال پر فرشتوں کے سامنے تفاخر کے طور پر تذکرہ بھی فرماتے ہیں، ورنہ حق تعالیٰ ہر شخص کے ہر عمل سے ہر وقت واقف ہیں، ان کے لئے اعمال پیش کرنے کی ضرورت نہیں۔

(۱۱) حضرت عائشہ **رضی** اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس **ﷺ** (کبھی) ہر مہینہ کے تین روزے اس طرح بھی رکھتے تھے کہ ایک مہینہ میں ہفتہ، اتوار، پیر کو روزہ رکھ لیتے اور دوسرے ماہ میں منگل، بدھ، جمعرات کو۔ **فائدہ**: تاکہ ہفتہ کے تمام دنوں میں روزہ ہو جائے اور جمعہ کا روزہ قصداً نہ رکھتے ہوں جیسا کہ بعض روایات میں اس کو عید کا دن قرار دیا گیا اور دوسرے اہم مشاغل اس میں ہوتے ہیں، یا اس روایت میں ذکر نہیں کیا گیا دوسری روایت میں اس کے روزے کا ذکر ہے ہی۔

حیثمہ بفتح حاء معجمة وثناء مثناة بينهما تختانية **السب** سمي به؛ لأن السبت: القصة، وذلك اليوم انقطع فيه الحق؛ لأنه عر اسمه خلق السموات والأرض في ستة أيام، ابتدأ يوم الأحد وحتم يوم الجمعة خلق آدم **ﷺ** [سمي بذلك لأنه أول ما بدأ الله الحق فيه، وأوّل الأسبوع على خلاف فيه] **واحد** بانصب فيه وفيما قبله على أنه معمول فيه لا يصوم، قال المظهر: أرد **ﷺ** أن يبين سبب جميع أيام الأسبوع، وإنما يصومها متوالية، فلا يشق على الأمة الاقتداء به، ولم يذكر في هذا الحديث يوم الجمعة، وقد ذكر في حديث ابن مسعود قبل هذا: أنه فيما كان يفطره أي: مفرداً أو مصصاً إلى ما قبله أو بعده قاله القاري، وقال الماوي: ترك الجمعة، لأنه كان يكره صومه. وأنت حير بأن الكراهة ليست في المصصة.

حدثنا هارون ابن إسحاق الهمداني، حدثنا عبدة بن سليمان، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة ^{رض} قالت: كان عاشوراء يوماً يصومه

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ عاشوراء کا روزہ زمانہ جاہلیت میں قریش رکھا کرتے تھے اور حضور اقدس ﷺ بھی (ہجرت سے قبل تظوناً) رکھ لیا کرتے تھے (لیکن ہجرت کے بعد) جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو خود بھی (اہتمام سے) رکھا اور امت کو بھی (وجوباً) حکم فرمایا۔ مگر جب رمضان المبارک نازل ہوا تو وہی فرضی روزہ بن گیا اور عاشورے کی فرضیت منسوخ ہو گئی (اب استحب باقی ہے) جس کا دل چاہے رکھے، جس کا دل چاہے نہ رکھے۔

فندہ: عاشورے کے روزے کی فضیلت میں مختلف روایتیں وارد ہوئی ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف کی روایت میں ہے کہ عرفہ کے روزہ سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور عاشورے کے روزہ سے ایک سال کے۔ بعض شروح میں لکھا ہے عاشورے کے دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تھی اور حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کنارے پر آئی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی تھی اور فرعون غرق ہوا تھا، اسی دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی دن آسمان پر اٹھائے گئے، اسی دن حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے خلاصی ملی اور اسی دن اُن کی امت کا تصور معاف ہوا اور اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے نکالے گئے، اسی دن حضرت ایوب علیہ السلام کو مشہور مرض سے صحت عطا ہوئی اور اسی دن حضرت ادریس علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے، اسی دن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت ہوئی، اسی دن حضرت سلیمان علیہ السلام کو ملک عطا ہوا۔ اس کے علاوہ اور بھی کرامات اس دن کی شروح حدیث اور کتب سیر میں لکھی ہیں، محدثانہ حیثیت سے ان میں کلام بھی ہے مگر بہت سی کرامات صحیح طور سے بھی ثابت ہیں۔ کہتے ہیں کہ وحشی جانور بھی اُس دن روزہ رکھتے ہیں۔ اللہ اکبر! کس قدر متبرک دن ہے جس کو ہم لوگ لہو و لعب میں ضائع کر دیتے ہیں۔ غالباً انہیں میں سے کسی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں اس دن کی فضیلت مشہور تھی جس کی وجہ سے قریش اسلام سے قبل اس کا روزہ رکھتے تھے، جب حضور مدینہ طیبہ ہجرت کر کے تشریف لائے تو دیکھا کہ یہود جو اہل کتاب ہیں وہ بھی اس دن کا روزہ رکھتے ہیں۔

قریش فی الجاہلیۃ، وکان رسول اللہ ﷺ یصومه، فمما قدم المدینۃ صامہ وأمر بصیامہ،

حضور نے ان سے دریافت فرمایا کہ یہ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ اس دن حق تعالیٰ شانہ نے حضرت موسیٰؑ کو خلاصی عطا کی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا جس کے شکر یہ میں حضرت موسیٰ نے اس دن کا روزہ رکھا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہم لوگ حضرت موسیٰ کی اتباع کے تم سے زیادہ مستحق ہیں اس لئے حضور نے خود بھی روزہ رکھا اور امت کو بھی اس روزہ کا حکم فرمایا۔ مسلم شریف میں یہ قصہ مذکور ہے، اسی وجہ سے حنفیہ کے نزدیک رمضان سے پہلے یہ روزہ فرض تھا جب رمضان شریف کا روزہ فرض ہوا تو اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی، استحباب اور ایک سال کے گناہ معاف ہونے کی فضیلت اب بھی باقی ہے۔

مسئلہ: عاشورے کا روزہ اصل دسویں تاریخ کا ہے لیکن نبی کریم ﷺ ابتدائے اسلام میں اہل کتاب کی موافقت فرماتے تھے کہ ان کا مذہب بہر حال آسمانی ہے اور مشرکین کے مذہب سے اولیٰ۔ مگر اخیر زمانہ میں اہل کتاب کی مخالفت کا قول اور فعلاً اہتمام ہو گیا تھا جو بہت سی وجوہ سے ضروری تھا اسی سلسلہ میں کسی صحابی نے ادھر توجہ دلائی تو حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اگر زندہ رہا تو آئندہ سب نوین تاریخ کا روزہ رکھوں گا۔ ایک دوسری روایت میں ہے کہ یہود کی مخالفت کرو اور

الجاہلیۃ. أي: قبل بعثته ﷺ تنقيا من أهل الكتاب أو باجتهاد منهم، وقال القرطبي: لعنهم استندوا في صومه إلى شرع إبراهيم أو نوح عليهما السلام، فقد ورد في أخبار أنه اليوم الذي استوت فيه السفينة على الجودي فصامه نوح شكراً، ولذا كانوا يعصمونه أيضاً لكسوة الكعبة، وعن عكرمة أنه سئل عن ذلك، فقال: أدنبت قریش دنیا في الجاهلية فعظم في صدورهم، فقليل هم: صوموا عاشوراء يكفر ذلك.

بصومه: [أي: موافقة لقریش كما هو ظاهر السياق، أو موافقة لأهل الكتاب، أو بإهام من الله تعالى].
وأمر بصيامه: فيه دليل لما قدمه الحنفية إنه كان فرضاً ثم نسخ، خلافاً للجمهور الشافعية، وقد روى مسلم عن سمية بن الأکوع أنه سمع رجلاً من أسامة يوم عاشوراء، فأمره أن يودع في الناس: "من كان لم يصم عبصمه، ومن أكل فبنيته صومه بن الليل"، وقال ميرك: هكذا وقع في حديث عائشة، وفيه اختصار، وأخرج الشيخان من حديث ابن عباس ع: أن النبي ﷺ لما قدم المدينة وجد اليهود يصوم عاشوراء، فسأله عن ذلك، فقالوا: هذا يوم أنقذ الله فيه موسى، وأعرق فيه فرعون وفومه فصامه شكراً، فقال: نحن أحق بموسى منكم، فصامه وأمر بصيامه، واستشكل رجوعه ﷺ إليهم في ذلك، وأجيب باحتمال أن يكون أوحى إليه بصدقهم، أو ثبوت الخبر بذلك، أو أحبر به من أسامه منهم، أو باجتهاد منه ﷺ

فَمَا افْتَرَضَ رَمَضَانَ كَانَ رَمَضَانَ هُوَ الْفَرِيضَةُ، وَتُرِكَ عَاشُورَاءُ، فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَه. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا سفيان، عن منصور، عن إبراهيم، **عن** ^۳ علقمة قال: سألت عائشة رضي الله عنها: أكان رسول الله ﷺ يَخْصُّ مِنَ الْأَيَّامِ شَيْئًا؟

نویں یا گیارہویں کا روزہ رکھ کرو، یعنی دسویں کے ساتھ ایک اور ملا لیا کرو کہ اس سے تشبہ جاتا رہتا ہے اس لئے تنہا عاشورے کا نہیں رکھنا چاہئے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اُس کے ساتھ نویں تاریخ کا روزہ ملا لے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے، اگر نویں کا نہ ملا سکے تو پھر گیارہویں کا ملا لے۔

(۱۳) علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: کیا حضور اقدس ﷺ ایام کو عبادت کے لئے مخصوص فرمایا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا کہ (نہیں) حضور کے اعمال دائمی ہوتے تھے، تم میں سے کون طاقت رکھتا ہے جس کی حضور اقدس ﷺ طاقت رکھتے تھے! **فائدہ:** یعنی کسی دن کو کسی عبادت کے ساتھ مخصوص فرما لیتے ہوں، مثلاً پیر کا دن روزہ کے ساتھ مخصوص ہو کہ ہر پیر کو روزہ رکھتے ہوں کبھی افطار نہ فرماتے ہوں، یا یہ کہ پیر کے علاوہ روزہ نہ رکھتے ہوں۔ یہ دونوں باتیں نہ تھیں، البتہ یہ حضور کا معمول تھا کہ جو کام شروع فرماتے اُس پر مداومت فرماتے تھے۔ تم لوگ اس قدر مداومت اور اہتمام کی طاقت نہیں رکھتے جتنے حضور اپنے معمولات کا اہتمام فرماتے تھے کہ جو معمول کسی عذر سے رہ جاتا

هو **الفرصة** يعني صارت الفرصة محصورة في رمضان؛ لأن تعريف السد مع صمير الفصل يفيد فصر السد على السد إليه، وهذا أصرح دليل في أن الفرض قبل رمضان كان غيره.

عاشوراء وهذا أيضاً دليل على الوجوب السابق، فإنه ما ترك استحبابه بل هو باق. قال الحافظ ابن حجر: يؤخذ من مجموع الأحاديث أنه كان واجبا شوت الأمر بصومه، ثم تأكيد الأمر بذلك، ثم بإسداء العام، ثم زيادته بأمر من أكل بالإمساك، ثم زيادته بأمر لأهميات أن لا يرصع فيه الأطفال، ويقول ابن عس وعائشة رضي الله عنهما ما فرض رمضان ترك عاشوراء مع عدم بانه مترك استحبابه بل هو باق قبل على أن يتروك وجوبه، وأما قول بعضهم: إن التروك تأكيد استحبابه والباقي مطلق استحبابه، فلا يخفى ضعفه، بل تأكيد استحبابه باق، ولا سيما استمرار الاهتمام به حتى عام وفاته ﷺ حيث يقول: إن عشت فلا صوم التاسع والعاشر، ولترعيه في صومه، وإنه يكفر سنة، وأي تأكيد أبع من هذا

يَخْصُّ مِنَ الْأَيَّامِ: [أي: يتطوع في يوم معين بعمل مخصوص فلا يفعل في غيره مثله.]

قالت: كان عمله ديمةً، وأيكم يطيق ما كان رسول الله ﷺ يطيق؟ حدثنا هارون بن إسحاق، أخبرنا عبدة، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة ^(۱۰) قالت: دخل علي رسول الله ﷺ

دوسرے وقت اُس کو پورا فرماتے جیسا کہ شعبان کے روزوں کے بیان میں گزرا۔ حاصل یہ کہ اس حیثیت سے تخصیص نہ تھی کہ وہ عمل اُسی دن کیا جائے اور اس دن میں دوسرا عمل نہ کیا جائے۔ البتہ معمولات کے پورا کرنے کا اہتمام تھا جن میں خاص ایام کے روزے بھی داخل ہیں۔ اس تقریر پر یہ اشکال نہیں رہا کہ خود حضرت عائشہ ^(۱۰) سے حدیث نمبر ۸ پر پیر جمعرات کے روزے کا اہتمام گزر چکا ہے۔ حافظ حدیث ابن حجر ^(۱۱) کی تحقیق یہ ہے کہ یہ سوال جواب ان تین روزوں کے متعلق ہے جو ہر ماہ میں حضور کے رکھنے کا معمول تھا جن کا ذکر حدیث نمبر ۷ میں گزرا۔ اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں ہے۔

(۱۰) حضرت عائشہ ^(۱۰) کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ایک مرتبہ تشریف لائے تو میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھیں۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا کہ فلاں عورت ہیں جو رات بھر نہیں سوتیں۔ حضور نے فرمایا کہ نوافل اس قدر اختیار کرنے چاہئیں جن کا تحمل ہو سکے، حق تعالیٰ اس سے بڑا ثواب دینے سے نہیں گھبراتے یہاں تک کہ تم عمل کرنے سے گھبرا جاؤ۔ حضرت عائشہ ^(۱۰) فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو وہی عمل زیادہ پسند تھا جس پر آدمی نباہ کر سکے۔

فـ ولفظ البحاري برواية جيني عن سفيان في هذا الحديث: قالت: لا، قال ابن التين: استدل به بعضهم على كراهة غري صيام يوم من الأسبوع، وأجاب لرب من المسير بأن السائل في حديث عائشة بما سأل عن تخصيص يوم من حيث كونه أياماً، فإى حصص لأمر لا يشاركه فيه بقية الأيام، كيوم عرفة، وعاشوراء، وجميع ما عيى معنى خاص، ويشكل على هـ الخواب صوم الاثنين، فقد وردت فيها أحاديث صحيحة، فالخواب أن يقال: نعل المراد بالأيام المستول عنها: الأيام الثلاثة من كل شهر، فكان السائل لما سمع أنه كان يصوم ثلاثة أيام، ورعب في أنها تكون أيام لبص، سأل عائشة: هل يخصها بالبصر؟ فقالت: لا، كان عمله ديمةً يعني لو جعلها البصر لتعبت، وداوم عليها لأنه كان يجب أن يكون عمله ديمةً، لكن أراد التوسعة بعدم تعيينها، فكان لا يباي من أي الشهر صامها، كما تقدمت الإشارة إليها في حديث عائشة، منحص من الفتح، وحديث عائشة هو المتقدم قريباً من حديث معادة عنها.

دیمہ: عقلہ من الدوام، انقب ووه ياء بكسرة ما قبلها، وأصل الديمة: مطر يدوم أياماً لا رعد فيه ولا برق، أقله ثلاث ليل، ثم شبه به غيره مما له دوام. وأيكم يطيق [أي واحد منكم يطيق العمل الذي كان رسول الله ﷺ يطيقه من الملوطة والخشوع والخضوع والإخلاص وغير ذلك].

وعندي امرأة، فقال: من هذه؟ قلت: فلانة، لا تنام الليل، فقال رسول الله ﷺ: عليكم من الأعمال ما تطيقون، فوالله، لا يَمَلُّ حتى تَمَلُّوا، وكان أحب ذلك إلى رسول الله ﷺ الذي يَلُوم عليه صاحبه.

ای اللہ کما فی روایہ

فائدہ: یہ صحابیہ حضرت حولاء رضی اللہ عنہا تھیں۔ صحابہ کرام میں عبادت کا ولولہ اور جوش تھا۔ حدیث کی کتابوں میں بہت سے قصے اس قسم کے مذکور ہیں کہ ان حضرات کا شوق ان کو حد سے زیادہ مجاہدہ پر مجبور کرتا تھا مگر حضور اکرم ﷺ اعتدال کی نصیحت فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک مشہور صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ یہ طے کر لیا کہ عبادت میں بہت ہی کوشش کروں گا، دن میں ہمیشہ روزہ رکھا کروں گا اور رات کو روزانہ ایک کلام مجید ختم کیا کروں گا۔ میرے والد نے ایک شریف عورت سے میرا نکاح کر دیا۔ ایک مرتبہ والد نے بیوی سے میرا حال دریافت کیا، اُس نے عرض کیا: بہت نیک آدمی ہیں، رات بھر بستر پر نہیں آتے نہ کسی سے کوئی واسطہ رکھیں۔ میرے والد مجھ پر خفا ہوئے کہ میں نے کیسی شریف عورت سے تو تیرا نکاح کیا تھا تو نے اُس کو معلق چھوڑ رکھا ہے۔ مجھ پر غلبہ شوق میں کچھ اثر نہ ہوا۔ والد نے حضور اکرم ﷺ سے شکایت کر دی۔ حضور نے مجھ سے دریافت فرمایا میں نے سنا ہے کہ تم دن کو ہمیشہ روزہ رکھتے ہو اور رات بھر نماز پڑھتے ہو۔ میں عرض کیا کہ حضرت! صحیح ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا: ایسا نہ کیا کرو کبھی روزہ رکھا کرو اور کبھی افطار۔ اسی طرح رات کو نمازیں بھی پڑھا کرو اور سویا بھی کرو، تمہارے بدن کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے کہ رات بھر جاگنے سے ضعیف ہو جاتی ہیں، تمہاری بیوی کا بھی حق ہے، اولاد کا بھی حق ہے، ملنے والوں کا بھی حق ہے۔

امراة راد عبد الرراق في رواية: حسنة الخيفة، وفي رواية البخاري: أمها من بني أسد، وفي مسلم: أمها الخولاء بنت توبت. فلانة قال الرصي: بكنى بفلان وفلانة على أعلام الأناسي خاصة، فيجربان بحري المكبي عنه، فيكونان كالعسم فلا يدخلهما اللام، ويمتنع صرف فلانة، ولا يجوز تكبير فلان، فلا يقال: جاءني فلان وفلان آخر.

لا تنام الليل [أي: تحبب بصلاة وذكر وتلاوة قرآن ونحوها]. عليكم غير مع أن المحاطب النساء لتعميم الحكم فعبت المذكور على الإناث، والمعنى اشتعلوا وألزموا. ما تطيقون. [يعني حدوا من الأعمال العمل الذي تطيقون الدوام عليه بلا صرر، والمقصود بالخطاب عموم الأمة] لا يَمَلُّ يفتح أولهما وثانيهما، وإسداد الملل إليه تعالى عن سبيل المشاكلة، كما في قوله تعالى: ﴿يَسْأَلُ اللَّهَ فَيَسْئَلُهُمْ﴾ [التوبة: ٦٧] ولا فالملال وهو: استثقال الشيء محال عليه تعالى باتفاق العلماء، وقيل: إن الله تعالى لما كان يقطع ثوابه عن قطع عن العمل ملالاً عبر عنه بالملال من تسمية الشيء باسم سسه، وهذا كله إذا كان حتى عنى باهما، وقيل: هي معني الواو، أي: لا يمل الله أبداً وأنتم تملون، وقيل: بمعنى حين.

حدثنا أبو هشام محمد بن يزيد الرفاعي، حدثنا ابن فضيل، عن الأعمش، عن أبي صالح قال: سألت عائشة وأم سلمة: أي العمل كان أحب إلى رسول الله ﷺ؟ قالتا: ما دام عليه وإن قل. **حدثنا** محمد بن إسماعيل، حدثنا عبد الله بن صالح، حدثني معاوية بن صالح، عن عمرو بن قيس: أنه سمع عاصم بن حميد قال: **سمعت** عوف بن مالك يقول: كنت مع

(۱۵) ابو صالح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ کے نزدیک کونسا عمل زیادہ پسندیدہ تھا؟ دونوں نے یہ جواب دیا کہ جس عمل پر مداومت کی جائے، خواہ کتنا ہی کم ہو۔ **فائدہ** ان سب روایتوں سے یہ مقصود ہے کہ روزہ اور ایسے ہی ہر نفعی عمل خواہ قلیل ہو، لیکن جتن کر سکے اتنا نباہ کر اہتمام سے کرے، مگر ایسا بھی نہ کرے کہ نہ بھرنے کے خوف سے نفل اعمال کو بالکل ہی خیر باد کہہ دے کہ فرائض میں کوتاہی کو پورا کرنے والی چیزیں نوافل ہی ہیں، اس لئے اہتمام کے ساتھ جس قدر نباہ سکے اس کی سعی کرے۔

(۱۶) عوف بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک شب حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تھا، حضور نے مسواک فرمائی، پھر وضو فرمایا، پھر نماز کی نیت باندھ لی۔ میں نے بھی حضور کی اقتدا کی اور حضور کے ساتھ نماز کی نیت باندھ لی۔ حضور نے سورۃ بقرہ شروع فرمائی اور جس آیت رحمت پر گذرتے وہاں وقف فرما کر حق بن بنی سے رحمت کا سوال فرماتے اور ایسے ہی جس آیت عذاب پر گذرتے وہاں وقف فرما کر حق تعالیٰ بن بنی سے اس عذاب سے پناہ مانگتے۔ پھر حضور نے تقریباً اتنی ہی دیر رکوع فرمایا، رکوع میں **سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ**۔ یہ دعا پڑھتے رہے۔ پاک ہے وہ ذات جو حکومت اور سلطنت والی، نہایت بزرگی اور عظمت و بڑائی والی ہے۔ پھر رکوع ہی کی مقدار کے موافق سجدہ کیا اور اس میں بھی یہی دعا پڑھی (پھر دوسری رکعت میں) سورۃ آل عمران (اور اسی طرح ایک ایک رکعت میں) ایک ایک سورۃ پڑھتے رہے۔ **فائدہ** یہ چار رکعتیں کتنی لمبی ہوں گی، اغماظ سے خود ظاہر ہے کہ ایک سورۃ بقرہ ڈھائی پارے کی سورت اور پھر حضور کی تلاوت کہ نہایت اطمینان سے ہر حرف علیحدہ ظاہر ہو، اس پر ہر آیت رحمت اور عذاب پر ٹھہر کر دعائیں مانگن، پھر اتنا ہی طویل رکوع اور

الرفاعي بكسر الراء وتخفيف الفاء، نسبة إلى أحد أجداده رفاعه. **سألت** بصيغة المعلوم من المسكلمة وحده، وفي نسخة سنلت ساء جھول نصب عائشة وأم سلمة عني لأول ورعهما عني شيء أي العمل [أي أي نوع العمل]

رسول الله ﷺ ليلة فاستاك، ثم توضعاً، ثم قام يُصلي، فَقُمْتُ معه، فبدأ فاستفتح البقرة، فلا يُمِرُّ بآية رحمة إلا وقف فسأل، ولا يُمِرُّ بآية عذاب إلا وقف فتعوذ، ثم ركع، فمكث راکعاً بقدر قيامه، ويقول في ركوعه: سبحان ذي الجبروت والملكوت والكبرياء والعظمة، ثم سجد بقدر ركوعه ويقول في سجوده: سبحان ذي الجبروت والملكوت والكبرياء والعظمة،

[صاحب جبر والقهر] [سجد مع العبد] [تعوذ من العذاب]

پھر سجدہ بھی ایسی ہی، یہ ایک رکعت ہوئی اس طرح کی چار رکعت جو تمام رات میں بھی بمشکل پوری ہوں، لیکن غلبہ شوق کے سامنے بالخصوص ایسی ذات کے لئے جس کی آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہو، یہ چیز کچھ بھی گراں نہ تھی۔ اخیر کی چند حدیثوں کو حضور کے روزے کے تذکرہ سے بظہر کوئی تعلق نہیں۔ شمائل کے بعض نسخوں میں تو یہ متفرق باب چاشت کا بیان اور روزہ کا بیان وغیرہ ہیں ہی نہیں بلکہ یہ تمام حدیثیں حضور کی عبادت کے باب میں ہیں، اس میں تو کوئی اشکال ہی نہیں لیکن جن نسخوں میں یہ متفرق باب موجود ہیں ان میں ایک دقیق بات معلوم ہوتی ہے۔ وہ یہ کہ عموماً جو لوگ روزوں کے شوقین ہوتے ہیں اکثر دیکھ گیا ہے کہ وہ ایسا افراط کرنے لگتے ہیں کہ حقوق میں کوتاہی ہو جاتی ہے اس لئے اول امام ترمذی رحمہ اللہ نے اعتدال اور میانہ روی کی روایتیں ذکر کیں اور اخیر روایت سے اس طرف بھی اشارہ کر دیا کہ اگر غلبہ شوق میں کسی وقت کچھ معمول سے زیادتی ہو جائے تو مضائقہ نہیں، ایسا نہ ہونا چاہئے کہ عبادت سے طلال اور نفور پیدا ہو جائے۔

رسول الله الح قال ميرك: اعلم انه لم يظهر وجه مناسبة هذه الأحاديث بعنوان الباب، وحكي أنه وقعت في بعض السج عقب حديث حديمة وهو أشبه بالصواب، وأظن أن إيرادها ههنا من تصرف الساج، وقيل: ليس في بعض السج المقروءة على المصنف باب صبرة الصبح ولا باب صلوة لتصوع ولا الصوم، بل وقع جميع الأحاديث في باب العبادة فلا إشكال. وقال أساوي في حديث عائشة وأم سلمة: أخره إلى الصوم مع أنه باب العبادة أليق؛ لأن كثيراً بداومون عليه أكثر من غيره فذكره في ذلك رجراً عن الملازمة وإن كان لا اختصاص به بالصوم، ثم قال في حديث عوف: وجه حتم الباب بهذا الخبر أنه لما استطرذ إلى أن أفضل الأعمال ما يطاق، بين أن ارتكاب المشق نادراً لا يموت لفصيلة، وهذا أولى من قول القسطلاني: إنه وقع سهواً من الساج. فقمت معه أي [الصلوة معه، والافتداء به].

فسأل [يعني أسئلك عن القراءة وسأل الله الرحمة]. والكبرياء [الترفع عن جميع الخلق مع اتقيادهم له والتسره عن كل نقص].
العظمة: [وهي تجاوز القدر عن الإحاطة به].

ثم قرأ آل عمران، ثم سورة سورة يفعل مثل ذلك.

ثم سورة أي. ثم قرأ سورة في الثالثة وأخرى في الرابعة، ففيه حذف حرف العطف، فرعم أنه تأكيد لمطبي عدول عن ذلك، قال ميرك: ويحتمل أن يكون المراد أنه قرأ السور المذكورة في ركعة واحدة، كما في حديث حذيفة المتقدم في باب العبادة، والاحتمال الأول أوفق بظاهر هذا السياق.

باب ما جاء في قراءة رسول الله ﷺ

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا الليث عن ابن أبي مليكة، عن يعلى بن مملك: أنه سأل أم سلمة عن قراءة رسول الله ﷺ؛ فإذا هي تنعت قراءة مفسرة: حرفاً حرفاً. حدثنا محمد بن بشر، حدثنا وهب بن جرير بن حازم، حدثنا أبي، عن قتادة قال: قلت لأُنس بن مالك: كيف كانت قراءة رسول الله ﷺ؟

أي: مكية من المفسر وهو البهاج والمفسر مثله

باب حضور اقدس ﷺ کی قراءت کا ذکر

فائدہ: یعنی حضور کی تلاوت کی کیفیت کا بیان ہے کہ حضور کس طریقہ سے ترتیل اور تجوید کے ساتھ تلاوت فرماتے تھے۔ اس باب میں آٹھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) یعلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، ام المؤمنین سے حضور ﷺ کی قراءت کی کیفیت پوچھی، انھوں نے ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ صاف صاف کیفیت بتائی۔ فائدہ: یعنی حضور اقدس ﷺ کے پڑھنے میں حروف واضح طور سے ظاہر ہوتے تھے۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے زبانی یہ کیفیت بتائی ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس طرح پڑھ کے بتایا ہو جس سے کیفیت ظاہر ہو، شراح حدیث دونوں احتمال بتاتے ہیں مگر اقرب دوسرا احتمال ہے، اس لئے کہ حضرت ام سلمہ سے اسی نوع کی ایک حدیث نمبر ۳ پر آرہی ہے، اُس میں حضرت ام سلمہ نے پڑھ کر بتایا کہ اس طرح تلاوت فرماتے تھے۔

(۲) قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کی قراءت کی کیفیت پوچھی تو انھوں نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ (مد والے حروف کو) مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھتے تھے۔ فائدہ: یعنی جو حروف ایسے ہوتے تھے کہ ان کو مد کے

قراءة: یعنی فی کیفیت قراءۃ القرآن ترتیلاً ومداً ووقفاً، إسراراً وإعلاماً وترجيماً وغيرها. الليث وقع في بعض النسخ "ليث بن شهاب" وهو غلط، ليس في الرواة أحد اسمه ليث بن شهاب، بل هو ليث بن سعد. اس أبي مليكة بالتصغير، اسمه عند الله بن عبيد الله مملك بفتح الميم الأولى وسكون الثانية وفتح اللام بعدها كاف. تعت [تصف، من قولهم: نعت الرجل صاحبه أي وصفه.] قال الطبري: وصفها بذلك إما بالقول بأن تقول: كانت قراءته كذا، أو بالفعل بأن تقرأ كقراءته، قال عصام: هو الظاهر. مفسرة: [أي: حال كونها مفصلة الحروف.]

قال: **مداً. حدثنا علي بن حجر، حدثنا يحيى بن سعيد الأموي، عن ابن جريح، عن ابن أبي مليكة، عن أم سمية** **قالت: كان النبي ﷺ يقطع قراءته يقول: ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [الفاتحة: ۲]،**
 من التقطع، وهو: جعل الشيء قطعة قطعة

ساتھ پڑھا جاتا ہے ان کو مد کے ساتھ پڑھتے تھے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے جب اطمینان سے تلاوت کی جائے، جدی جلدی میں مد کے ساتھ پڑھنا مشکل ہے۔ اس سے دونوں باتیں ظاہر ہو گئیں: اطمینان سے پڑھنا بھی اور مدوں کی رعایت کرنا بھی۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ مد کے بھی قواعد ہیں جو تجوید کی کتابوں میں مفصل موجود ہیں، ان کی رعایت ضروری ہے، ہرے زمانہ کے بعض قاری مدوں کو اتنا کھینچتے ہیں کہ حدود سے بڑھ جاتا ہے، ہر چیز اصول اور قواعد کے موافق ہی صحیح ہے، افراط اور تفریط دونوں مذموم ہیں۔

(۳) ام سمية بنت خنیس کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تلاوت میں ہر آیت کو جدا جدا کر کے عیحدہ عیحدہ اس طرح پڑھتے تھے کہ **حَمْدٌ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ** [الفاتحة: ۲] پر ٹھہرتے، پھر **وَبِالرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** [الفاتحة: ۳] پر وقف کرتے، پھر **وَمَالِكٌ يَوْمَ الدِّينِ** [الفاتحة: ۴] پر وقف کرتے۔ **فائدہ:** غرض ہر آیت کو جدا جدا نہایت اطمینان سے ترتیل کے

مداً [أي بمد الحرف الذي يستوحى المد]. بفتح المصدر: أي ذات مد، والمرد به: تصويل النفس في حروف المد واللين، وفي رواية إسحاري: كان بمد مد، وفي بعض النسخ: مداء على وزن فعلاء، قال القاري: لم ينف عنه رواية. **الأموي** بضم الهمزة وفتح ميم، نسبة إلى بني أمية. **أو فلكبه** قال المصنف في الخاتم: هكذا روى يحيى بن سعيد وغيره عن ابن جريح، عن ابن أبي مليكة، عن أم سمية، وليس إسناده متصل؛ لأن الليث بن سعد روى هذا الحديث عن ابن أبي مليكة، عن يحيى، عن أم سمية، كما وصفت قراءة أبي. **حرف حرفاً**، وحديث لبيث أصبح. قال السوي: تعقبه مقصلاي: بأن سماع ابن أبي مليكة من أم سمية ثابت عند علماء أسماء الرجال، فما أدري كيف حكم بعدم اتصافه، ورواية الليث غير نص في الانقضاء؛ لاحتمال كونه من المرید في متصل الأسانيد. وقال الحافظ مقصلاي نقلاً عن ابن أبي مليكة: أدركت ثلاثين من أصحاب النبي ﷺ وذكر في من سمع منهم أم سلمة، قال القاري: وإذا ثبت سماعه منها فلم لا يخور أن يسمع الحديث بهذا اللفظ من أم سلمة، وباللفظ المتقدم عن يعلى عنها؟

بمقطع قراءته [أي. يقف على رؤوس الآي وإن تعلقت بما بعدها، فيسّر الوقف على رؤوس الآي]. **شع** فيه دليل على أن السمة ليست جزءاً من الفاتحة على ما هو مذهب الحموية ومذهب مالك، قاله القاري، خلافاً لشافعية.

ثم يقف، ثم يقول: ﴿الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ [الفاتحة: ۳]، ثم يقف، وكان يقرأ: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾. [الفاتحة: ۴]. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، حدثنا الليث، عن معاوية بن صالح، **عن** عبد الله بن أبي قيس قال: سألت عائشة **عن** قراءة النبي ﷺ: أكان يُسرّ بالقراءة أم يجهر؟ قالت: كل ذلك قد كان يفعل، قد كان ربّما أسرّ وربّما جهر، **فقلت**: الحمد لله الذي جعل في الأمر سعة.

ساتھ پڑھتے تھے۔ قرآن کے یہاں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے کہ ہر آیت پر سانس لینا افضل ہے یا نہیں۔ مرشد عالم حضرت مولانا گنگوہی **رحمۃ اللہ علیہ** کا ایک مستقل رسالہ (رد الطعیان فی أوقاف القرآن) جو نہایت مختصر ہے، اردو زبان میں شائع ہے، اس مسئلہ کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے۔

(۸) عبد اللہ بن ابی قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ قرآن شریف آہستہ پڑھتے تھے یا پکار کر؟ انھوں نے فرمایا کہ دونوں طرح معمول تھا۔ میں نے کہا کہ الحمد للہ اللہ کا شکر و احسان ہے جس نے ہر طرح سہولت عطا فرمائی (کہ بمقتضائے وقت جیسا مناسب ہو، آواز سے آہستہ اسی طرح پڑھ سکے)۔

فائدہ: یہ سوال جیسا کہ جامع ترمذی شریف کی روایت میں تصریح ہے تہجد کی نماز کے بارے میں تھا اور اس کے جواب میں حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** کا یہ فرمانا کہ دونوں طرح معمول تھا یعنی آواز سے بھی اور آہستہ بھی، اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے

ثم **نصف** قناه القاري: الحاصل أنه كان يقف على رؤوس الآي نعيماً بالأمة ولوفيه قطع الموصوف عن الصفة، ولذا قال البيهقي وأخيمى وغيرهما: يسر أن يقف على رؤوس الآي وإن تعلقت بما بعدها للاتباع، فقدح بعضهم في الحديث. بأن محل لوقف 'يوم الدين' عمدة عن قواعد القراء؛ إذ أجمعوا على أن الوقف على لفواصل وقف حسن، وإما الخلاف في الألف، هل هو الموصل أو الوقف؟ فاحمهور كاسنجاوودي وغيره على الأول واخزري على الثاني. **مالك** **بو** قال اسنوي. بالألف في جميع نسخ الشماثل، قال القسطلاني **أطه** وهما من السباح، والنصواب: 'ملك' بحذف الألف. قلت: احتلفت روايات أم سمه في هذا اللفظ جداً، فأحرجه أبو دود وأحمد والبيهقي بالألف، والترمذي في الجامع وإسحاق بن سريته بالألف. أكان يُسرّ [أي: يخفي قرأته بحيث لا يسمعه غيره أم يظهرها بحيث يسمعه غيره]. **فقلت** [القاتل هو عبد الله بن أبي قيس]. **سعة:** [يعني من حيث الجهر والإسرار سعة، ولم يضيق علينا بتعيين أحد الأمرين].

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا وكيع، حدثنا مسعر، عن أبي العلاء العبدی، عن يحيى بن جعدة، عن أم هانئ رضی اللہ عنہا قالت: كنت أسمع قراءة النبي ﷺ بالليل وأنا على عريشي.

سید مخدوم

کہ ایک رات میں ہی دونوں طرح معمول تھا اور یہ بھی صحیح ہے کہ کسی رات میں آواز سے پوری نماز پڑھنے کی نوبت آتی تھی اور کسی رات میں آہستہ تمام نماز پڑھ لیتے تھے، دونوں صحیح ہیں اور تہجد میں دونوں طرح پڑھنے میں مضائقہ نہیں ہے۔ وقت کی مناسبت سے بسا اوقات آواز سے پڑھنا افضل ہوتا ہے، بالخصوص جہاں دوسروں کی ترغیب کا سبب بنے یا نشاط پیدا ہوتا ہو اور جہاں کسی کی تکلیف کا خفاں ہو یا ریا کا شبہ ہو وہاں آہستہ پڑھنا اولیٰ ہوتا ہے۔ جہر سے پڑھنے میں دوسروں کی تکلیف کی رعایت ضروری ہے اور کسی وقت دونوں برابر ہوں تو معمولی جہر اولیٰ ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا معمول تہجد میں آہستہ پڑھنا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز سے پڑھتے تھے، ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ کا دونوں حضرات پر گزر ہوا، دونوں کا حال دیکھا، صبح کو جب دونوں حضرات حاضر خدمت تھے، حضور اقدس ﷺ نے اس کا تذکرہ فرمایا۔ ابو بکر! میں تمہارے پاس سے گزرا تم بہت آہستہ آہستہ پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ میں جس پاک ذات سے باتیں کر رہا تھا وہ مَن ہی رہا تھا، پھر حضرت عمر سے فرمایا کہ تم بہت بلند آواز سے پڑھ رہے تھے۔ انھوں نے عرض کیا کہ غفلت سے سونے والوں کو جگانا اور شیطان کو اپنے سے دور رکھنا مقصود تھا۔ حضور نے دونوں حضرات کی تصویب فرمائی اور حضرت ابو بکر سے فرمایا کہ تم اپنی آواز کو تھوڑا سا بڑھالیا کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم ذرا آہستہ کر دو۔

(۵) ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (مسجد حرام میں قرآن شریف پڑھتے تھے اور میں حضور) کے پڑھنے کی آواز رات کو اپنے گھر کی چھت سے سُنا کرتی تھی۔ **فائدہ:** یعنی یہ کہ حضور اقدس ﷺ نہایت صاف صاف بلند آواز سے پڑھتے

العبدی بہت عین وسکون موحدة، وفي بعض النسخ: اعوي يفتح الغير لمعجمة والسنون وكسر الواو، قاله لقاري. قلت: والمؤيد بكتب الرجال هو الأول. **قراءة النبي** [أي: وهو يقرأ في صلاته نيلاً عند الكعبة، قبل الحجر]. **عريشي** [عريش، وهو: ما يُستَظَلُّ به، والمقصود هنا الفراش، والحال أنني نائمة على سريري]. قال لصاوي. هو بئذات الباء، وفي نسخ بخذفها. والعريش والعرش. السرير، وشبه بيت من جريد يخضع فوقه اشمام وسقف اسيت، وكهنا يستظل به أو يهيا للكرم؛ ليرتفع عليه، قال القاري: والمراد به السرير، وفي رواية لنسائي وابن ماجة: قالت كنت أسمع وأنا نائمة على فراشي، وفي المواهب عن ابن ماجة: قالت: كنا نسمع قراءة النبي ﷺ في جوف اسبل عند الكعبة وأنا على عريشي.

حدثنا محمود بن غیلان، حدثنا أبو داود، أنبأنا شعبة، عن معاوية بن قرة قال: **سمعت** عبد الله بن مغفل يقول: رأيت النبي ﷺ على ناقته يوم الفتح وهو يقرأ: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا﴾

تھے کہ میں اپنے مکان سے سُن لیتی تھی۔ رات کے وقت ویسے بھی آواز دُور تک جایا کرتی ہے اور پھر مکان کی چھت پر تو اور بھی صاف جاتی ہے، بالخصوص جب مکان قریب ہو۔

(۲) عبد اللہ بن مغفل **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو فتح مکہ کے دن ۱۱ھ میں

ﷺ (الفتح: ۲۱) پڑھتے دیکھا، حضور اقدس ﷺ ترجیع کے ساتھ پڑھ رہے تھے معاویہ بن قرة (جو اس حدیث کے ایک راوی ہیں، وہ) کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کے جمع ہو جانے کا ڈر نہ ہوتا تو میں اُس لہجہ میں پڑھ کر سُناتا۔

فائدہ ترجیع کے معنی لغت کے اعتبار سے لوٹانے کے ہیں آواز کو لوٹا کر پڑھنا مراد ہے۔ خود عبد اللہ بن مغفل سے اس کی تفسیر ”آ“ منقول ہے، اس کا مطلب بعض علماء نے آواز کو درست کر کے پڑھنے کا فرمایا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو مکہ مکرمہ کے فتح ہونے اور دار الاسلام بن جانے کی وجہ سے غایت سرور تھا اس لئے نہایت لطف سے پڑھ رہے تھے، مگر میرے استاذ حضرت والد صاحب **رحمۃ اللہ علیہ** کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ چونکہ اونٹنی پر تشریف فرما تھے اس لئے اُس کی حرکت سے آواز ترجیعی معلوم ہوتی تھی۔ اسی بناء پر عبد اللہ بن مغفل نے اُس کی تفسیر ”آ“ سے نقل کی اور اسی وجہ سے معاویہ نے اُس کی نقل کرنے کی ہمت نہیں کی کہ دانستہ اُس طرح آواز بنانے سے لوگ مجتمع ہو جائیں گے، اس توجیہ کے موافق آئندہ حدیث کے بھی مخالف نہیں ہوگی۔ بندہ کے نزدیک یہی توجیہ زیادہ پسندیدہ ہے، اس لئے کہ اگر پہلے قول کے موافق آواز بنا کر اور درست کر کے پڑھنا مراد ہے تو پھر لوگوں کے مجتمع ہونے کا کیا خوف ہے! قرآن پاک کو اچھی آواز سے جس میں گانے سے مشابہت پیدا نہ ہو، پڑھنا ہی چاہئے۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوان سے قرآن پاک کو ترتیل سے اچھی آواز کے ساتھ پڑھنے کی ترغیب وارد ہوئی ہے، جن میں سے بعض روایات میں اپنے رسالہ چہل حدیث میں لکھ چکا ہوں، جس کا دل چاہے اُس کو دیکھے۔

فرہ بصم قاف وتشدید راء مهملة. علی ناقته [أي: حال كونه راكباً على ناقته الغصباء أو غيرها].

فتح مسد [وهذا الفتح هو فتح مكة كما روي عن أس، أو فتح حير كما روي عن مجاهد، والأكثرون على أنه صبح الحديبية؛ لأنه أصل الفتوحات كلها.]

لِيُغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ ﴿۲۷﴾ [الفتح: ۲۷] قال: فقرأ و رجّع، قال: وقال معاوية بن قرة: لولا أن يجتمع الناس عليّ لأخذت لكم في ذلك الصوت -أو قال: اللحن- . **حدثنا** قتيبة بن سعيد، **حدثنا** نوح بن قيس الحداّني، عن **حُسام بن مصلّب**، **عن** قتادة قال: ما بعث الله نبياً إلا **حَسَنَ** الوجه **حَسَنَ** الصوت،

(۱) قتادہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ہر نبی کو حسین صورت اور حسین آواز والا مبعوث فرمایا ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ حسین صورت اور جمیل آواز والے تھے۔ حضور اقدس ﷺ قرآن شریف (گانے والوں کی طرح) آواز بنا کر نہیں پڑھتے تھے۔ **فائدہ:** اس حدیث کو پہلی حدیث سے بظاہر تعارض ہے، جس کی توجیہ گذشتہ حدیث کے ذیل میں گزر چکی ہے کہ آواز کو لوٹا کر پڑھنے کی نفی مقصود ہے، بعض علماء نے اس سے گانے کی آواز مراد لی ہے کہ گانے کی آواز سے تلاوت کی ممانعت متعدّد احادیث میں وارد ہوئی ہے۔

لعن لك الله [أي: لتجتمع لك هذه الأمور الأربعة: وهي المعفرة، وإتمام النعمة، وهداية الصراط المستقيم، والصر العزير.] **رجّع** قال القاري: من الترجيع معى التحسين، وإشباع المد في موضعه، وقال المناوي: أي ردّد صوته بالقراءة، ومنه ترجيع الأدب، أو قارب ضروب الحركات في الصوت، وقد فسره عبد الله بن معجل بقوله: 'آ آ آ' وذلك يشأ عابياً عن أريجة وابسط، والمصطفى حصل له من ذلك حصص وافر يوم الفتح، ورغم ابن الأثير أن ذلك حصل من هر اساقفة، وردّ: بأنه لو كان بغير اختيار لما حكاه عبد الله وفعله اقتداءً. وفيه: أنه لم يفعله بل تركه بحافة اجتماع الناس، ولو كان هذا باختياره ومما ينبغي أن يقتدى به فعله معاوية ولو اجتمع، بل أحب أن يجتمع له الناس؛ ولذا تعقب القاري عني المناوي: بأن حكايته ليس للتأسي، بل للعلم بكيفيته.

احداً نسبة إلى حداد، بضم حاء وتشديد دال مهمتين، قبيلة من الأرد. **حسام** بضم حاء مهمة بعدها سين مهمة، 'مصلّب': بكسر ميم وفتح مهملة بعدها مثقلة، ضعيف. قال الدار قطني: **حسام** متروك، ومن مناكيره حديث: ما بعث الله نبياً إلا **حَسَنَ** الصوت، وقال القسطلاني: حديث مقطوع ضعيف، قاله المناوي. قست: وذلك؛ لأن قتادة تابعي. **الاحسن** وفي هامش الكوكب عن شرح الشفاء للقاري: حكى الترمذي عن قتادة مرسلاً، ورواه الدار قطني من حديث قتادة عن أس مرفوعاً: ما بعث الله نبياً إلا **حَسَنَ** الوجه **حَسَنَ** الصوت، وكان نبيكم أحسنهم وجهاً وأحسنهم صوتاً، وفيه أنه يشمل حسن صورة يوسف وحسن صوت داود، وقامه فيه.

وكان نبيكم ﷺ حسن الوجه حسن الصوت، وكان لا يرجع. حدثنا عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا يحيى بن حسان، حدثنا عبد الرحمن بن أبي الزناد، عن عمرو بن أبي عمرو، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنه قال: كان قراءة النبي ﷺ رُبَّمَا يَسْمَعُهَا مَنْ فِي الْحَجَرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ.

(۱) ابن عباس رضي الله عنه کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی آواز (صرف اس قدر بلند ہوتی تھی کہ) آپ اگر کوٹھڑی میں پڑھتے تو صحن والے سن لیتے تھے۔

فائدہ: یعنی صحن سے آگے نہیں بڑھتی تھی۔ قرآن پاک کا آہستہ اور آواز سے پڑھنا دونوں مواقع کے لحاظ سے افضل ہیں، اگر ترغیب کا موقع ہو یا کوئی اور سبب جبر کی ترجیح کا ہو تو جبر سے پڑھے اور اگر ریاء وغیرہ کا خوف ہو تو آہستہ پڑھے، غرض یہ کہ موقع کے لحاظ سے مختلف ہوتا رہتا ہے۔ اسی لئے نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ آواز سے قرآن پاک پڑھنے والا ایسا ہے جیسا اعلان سے صدقہ کرنے والا اور آہستہ قرآن شریف پڑھنے والا ایسا ہے جیسا کہ چپکے سے صدقہ کرنے والا، اور صدقہ کے متعلق اظہار اور اخفا کا افضل ہونا موقع کے لحاظ سے بدلتا رہتا ہے، اسی طرح تلاوت کا بھی حکم ہے۔

لا يرجع أي: قصدًا، أو ترجيع العناء، قاله القاري، وقد علمت أن الحديث صقف، وقال البيهقي: أي لا يرجع في بعض الأحيان، أو كان لا يرجع ترجيع العناء فلا ينافي مأمراً. قلت: وعلى الأول، فيكون دليلاً على جوار القراءة بدون تحسين الصوت في بعض الأحيان للضرورة. **الحجره** هي الأرض المحجورة أي: المنوعة بمحاطة محوط عليها، والمراد: صحن البيت، والمعنى: أنه ﷺ إذا قرأ في البيت ربما يسمع قراءته من في صحنه، ولا يتجاوز صوته عنهم إلى ما وراء الحجره، وقال القاري: يحتمل أن يكون المراد بالبيت هو الحجره نفسها أي: يسمع من في الحجره وهو ﷺ فيها.

باب ما جاء في بكاء رسول الله ﷺ

حدثنا سُويد بن نصر، أخبرنا عبد الله بن المبارك، عن حماد بن سلمة، عن ثابت، عن مُطرف

باب - حضور اقدس ﷺ کی گریہ و زاری کا ذکر

فائدہ: آدمی کا رونا چند وجوہ سے ہوتا ہے، کبھی رحمت اور مہربانی کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی خوف کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی اشتیاق و محبت کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی غلبہ خوشی سے ہوتا ہے، کبھی کسی درد وغیرہ کی تکلیف کی وجہ سے اور کبھی رنج کی وجہ سے ہوتا ہے، کبھی کسی کے ظلم کی وجہ سے ہوتا ہے، ایک رونا توبہ کا ہوتا ہے جو گناہ کے صادر ہو جانے سے آتا ہے۔ ایک رونا نفاق کا کہلاتا ہے جو کسی دوسرے کے دکھلانے کی وجہ سے نماز وغیرہ میں خشوع خضوع ظاہر کرنے کے طور پر رویا جائے، ایک رونا مانگے کا کہلاتا ہے جیسے کسی کے مردہ کو بلا مزدوری لئے رویا جائے، ایک رونا مزدوری کا رونا کہلاتا ہے، جیسا کہ کسی میت کے گھر مزدوری لے کر رویا جائے، جیسا کہ بعض جگہ دستور ہے، ایک موافقت کا رونا کہلاتا ہے وہ یہ کہ کسی کو روتا ہوا دیکھ کر رونا آجائے وغیرہ۔ نبی کریم ﷺ کا گریہ اکثر میت پر شفقت و رحمت یا امت پر خوف یا اللہ کے ذریعہ اس کے اشتیاق سے ہوتا تھا جیسا کہ روایت سے معلوم ہوگا، انہی اقسام کا رونا محمود ہے۔ مشائخ نے لکھا ہے کہ ایک رونا جھوٹ کہلاتا ہے، وہ اُس شخص کا رونا ہے جو کسی گناہ پر روئے اور اُس پر جما رہے۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کا رونا رنج کا رونا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا رونا شوق کا رونا تھا اور نبی کریم ﷺ یہ فعل اس سے کہ رونا محبت کا رونا تھا۔ بندہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ راتوں کا اکثر رونا اس ذیل میں تھا ورنہ جیسا ابھی گزرا حضور کا رونا مختلف انواع کا ہوتا تھا، چنانچہ مختلف انواع کی روایت آ رہی ہیں۔

بکاء، [بالمد والقصر، وهو أنواع: بكاء رحمة ورأفة، وبكاء خوف وحشية، وبكاء حنة وشوق، وبكاء فرح وسرور، وبكاء جرع وهرع، وبكاء نارة يَكُون رحمة وشفقة على الميت، ونارة يَكُون حوقاً على أمتة، ونارة يَكُون حشية من الله تعالى.] قال القاري. هو بضم الموحدة مقصوراً: حروح الذمع مع الحزن، وممدود: حروحه مع رفع الصوت، كذا ذكره بعض الشراح، وأطلق صاحب القاموس حيث قال: بكى يبكي بكاءً وبكاً. وقال الماوي: قيل: بالمد إذا كان الصوت أعجب، وبالقصر إذا كان الحزن أعجب. مصرف بضم الميم وفتح الطاء المهملة وكسر الراء المشددة ابن الشحير بكسر المعجمتين المشدنتين فمشاة تحتية فراء مهمة.

— وهو ابن عبد الله بن الشَّحِير - **عن** أبيه قال: أتيت رسول الله ﷺ وهو يصلي، ولجوفه أزيز كأزيز المرجل من البكاء. **حدثنا** محمود بن غيلان، حدثنا معاوية بن هشام، حدثنا سفيان، عن الأعمش عن إبراهيم، عن عبيدة، **عن** عبد الله بن مسعود **رضي** الله عنه قال: قال لي رسول الله ﷺ: **صلوا** :

اس باب میں مصنف **رحمۃ اللہ علیہ** نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) عبد اللہ بن شحیر کہتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضور نماز پڑھ رہے تھے اور رونے کی وجہ سے آپ کے سینہ سے ایسی آواز نکل رہی تھی جیسے ہنڈیا کا جوش ہوتا ہے۔

فائدہ: یہ حضور اقدس **رحمۃ اللہ علیہ** کے کمال خشوع و خضوع کی وجہ سے تھا۔ بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ یہ حالت حضور اقدس **رحمۃ اللہ علیہ** پر اُس وقت ہوتی تھی جب اللہ **جل جلالہ** کی صفاتِ جلالیہ اور صفاتِ جمالیہ دونوں کا ظہور اکٹھے ہوتا تھا اور صفاتِ جلالیہ کے ظہور کی تو کوئی چیز طاقت ہی نہیں رکھتی البتہ صرف صفاتِ جمالیہ کا جس وقت ظہور ہوتا تھا اُس وقت ایک سرور اور انبساط کی کیفیت پیدا ہوتی تھی اور حضور کے طفیل مشائخِ سلوک کو بھی یہی دو کیفیتیں پیش آتی ہیں۔

(۲) عبد اللہ بن مسعود **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ مجھ سے حضور **رحمۃ اللہ علیہ** نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ قرآن شریف سناؤ (شاید حضور نے اس لئے ارشاد فرمایا ہو کہ سننے میں غور و تدبّر پڑھنے سے زیادہ ہوتا ہے یا کسی اور وجہ سے سننے کی رغبت فرمائی ہو کہ بہت

ارو بالرائين المعجنتين بينهما تحنية على ورن فعيل أي: عليان، وقيل: صوت. والمرجل بكسر الميم وفتح الجيم: القدر من نحاس أو حجر أو حديد أو غير ذلك، أو القدر مطلقاً كما احتاره الحافظ ابن حجر. **من الكنا**، [أي: من أحله سبب عظم الخوف والإجلال لله سبحانه وتعالى.] قال الخراي: ومن هذا الحديث ونحوه اسم أهل الطريق الوجد والتواجد في أحواهم. **سفيان** قال المناوي: لعله سفيان بن وكيع. والطاهر عندي أنه الثوري؛ فإن الحديث أخرج به البخاري عنه عن الأعمش، وذكر الحافظ في مشائخ معاوية بن هشام الثوري.

ابراہیم قال المناوي: هو متعدد، فليحرر ما المراد به. قلت: هو إبراهيم الحنفي التابعي الشهير، حزم به الحفاظان في الفتح والعيبي. ثم الحديث أخرجه المصنف برواية أبي الأحوص، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، ثم قال: هكذا روى أبو الأحوص، وإنما هو إبراهيم عن عبيدة عن عبد الله. **عبدہ** بفتح عين مهملة وكسر باء موحدة، ابن عمرو السلماني التابعي، كذا في الشروح وكتب الرجال.

اقرأ عليّ، فقلت: يا رسول الله! اقرأ عليك وعليك أنزل؟ قال: إني أحبُّ أن أسمعَهُ من غيري، فقرأت سورة النساء حتى بلغت ﴿وَجَنَّتَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدَا﴾ [النساء: ۴۱] قال: فرأيت عيني النبي ﷺ تَهْمَلَانِ. حدثنا قتبية، حدثنا جرير، عن عطاء بن السائب، عن أبيه،

سی وجہ اس کی ہو سکتی ہیں، مثلاً یہی کہ قرآن شریف سننے کی سنت بھی حضور کے فعل سے ثابت ہو جائے (میں نے عرض کیا کہ حضور آپ ہی پر تو نازل ہوا ہے اور آپ ہی کو سناؤں؟) (شاید ابن مسعودؓ کو یہ خیال ہوا ہو کہ سنانا تبلیغ اور یاد کرانے کے واسطے ہوتا ہے) حضور نے ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں۔ میں نے امثال حکم میں سنانا شروع کیا اور سورۃ نساء (جو چوتھے پارہ کے پونے سے شروع ہوتی ہے) پڑھنا شروع کی۔ میں جب اس آیت پر پہنچا۔ ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدٌ﴾ [النساء: ۴۱] تو میں نے حضور کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا کہ دونوں آنکھیں گریہ کی وجہ سے بہہ رہی تھیں۔

فائدہ: حضور اکرم ﷺ کا یہ رونا کلام الہی کے سننے سے ہو کہ تلاوت کلام اللہ کی شان یہی ہے۔ لام نووی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ تلاوت کے وقت رونا عارفین کی شان ہے اور صالحین کا شعار ہے۔ حق تعالیٰ شانہ نے کلام پاک میں متعدد جگہ اس کی تعریف کی ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّا نُنزِّلُ الْكُتُبَ لَعَلَّكُمْ تَرْتَعَنُونَ﴾ [مریم: ۵۸] جب ان پر رحم کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو زمین پر گر جاتے سجدہ کرتے ہوئے اور روتے ہوئے، دوسری جگہ ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ﴾ [الاسراء: ۱۰۷] کہ یہ قرآن شریف جب اُن پر پڑھا جاتا ہے تو ٹھوڑیوں کے بل گرتے ہیں روتے ہوئے اور یہ قرآن شریف یعنی اس کا سنا ان کے خشوع کو اور بڑھا دیتا ہے اور ظاہر ہے کہ حضور سے زیادہ ان آیات کے مطابق اور کون ہو سکتا ہے۔ اس لئے حضور کا یہ رونا کلام اللہ شریف کی عظمت و جلال کی وجہ سے ہونا قرین قیاس ہے۔ اس صورت میں حضور پہلے سے رو رہے ہوں اور عبد اللہ بن مسعودؓ کی نگاہ اسی وقت پڑی ہو قرین قیاس ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خاص اُس آیت پر حضور کو رونا

شہیداً ای مرکباً او مشیاً او مشاہداً او حاصراً. تَهْمَلَانِ. بفتح التاء وكسر الميم وضمها أي تسيلان، ولفظ الصحيحين: حتى أتيت هذه الآية قال: حسبك، فالتفت إليه فإذا عيابه تذرفان. [أي: تسيل دموعهما لمرط رافعه ومريد شففته ﷺ - لأنه استحضر أهوال القيامة.]

عن عبد الله بن عمرو قال: انكسفت الشمس يوماً على عهد رسول الله ﷺ، فقام رسول الله ﷺ يصلي حتى لم يكده ركع، ثم ركع فلم يكده يرفع رأسه، ثم رفع رأسه فلم يكده أن يسجد،
أي في زمان رسول ﷺ

آیا ہو کہ اس آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے: اُس وقت بھی کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہی دینے کے لئے حاضر کریں گے۔ یہ قیامت کا منظر ہے کہ اُس دن ہر نبی کو ان کی امت پر گواہی دینے کے لئے بطور سرکاری گواہ کے لایا جائے گا، جس کے حالات محشر کی احادیث میں مفصل موجود ہیں، اس صورت میں حضور کا یہ رونا قیامت اور محشر کے سخت حالات کے تصور سے ہو کہ نہایت ہی سخت دن ہو گا اور ہر شخص نفسی نفسی میں مبتلا ہو گا اور ممکن ہے کہ حضور کو چونکہ اس آیت شریفہ میں بطور گواہ کے پیش ہونے کا ارشاد ہے تو اس گواہی کی شدت کی وجہ سے خوف ہو، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ حضور نے اس وقت جب یہ آیت پڑھی گئی یہ کہا: یا اللہ! جو لوگ میرے سامنے نہیں ہیں ان پر کیسے گواہی دوں گا؟ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس گواہی کے سلسلہ میں قیامت کا منظر سامنے آیا اور امت کی فکر حضور کو ہر وقت رہتی ہی تھی اس لئے امت کے گناہ گاروں کے حال پر شفقت کی وجہ سے رونے کا غلبہ ہو گیا۔ ان میں سے ہر وجہ ایسی ہے کہ وہ گریہ کا سبب بن سکتی ہے اور ان سب کا مجموعہ اور ان کے علاوہ اور بھی وجوہ ہو سکتی ہیں۔

(۳) عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں ایک مرتبہ سورج گہن ہوا (یہ قحط جمہور کے نزدیک سنہ ۱۰ ہجری کا ہے) حضور اقدس ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز شروع فرما کر اتنی دیر تک کھڑے رہے گویا رکوع کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے (دوسری روایت میں ہے کہ سورہ بقرہ پڑھی تھی) اور پھر رکوع اتنا طویل کیا کہ گویا رکوع سے اٹھنے کا ارادہ ہی نہیں، پھر ایسے ہی رکوع کے بعد سر اٹھا کر قومہ میں بھی اتنی دیر تک کھڑے رہے گویا سجدہ کرنا ہی نہیں ہے،

یوماً: [وذلك اليوم: هو يوم ولده إبراهيم] احتلوا في أن الكسوف وقع في عهده مرة أو أكثر منها؟ فالجمهور من أهل الحديث وأهل السير على الأول، وقوى النووي وغيره الثاني. لم يكده يركع [وهو كناية عن طول القيام مع القراءة، فإنه قرأ قدر البقرة في الركعة الأولى.] ركع. اختلفت الروايات في عدد الركوع إلى ست ركوعات، فقالت الشافعية وغيرهم: إن ما زاد على الركوعين وهم أو مرجوح، والراجح روايات الركوعين، وقالت الحنفية: إن الأصل في الصلوة ركوع واحد، وهو المؤيد بالروايات القولية، وروايات العمل متعارضة، فبقي الاستدلال بالقول سلماً عن المعارضة.

ثم سجد فلم يكد أن يرفع رأسه، ثم رفع رأسه فلم يكد أن يسجد، ثم سجد فلم يكد أن يرفع رأسه، فجعل ينفخ ويكي ويقول: رَبِّ! أَلَمْ تَعْلَمْ أَنِّي لَا تَعْلَمُهُمْ وَأَنَا فِيهِمْ؟ رَبِّ! أَلَمْ تَعْلَمْ أَنِّي لَا تَعْلَمُهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ؟ وَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُكَ. فَلَمَّا صَلَّى رَكَعَتَيْنِ اخْلَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ فَحَمْدُ اللَّهِ تَعَالَى، وَأُثْنِي عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ،

پھر سجدہ کیا اور اس میں بھی سر مبارک زمین پر اتنی دیر تک رکھے رہے گویا سر اٹھانا ہی نہیں ہے، اسی طرح سجدہ سے اٹھ کر جلسہ اور پھر جلسہ کے بعد دوسرے سجدہ میں۔ غرض ہر رکن اس قدر طویل ہوتا تھا کہ گویا یہ ہی رکن اخیر تک کیا جائے گا، دوسرا کوئی رکن نہیں ہے (اسی طرح دوسری رکعت پڑھی اور اخیر سجدہ میں) شدت غم اور جوش کے سے سانس لیتے تھے اور روتے تھے اور حق تعالیٰ بنی ثلثی بارگاہ عالی میں یہ عرض کرتے تھے کہ اے اللہ! تو نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ میری موجودگی تک امت کو عذاب نہ ہوگا، اے اللہ! تو نے ہی یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے، عذاب نہیں ہوگا، اب ہم سب کے سب استغفار کرتے ہیں۔ (حضور کا یہ ارشاد اُس مضمون کی طرف اشارہ ہے جو کلام اللہ شریف میں نویں پارہ کے اخیر میں ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [الأنفال: ۳۳] اس آیت شریفہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اللہ بنی ثلثی ایسا نہ کریں گے کہ ان لوگوں میں آپ کے موجود ہوتے ہوئے ان کو عذاب دیں اور اس حالت میں بھی ان کو عذاب نہ دیں گے کہ وہ استغفار کرتے رہتے ہوں) حضور اکرم ﷺ جب نماز سے فارغ ہوئے تو آفتاب نکل چکا تھا۔ حضور نے اس کے بعد وعظ فرمایا، جس میں حق تعالیٰ بنی ثلثی حمد و ثنا کے بعد یہ مضمون ارشاد

ثم سجد. ولفظ أبي داود: ثم سجد فلم يكد يرفع، ثم رفع وفعل في الركعة الأخرى مثل ذلك، ثم نفخ في آخر سجوده فقال: أف أف، ثم قال: رب! أَلَمْ تَعْلَمْ أَنِّي لَا تَعْلَمُهُمْ وَأَنَا فِيهِمْ. يفتح قال القاري والمساوي: أي بغیر أن يظهر من فمه حرفان قلت: فلا تطلان لصلوة ولا حاجة إلى تصعيف الحديث، ولفظ أبي داود: ثم نفخ في آخر سجوده فقال: أف أف، وكتب الوالد المرحوم في تقريره عليه: هذه حكاية لصوته ٭٭٭ ثمة، ولا يستلزم صدور الحروف في الحكاية صدورها في المحكي عنه، ولا يرم فساد الصلوة، وهذا كما في حكايتهم لصوت الغراب — "غاق" مع أن شيئا من الحروف لا يصدر منه، فإثبات الحروف في الحكاية بضرورة النقل أو الكتابة. فلهذا دره، برد الله مصححه، فما أحاد! وهم يستغفرون [إشارة إلى قول الله عز وجل: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ [الأنفال: ۳۳]

فَإِذَا انْكَسَفَا فَافْزِعُوا إِلَى ذِكْرِ اللَّهِ تَعَالَى. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ غِيْلَانَ، حَدَّثَنَا أَبُو أَحْمَدَ، حَدَّثَنَا سَفِيَّانُ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ السَّائِبِ، عَنْ عِكْرَمَةَ، عَنْ^(۴) ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ابْنَةَ

[بادروا إلى الصلاة]

فرمایا کہ شمس و قمر کسی کی موت یا حیات کی وجہ سے گہن نہیں ہوتے بلکہ یہ حق تعالیٰ جل جلالہ کی دو نشانیاں ہیں (جن سے حق سبحانہ اپنے بندوں کو عبرت دلاتے ہیں اور ڈراتے ہیں) جب یہ گہن ہو جایا کریں تو اللہ جل جلالہ کی طرف فوراً متوجہ ہو جایا کرو (اور استغفار و نماز شروع کر دیا کرو)۔ فائدہ: اس وعظ کی یہ مصلحت تھی کہ ایام جاہلیت میں یہ بات مشہور تھی کہ چاند و سورج کا گہن کسی بڑی موت یا کسی بڑے شخص کی پیدائش کی وجہ سے ہوتا ہے اور اتفاقاً وقت کہ حضور کے زمانہ میں جب گہن ہوا تو اسی دن صاحبزادۂ اقدس حضرت ابراہیم بن رسول اللہ ﷺ کا وصال بھی ہوا تھا۔ اس لئے اُس سے جاہلی خیال کی اور بھی تائید ہوتی تھی اور لوگوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ یہ گہن حضرت ابراہیم کے انتقال کی وجہ سے ہوا۔ صلوة الکسوف میں ائمہ کا خلاف ہے کہ ایک رکوع سے پڑھنی چاہئے یا ایک سے زائد رکوع کے ساتھ۔ حنفیہ کا مسلک ایک ہی رکوع کا ہے، اس حدیث سے اُن کی تائید ہوتی ہے، باقی علمی بحث اور فریقین کے دلائل اس جگہ سے مناسبت نہیں رکھتے۔

(۴) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور کی ایک لڑکی قریب الوفات تھیں۔ حضور ﷺ نے اُن کو گود میں اٹھایا اور اپنے سامنے رکھ لیا۔ حضور کے سامنے ہی رکھے رکھے اُن کی وفات ہو گئی۔ ام ایمن (جو حضور کی ایک باندی تھیں) چلا کر رونے لگیں۔

فَإِذَا انْكَسَفَا: [أي: أحدهما؛ لأنهما لا يجتمعان عادة.] فافزعوا: بفتح الزاي أي: خافوا وتضرعوا والتجولوا وبادروا إلى ذكر الله، وفي رواية لأبي داود والنسائي: "إنما هذه الآيات يخوف الله بها عباده، فإذا رأيتموها فصلوا وتذكروا"، وجاء في بعض الروايات: "آيتان من آيات الله، وإن الله سبحانه إذا تجلّى لشيء من خلقه خضع له"، وظاهره أن سبب الكسوف خشوعها له، وسببه: أن النور والإضاءة من عالم الجمال، فإذا تجلّت صفة الجلال انطمست الأنوار الإلهية، وذلك لا يطل قول أهل الهيئة: إن الكسوف أمر عادي، لا يتقدم ولا يتأخر؛ لأن ذلك لا ينافي كون ذلك تخويفاً لعباده، ومن ثم قال القشيري: لا تنافي بين ما قالوه وبين الحديث؛ لأن له تعالى أفعالاً تحسب العادة وأفعالا خارجة عنها، وقدرته حاکمة على كل سبب، يقطع ما يشاء عن الأسباب والمسببات بعضها عن بعض، فالعارفون لقوة اعتقادهم في عموم قدرته على خرق العادة، إذا وقع شيء غريب قوي خوفهم، وذلك لا يمنع أن يكون ثمة أسباب تجري عليها العادة.

ابنة قيل: لا يخلو هذا الحديث عن إشكال؛ لأن المراد بته حقيقة، كما هو ظاهر اللفظ فهو مشكل؛ لأن أرباب السير والحديث اتفقوا على أن بناته ﷺ كلهن مثنى في الكبر، وأما أن يراد ابنة إحدى بناته فيكون الإصافة محاذية، وهو ليس بعيد، =

له تقضي، فاحتضنها، فوضعها بين يديه، فماتت وهي بين يديه، وصاحت أم أيمن، فقال - يعني النبي ﷺ -: أتبكين عند رسول الله؟ فقالت: أأست أراك تبكي؟ قال: إني لست أبكي،

حضور نے فرمایا: کیا اللہ کے نبی کے سامنے ہی چلا کر رونا شروع کر دیا؟ (چونکہ حضور کے بھی آنسو ٹپک رہے تھے اس لئے) انھوں نے عرض کیا کہ حضور بھی تو رو رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ممنوع رونا نہیں، یہ اللہ کی رحمت ہے (کہ بندوں کے قلوب کو نرم فرمادیں اور اُن میں شفقت و رحمت کا مادہ عطا فرمادیں) پھر حضور نے فرمایا کہ مومن ہر حال میں خیر ہی میں رہتا ہے، حتیٰ کہ خود اُس کا نفس نکالا جاتا ہے اور وہ حق تعالیٰ کی حمد کرتا ہے۔

فائدہ: اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ قصہ کس صاحبزادی کا ہے؟ محدثین اور مؤرخین کی تحقیق کے موافق صاحبزادیوں میں کسی کا بھی یہ واقعہ نہیں جتنا، بلکہ دھیوتی یا دھیوتے کا ہے اور ممکن ہے کہ کوئی سے صاحبزادہ کا ہو کہ بواسطہ اولاد کے واقعات میں اس قسم کے حالات پیش آئے ہیں۔ جس کا بھی واقعہ ہو، اس جگہ مقصود حضور اقدس ﷺ کی نرم دلی کا بیان کرنا ہے کہ سنگدلی شفقت کے خلاف ہے اور اولاد کے ساتھ فطری محبت نہ نبوت کے منافی ہے نہ ولایت کے بلکہ نرم دلی ممدوح ہے۔

= لكن لم ينقل أن ابنة إحدى بناته ماتت في الصغر إلا ما في مسند أحمد عن أسامة قال: أبي النبي ﷺ بأمانة بنت أبي العاص من زينب بنت رسول الله ﷺ وهو في النزع، لكنه أشكل أيضاً: بأن أهل التاريخ قالوا: إن أمانة عاشت بعده حتى تزوجها عبيد، ولذا حملوا رواية أحمد على أنها أشرفت على الموت، ثم عافاها الله ببركة النبي ﷺ. وهو مختار الحفاظ في الفتح، قالوا: وقع الوهم في حديث الباب، والمراد به أحد بنيه، فإهم ماتوا صغاراً في حياته ﷺ، أو المراد ابن بعض بناته، قال القاري: وهو الظاهر، ففي الأسباب الميلاي: أن عبد الله بن عثمان من رقية مات في حجره ﷺ فبكي، وقال: إنما يرحم الله من عباده الرحماء، وفي مسند البزار عن أبي هريرة ربه: قال: ثقل ابن لفاطمة فبعث إلى النبي ﷺ، الحديث، وللبخاري عن أسامة قال: أرسلت بنت النبي ﷺ إليه أن ابنا لي قبض فأتانا، الحديث.

تقصي: بفتح التاء وكسر الصاد المعجمة، يريد أن تموت من القضاء وهو الموت، وقيل: أصل "قضي" مات، فاستعماله ههنا للإشراق على الموت بحار. فاحتضنها [أي: حملها في حضنه، وهو: ما دون الإبط إلى وسط الظهر، أي الكشح]. أم أيمن [توفيت بعد عمر بعشرين يوماً، وكثيراً ما كان يقول النبي ﷺ هي أُمِّي بعد أُمِّي، وبقية أهل بيتي، وقد شهدت أحداً وكانت تسقي الماء وتدوي الجرحى، وشهدت حبر]. هي حاصصة النبي ﷺ ومولاته، ورثها من أبيه، واعتقها حين تزوج حديجة، وروّجها لزيد مولاہ، فوَدِدَتْ لَهُ أَسَامَةَ. تبكي ولا ينأي قول عائشة: ما بكی رسول الله ﷺ على مَيِّت قط، وإنما عاية حربه أن يمسك لحيتي؛ لأن المراد ما بكی أسفاً، بل رحمة، قاله القاري. قلت: بل ما بكی صياحاً بل أسأل دمعاً.

إنما هي رحمة، إن المؤمن بكل خير على كل حال، إن نفسه تنزع من بين جنبيه، وهو محمد
 أي البكاء رحمة، والتأنيث باعتبار الحبر
 الله تعالى. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا سفيان، عن عاصم
 بن عبيد الله، عن القاسم بن محمد، **عن** عائشة **رضي** أن رسول الله ﷺ **قَبِلَ** عثمان بن
 مظعون وهو ميتٌ وهو يبكي، أو قال: وعيناه تُهْرَقَان. **حدثنا** إسحاق بن منصور، أخبرنا
 أبو عامر، حدثنا فليح - وهو ابن سليمان - عن هلال بن علي، **عن** أنس بن مالك قال:

(۵) حضرت عائشہ **رضي** کہتی ہیں کہ حضور ﷺ نے عثمان بن مظعون کی پیشانی کو اُن کی وفات کے بعد بوسہ دیا، اُس وقت حضور کے آنسو ٹپک رہے تھے۔ **فائدہ**۔ یہ جلیل القدر صحابی حضور کے رضائی بھائی ہیں۔ ابتدائے اسلام میں تیرہ نفر کے بعد مسلمان ہوئے تھے، اول حبشہ کو ہجرت کی، اُس کے بعد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ بڑے عابد زاہد تھے، شراب پینا جب جائز تھا جب بھی انھوں نے اس کا استعمال ترک کر رکھا تھا۔ مہاجرین میں سب سے پہلے ان کی ہی وفات ہوئی ہے، شعبان دو ہجری میں اُن کا انتقال ہوا اور بیچ میں دفن ہوئے۔

(۶) حضرت انس **رضي** فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ صاحبزادی (ام کلثوم) کی قبر پر تشریف فرما تھے اور آپ کے آنسو جاری تھے۔ حضور نے یہ ارشاد فرمایا کہ قبر میں وہ شخص اترے جس نے آج رات مجاہدت نہ کی ہو۔ ابو طلحہ نے عرض کیا کہ میں ہوں۔

عثمان بن مظعون [وكان أحاه **رضي** من الرصاعة، وهو قرشي، أسلم بعد ثلاثة عشر رجلاً، وهاجر هجريين، وشهد بدرًا، وكان حرم الحمر في الجاهلية، وهو أول من مات من المهاجرين بالمدينة في شعبان على رأس ثلاثين شهرًا من الهجرة، وكان عابداً مجتهداً من فضلاء الصحابة، ودفن بالقيع، ولما دفن قال **رضي** "نعم السلف هو لنا"]
میں وہی کتاب الوفاء لابن الجوزي عن عائشة قالت: لما مات عثمان بن مظعون كشف النبي ﷺ الثوب عن وجهه وقتل بين عينيه، ثم بكى طويلاً فلما رفع عن السرير قال: طوي لث يا عثمان! لم تلبسك الدنيا ولم تلبسها.
 وهو **سكي** [والحال أنه **رضي** يبكي حتى سالت دموعه على وجه عثمان]. **تہرؤں** بضم التاء وفتح الهاء وسكونها مضارع مبني للمفعول، قال العصام: فيه لغتان: فتح الهاء على أنها عوض عن الهمزة، وحيثما ماضيه هراق، وسكون الهاء على أنها ريدت والماضي أهراق، ورواية الكتاب على الوجهين. **فلیح** بضم فاء وفتح لام وسكون تحتية فحاء مهملة.

شهدنا ابنة لرسول الله ﷺ، ورسول الله ﷺ جالس على القبر، فرأيت عينيه تدمعان، فقال:
أفيكم رجل لم يقارف الليلة؟

حضور کے فرمانے سے وہ قبر میں اترے۔ فائدہ: کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر تعریض تھی کہ وہ باوجود یہ کہ اُن کی بیوی حضور کی بیٹی سخت بیمار تھیں حتیٰ کہ اسی دن انتقال ہو گیا، اس کے باوجود وہ اس شب میں اپنی ایک باندی کے ساتھ مشغول رہے۔ بعض علماء نے لَمْ يَقَارِفْ کا ترجمہ ”صحبت نہ کرنے“ کا نہیں کیا بلکہ ”گناہ نہ کرنے“ کا کیا ہے اور بعض علماء نے ”بات نہ کرنے“ کا ترجمہ کیا ہے کہ عشاء کے بعد بات کرنا پسند نہ تھا، مشہور معنی پہلے ہیں اور تعریض میں کوئی اشکال نہیں ہے کہ تعلقات کی قوت پر شککت ہوتی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا یہ فعل بضرورت ہو تو کوئی اشکال ہی نہیں اور پھر موت کا حال کس کو معلوم ہو سکتا ہے، حضور کا مقصود بھی غالباً لطیف تنبیہ تھی نہ کہ عتاب۔ اور عجب نہیں کہ تنبیہ کی غرض یہ ہو کہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح اہم تھا کہ اللہ کے حکم سے ہوا تھا۔ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی ہمشیرہ یعنی عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پہلی بیوی کا جب انتقال ہوا تو حضور نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر میری سوتیلیاں ہوتیں اور یکے بعد دیگرے مرتی رہتیں تو میں سب کا نکاح یکے بعد دیگرے عثمان سے کرتا۔ یہ جبرئیل یہ کہہ رہے ہیں کہ اللہ نے حکم فرمایا ہے کہ میں ام کلثوم کا نکاح عثمان سے کروں۔ ایسی صورت میں ام کلثوم جیسی بیوی کی بیماری یقیناً لطیف تنبیہ اور تعریض کے مناسب تھی۔ واللہ اعلم۔

ابنة: هي أم كلثوم، كما رواه الواقدي عن فليح بهذا الإسناد، وكذا أخرجه ابن سعد في الطبقات في ترجمة أم كلثوم، ووهب من قال: إنها رقية؛ لأنها دفنت والنبي ﷺ بيدر، والقول بأنها بنت له صغيرة غيرهما رد بأنه لم يثبت، وبالأول جزم الحافظ في الفتح، وذكر له الشواهد، ورد القولين الآخرين.

لم يقارف بقاء وفاء، زاد ابن المبارك عن فليح: أراه يعني الذنوب، ذكره البخاري عنه تعيقاً، وقيل: معناه: لم يجامع الليلة، وبه جزم ابن حزم، ويقويه ما في رواية بلفظ: لا يدخل القبر أحد قارف أهله البارحة فتحنى عثمان، وحكى عن الطحاوي أنه قال: "لم يقارف" تصحيف، والصواب "لم يقاول" أي: لم يمارع غيره الكلام؛ لأهم كانوا يكرهون الحديث بعد العشاء، وتعقب: بأنه تعليق لثقة بغير مستند، وكأنه استعد أن يقع لعثمان ذلك؛ لحرصه على مراعاة الحاضر الشريف، ويحاج عنه: باحتمال أن يكون مريض المرأة طال، واحتاج عثمان إلى الوقاع، ولم يظن أنها تموت تلك الليلة، وليس في الخبر ما يقتضي أنه واقع بعد موتها، بل ولا حين احتضارها.

قال أبو طلحة: أنا، قال: انزل، فنزل في قبرها.

أبو طلحة: [هو ريد بن سهل الأنصاري الحزرجي، غلبت عليه كنيته، صحابي مشهور، شهد المشاهد كلها، قتل يوم حنين عشرين رجلاً وأخذ أسلحتهم، وفضائله كثيرة، وروى عن أم أنس أم سليم بعد وفاة زوجها].
فنزل: في قبرها، يشكل عليه: نزول الأحناب في قبر المرأة مع وجود المحرم، ويمكن أن يجاب عنه: بأنه لا محذور فيه إلا ترك الاستحباب، كما صرح به ابن نجيم في البحر، وترك الاستحباب لمثل هذا التنبيه الذي كان مقصوداً هناك مما لا استبعاد فيه، مع أنه يحتمل أن يكون بعض الأعداء هناك في المحارم، وإن كان المقصود بيان الجواز فلا إشكال.

باب ما جاء في فراش رسول الله ﷺ

حدثنا علي بن حجر أخبرنا علي بن مسهر، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: إنما كان فراش رسول الله ﷺ الذي ينام عليه من آدم، حشوه ليف.

باب۔ ان روایات کا ذکر جو حضور اقدس ﷺ کے بستر کے

بارے میں وارد ہوئی ہیں

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کس قسم کے بستر پر آرام فرماتے تھے، وہ ان روایات سے معلوم ہوگا جو مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں ذکر فرمائی ہیں اور ہم امتیوں کے قالینوں اور فرشوں کا کیا حال ہے، وہ نگاہوں کے سامنے ہے۔ مصنف نے اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے سونے اور آرام فرمانے کا بستر چمڑہ کا ہوتا تھا جس میں بھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ **فائدہ:** حضور اقدس ﷺ کا بستر کبھی چمڑہ کا ہوتا تھا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا، کبھی صرف ٹاٹ کا جیسا کہ دوسری حدیث میں آرہا ہے، کبھی صرف بوریا ہوتا تھا۔ متعدد احادیث میں یہ مضمون وارد ہے کہ صحابہ جب نرم بستر بنانے کی درخواست کرتے تو حضور یہ ارشاد فرما دیا کرتے تھے کہ مجھے دنیاوی راحت و آرام سے کیا کام۔

فراش [الفراش ما امتد علی وجه الأرض، فرش له أي بسط، والمراد هنا ما جاء في حشوائته ليقنتدى به في ذلك، والفراش ما يفرش ويسط الرجل تحته سواء للجلوس أو النوم.] فراش بكسر الفاء: ما يسط الرجل تحته، ويجمع على فرش بصمتين، فعال بمعنى مفعول كلباس بمعنى ملبوس. مسهر يضم ميم وسكون سين مهملة وكسر ها. من ده بفتح حاء جمع آدم وهو الخلد المدبوغ أو الأحمر أو مطلق الخلد على ما في القاموس. حشوه بالفتح، أي محشوه والضمير للفراش، وقيل: للأدم باعتار اللطع وإن كان معناه جمعاً، به جرم المساوي وعمره وردة القاري بأنه إنما يصح لو كان الأدم اسم جمع، وحيث أنه جمع فلا مطابقة بين الضمير والمرجع.

حدثنا أبو الخطاب زياد بن يحيى البصري، حدثنا عبد الله بن ميمون، أخبرنا جعفر ابن محمد، **عن** أبيه قال: سئلت عائشة **رضي** الله عنها: ما كان فراش رسول الله ﷺ في بيتك؟ قالت: من آدم، حشوه ليف. بکسر اللام پوست درخت عرما

میری مثال تو اُس راہ گیر جیسی ہے جو چلتے چلتے راستہ میں ذرا آرام لینے کے لئے کسی درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھ گیا ہو اور تھوڑی دیر بیٹھ کر آگے چل دیا ہو۔ حضرت عائشہ **رضی** اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ ایک انصاری عورت آئیں، انھوں نے حضور کا بسترہ دیکھ کہ عبا بچھا رکھا ہے، انھوں نے واپس جا کر ایک بسترہ تیار کیا جس کے اندر اون بھر رکھی تھی اور حضور کے لئے میرے پاس بھیج دیا۔ حضور تشریف لائے، اُس کو رکھا ہوا دیکھ کر دریافت فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کر دیا کہ فلاں انصاری عورت آئی تھیں، حضور کا بسترہ دیکھ کر کر یہ بنا کر بھیجا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اس کو واپس کر دے، مجھے وہ اچھا معلوم ہوتا تھا، اس لئے دل نہ چاہتا تھا کہ واپس کروں، مگر حضور نے اصرار فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ واللہ اگر میں چاہوں تو حق تعالیٰ **بی** میرے لئے سونے اور چاندی کے پہاڑ چالو کر دیں۔ حضور کے اس ارشاد پر میں نے اُس کو واپس کر دیا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود **رضی** اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس **ﷺ** کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ایک بورے پر آرام فرما رہے تھے، جس کے نشانات حضور کے بدن اطہر پر ظاہر ہو رہے تھے۔ میں یہ دیکھ کر رونے لگا۔ حضور نے فرمایا کہ کیا بات ہوئی، کیوں رو رہے ہو؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ قیصر و کسری تو ریشم اور مخمل کے گدوں پر سونیں اور آپ اس بورے پر! حضور نے فرمایا: رونے کی بات نہیں ہے، ان کے لئے دنیا ہے اور ہمارے لئے آخرت ہے۔ حضرت عمر کے ساتھ بھی ایک مرتبہ اس قسم کا قصہ پیش آیا کہ وہ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسی نوع کے سوال جواب حضور سے ہوئے، جس کا مفصل قصہ بخاری میں ہے۔

(۲) امام محمد باقر **رضی** اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ **رضی** اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ آپ کے یہاں حضور کا بسترہ کیسا تھا؟ انھوں نے فرمایا، کہا چمڑہ کا تھا جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال بھری ہوئی تھی۔ حضرت حفصہ **رضی** اللہ عنہا سے کسی نے پوچھا کہ گھر میں حضور کا بسترہ کیسا تھا؟ انھوں نے فرمایا کہ ایک ٹاٹ تھا جس کو دوہرا کر کے ہم حضور کے نیچے بچھا دیا کرتے تھے۔

لف [أي حشوه من ليف النخل وما شابهه.] **عبد** الله بن ميمون بن داود القداح، عما في المصرية عبد الله بن مهدي عبط. **جعفر** الصادق الإمام المشهور، وأبوه الإمام محمد الباقر، لكن الحديث مقطوع؛ لأنه لم يلق حفصاً ولا عائشة. (قاري)

وسئلت حفصة ؓ: ما كان فراش رسول الله ﷺ في بيتك؟ قالت: مسحاً، نثيته ثنيتين فينام عليه، فلما كان ذات ليلة قلت: لو نثيته أربع ثنيات كان أوطأ له، فثنيناه بأربع ثنيات، فلما أصبح قال: ما فرشتموني الليلة؟ قالت: قلنا هو فراشك، إلا أنا ثينناه بأربع ثنيات، قلنا: هو أوطأ لك، قال: رُدُّوه لحاله الأولى، فإنه منعتني وطأته صلوتي الليلة.

ایک روز مجھے خیال ہوا کہ اگر اس کو چوہرا کر کے بچھا دیا جائے تو زیادہ آرام ہو جائے گا، میں نے ایسے ہی بچھا دیا۔ حضور نے صبح کو دریافت فرمایا کہ میرے نیچے رات کیا چیز بچھائی تھی؟ میں نے عرض کیا کہ وہی روزمرہ کا بستر تھا، رات اُس کو چوہرا کر دیا تھا کہ زیادہ نرم ہو جائے۔ حضور نے فرمایا کہ اُس کو پہلے ہی حال پر رہنے دو، اس کی نرمی رات مجھے تہجد سے مانع ہوئی۔ فائدہ: یعنی تہجد کے لئے آنکھ نہیں کھلی یا معمول کے لحاظ سے دیر میں کھلی کہ نرم بستر پر نیند گہری آتی ہے اور زیادہ آتی ہے اور اگر کھردری چارپائی ہو، اول تو نیند ہی غفلت سے نہیں آتی، دوسرے آنکھ بھی جلدی ہی کھل جاتی ہے۔

مسحاً: كساء خشن بعداً للفراش من صوف. نثيته: بصيغة المتكلم مع الغير المثنى للفاعل من الثنى من باب ضرب يقال: ثناه عطفه، ورد بعضه على بعض. ثنيتين: وفي رواية: ثنيتين بدون الثاء بكسر التاء فيهما، فالأولى ثنية ثنية صدره، والثانية ثنية ثني كحمل: أي نعظفه عطفاً يحصل منه طاقان. ما فرشتموني: [لعله لما أنكر نعمته ولينه ظن أنه غير فراشه المعهود].

بابُ ما جاء في تواضع رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع وسعيد بن عبد الرحمن المخزومي، وغير واحد قالوا: أخبرنا سفيان بن عيينة، عن الزهري، عن عبيد الله، عن عبد الله بن عباس، **عن** (۱) عمر بن الخطاب رضي الله عنه.

باب۔ اُن روایات کا ذکر جو حضور اقدس ﷺ کی کثرت تواضع فرمانے کے بارے میں وارد ہوئی ہیں

فائدہ: حضور اقدس ﷺ تمام دنیا سے زیادہ متواضع تھے۔ صوفیہ کہتے ہیں کہ حقیقۃً تواضع تجلی شہود کے دوام بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ حضور اقدس ﷺ کے تواضع کے واقعات ایک دو نہیں ہزاروں سے زائد ہیں اس لئے اُن کا احاطہ تو کیسے ممکن ہو سکتا ہے، تاہم بطور نمونہ کچھ مصنف نے ذکر فرمائے ہیں۔ ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا اور اُس کا کام تقسیم فرمایا۔ ایک نے اپنے ذمہ ذبح کرنا لیا، دوسرے نے کھل نکالنا، کسی نے پکانا۔ حضور نے فرمایا کہ پکانے کے لئے لکڑی اکٹھی کرنا میرے ذمہ ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ حضور! یہ کام ہم لوگ خود کر لیں گے۔ حضور نے فرمایا یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں کہ تم لوگ اس کو بخوشی کر لو گے لیکن مجھے یہ بات پسند نہیں کہ مجمع میں ممتاز ہوں اور اللہ جل جلالہ بھی اس کو پسند نہیں فرماتے۔ ایسے ہی اور سیکڑوں واقعات ہیں۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے تیرہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ میری ایسی تعریف مبالغہ آمیز حد سے فزوں نہ کرو جیسے نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں مبالغہ کیا (کہ اللہ کا بیٹا ہی بنا دیا) میں حق تعالیٰ جل جلالہ کا بندہ ہوں اس لئے

تواضع هو التذلل، يقال: وضع الرجل يوضع صار وصيعا، ووضع منه فلان أي: حط من درجة، وضعفه الدهر فتضعصع أي: حصع ودن، وقال الحافظ العسقلاني: التواضع مشتق من الصعفة بكسر أوله، وهي: الهوا، والمراد من التواضع: إصهار التنس عن المرتبة يرد تعظيمه، وقيل: هو تعظيم من فوقه لمضله. عبيد الله: قال العلماء: كان حق المصنف أن يعينه؛ لأن المسمى به في الرواة كثيرون، لكن في المحاري أنه عبيد الله بن عبد الله بن عتبة بن مسعود قاله البيهقوري.

قال: قال رسول الله ﷺ لا تُطْرَوِي كما أُطْرِبَ النصارى عيسى بن مريم، إنما أنا عبد الله، فقولوا: عبد الله ورسوله. **حدثنا** علي بن حجر، أحمرنا سويد بن عبد العزيز، عن حميد، عن أنس بن مالك، أن امرأة جاءت إلى النبي ﷺ فقالت له: إن لي إليك حاجة؟ فقال:

مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔ **فائدہ**۔ یعنی ایسی کوئی تشریف نہ کرو جو بندوں کے منافی ہو، اس میں رب کے ساتھ شریعت پائی جاتی ہو کہ بندہ بہر حال بندہ ہے، اسی طرح کوئی ایسی تشریف نہ کرو جو رسول اور اللہ کا قاصد ہونے کے خلاف ہو۔ (۲) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کسی عورت نے حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے کچھ تنجیہ میں عرض کرنا ہے۔ حضور نے فرمایا کہ کسی مردک کے راستہ پر بیٹھ جا، میں وہیں آکر سن لوں گا۔

فائدہ۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ یہ عورت کچھ بے عقل سی تھیں اس کے باوجود ان کی باتیں حضور سنتے رہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ راستہ میں بیٹھنے کا ارشاد اس لئے تھا کہ اجنبیہ کے ساتھ تنہائی نہ ہو اور بعض نے لکھا ہے کہ چونکہ ان کی عقل میں کچھ فتور تھا اس لئے ظاہر یہ ہے کہ گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوں گی، اسی لئے حضور نے وہیں تشریف لے جا کر بات سننے کو ارشاد فرما دیا۔ بندہ کے نزدیک بعید نہیں کہ ایسی عورتوں کو زندہ مکان پر بلانے میں مستورات کو وقتیں اور مشکلات پیش آیا کرتی ہیں، جیسا کہ بسا اوقات مشاہدہ ہوتا ہے، اس لئے حضور نے مردک ہی پر بات سن لی۔

لا تطروني بضم نون من لاطراء، وهو المبععة في مدح كما سعت نصارى في مدح سيده، فجمعوه بعضهم به. وبعضهم اس لله، فحرفوه قوله تعالى في الإنجيل: 'عيسى بن وانا وادته' تشديد اللام، فجمعوا لأول بي تشديده الموحدة، وخففوا اللام في الثاني، وإلى ذلك أشار صاحب البردة في قوله:

دع ما ادعته النصارى في نبيهم واحكم بما شئت مدحا فيه واحتكم

انا عبد الله أي. منك، يتصرف في ما شاء وكيف شاء، فلا حرج في من دثره عبودية بوجه كسائر عباد، فالإضافة لنعبد لدهي، ولقصر قصر انقب أو بصافي، فلا يباي أن له أوصافا غير عبودية عبد لله أي. لا تقووا في حق شيئا يباي عبودية وارسالة، فلا يباي لقول بأنه سيد ودايم، ان امرأة وكان في عقبه شيء كما في رواية مسلم، قال الحافظ العسقلاني: ما أقف على سم امرأة، وقال ميراث، رُب في كلام بعض من كتب خوشي عيسى كذب لشيء، ان اسم المرأة المذكورة في مسلم أم رفر ماسقة حديقة، وأصه سهو، فإن أم رفر ليس من الأنصار، وروايات اسحاري صريحة في أنها أنصارية، اللهم إلا أن يقال. ان المذكورة في رواية مسلم غير المذكورة في رواية اسحاري، لكن ظاهر اتحاد القصة كما هو الظاهر من سياق الروايات. **حاجة:** [أي: أريد إخفاءها عن غيرك.]

اجلسي في أي طريق المدينة شئت أجلس إليك. **حدثنا علي بن حجر**، أخبرنا **علي بن مسهر**، عن مسلم الأعور، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يعود المريض،

صحة ابن مسهر

(۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ مریضوں کی عیادت فرماتے تھے، جنازوں میں شرکت فرماتے تھے، گدھے پر سوار ہو جاتے تھے، غلاموں کی دعوت قبول فرما لیتے تھے۔ آپ بنو قریظہ کی لڑائی کے دن ایک گدھے پر سوار تھے جس کی لگام کھجور کے پھرٹوں کی تھی اور کاٹھی بھی اُسی کی تھی۔

فائدہ: عرب میں گدھوں کی ایک خاص قسم ہے جو بٹ میں یہاں کے موٹے فخروں سے بڑے ہوتے ہیں اور تیز اس قدر کہ معمولی ٹوؤں سے تیز ہوتے ہیں، دو دو تین تین آدمی ان پر بے تکلف بیٹھ جاتے ہیں، وہ یہاں کے معمولی گھوڑوں سے بہتر ہوتے ہیں، ممکن ہے حضور کے زمانہ میں بھی یہی ہوں۔ لیکن گھوڑوں کے مقابلہ میں ادنیٰ درجہ کی سواری شمار ہوتی ہے۔ یہی مقصود ہے کہ حضور اقدس ﷺ کو باوجود اس عزت و رفعت کے جو دو جہان کی سرداری سے حاصل تھی، گدھے کی سواری سے استنکاف نہ تھا، اسی طرح مریضوں کی عیادت جس درجہ کا بھی بیمار ہو، شریف ہو یا کوئی معمولی آدمی ہو، حتیٰ کہ غیر مسلموں تک کی عیادت بھی فرمایا کرتے تھے۔

ایک یہودی لڑکا حضور کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا، کوئی خدمت بھی کبھی کر دیتا تھا، وہ بیمار ہوا، حضور اس کی عیادت کو تشریف لے گئے، اُس کا آخری وقت تھا۔ حضور نے شفقت کے طور پر اپنا حق ادا فرمایا اور اُس کو اسلام کی تبلیغ فرمائی۔ اُس نے اپنے یہودی باپ کی طرف دیکھ، اُس نے اجازت دے دی اور وہ مسلمان ہو گیا۔ حضور نے اللہ کا شکر فرمایا کہ حق تعالیٰ جس نے ہی حمد کا سزاوار ہے جس نے میری وجہ سے اس کو عذاب جہنم سے بچ دیا۔ یہی نہیں بلکہ اُس المنافقین عبد اللہ بن ابی کی عیادت کے لئے بھی حضور تشریف لے گئے حالانکہ اُس سے بہت سی اذیتیں پہنچی تھیں، اسی طرح معمولی معمولی جنازوں میں بھی شرکت کے متعدد واقعات حدیث کی کتابوں میں وارد ہیں۔

طريق أي: في أي طريق في المدينة، والإصاعة للطريق، بمعنى أي؛ لأن طريق الشيء ما يوصل إليه، أو في أي طريق من طرق المدينة أي: سكة من سككها كما في رواية مسلم، وقيل: المعنى في أي جزء من أجزاء الطريق.

اجلس اليك بصيغة التكنيم وحده، محروم في جواب الأمر أي: أقعد أنا أيضاً في ذلك الطريق متوجهاً إليك.

ویشهد الجنازة، ويركب الحمار، ويجيب دعوة العبد، وكان يوم بني قريظة على حمار مخطوم بحبل من ليف، عليه إكاف من ليف. **حدثنا** واصل بن عبد الأعلى الكوفي، حدثنا محمد بن فضيل، عن الأعمش، **عن** أنس بن مالك رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ يُدعى إلى خبز الشعير والإهالة السنخة فيجيب، ولقد كان له درع عند يهودي فما وجد ما يفكها حتى مات.

ما يفتك بها الدرع

(۴) حضرت انس رضي الله عنه ہی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جو کی روٹی اور کئی دن کی باسی پُرانی چکنائی کی دعوت کیے جاتے تو آپ (اُس کو بھی بے تکلف) قبول فرما دیتے۔ آپ کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی۔ اخیر عمر تک حضور کے پاس اُس کے چھڑانے کے لائق دام نہیں ہوئے۔

فائدہ: چکنائی میں پرانی ہونے کی وجہ سے بو کا اثر بھی آجاتا ہے۔ یہ بات کہ دعوت جو کی روٹی اور پُرانی چکنائی کی ہے، دعوت کرنے والے کی حالت اور تجربہ سے معلوم ہو جاتی یا اُن کی تصریح سے یہ بات معلوم ہونے کے باوجود بھی حضور اُس کے قبول فرمانے میں کوئی عذر نہ فرماتے۔ اخیر واقعہ قرض کا اتفاق ذکر کر دیا گیا کہ اس حدیث میں تھا اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہ بھی غایت تواضع کی وجہ سے تھا اور فقر کے تمام ہی حالات اسی وجہ سے تھے ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کو اختیار دیا تھا کہ بندگی کے ساتھ رسول بنا چاہتے ہو یا بادشاہت کے ساتھ؟ حضور نے خود ہی پہلی صورت کو پسند فرمایا۔

يوم بني قريظة [أي: يوم الذهاب إليهم حرهم، وكان ذلك عقب الخندق]. **مخطوم** [أي: ذو حظام وهو الرمام]. **إكاف** [أي بردعة، وهو لذوات الحافر عملة السرح لفرس والرحل لجمال]. **الإهالة** بكسر الهمزة، كل شيء من لادها من يوتدم، أو يختص ما أديب من الألية والشحم، وقيل: الدسم الحامد. **السنخة** بفتح السين المهملة وكسر النون فالخاء المعجمة، المتغيرة الريح من الطعام لطول المكث.

ولقد كان إلخ ذكر هذه القصة لإتمام الحديث لا لبيان اتواضع، وقيل: بل فيهما غاية التواضع؛ لأنه لو سأل مباسير الصحابة في رهن درعه لرهبوا عني أكثر من ذلك، فاد تركهم وسأل يهوديا وم يال بأن مصبه الشريف يأبى أن يسأل مثل يهودي في ذلك در عني غاية تواضعه. درع [هو قميص ذو حقائق من الحديد، متشابكة ببس وقاية من السلاح]. **يهودي:** [هو أبو الشحم، رهنه رضي الله عنه عنده على ثلاثين صاعا من شعير].

حدثنا محمود بن غیلان، حدثنا أبو داود الحفري، عن سفیان، عن الربيع بن صبيح، عن يزيد بن أبان، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: حج رسول الله ﷺ على رجل رث، عليه قطيفة لا تُساوي أربعة دراهم فقال: اللهم اجعله حجاً لا رياءَ فيه ولا سُمعة. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا عفان، أخبرنا حماد بن سلمة، عن حميد،

(۵) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک پرانے پالان پر حج کیا۔ اُس پر ایک کپڑا پڑا ہوا تھا، جو چار درہم کا بھی نہیں ہوگا۔ (یہ بھی ممکن ہے کہ اُس پر سے مراد حضور کی ذات والا ہو، یعنی آپ ایک معمولی سی چادر اوڑھے ہوئے تھے جو چار درہم کی بھی نہیں تھی، بعض فضلاء درس کے نزدیک یہ مطلب زیادہ پسندیدہ ہے، لیکن بندہ ناچیز کے نزدیک پہلا مطلب زیادہ رائج ہے اور اس باب کی گیر ہویں حدیث اس کی تائید کرتی ہے) اور حضور یہ دعا مانگ رہے تھے کہ یا اللہ! اس حج کو ایسا حج فرماؤ جس میں ریا اور شہرت نہ ہو۔

فائدہ: یہ دعا امت کی تعلیم کی غرض سے تھی یا حضور اقدس ﷺ کے کمال تواضع اور غایتِ عبودیت کی وجہ سے تھی کہ باوجود یہ کہ ریا و شہرت کا احتمال بھی حضور کے فعل میں نہ تھا لیکن پھر بھی حضور اس کی دعا فرما رہے ہیں اور اللہ جلّ جلالہ سے یہ مانگ رہے ہیں کہ اس حج کو ریا و شہرت سے محفوظ رکھ۔ حضور کے بدن مبارک پر یا پالان پر جو کپڑا تھا وہ اس قدر معمولی کہ ایک روپیہ قیمت کا بھی نہ تھا۔ یہ بھی اُسی غایتِ تواضع کا اثر تھا جو نبی کریم ﷺ کی عام عادت تھی، گو بعض مصاع سے بعض اوقات نبی اکرم ﷺ سے بیش قیمت لباس پہننا بھی ثابت ہے لیکن عام عادت یہی تھی۔

الحفري يفتح المهمة والعاء، وتقدم بياؤه في باب تعصّره عليه السلام. عن يزيد تكلموا على الحديث لأجل يزيد بن أبان والربيع بن صبيح كما بسطه شراح الشمايل، وذكروا له شواهد، فارجع إليها لوشئت التفصيل. رث يفتح راء وتشديد مثله أي: خلق وابل. وعليه **قطيفة** قال الماوي: أي على رسول الله ﷺ، أو على الرجل، وحرم القاري الثاني وقال: لا على الرسول ﷺ عما توهمه الحنفية. **لارياء فيه** قال الماوي: الرياء: العمل لعرض مدموم كأن يفعل ليراه الناس، والسمعة: ما يعمل ليسمع الناس ويصير به مشهوراً فيكرم ويعظم جاهه في قلوبهم. قال القاري: والتحقيق أنهما متعايران باعتبار أصل اللغة من حيث الاشتقاق، وإن كان يطلق أحدهما على الآخر تغليفاً.

باب ما جاء في تواضع رسول الله ﷺ ۳۷۴ حضور اقدس ﷺ کی کثرت تواضع فرمانے کے بارے میں

عن أنس - قال: لم يكن شخص أحب إليهم من رسول الله ﷺ. قال: وكانوا إذا رأوه لم يقوموا؛ لما يعلمون من كراهيته لذلك.

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک حضور اقدس ﷺ سے زیادہ محبوب کوئی شخص دنیا میں نہیں تھا۔ اس کے باوجود پھر بھی وہ حضور اقدس ﷺ کو دیکھ کر اس لئے کھڑے نہیں ہوتے تھے کہ حضور کو یہ پسند نہیں تھا۔
فائدہ یہ بھی نبی کریم ﷺ کی غایت تواضع پر مبنی تھا کہ باوجود اس علو شان اور رفعت اور دو جہان کی سرداری کے اس چیز کو حضور پسند نہ فرماتے تھے اور اسی وجہ سے کبھی صحابہ کرام باوجود تقاضائے محبت کے حضور کی ناپسندیدگی کی وجہ سے کھڑے نہیں ہوتے تھے جیسا کہ اس روایت کا مقتضی ہے اور کبھی تقاضائے محبت کھڑے ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ابو داؤد میں ہے کہ حضور اقدس ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ باتیں کرتے تھے اور جب حضور کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے اور اُس وقت تک کھڑے رہتے جب تک حضور دولت خانہ میں نہ چلے جاتے۔ اسی طرح اس بارے میں بہت مختلف روایات

احب سہم قل: هذا مشكل؛ لأن الأحسة لا تقتضي القيام؛ لأن النون أحب إلى النون ولا يقوم له. وأحب إلى النون هو كاد به فصل يقتضي القيام به من لأب قيام به كما صرحوا، ورد بأن النون تقفوا على استهجان فمد النون عظم. قلت: وهو سمع من هذا القيام بوضا مقصده، ولقد قلنا: هو كاد به فصل يقتضي القيام له، فالأوجه في الحوب أن حجة إد كادت ناشئة عن مقصدة تقتضي القيام على وجه الكرامة، لأن كاد كاد صعبة أو نعرض آخر.
 ۱. مقدم احتضت الروايات في إباحة القيام لأخر ومعه، كما بسط في المصولات لا سيما في فتح ساري، وأخرج أبو داود عن أبي هريرة: كان رسول الله ﷺ يحس معاً في المسجد، فإذا قام قما قياماً حتى يراه قد دخل بعض بيوت روجه، قال ساري: فيه دليل لما عليه محور مذهب الشافعية النووي من بدب القيام لأهل الفضل وشرف بكرم وعظماً، وقد قام نكمرمة من أبي جهل لما قدم عليه، وكان يقوم لعدلي بن حاتم كلما دخل عليه حسماً جاء ذلك في حبري، وهما وإن كانا ضعيفين يعملان في معصائهن، وحكى القاري عن إمام العرابي أن قياماً مكروه على سبيل لإعصام لا على سبيل لإكرام، وعن سوي. أن لقيام بمقادم من أهل الفضل أو صلاح أو شرف مستحب، وقد جاءت فيه أحاديث، وهما يثبت في النبي ﷺ عنه شيء صريح، وعن القاضي عياض: أن القيام المنهي عنه إنما كان فيمن يقومون عليه وهو حاس، ويمكن أن يكون قياماً صوراً حسوسه. قلت: وفي اندر مختار عن وهابية: يجوز من يبدب القيام تعصماً بمقادم كما يجوز قياماً وهو سفاري بين يدي النعم، وحكى من عاصدين عن مشكرك لاثار القيام لعزوه ليس بمكروه عليه، إنما المنكره حجة القيام من يقدم به.

حدثنا سفیان بن وکیع، حدثنا جُمیع بن عمر بن عبد الرحمن العجلی، حدثني رجل من بني تمیم، - من ولد أبي هالة زوج خديجة ﷺ - يُكنى أبا عبد الله - عن ابن أبي هالة، [من جهة ۷۵]

کتب حدیث میں ہیں۔ حتیٰ کہ بعض روایات میں کھڑے ہونے کی سختی سے ممانعت ہے اور بعض روایات میں بعض آنے والوں کے لئے کھڑے ہونے کا حکم بھی ہے۔ اسی وجہ سے علماء اس کھڑے ہونے کے جواز اور عدم جواز میں مختلف ہو گئے ہیں اور اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ ان میں تعارض نہیں ہے، بلکہ کھڑے ہونے کے اسباب اور وجوہ مختلف ہیں، اسی وجہ سے احادیث میں مختلف احکام ملتے ہیں۔ ابو الولید بن رشد کہتے ہیں کہ کسی شخص کے لئے کھڑا ہونا چار طرح ہوتا ہے:

۱۔ ناجائز ہے۔ وہ ایسے شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو تکبر کی وجہ سے اس کو پسند کرتا ہو کہ جب وہ آئے تو لوگ کھڑے ہو جائیں۔

۲۔ مکروہ ہے۔ وہ ایسے شخص کے لئے کھڑا ہونا ہے جو متکبر تو نہیں ہے لیکن اندیشہ ہے کہ اُس کے ساتھ اگر ایسا معاملہ کیا جائے تو اُس میں تکبر اور عجب پیدا ہو جائے۔

۳۔ جائز ہے۔ وہ ایسے شخص کے لئے جہاں یہ اندیشہ نہ ہو۔

۴۔ مستحب ہے۔ وہ اُس شخص کے واسطے کھڑا ہونا جو سفر وغیرہ سے آیا ہو، اُس کے آنے کی خوشی میں کھڑا ہو جائے۔

امام نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اہل علم، اہل فضل، اہل شرف کے آنے پر کھڑا ہونا مستحب ہے۔ قاضی عیاض رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ممانعت اُس قیام کی ہے جو بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اُس کے سامنے کھڑے رہیں۔ چنانچہ ممانعت کی احادیث میں یہ ارشاد بھی ہے کہ ایسی طرح نہ کھڑے ہو جیسے کہ عجمی لوگ اپنے سرداروں کیلئے کھڑے ہوتے ہیں۔ حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کی تحقیق جو وائد صاحب رحمہ اللہ کے واسطے سے بذل المجدود میں نقل کی گئی ہے کہ فی حد ذاتہ کھڑا ہونا جائز ہے جب تک کہ کوئی عارض ایسا پیش نہ آئے جو اس کو ناجائز بنا دے۔ مثلاً اُس شخص کا فتنہ میں پڑ جانا جس کے لئے کھڑا ہوا ہے کہ اُس میں تکبر وغیرہ امور پیدا ہو جانے سے اُس کو دینی نقصان پہنچے۔ اسی طرح سے نفق کے طور پر کھڑا ہونا کہ جس کے لئے کھڑا ہوا ہے

عمر بلا واو، وفي نسخة بالواو، قال القاري: صوابه عمر بالتصغير، وتقدم في مدأ الكتاب بيان العجلى بكسر العين وسكون الحيم. من ولد [أي. من جهة الأمهات، لأنه من أساط أبي هالة، وانسبط: ولد است.] روح خديجة [صفة لأبي هالة، وقد تروح خديجة ﷺ في الحاهلية، فولدت له ذكرين: هذا وهالة]

عن الحسن بن علي^۷ قال: سألت خالي هند بن أبي هالة - وكان وصافاً - عن حلية النبي ﷺ، وأنا أشتهي أن يصف لي منها شيئاً، فقال: كان رسول الله ﷺ فخماً مفخماً،

اُس کی کوئی وقعت اور عظمت دس میں نہ ہو، ریاکاری اور نفاق کے طور پر کھڑا ہو کہ یہ صورتیں ناجائز ہیں۔ اور ان میں بھی اگر کھڑے نہ ہونے کی صورت میں اس شخص کو خود کسی قسم کا جانی مالی یا آبرو کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو اُس کے لئے جائز ہوگا۔ (۷) امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے پوچھا، وہ حضور کے حالات اکثر بیان کرتے تھے اور مجھے اُن کے سننے کا اشتیاق تھا، تو انھوں نے میرے پوچھنے پر حضور کے حلیہ شریف کا ذکر فرمایا کہ حضور بلند پایہ، بلند مرتبہ تھے، آپ کا چہرہ انور بدر کی طرح چمکتا تھا اور پورا حلیہ شریف (جیسا کہ شروع کتاب میں پہلے باب کی ساتویں حدیث میں مفصل نثر چکا ہے) بیان فرمایا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے (بعض وجوہ سے) اس حدیث کا امام حسین رضی اللہ عنہ سے ایک عرصہ تک ذکر نہیں کیا۔ ایک عرصہ کے بعد ذکر کیا تو معلوم ہوا کہ وہ مجھ سے پہلے اس حدیث کو سُن چکے تھے اور صرف یہی نہیں کہ ماموں جان سے یہ حدیث سُن لی ہو، بلکہ والد صاحب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور کے مکان تشریف لے جانے اور باہر تشریف لانے اور حضور کا طرز و طریقہ بھی معلوم کر چکے تھے۔

چنانچہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور کے مکان تشریف لے جانے کے حالات دریافت کیے تو آپ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ مکان میں تشریف رکھنے کے وقت کو تین حصوں پر منقسم فرماتے تھے۔ ایک حصہ حق تعالیٰ جل جلالہ کی عبادت میں خرچ فرماتے تھے یعنی نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ دوسرا حصہ گھر والوں کے ادائے حقوق میں خرچ فرماتے تھے، مثلاً اُن سے ہنس بول، بات کرنا، ان کے حالات کی تحقیق کرنا۔ تیسرا حصہ خاص اپنی ضروریات راحت آرام کے لئے رکھتے تھے۔ پھر اُس اپنے والے حصہ کو بھی دو حصوں پر اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرمادیتے اس طرح پر کہ خصوصی حضرات صحابہ کرام اُس وقت میں داخل ہوتے، اُن خواص کے ذریعہ سے مضامین عوام تک پہنچتے،

وكان همد وصافاً رسول ﷺ، كونه قد أجمع المصطفى في داته اشرفه وهو صغير مثل علي عليه السلام، لأن كلامهم تروى في حجر النبي ﷺ، والصغير ينمك من التأمل وبمعان المصطفى، خلاص الكبر فإيه تمنعه الهابة والخياء من دث. | فخماً فحماً سكون انجمه وكسرهما أي عظيمهما في داته، ومعهما أي: معظما في صفاته، وفي الهابة أي عظيمهما معظما في الصدور والعيون.

يتلألاً وجهه تلالؤ القمر ليلة البدر، فذكر الحديث بطوله. قال الحسن: فكتمتها الحسين زماناً،
[بشرق]
ثم حدثته، فوجدته قد سبقني إليه، فسأله عما سأله عنه، ووجدته قد سأل أباه عن: مدخله،
[بلد رمان]

ان لوگوں سے کسی چیز کو اٹھا کر نہ رکھتے تھے (یعنی نہ دین کے امور میں نہ دنیوی منافع میں، غرض ہر قسم کا نفع بلا دریغ پہنچاتے تھے امت کے اس حصہ میں آپ کا یہ طرز تھا کہ) ان آنے والوں میں اہل فضل یعنی اہل علم و عمل کو حاضری کی اجازت میں ترجیح دیتے تھے، اُس وقت کو اُن کے فضل دینی کے لحاظ سے ان پر تقسیم فرماتے تھے۔
بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے اور بعض حضرات دو دو حاجتیں لے کر حاضر خدمت ہوتے اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر حاضر ہوتے۔ حضور اُن کی تمام حاجتیں پوری فرمایا کرتے اور اُن کو ایسے امور میں مشغول فرماتے جو خود اُن کی اور تمام امت کی اصلاح کے لئے مفید اور کارآمد ہوں۔ مثلاً اُن کا دینی امور کے بارے میں حضور سے سوالات کرنا اور حضور اقدس ﷺ کا اپنی طرف سے مناسب امور کی اُن کو اطلاع فرمانا اور ان عیووم و معارف کے بعد حضور یہ بھی فرمادیا کرتے تھے کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان مفید اور ضروری اصلاحی امور کو غائبین تک بھی پہنچادیں اور نیز یہ بھی ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جو لوگ کسی عذر (پرودہ یا دوری، شرم یا رعب) کی وجہ سے مجھ سے اپنی ضرورتوں کا اظہار نہیں کر سکتے، تم لوگ اُن کی ضرورتیں مجھ تک پہنچا دیا کرو۔ اس لئے کہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی حاجت پہنچائے جو خود نہیں پہنچا سکتا تو حق تعالیٰ قیامت کے دن اُس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے، لہذا تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو۔ حضور کی مجلس میں ضروری اور مفید ہی باتوں کا تذکرہ ہوتا تھا اور ایسے ہی امور کو حضور اقدس ﷺ صحابہ سے خوشی سے سنتے تھے،

ليلة البدر [وهي ليلة أربعة عشر، سمي بذلك؛ لأنه يبدد الشمس بالطلوع أي يسبق في طوعه الشمس في عروها]
فذكر الحديث تقدم هذا السند بعضه في "باب الحق" وبعضه في "باب كيف كان الكلام". فكتمها أي ليحتر
اجتهاده في تحصيل العلم عليه جده، أو ليستمع الحسين من هـد فيعرفه بأقصر إسماء، أو ينتظر أن يسأل ذلك الحسين؛
فإن التسبب بعد الطلبة أبلغ، أو كان ذلك الكتم تعاقباً، ورجحه عصام. حدثته. [أي: عما سمعته من حالي هند].

سبقني إليه. [إلى السؤال عنها من حاله هند]. أباه: وفي نسخة: أبي. وهو علي بن أبي طالب ﷺ مدخله. أي: طريق
سبوكه حال كونه داخل بيته وعن أطوار خارج بيته قاله القاري، وقال المصاوي: أي عن دخوله وخروجه بيته، أو عن
حالة فيهما، أو عن زمانيهما أي زمن دخوله وخروجه.

وكان من سيرته في جزء الأمة إيثار أهل الفضل بإذنه، وقسمه على قدر فضلهم في الدين،

فضول تذکروں میں وقت ضائع نہیں فرماتے تھے، آنے والوں کی تالیفِ قلوب فرماتے، اُن کو مانوس فرماتے، متوحش نہیں بناتے تھے (یعنی تنبیہ وغیرہ میں ایسا طرز اختیار نہ فرماتے جس سے ان کو حاضری میں وحشت ہونے لگے یا ایسے امور ارشاد نہ فرماتے تھے جن کی وجہ سے دین سے نفرت ہونے لگے) ہر قوم کے کریم اور معزز کا اکرام و اعزاز فرماتے اور اُس کو خود اپنی طرف سے بھی اسی قوم پر متولی اور سردار مقرر فرما دیتے۔ لوگوں کو عذابِ الہی سے ڈراتے (یا مضر امور سے بچنے کی تاکید فرماتے یا لوگوں کو دوسروں سے احتیاط * رکھنے کی تاکید فرماتے) اور خود اپنی بھی لوگوں کے تکلیف پہنچانے یا نقصان پہنچانے سے حفاظت فرماتے، لیکن باوجود احتیاط رکھنے اور احتیاط کی تاکید کے کسی سے اپنی خندہ پیشانی اور

اسار أهل الفضل [أي: وكان من عادته وصريفته فيما يصنع في اجراء الذي جعله لأمنته. تقدم أهل الفضل حسناً، أو سناً، أو سفاً، أو صلاحاً بآدبه. فله في ذلك. فبادن لهم في التقدير، والإفادة، وإبلاغ أحوال العامة] وقسمه بالمتاح مصدر قسم، أي: قسمه ذلك اجراء فيهم، قال القاري: والصمير راجع إليه والمفعول مقدر، أي: ما عنده من خيري الدنيا والآخرة، وجوز أن يكون "للجزاء" الذي بينه وبين الناس.

* اس غلط کے مختلف ترجمے کئے گئے ہیں۔ بندہ کے نزدیک اقرب یہی ہے، دوسرے جملہ کے مناسب بھی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ حضور خود بھی اپنی حفاظت اور احتیاط فرماتے اور دوسروں کو بھی لوگوں سے احتیاط کی تعلیم دیتے تھے، جس کی توضیح یہ ہے کہ بلا وجہ کسی شخص پر بدگمانی کرنا ناجائز ہے لیکن بغیر بدگمانی کے اپنی حفاظت کرنا اور احتیاط رکھنا بہتر ہے۔ احادیث میں مختلف عنوانات سے حزم اور احتیاط کی تعلیم بکثرت وارد ہے۔ ابو داؤد شریف میں ایک قصہ نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ تقسیم کے لئے کچھ مال بھیجنے کا راہ کیا اور ایک صحابی بن سفيان بن عوف کو مال لے جانے کے لئے تجویز فرما کر ان سے کہہ دیا کہ کوئی ساتھی اپنے ساتھ جانے کے لئے تلاش کرے، وہ تلاش میں تھے کہ عمرو نامی ایک شخص ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ تم مکہ جانے کے لئے کسی ساتھی کی تلاش کر رہے ہو، میں تمہارے ساتھ چلوں گا۔ ابن سفيان حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ مجھے ساتھی مل گیا۔ حضور نے دریافت فرمایا کہ کون ہے؟ انھوں نے پتہ بتا دیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تم اُس کی قوم کی آبادیوں کے قریب پہنچو تو اُس سے محتاط رہنا اس لئے کہ ایک ضرب المثل ہے کہ اپنی بکری بھائی سے (جو ایک قبیلہ کا نام ہے) محتاط رہنا۔ ابن سفيان کہتے ہیں کہ ہم دونوں چل دیے، جب میرے ساتھی کی قومی آبادیاں آئیں تو وہ مجھ سے کہنے لگے کہ میں ان لوگوں سے مل آؤں تم میرا انتظار کرنا۔ میں نے کہا کیا مضائقہ ہے! اس کے جانے کے بعد مجھے حضور کا ارشاد یاد آیا میں جلدی سے اپنا اونٹ تیار کر کے چل دیا، تھوڑی دیر میں میں نے دیکھا کہ وہ چند لوگوں کے ساتھ آ رہا ہے مگر میں احتیاط کی وجہ سے جلدی جلدی چلا گیا۔ اس میں کئی نوع سے احتیاط کا مضمون وارد ہے، اس کے علاوہ متعدد روایات میں حضور سے لوگوں کو احتیاط کی تعلیم منقول ہے، اس لئے یہی معنی بہتر ہیں۔

فمنهم ذو الحاجة، ومنهم ذو الحاجةين، ومنهم ذو الخوايج، فيتشاغل بهم، وَيَشْغَلُهُمْ فِيمَا يُصْلِحُهُمْ
 اِي عَنِ اَهْلِ مَعْرِ
 وَالْأُمَّةَ مِنْ مَسْئَلَتِهِمْ عَنْهُ، وإخبارهم بالذي ينبغي لهم، ويقول: يُبْلِغُ الشاهد منكم الغائب،
 وأبلغوني حاجة من لا يستطيع إبلاغها، فإنه من أبلغ سلطاناً حاجة من لا يستطيع إبلاغها
 ثَبَّتَ اللَّهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

خوش خلقی کو نہیں ہٹاتے تھے، اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے، لوگوں کے حالات آپس کے معاملات کی تحقیق فرما کر ان کی اصلاح فرماتے، اچھی بات کی تحسین فرما کر اس کی تقویت فرماتے اور بُری بات کی بُرائی بنا کر اس کو زائل فرماتے اور ردک دیتے۔ حضور اکرم ﷺ ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے نہ کہ تلون اور گز بڑ کہ کبھی کچھ فرما دیا کبھی کچھ۔ لوگوں کی اصلاح سے غفلت نہ فرماتے تھے کہ مبادا وہ دین سے غافل ہو جائیں یا کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے دین سے آگیا جائیں (اس لئے حضور ان کے حالات سے غفلت نہ فرماتے تھے) ہر کام کے لئے آپ کے یہاں ایک خاص انتظام تھا۔ امر حق میں نہ کبھی کوتاہی فرماتے تھے نہ حد سے تجاوز فرماتے تھے۔ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے خلقت کے بہترین افراد ہوتے تھے۔ آپ کے نزدیک افضل وہی ہوتا تھا جس کی خیر خواہی عام ہو، یعنی ہر شخص کی بھلائی چاہتا ہو۔

ذو الخوايج [بيان تفاوت في مراتب الاستحقاق، والمراد بالخوايج: المسائل المتعلقة بالدين]. **فيتشاغل بهم** أي يشغل نفسه الشريعة مشغولة بهم. **ويشغلهم** من الإشغال، أو يفتح آباء واعين من اشغل، قال الحنفي. هذا أو؛ لأنه قال في التاج: الإشغال لغة ردية في الشغل، وقال الجوهري. قد شغلت فلانا فلانا، ولا تقل: أشغلت؛ لأنها لغة ردية، وقال المحدث في القاموس: أشغله لغة جيدة أو قبيحة أو ردية، قال القاري: هو صحيح لرواية ناصم لكفر من قال بـ ردية والأمة [أي: في الذي يصلحهم ويصحح الأمة، سواء كان المراد أمة الدعوة أو أمة الإحسان، فلا يدعهم يشغلون عما لا يعيهم]. **من مسئلتهم** قال الحنفي بيان ما في قومه. ما يصححهم، يعني أن ما يصححهم والأمة هو مسئلتهم عنه، وتعنه اس ححر بأن الأصوب أن 'من' تعينية، والمعنى من أجل سؤالهم إياه عنه، قال المصنف: وفي نسخة 'عنهم' أي: عن أحوالهم. **ينبغي لهم**. [أي: إخبار النبي ﷺ إياهم بالأحكام التي تليق بهم وأحوالهم ورماتهم ومكالمهم والمعارف التي تسعها عقولهم]. **لا يستطيع**: [مثل: النساء والعبيد والمرضى والعائين].

ولا يُذكر عنده إلا ذلك، ولا يقبل من أحد غيره. يدخلون رؤوذاً، ولا يفترقون إلا عن ذواق،
ويخرجون أدلة، - يعني على الخير - . قال: فسألته عن مخرجه كيف كان يصنع فيه؟ قال كان
رسول الله ﷺ يَخْزَنُ لسانه إلا فيما يعنيه، وَيُؤَلِّفُهُمْ ولا ينفّرهم، ويكرم كريم كل قوم ويؤليه عليهم،
أي هذه سبب [ومعنى الجو العلم] الحسن
عائدين بحسن
أي أي

آپ کے نزدیک بڑے رتبہ والا وہی ہوتا تھا جو مخلوق کی غم گساری اور مدد میں زیادہ حصہ لے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور کی مجلس کے حالات دریافت کیے تو انھوں نے فرمایا کہ آپ کی نشست و برخاست سب اللہ کے ذکر کے ساتھ ہوتی تھی اور جب کسی جگہ آپ تشریف لے جاتے تو جہاں جگہ ملتی وہیں تشریف رکھتے اور اسی کالوگوں کو حکم فرماتے کہ جہاں جگہ خالی مل جائے بیٹھ جایا کریں، لوگوں کے سروں کو پھلانگ کر آگے نہ جایا کریں، یہ امر جدا گانہ ہے کہ جس جگہ حضور بیٹھ جاتے وہی جگہ پھر صدر مجلس بن جاتی۔ آپ حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کا حق ادا فرماتے یعنی بشارت اور بات چیت میں جتنا اُس کا استحقاق ہوتا اُس کو پورا فرماتے کہ آپ کے پاس کا ہر بیٹھنے والا یہ سمجھتا تھا کہ حضور میرا سب سے زیادہ اکرام فرما رہے ہیں۔ جو آپ کے پاس بیٹھتا یا کسی امر میں آپ کی طرف مراجعت کرتا تو حضور اُس کے پاس بیٹھ رہتے یہاں تک کہ وہی خود اٹھنے کی ابتدا کرے۔ جو آپ سے کوئی چیز مانگتا آپ اُس کو مرحمت فرماتے یا (اگر نہ ہوتی) تو نرمی سے جواب فرماتے۔

إلا دلت أي. ما يذكر من حاجات الناس واحتاج إليه، وقوله. 'ولا يقبل' إلخ مرسلة تأكيد لما تقدم، والمعنى: لا يذكر عنده إلا ما يفيدهم في دينهم أو دنياهم. دون ما لا يتمتع بها، فإنها لا تذكر عنده عداً. رؤوذاً [جمع رائد، وهو في الأصل: من يتقدم القوم؛ لينظر لهم الكلاً ومساقت العيث، والمراد هنا أكابر الصحب الذين يتقدمون في الدخول عليه في بيته ليستعيدوا منه ما يصلح أمر الأمة.] بضم فتشديد، جمع رائد بمعنى طالب، أي. طالبين المنافع في دينهم ودنياهم. ذواق [بمعنى: مَنُوق من الطعام، كما هو الأصل في الذواق، لكن العلماء حموه على العلم والأدب، فالمعنى: لا يفترقون من عنده إلا بعد استفادة علم وحير.] بفتح أوله فعال بمعنى معول، أي عن مطعوم حسي على ما هو الأغلب، أو معنوي من العلم وغيره، فإنه يقوم للروح مقام الطعام للجسد. يخرن بضم الخاء، أي: يحسن ويعظم. و"يعيه" بفتح أوله، أي: يهيم. ويؤلفهم [يعلمهم آفئ له، مقبلين عليه، ملاصقة لهم وحسن أخلاقه معهم، أو يؤلف بينهم حيث لا يبقى بينهم تباعد]. ولا ينفّرهم بتشديد الفاء أي: لا يفعل هم ما يكون سبب تفرقهم عنه؛ لما عنده من العفو والصفح والرفقة التي لا نظير لها. ويؤليه عليهم [أي. يعظم أفضل كل قوم عما يناسبه من التعظيم، ويعمله والياً عليهم وأميراً فيهم؛ لأن القوم أطوع لكبيرهم.]

وَيُحَذِّرُ النَّاسَ وَيَخْتَرِسُ مِنْهُمْ مَنْ غَيْرِ أَنْ يَطْوِي عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ بَشْرَهُ وَلَا حُلُقَهُ. وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ، وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ، وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُؤَهِّيه، مُعْتَدِلُ الْأَمْرِ غَيْرَ مُخْتَلَفٍ، وَلَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوا وَيَمْلَأُوا،

آپ کی خندہ پیشانی اور خوش خلقی تمام لوگوں کے لئے عام تھی۔ آپ تمام خلقت کے شفقت میں باپ تھے اور تمام خلقت حقوق میں آپ کے نزدیک برابر تھی۔ آپ کی مجلس مجلس علم و حیا اور صبر و امانت تھی (یعنی یہ چاروں باتیں اُس میں حاصل کی جاتی تھیں یہ کہ یہ چاروں باتیں اُس میں موجود ہوتی تھیں) نہ اُس میں شور و شغب ہوتا تھا نہ کسی کی عزت و آبرو اتاری جاتی تھی۔ اُس مجلس میں اگر کسی سے کوئی لغزش ہو جاتی تھی تو اُس کو شہرت نہیں دی جاتی تھی۔ آپس میں سب برابر شر کیے جاتے تھے (حسب نسب کی برائی سمجھتے تھے البتہ) ایک دوسرے پر فضیلت تقویٰ سے ہوتی تھی۔

حذر: أي يحذر بعض الناس من بعض ويأمرهم بالحرم، أو يخوفهم من عذاب الله وتليم عقابه، قال السَّوَي: قال لغاري: ووقع في بعض الرويات: "ويحذر الناس لغف" فإن صح فهو وجه آخر. قلت: وعني هذه المعاني كلها هو من التحذير، ووسطه بعضهم وحكاه ميرك عن أكثر الرواة بفتح الياء وتضعيف نداء مفتوحة من حذر بمعنى: "الاحتراز"، فيكون في معنى قوله: ويخترس منهم. والأوجه عندي الأول، كما في أي داود من قوله: أحوك سكري فلا تأمه.

ويخترس: قال لغاري: أي يحفظ نفسه من أذاهم، وقد السَّوَي: أي يتحفص من كثرة محاسنهم مؤدية إلى سقوط هيئته وجلالته من قوتهم. بسرد: كسر فسكون، ضلاقة وجهه وشاشته، وفيه رفع توهم شأ من قوله: يخترس ولد كده بقوله: "ولا حقه" بصمتين أو ضم أو، أي: ولا حسن حقه، قال لغاري: وسفقد أي: يصبهم ويسأل عنهم حال عيبتهم، فإن كان أحد منهم مريضاً يعود، أو مسافراً يدعو، أو ميتاً فيستعمر له. عبد الله السَّوَي: أي: عما وقع فيهم من محاسن والمساوي الظاهرة ليدفع ضم المضام عن المضوم، أو عما هو متعارف فيما بينهم، وليس المعنى أنه يتحسَّن عن عيوبهم، ويتعخص عن ذوبهم. وشبه: [أي: يظهر قوته بدليل معقول أو مقول].

ويؤهده [أي: يجعه ويهيا صعيقا يسهع ويرجرعه]. ولا يغفل [أي عن تذكيرهم وتعيمهم] لا يغفل [أي عن استفادة أحواله وأفعاله]. وسوا: بفتح السين وتشديد اللام من الملائة، وفي نسخة "أو يمسو" بكسمة "أو" لتسويج. وما قال حنفي: حدث غير صحيح، وفي نسخة "أو يمسو" من میں أي: يمسوا إلى الدعة وبراهمية.

لکل حال عنده عتاد، لا يُقَصِّر عن الحق ولا يُجَاوِزُه، الذين يُلُونَه من الناس: خيارهم، أفضلهم
 عنده أعمّهم نصيحة، وأعظمهم عنده منزلة أحسنهم مواساة ومؤازرة. قال: فسألتُه عن
 مجلسه؟ فقال: كان رسول الله ﷺ لا يقوم ولا يجلس إلا على ذكر، وإذا انتهى إلى قوم جلس
 حيث ينتهي به المجلس، ويأمر بذلك. يُعطي كل جلسائه بمصيبة، لا يخسب جلسائه أن أحداً
 أكره عليه منه. من جالسه أو فاضحه في حاجة صابره حتى يكون هو المنصرف عنه،
 في مكان الخلاء أي مكان خاص

ہر شخص دوسرے کے ساتھ تواضع سے پیش آتا تھا۔ بڑوں کی تعظیم کرتے تھے، چھوٹوں پر شفقت کرتے تھے، اہل حاجت کو ترجیح دیتے تھے، اجنبی مسافر آدمی کی خبر گیری کرتے تھے۔ فائدہ: الغرض ہر بات اور ہر امر شریفانہ اخلاق کے منتہی سے اوپر تھی اور کیوں نہ ہوتی جب کہ آپ کی بعثت ہی تکمیل اخلاق کے لئے ہوئی۔ چنانچہ خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے۔ بعثت لأتمم مكارم الاخلاق. او کما قال۔ میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں، اس کے باوجود اس کی دعا فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ! جیسا کہ تو نے مجھے حسن صورت عطا کی ہے، حسن اخلاق بھی عطا کر، حالانکہ حضور کے اخلاق کی بڑائی کا ذکر قرآن پاک میں بھی ہے اور کئی قسم کی تاکید کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کے خلق عظیم کو ذکر فرمایا۔

عدد بفتح نو: اعدة والتأهب، يعني أنه أعد لكل أمر من الأمور حكماً من الأحكام، ودليلاً من أدلة الإسلام. حيارهم [أي: الذين يقربون منه لاكتساب العلوم وتعلمها حيار الناس؛ لأهمهم الذين يوثق بهم علماً وفهماً]. وموارده أي: معونة في مهمات الأمور، بقوة تعالى: ﴿وَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى﴾ [المائدة: ٢] مأخوذ من الوزير، وهو اندي يوارر الأمير أي: يعاونه، أو يحمل عنه ورره وثقته بمساعدته له فيما ينقل عليه من الرأي. ذكر قال القاري: قوله: عنى ذكر أي: عنى ذكر الله كما في نسخة، وفي عدم ذكره دلالة على كمال ذكره.

سنتي به اخس [إذا وصل لقوم جالسين جلس في المكان الذي يفضاه حالياً من الخس، فكان لا يرفع عنى أصحابه لتواضعه ومكارم أخلاقه، ومع ذلك فأبما جلس يكون هو صدر الخس]. ويأمر بذلك [أي: بالحدوس حيث ينتهي الخس إغراضاً عن رغبة النفس] أو فاضحه أي: راجعه، معانعة من التقويص، كان كل واحد منهما ردها عنده إلى صاحبه. و "أو" لتبويج، وأبعد الخس في تبويرها لثبوت. صدره [أي: عنه في لصير على المحالسة أو المكاملة، فلا يبادر بالقيام من الخس، ولا يقطع الكلام، ولا يظهر الملل والسامة].

ومن سألہ حاجة لم يردّه إلا بها، أو بميسور من القول. قد وسع الناس بسطه وخلقه، فصار لهم أبا، وصاروا عنده في الحق سواء. مجلسه: مجلس حلم وحياء، وصبر وأمانة، لا تُرفع فيه الأصوات، أي لا يجادل كما في المدارس

نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ بل شیخ نزم مزاجی کو پسند کرتے ہیں اور نرمی پر وہ کچھ عطا فرماتے ہیں جو اور کسی چیز پر عطا نہیں کرتے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جو شخص نرمی سے محروم ہے وہ بڑی خیر سے محروم ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جس کے اخلاق بہترین ہوں۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ تم میں سے زیادہ محبوب مجھے وہ شخص ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔ ایک صحابی نے حضور سے دریافت کیا کہ آدمی کو سب سے بہترین چیز جو عطا ہوئی ہے وہ کیا ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا: خوش خلقی۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ قیمت میں اعمال نامہ کی ترازو میں سب سے زیادہ وزنی چیز جو ہوگی وہ اچھے اخلاق ہوں گے۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ آدمی اچھے اخلاق کی بدولت شب بیدار، روزہ دار کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں یمن بھیجا گیا اور سواری پر سوار ہونے کے لئے رکاب میں پاؤں رکھا تو حضور نے سب سے آخری وصیت جو فرمائی وہ یہ تھی کہ لوگوں کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آنا۔ حضور کا ارشاد ہے کہ مومنین میں زیادہ کامل ایمان والے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق بہتر ہوں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی روایات میں حسن اخلاق کی تاکید فرمائی گئی اور یہ اس کا نمونہ ہے جو اوپر ذکر کیا گیا۔

میسور أي: حسن، لا معسور حش؛ لقوله تعالى: ﴿وَمَا تُغْرِصَ عَنْهُمْ أُنْتَعَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا﴾ [الإسراء: ۲۸] ومن ميسور: الوعد والشفاعة، والرعة في العقی، والرعة عن الدنيا. وسع الناس أجمعين حتى المنافقين. بسطه أي: بشرة وصلافة وجهه وبساطه، أو جوده وكرمه. فصار لهم أبا. أي في شفقة ورحمة والإصلاح، بل أعظم من أب؛ إذ غاية الأب أن يسعى في إصلاح الظاهر، وهو يسعى في إصلاح الظاهر والباطن. سواء. [أي: مُستوی في الحق، ولا يطمع أحد منهم أن يتعير عنده على أحد؛ لکمال عدله، وسلامته من الأعراض العسافية]. وحياء: [أي: كانوا يجلسون معه على غاية من الأدب].

وَلَا تُؤْبَنُ فِيهِ الْحَرَمُ، وَلَا تُنْثَىٰ فَلَتَاتُهُ. مُتَعَادِلِينَ، يَتَفَاضِلُونَ فِيهِ بِالتَّقْوَىٰ، مُتَوَاضِعِينَ، يُوقِرُونَ فِيهِ الْكَبِيرَ، وَيَرْحَمُونَ فِيهِ الصَّغِيرَ، وَيُؤْثِرُونَ ذَا الْحَاجَةِ، وَيَحْفَظُونَ الْغَرِيبَ. **حدثنا** محمد بن عبد الله بن بزيع، **حدثنا** بشر بن الفضل، **حدثنا** سعيد، عن قتادة، **عن** أنس بن مالك **رضي** الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: لَوْ أَهْدِي إِلَيَّ كُرَاعَ لَقَبْتُ، وَلَوْ دُعِيتُ عَلَيْهِ لَأَجَبْتُ. **حدثنا** محمد بن بشار، **حدثنا** عبد الرحمن، **حدثنا** سفيان، عن محمد بن المنكدر، **عن** جابر **رضي** الله عنه قال: جاءني رسول الله ﷺ

(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر مجھے بکری کا ایک پیر بھی دیا جائے تو میں قبول کروں اور اگر اُس کی دعوت کی جائے تو میں ضرور جاؤں۔ **فائدہ:** یعنی مجھے ہدیہ قبول کرنے میں بلکہ کسی جگہ جانے میں بھی اس کا خیال نہیں ہوتا کہ اتنی ذرا سی چیز کے لئے کیا جاؤں، بلکہ اللہ کی نعمت سمجھ کر اُس کو کمال رغبت سے قبول کرتا ہوں اور اصل یہ ہے کہ دعوت کے قبول کرنے میں وہ کھانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ دعوت کرنے والے کی دلداری مقصود ہوتی ہے۔

(۹) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (میری عیادت کے لئے) تشریف لائے، نہ خچر پر سوار تھے نہ ترکی گھوڑے پر (یعنی نہ گھیا سواری پر سوار تھے نہ بڑھیا پر بلکہ پیادہ تشریف لائے)۔ **فائدہ:** حضور اقدس ﷺ کی تواضع

وَلَا تُؤْبَنُ: لَا تَأْبَسُ بَصْمَةِ الْمُتَابَعَةِ الْفَوَاقِبَةِ فَهَمْرَةَ سَاكَةِ مَعْمُودَةٍ مَفْتُوحَةٍ، وَتَشْدُدُ أَيْضاً آخِرَهُ نَوْنٌ، مِنَ الْأَسْ، هِيَ الْعَقْدُ فِي الْقَصَادِ؛ لِأَنَّهُ تَعْيِيهَا، فَامْرَادُ بِهِ الْعَيْبُ، قَامَ إِسَاوِي. وَالْحَرَمُ بَضْمُ الْحَاءِ وَفَتْحُ الْأَوِّ مَهْمَلَتَيْنِ جَمْعُ حَرَمَةٍ، وَهِيَ مَا لَا يَحِلُّ اتِّهَاكُهُ، وَقِيلَ: أَمْرَادُ بِمَا أَقْبَانَحَ، وَرَوَى بِصَمْتَيْنِ، فَامْرَادُ بِهِ إِسَاءَةٌ، وَالْحَاصِلُ: أَنَّ مَجْمُوعَهُ كَانَ بِصَدِّ مِمَّنْ رَفَتْ الْقَوَى وَفَحَشَ الْكَلَامَ. وَلَا تُنْثَى. بَصْمٌ أَوَّلُهُ وَسُكُونُ الْوَوِّ وَفَتْحُ الْمُلْتَفَةِ، أَيْ: لَا تَشَاغ. "فَلَتَاتُهُ" بَفَتْحِ الْعَاءِ وَالْمَلَامِ، أَيْ: زَلَاتُهُ، يَعْنِي: إِذَا فَرَطْتَ مِنْ بَعْضِ حَاضِرِيهِ سَقَطَتْ لَمْ تَنْشُرْ عَنْهُ، ذَكَرَهُ الْمُنَاوِي.

يتفاضلون: أي: متوافقين، كأنه خبر لـ 'كان' المقدر أي: كانوا متعادلين متساويين، لا يتكبر بعضهم على بعض بالحسب والنسب. **ويؤثرون ذا الحاجة** [أي: يقدمونه على أنفسهم في تفرسه للشيء ليقتضي حاجته منه].

ويحفظون الغريب: [أي: يحفظون حقه وإكرامه لعزته، ويحتمل أن المراد الغريب من المسائل، فالمعنى: يحفظونه بالصبط والإتقان خوفاً من الصياح]. **بزيع:** بفتح موحدة وكسر راي، فتحية فعين مهمة **المفصل:** بتشديد الصاد المعجمة مفتوحة. **كُرَاع:** بضم الكاف، ما دون الركبة من الساق على ما في النهاية، وما دون الكعب من الدواب على ما في المعرب.

لیس براکب بغل ولا یوذون۔ **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا أبو نعيم، حدثنا يحيى بن أبي الهيثم العطار قال: **سمعت** ^(۱۱) يوسف بن عبد الله بن سلام قال: سماني رسول الله ﷺ يوسف،
 صحاحي صغير وقد ذكره العجلي في ثقات التابعين تقريب

مقصود ہے کہ امراء و سلاطین زمانہ کی طرح سواری کے عادی نہ تھے بلکہ پیدہ کثرت سے چلتے تھے۔ بخاری شریف کی ایک روایت میں اس عیادت کا قصہ ذرا مفصل ہے، وہ یہ کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سخت مریض ہوا۔ حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں حضرات پایادہ میری عیادت کو تشریف لائے، یہاں پہنچ کر دیکھا کہ میں بے ہوش پڑا ہوں۔ حضور اقدس ﷺ نے وضو کیا اور وضو کا پانی مجھ پر چھڑکا جس سے مجھ افقہ ہو گیا اور میں نے دیکھا کہ حضور تشریف فرما ہیں تو میں نے اپنے ترکہ کے متعلق سوال کیا جس پر میراث کی آیت نازل ہوئی۔

(۱۰) یوسف بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے میرا نام یوسف تجویز فرمایا تھا اور مجھے اپنی گود میں بٹھایا تھا اور میرے سر پر دست مبارک پھیرا تھا۔

فائدہ: اس حدیث سے حضور اقدس ﷺ کی کمال شفقت اور بچوں پر کمال رحمت معلوم ہوتی ہے۔ نیز تواضع کا کمال یہی ہے کہ ایسے کم عمر بچوں کو گود میں لینے سے اعراض و استکفاف نہ فرماتے تھے۔ ایک حدیث میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میرے لئے برکت کی دعا فرمائی۔ اس حدیث سے بچوں کا بزرگوں کی خدمت میں لے جانا اور ان سے نام تجویز کرانا، دعا کرنا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری احادیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا نومولود بچوں کا حضور کی خدمت میں لے جانا وارد ہے۔

بردوں کسر موحدة وسکون راء وفتح در معجمة، هو المرس الأعجمي، وقيل: انركي، أي. م یکر راکب بعن ولا فرس، بل كان ماشيا طاماً مرید اثوب، ويدل عليه رواية البحاري من طريق عبد الله بن محمد، عن سعيد بن إسناد: مرصت مرصاً فأتاني النبي ﷺ يعودي وأبو بكر، وهما ماشيان، حديث. قال ميراث. وهذه الرواية صريحة في أنه جاء لعبادته ماشياً، وفيه إضمار ما توهمه بعض المتحدثين من أنه ركب، لكنه ليس براکب بعن ولا بردوں.

عبد الله بن سلام قال المناوي بتحفيظ للام لا غير، نص عليه الأئمة، لكن في شرح الشعاء لشمس الدين عن بعضه: أنه يخفف ويشدد قلت: وبالتحفيظ جزم لقاري، وقال: صحاحي صغير، وقد ذكره العجلي في ثقات التابعين، وأنت تعلم أن هذا الحديث يدل على الأول. قال ميراث شاه: اختلف في صحبته فأثبتها البخاري، وبها أبو حاتم.

وأقعدني في حجره، ومسح على رأسي. **حدثنا إسحاق بن منصور، حدثنا أبو داود الطيالسي، أخبرنا الربيع - وهو ابن صبيح - حدثنا يزيد الرقاشي، عن أنس بن مالك** **رضي الله عنه** أن النبي ﷺ حج على رخل رث، وقطيفة كنا نرى ثمنها أربعة دراهم، فلما استوت به راحلته قال: لبيك بحجة لا سُمعة فيها ولا رياء. **حدثنا إسحاق بن منصور، حدثنا عبد الرزاق، حدثنا معمر، عن ثابت البناني وعاصم الأحول، عن أنس بن مالك** **رضي الله عنه** أن رجلاً حياطاً دعا رسول الله ﷺ.

(۱۱) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک کجاہ پر حج کیا جس پر ایک کپڑا تھا جس کی قیمت ہارے خیال میں چار درہم ہوگی۔ حضور ﷺ یہ دعا کرتے تھے کہ خدایا! اس حج کو ریا اور شہرت سے مبرا فرماؤ۔ **فائدہ:** یہ حدیث اسی باب میں پانچویں نمبر پر گزر چکی ہے۔

(۱۲) انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس ﷺ کی دعوت کی، کھانے میں شریک تھا اور اس پر کدو پڑا ہوا تھا۔ حضور کو کدو چونکہ مرغوب تھا اس لئے حضور اکرم ﷺ اس پر سے کدو نوش فرمانے لگے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

حجره قال القاري: بفتح الحاء وكسرها، دكة ميرك، ففي المغرب: حجر الإنسان بالفتح والكسر: حصه، وهو: ما دون الإبط إلى الكشح، وقال النجاشي: المراد به حجر الثوب، وهو: طرفه المقدم؛ لأن الصغير يوضع فيه عادة، ويطلق الحجر على معان، كما قال بعضهم:

رَكِبْتُ حَجْرًا وَطَفْتُ الْبَيْتَ حَلْفَ الْحَجَرِ
وَحُرْتُ حَجْرًا عَظِيمًا مَا دَحِثَ الْحَجَرُ
لَهُ حَجَرٌ مَنَعَنِي مَسْنِ دُخُولِ الْحَجَرِ
مَا قَلْتُ حَجْرًا وَلَوْ أَعْطَيْتُ مَلَأَ الْحَجَرُ

[ومعنى الحجر الأول: هو الأثني من الخيل. والثاني: حجر إسماعيل عليه الصلاة والسلام. والثالث: الذهب أو الفضة. والرابع: الأمر المحرم. والخامس: هو واسع من التصرف. والسادس: حجر لثود. والسابع: الذهب أو الفضة. والثامن: الحصن، وهو المراد ههنا.] **إسحاق بن منصور** تقدم الحديث في أوائل هذا الباب برواية محمود بن عيلان، عن أبي داود الحصري، عن سفيان، عن الربيع بن صبيح، بهذا السند والمثل. **حج على رخل** [أي: حال كونه كائناً على رخل أي: قتب.]

وقطيفة [أي: وحال أن على الرجل كساء له أهداب.] **ولا رياء**. [أي: هي حاله لوجهه، وإنما نفى الرياء والسمعة - مع كونه معصوماً منهما - تواضعاً منه ﷺ وتعبيراً لأمنه.] **أنس بن مالك** **رضي الله عنه** تقدم الحديث في صفة إدامه **رضي الله عنه** برواية إسحاق بن عبد الله بن أبي طلحة، عن أنس معني هذا الحديث، وتقدم هناك ما يتعلق باسمه الحياط.

فَقَرَّبَ لَهُ ثَرِيدًا عَلَيْهِ دُبَاءٌ، وَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَأْخُذُ الدُّبَاءَ، وَكَانَ يُحِبُّ الدُّبَاءَ. قَالَ ثَابِتٌ:
 [حج. مَرْوَدٌ عَرَفَ لَحْمًا] [يَتَقَطُّهَا مِنَ الْقِصْعَةِ] **فَسَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ: فَمَا صُنْعٌ لِي طَعَامٍ أَقْدَرُ عَلَى أَنْ يُصْنَعَ فِيهِ دُبَاءٌ إِلَّا صُنْعٌ. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ**
 [صَمَةِ الطَّعَامِ] [عَنِ صَبِغَةَ بَجَهْرٍ] [الْبَحَارِيِّ] **إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ، حَدَّثَنِي مُعَاوِيَةُ بْنُ صَالِحٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ عُمَرَ قَالَ:**

اس کے بعد سے میرے لئے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا جس میں مجھے کدو ڈالوانے کی قدرت ہو اور کدو اس میں نہ ڈالا گیا ہو۔
فائدہ: ثرید شوربے میں بھیگی ہوئی روٹی کو کہتے ہیں۔ یہ قصہ حضور کے سامن کے باب کی گیر ہویں حدیث میں گزر چکا ہے
 وہاں بجائے ثرید کے، شوربے روٹی کا ذکر تھا، ممکن ہے کہ دونوں چیزیں ہوں۔ شوربہ روٹی بھی ہو اور ثرید بھی ہو اور یہ
 بھی ممکن ہے کہ ثرید اس کو مجزا کہہ دیا ہو یا اس حدیث میں شوربہ روٹی اجزا کے لحاظ سے کہہ دیا ہو کہ ثرید بھی شوربہ
 روٹی ہی ہوتی ہے۔

(۱۳) عمرہ نبیؐ کہتی ہیں کہ کسی نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ حضور اقدس ﷺ دوست کدہ پر کیا کرتے تھے؟
 انھوں نے فرمایا کہ حضور آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے۔ اپنے کپڑے میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے اور خود ہی بکری
 کا دودھ نکال لیتے تھے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے۔

فائدہ: آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے کا یہ مطلب ہے کہ عام آدمیوں کی طرح اپنے گھر کا اکثر و بیشتر کام خود کر لیا کرتے تھے۔
 اپنی ضروریات اور گھر کے کاروبار کرنے میں حضور کو کچھ گرانی یا تکبر مانع نہ ہوتا تھا۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو کام اور لوگ
 اپنے گھروں میں کرتے ہیں وہ حضور بھی کر لیا کرتے تھے، بعض روایات میں مثال کے طور پر کچھ کام بھی گنوا دیئے جیسا کہ
 اس روایت میں گزرا ہے، اسی طرح دوسری روایات میں ہے کہ اپنا کپڑا ہی لیا کرتے تھے، اپنے جوتے کا پیوند خود ہی لگایا
 کرتے تھے، اپنے کپڑے کو پیوند لگایا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ حدیث بال میں جوں تلاش کرنے کا بھی ذکر ہے۔

دُبَاءٌ [الْقَصْرُ وَالْمَدَنُ، عَنِ ثَرِيدٍ دُبَاءً، وَهُوَ لَقَبٌ]. فَمَا صُنْعٌ صَنِيعُ بَسَاءِ الْبُحْبُوحِ، وَفَمَا نَافِيَةٌ، وَفَقَدْرٌ لِكُسْرِ
 اِدْعَالٍ مِنَ الْمَدْرَةِ صَمَةِ لَصْعَامٍ. عُمَرَةُ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: هِيَ فِي أَرْوَاقِ شَفَةِ، وَالْمَرْدُ فِي هَيْبَةٍ: عَمْرَهُ
 سَمِعْتُ عَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ سَعْدِ بْنِ رِزَارَةَ [وَهِيَ كَسَبٌ فِي حَجَرٍ أَمْ لُؤْمِيٍّ]. عَائِشَةُ وَرَوَتْ عَنْهَا كَثِيرٌ.

قِيلَ لِعَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: كَانَ بَشْرًا مِنَ الْبَيْتِ، يَغْلِي ثَوْبَهُ، وَيَحْلُبُ شَأْنَهُ، وَيَخْلِمُ نَفْسَهُ.

مِنْ بَابِ طَلَبِ

علاء کی تحقیق یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن یا کپڑوں میں جوں نہیں پڑتی تھی، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ جوں بدن کے میل سے پیدا ہوتی ہے اور پسینہ سے بڑھتی ہے اور حضور اقدس ﷺ سر اسر نور تھے، وہاں میل پچیل کہاں تھا۔ اسی طرح آپ کا پسینہ سر اسر گلاب تھا جو خوشبو میں استعمل کیا جاتا تھا، بھلا عرق گلاب میں جوں کا کہاں گزر ہو سکتا ہے؟! اس لئے اسے تلاش کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس احتمال سے کہ شاید کسی دوسرے کی جوں چڑھ گئی ہو، تلاش فرماتے تھے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ تلاش کرنا دوسروں کی تعلیم کے لئے تھا کہ جب حضور کو اس کا اہتمام کرتے دیکھیں گے تو زیادہ اہتمام کریں گے۔

كَانَ بَشْرًا أَيَّ فَرْدٍ مِنْ أَفْرَادِهِ، مَهْدَتْ لَهُ مَا تَذَكَّرَهُ بَعْدَهُ؛ لِأَنَّهَا رَأَتْ مِنْ اعْتِقَادِ الْكِبَارِ أَنَّهُ لَا يَبْقَى مَخْصَصٌ مَا يَمْنَعُهُ غَيْرُهُ مِنَ الْعَمَةِ، ﴿وَقَالُوا مَا هَذَا رَسُولٌ يَأْكُلُ لُصْعَامًا وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ وَلَا أَتَرَأَى فِيهِ مِثْلَ مَا كُنْتَ تَعْبُدُ؟﴾ [مَرْقَاة: ۷]

یغلی ثوبی: بفتح فسكون فکسر، ونحوه ان يكون من التعلية، فهي القاموس: هي رأسه: حثه عن الفعل كفعله أي: يفتش قامة لفاري، وقال اسنوي: ظاهر الحديث أن القمل كان يؤدي بدنه، لكن ذكر ابن سبع ونسبه بعض شراح الشفاء أنه لم يكن فيه قمل؛ لأنه نور، ولأن أصله من العموة ولا عفوة فيه، وأكثره من العرق وعرقه صلب، ومن قال: إن فيه فملاً فهو كمن بقصه، ولا يلزم من التعلية وجود الفعل، فقد يكون لتعظيم أو التفتيش؛ ما فيه من خو حرق ليرقعه أو لما علق به من خو شوك ووسخ، وقيل: إنه كان في ثوبه قمل ولا يؤديه، وإنما كان يتفحصه ستقديراً له.

ويخلم: يصب الماء ويكسر، فهد تعممه بعد تخصيص، وفسر بصب الماء في الوضوء والغسل على الأعضاء، وفي رواية لأحمد وابن حبان: يخبص ثوبه ويخصف بعه، ولا بأس بسعد. يرفع ثوبه ويعمل ما يعمل الرجال في بيوهم، وفي رواية: يعمل عمل البيت، وأكثر ما يعمل حيطة، وفي رواية لأحمد: ويرقع ثوبه كذا في شرحي الشمائل، وفي السداة والسهادة رواية أحمد بسنده إلى الأسود: قلت لعائشة: ما كان يصنع رسول الله ﷺ في أهله؟ قالت: كان في مهة أهله، فإذا حصرت الصلوة خرج إلى الصلوة، وبسط الروايات في هذا المعنى.

باب ما جاء في خلق رسول الله ﷺ

حدثنا عباس بن محمد الدورى، حدثنا عبد الله بن يزيد المقرئ، حدثنا ليث بن سعد، حدثني أبو عثمان الوليد بن أبي الوليد، عن سليمان بن خارجة،

باب حضور اقدس ﷺ کے اخلاق و عادات میں

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کے اخلاق شہرہ آفاق ہیں۔ حق تعالیٰ جل شانہ نے بھی کلام اللہ شریف میں ﷺ کی تعریف فرمائی ہے۔ آپ کے اخلاق جمید اور عادات شریفہ آج دنیا میں ضرب المثل ہیں اور اخلاق محمدی کی عالم میں دھوم ہے۔ اور اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ خود حق سبحانہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں آپ کے اخلاق کی تعریف فرمائی، چنانچہ سورۃ القلم میں ارشاد ہے: ﷺ کی تعریف فرمائی ہے۔ اس آیت شریفہ میں کئی نوع کی تاکید کے ساتھ ارشاد ہے کہ بے شک تم بڑے اخلاق پر ہو۔ حضور کے اخلاق حسنہ کا احاطہ اور احصاء دشوار ہے،

خلق بضم فسكون وبصمئین: لسیحیة واصبیعة، وهو الصورة لخاصة من النفس وأوصافها ومعانيها، بحسرة الحنق للصورة لصاهرة وأوصافها ومعانيها، وهما أوصاف حسنة أو قبيحة. واحتنف هن حسن خلق عربية صعيبة أو مكتسبة اختيارية؟ فقبل بالأول: خير سحاري: إن الله قسم بينكم أخلاقكم كما قسم أرزقكم، وفيل. بن بعضه مكتسب؛ ما صح في خير لأشبح: إن فيك حصتين يحسبهما الله: أحسن والأدب، قال: يا رسول الله! قدى كان في أو حديثاً؟ قال: قدى، حديث. قال ابن حجر: فتريد سؤالاً وتقريره ﷺ عليه يشعر بأن مهذا مهو جسي، ومنها ما هو مكتسب، وهذا هو الحق، ومن ثم قال القرطبي: هو حسنة في نوع لإنسان وهم متفاوتون فيه، فمن عساه حسنة فهو محمود وإلا أمر بالعبادة حتى يصير حسناً، قال أنقاري: أظهر أن الأخلاق كلها باعتبار أصلها جسيبة، قاسية لزيادة إسقاط في الكمية والكمية بالرياضات، كما يدعى عليه لعدرات اسوية والإرشادات الصوفية، منها حديث: إنما بعثت لأتمم صالح الأخلاق، رواه السحاري في تاريخه، وحاكم وأحمد عن أبي هريرة، ولزاد بعض مكارم الأخلاق. قال السدي: وقال أبو عبيد لدقاق: قد حصته لله عز وجل عماراً كثيرة، ثم لم يش عليه شيء مثل ما أننى عليه تحفه، فقال: ﷺ کی تعریف فرمائی ہے۔

لیث بن سعد [بیٹ بن سعد لفهمي. عالم أهل مصر، وكان بطير مدك في العلم، وكان في الكرم غاية توفي يوم صيف شعبان سنة خمس وسبعين ومائة عن إحدى وثلاثين سنة] قيل: كان دخله في السنة ثمانين ألف دينار وما وجت عليه ركوة قط

عن "خارجة بن زید بن ثابت قال: دخل نَفَرٌ علی زید بن ثابت فقالوا له: حَدِّثْنَا أَحَادِيثَ رسول الله ﷺ. قال: ماذا أحدثتكم؟ كنتُ جاره، فكان إذا نزل عليه الوحي بعث إليَّ فكتبته له، فكنا إذا ذكرنا الدنيا ذكرها معنا، وإذا ذكرنا الآخرة ذكرها معنا، وإذا ذكرنا الطعام ذكره معنا، فكلّ هذا أحدثتكم عن النبي ﷺ.

[التفهيم في الدين]

کتب حدیث کا بہت بڑا حصہ انہی احادیث پر مشتمل ہوتا ہے۔ نمونہ کے طور پر اس باب میں مصنف **رحمہ اللہ** نے پندرہ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔

(۱) خارجہ کہتے ہیں کہ ایک جماعت زید بن ثابت کے پاس حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ حضور کے کچھ حالات سنائیں۔ انھوں نے فرمایا کہ حضور کے کیا حالات سناؤں (وہ احاطہ بیان سے باہر ہیں) میں حضور کا ہمسایہ تھا (اس لئے گویا ہر وقت کا حاضر باش تھا اور اکثر حالات سے واقف۔ اس کے ساتھ ہی کاتب وحی بھی تھا) جب حضور پر وحی نازل ہوتی تو آپ مجھے بلا بھیجتے، میں حاضر ہو کر اُس کو لکھ لیتا تھا (حضور ہم لوگوں کے ساتھ غایت درجہ دلداری اور بے تکلفی فرماتے تھے) جس قسم کا ذکر تذکرہ ہم کرتے تھے، حضور بھی ہمارے ساتھ ویسا ہی تذکرہ فرماتے تھے۔ جب ہم لوگ کچھ دنیاوی ذکر کرتے تو حضور بھی اس قسم کا تذکرہ فرماتے (یہ نہیں کہ بس آخرت ہی کا ذکر ہمارے ساتھ کرتے ہوں اور دنیا کی بات سننا بھی گوارا نہ کریں)

ماذا أحدثتكم أي شيء أحدثتكم، فإن شئنا لا يخصها وإن انتهى الحديث لها إلى أقصى العايات، فهو الحقيق بقول الشاعر:

تجاوز حق المدح حتى كأنه بأحسن ما يثنى عليه يعاب

ولكن لما كان من القواعد المقررة: "ما لا يدرث كنه لا يترك كله" أفادهم بعض ذلك.

کتب خارجه أي كان يبني بقرب بيته فأنا أعرف حاله، وأشار بدلت إلى عاية صسطه وإتقانه لأحواله. ذكرها معنا [أي: ذكر أنواعه من المأكولات والمشروبات والمواكب، وما يتعلق به من منفعة ومضرة، كما يعرف من الطب السوي] قال المذوي: فكان لكمال حقيقه، وحسن عشرته، وعاية تنصفه، يتخلق معنا؛ لئلا يدهش ويتكلم في محسبه مما نشاء، ولا يتجرب التكلم معنا؛ لئلا يحجل، وكل ذلك ليريد إقاصم واستعدادهم منه. فكل. قال القاري: بالرفع على ما هو الثابت في الرواية، والمراصة في خبره محدود، والتقدير: أحدثتكم إياه، وقال ابن حجر: يجوز النصب، وقال المذوي: الرواية بالرفع، لكنه لا يجمع جواز النصب، بل هو أولى؛ لاستغنائه عن الحذف.

حدثنا إسحاق بن موسى، حدثنا يونس بن بكير، عن محمد بن إسحاق، عن زياد بن أبي زياد، عن محمد بن كعب القرظي،

اور جس وقت ہم آخرت کی طرف متوجہ ہوتے تو حضور آخرت کے تذکرے فرماتے، یعنی جب آخرت کا کوئی تذکرہ شروع ہو جاتا تو اسی کے حالات اور تفصیلات حضور بیان فرماتے اور جب کچھ کھانے پینے کا ذکر ہوتا تو حضور بھی ویسا ہی تذکرہ فرماتے، کھانے کے آداب، فوائد، لذیذ کھانوں کا ذکر، مضر کھانوں کا تذکرہ وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ گذشتہ ابواب میں بہت سے ارشادات حضور کے اس نوع کے گذر چکے ہیں کہ سر کہ کیا ہی اچھا سا لہجہ، زیتون کا تیل استعمال کیا کرو کہ مبارک درخت سے ہے وغیرہ۔ یہ سب کچھ آپ ہی کے حالات کا تذکرہ کر رہا ہوں۔

فائدہ: اس حدیث میں مختلف مضامین تھے جن کی کسی قدر توضیح ترجمہ کے ساتھ ذکر کی گئی۔ اخیر جہد کا ترجمہ مشائخ درس کے نزدیک یہ ہی ہے جو لکھا گیا۔ لیکن بندہ ناچیز کے نزدیک شروع حدیث میں (حضور کے کیا حالات سنوں) کے ساتھ مربوط ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ (حضور کے ہر نوع کے حالات سناسکتا ہوں) اس لئے جس قسم کے تذکرہ کی درخواست کرو، وہ سنوں کہ میں پڑوسی بھی تھا اور کاتب وحی بھی اور حضور کے معمولات میں دین اور دنیا، کھانا پینا غرض ہر قسم کے تذکرے شامل تھے، اس لئے کیا سنوں اور کون سا تذکرہ کروں کہ ہر تذکرہ عجیب تھا اور ہر سال لطیف و لذیذ۔

اس حدیث میں حضرت زید کا یہ فرمانا کہ جب وحی نازل ہوتی مجھے بلایا جاتا، یہ اکثر اوقات کے اعتبار سے ہے کہ قریب رہتے تھے، ورنہ انکے علاوہ وحی کے لکھنے والے یہ حضرات بھی شمار کیے گئے ہیں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت ابی، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ، خالد بن سعید رضی اللہ عنہ، حنظلہ رضی اللہ عنہ، علاء رضی اللہ عنہ، ابان بن سعید رضی اللہ عنہ، یہ نو حضرات ہیں جو کاتبین وحی ہیں۔ حدیث بالا میں ایک اشکال یہ بھی ہوتا ہے کہ دنیا کا ذکر، کھانے پینے کا ذکر ایک فضول تذکرہ معلوم ہوتا ہے اور حضور کی عادت شریفہ لاجینی چیزوں میں مشغول ہونے کی نہیں تھی، جیسا کہ بہت سی احادیث میں وارد ہے، گذشتہ باب کی طویل حدیث جو نمبر ۷ پر گزری ہے، اُس میں بھی ہے کہ حضور ضروری امور کے علاوہ سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے۔

عن عمرو بن العاص قال: كان رسول الله ﷺ يُقبل بوجهه وحديثه على أشرف القوم يتألفهم بذلك، فكان يُقبل بوجهه وحديثه عليّ حتى ظننت أنّي خير القوم،

اس کا جواب یہ ہے کہ دنیا کا ہر تذکرہ فضول نہیں بلکہ دنیا کے اور کھانے پینے کے بہت سے تذکرے ضروری بلکہ حضور کے لئے تو واجب تھے اس لئے کہ ان چیزوں میں جائز ناجائز، کسی چیز کا اچھا ہونا یا بُرا ہونا وغیرہ امور حضور ہی کے ارشاد سے یا حضور کے سامنے تذکرہ آنے پر حضور کے اُس پر سکوت فرمانے ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں، چنانچہ اُسی حدیث میں یہ مضمون بھی گذرا ہے کہ لوگوں کے حالات کی تحقیق فرما کر اچھی بات کی تحسین فرماتے اور بری بات کی بُرائی بتاتے، اسی لحاظ سے دنیاوی تذکرے حضور کی مجلس میں ہوتے تھے نہ یہ کہ لغویات ہوتی ہوں۔

(۲) عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس ﷺ تالیفِ قلوب کے خیال سے اپنی توجہ اور اپنی خصوصی گفتگو مبذول فرماتے تھے (جس کی وجہ سے اُس کو اپنی خصوصیت کا خیال ہو جاتا تھا) چنانچہ خود میری طرف بھی حضور کی توجہت عالیہ اور کلام کا رخ بہت زیادہ رہتا تھا حتیٰ کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں اسی وجہ سے حضور سب سے زیادہ توجہ فرماتے ہیں۔ میں نے اسی خیال پر ایک دن دریافت کیا کہ حضور! میں افضل ہوں یا ابو بکر رضی اللہ عنہ؟ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمر رضی اللہ عنہ؟ حضور نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ۔ پھر میں نے پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمان رضی اللہ عنہ؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ۔ جب میں نے حضور سے تصریحاً پوچھا تو حضور نے بلا رعایت صحیح صحیح فرمادیا (میری مدارات میں مجھے افضل نہیں فرمایا، مجھے اپنی اس حرکت پر بعد میں ندامت ہوئی) اور یہ خیال ہوا کہ مجھے ایسی بات ہرگز نہیں پوچھنی چاہیے تھی۔

أشرف القوم. استعمال الألف فيه قبيل، وقيل: لا يقال: 'أشرف' إلا في لغة ردية. وقال ميراث: أشرف جاء على الأصل، ومنه صرعها شراها، ويقال: حير أحير، وشرف أشرف، لكن الذي بالألف أقل استعمالاً. يتألفهم. أي: يواسيهم بتلك المواجهة والإقبال، والجملة استباقية من أسلوب الحكيم، كأنه قيل: ماذا يفعل ذلك؟ قال: لتألفهم، والصمير لـ 'أشرف' لأنه جمع معي، أو سقواء؛ لأن التأليف عدم هم، لكنه في الأشرف أريد، ولا ينافيه استواء صحبه في الإقبال عليهم على ما سبق؛ لأن ذلك حيث لا ضرورة وهما التخصيص للضرورة. طست: لأي كست حديث عهد بالإسلام، إذ إسلامه كخاند من الوليد قريب الفتحة، فكان لا يعرف شيمته ﷺ في التألف، فظن لكثرة إقباله أنه حير القوم.

فقلت: یا رسول الله! أنا خیر أو أبو بکر؟ فقال: أبو بکر. فقلت: یا رسول الله! أنا خیر أم عمر؟ فقال: عمر، فقلت: یا رسول الله! أنا خیر أم عثمان؟ فقال: عثمان، فلما سألت رسول الله ﷺ فصدقني، فلوددت أني لم أكن سألته. **حدثنا** قتیبہ بن سعید، **حدثنا** جعفر بن سلیمان الضبیعی، عن ثابت،

فائدہ: یہ اور حضور کی خاص توجہ کی بنا پر اپنے کو سب سے افضل سمجھتے تھے، اس لئے کہ پہلی طویل روایت سے معلوم ہو چکا ہے کہ حضور کی عادت شریفہ افضل کے ترجیح دینے کی تھی، لیکن بسا اوقات تالیف قلب کے خیال سے مدارات میں غیر افضل کو بھی ترجیح دی جاتی تھی حتیٰ کہ کفار و منافقین تک کے ساتھ حضور اقدس ﷺ کا تالیف میں خصوصی برتاؤ ہوتا تھا۔ حدیث بالا میں یہ ترتیب سوال کی اس بنا پر ہے کہ خود حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرام بنو ہونے لگے تھے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو افضل الناس جانتے تھے، چنانچہ احادیث میں اس کی تصریح آتی ہے کہ ہم حضور ہی کے زمانہ میں سب سے زیادہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو سمجھتے تھے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضور کے زمانہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، ان کے بعد سب سے افضل عمر کو، ان کے بعد عثمان کو، پھر ان کے بعد اور صحابہ میں پچھم ترجیح نہ دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ان تین حضرات کی اس ترتیب سے ترجیح اور افضلیت ایسی عیاں تھی کہ حضور کی حیات ہی میں ہم صحابہ کی جماعت اس کو مانتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ محمد نے اپنے والد یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور کے بعد سب سے افضل شخص کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ، میں نے پوچھا ان کے بعد؟ انھوں نے فرمایا عمر رضی اللہ عنہ۔

فصدقی تحمیف الدلّی: انجاسی جواب حق میں غیر مراعاة، وفي اسح بدو انقاء وهو مظاهر، لأن إساء الغاء في جواب ما غير مشهور، لكنه سائع كما صرح به بعض أئمة سحو. **فوددت** بكسر الدال أي حسنت وقيمت، قال اسماوي: حياة صهور حصاه وصه قال اسماوي: ما وددت، لأنه قل سؤل كان يص إقباه عليه خيرته، فلما سأل ما به أن إقباه عليه إنما هو شأيف، فأنعى: لما صهر حصأي دمت على أسؤل استحياء من فحش حصائي. **الضبيعي** بضم الصاد المعجمة وفتح موحدة، منه إلى صبيعة بن قيس، أو صبيعة بن ربيعة، كذا في هامش نهديب.

عن أنس بن مالك رضی اللہ عنہ قال: خَدَمْتُ رسولَ الله ﷺ عشرَ سنين، فما قال لي: "أفٍ" قط،

اسی طرح سے اور بہت سی روایات ہیں جن سے حضور کے زمانہ ہی سے یہ ترتیب معلوم ہوتی ہے اسی لئے انھوں نے اپنے سے مقابلہ کے لئے اسی ترتیب سے سوال کیا کہ اول اُس سے مقابلہ کیا جو سب سے افضل شمار ہوتا تھا، پھر نمبر ۲ پھر نمبر ۳ سے کہ میں اگرچہ افضل ترین شخص سے نہیں بڑھ سکا تو شاید نمبر ۲ یا نمبر ۳ ہی سے بڑھ جاؤں۔

(۳) انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے دس برس حضور اقدس ﷺ کی خدمت کی ہے مجھے کبھی کسی بات پر حضور نے افوہ تک بھی نہیں فرمایا، نہ کسی کام کے کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں کیا؟ اور اسی طرح نہ کبھی کسی کام کے نہ کرنے پر یہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا؟۔ حضور اقدس ﷺ اخلاق میں تمام دنیا سے بہتر تھے (ایسے ہی خلقت کے اعتبار سے بھی حتیٰ کہ) میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا کوئی اور نرم چیز ایسی نہیں چھوئی جو حضور اقدس ﷺ کی بابرکت ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی عطر حضور اکرم ﷺ کے پسینہ کی خوشبو سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

فائدہ ۵: یہ کوئی مبالغہ آمیز یا اعتقادی بات نہیں۔ حضور اقدس ﷺ کا پسینہ مبارک جمع کر کے خوشبو کی جگہ استعمال کیا جاتا تھا، جس سے آپ مصافحہ کرتے تھے ترم دن اُس کے ہاتھ سے خوشبو مہکتی تھی۔ گناہوں کی کثرت سے بدن کی سزا بند مجرب ہے۔ حضور کا کسی چیز کے متعلق اُف تک نہ فرمانا یہ کمال اخلاق اور غایت تواضع کی بناء پر تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے

عشر سنين هكدا في اكثر الروايات، وفي رواية مسلم: تسع سنين. قال الماوي: وحملت عني التحديد، والأولى عني التقريب، وقال ابووي: لعل ابتداء خدمة أس في أثناء السنة، ففي رواية التسع م يحبر الكسر واعتبر السنين بكوا من، وفي رواية العشر حبرها واعتبرها سنة كاملة، وقال الحافظ ابن حجر: لا معاترة بينهما؛ لأن ابتداء خدمة أس كد بعد قدومه ﷺ المدينة وبعد ترويح أمه أم سليم بأبي طلحة، وعلى هذا يكون مدة خدمة أس تسع سنين وأشهر، فالعني الكسر مرة وحبره أخرى، ويشكل عليه ما في معاري البحاري: عني أس أن النبي ﷺ صلب من أبي صالحة لما أراد الخروج إلى حبر من يخدمه فأحصر له أساً، وأجيب: بأنه طلب منه من أس يكون أس من أس وأقوى على الخدمة في السفر، فعرف أبو طلحة من أس القوة فقال: إن أساً غلام كيس فيخدمك في الحضر والسفر.

أفٍ بضم الهمزة وتشديد الغاء، مكسورة بلا تنوين، وبه، ومفتوحة بلا تنوين، فهد ثلاث لغات قرئ بها في سبع، وذكرها فيه أربع لغات، كلمة تُرْم وملا ل يستوي فيها الواحد والمثنى، الجمع والمذكر والمؤنث. **قط** بفتح قاف وتشديد طاء مضمومة، كذا في أصول، أي: أهداً، وهي لتوكيد نفى الماضي.

وما قال لشيء صنعته، ولم صنعته، ولا لشيء تركته: لم تركته؟ وكان رسول الله ﷺ من أحسن الناس خلقاً، لا ميسست خزاً ولا حريراً، ولا شيئاً كان ألين من كف رسول الله ﷺ.

کرنے نہ کرنے کو ان کا اپنا فعل نہ سمجھتے تھے بلکہ منجانب اللہ سمجھ کر اسی پر راضی ہو جاتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں اس کے بعد یہ مضمون بھی ہے کہ حضور یہ ارشاد فرما دیا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا۔ یہ محبوب کے فعل کے ساتھ غایت لذت ہے اور صوفیہ کی اصطلاح میں رضا بر قضا کی اصل اور سند ہے۔

راجد ہر یہ کا مشہور مقولہ ہے جس کا ترجمہ ہے کہ: اے اللہ! اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو میری محبت میں اس سے کچھ اضافہ ہی ہو گا۔ اور کا ملین صوفیہ کے تمام ہی حالات حضور اقدس ﷺ ہی کے مختلف احوال سے اخذ کیے گئے ہیں، لیکن نبی کریم ﷺ کی ذات جامعیت کے کمال پر تھی، بعد میں جامعیت کا یہ درجہ نہیں رہا اس لئے حضرات صوفیہ کرام میں کسی جگہ حضور کی کسی عادت کا ظہور ہوا اور کسی جگہ کسی دوسری حالت کا شیوع ہوا۔ یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ حضور کا یہ معاملہ اپنی ذات کے متعلق تھا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نے اپنی ذات کے لئے کبھی بھی انتقام نہیں لیا، البتہ اللہ ہی کی کسی حرمت کا ہنگ کیا جائے (مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے) تو اس کا بدلہ ضرور دیتے تھے۔ حضور کی گفتگو کے باب میں نمبر ۳ پر بھی اس قسم کا مضمون گذر چکا ہے۔ (لطیفہ) اس حدیث کے اخیر جزء کے متعلق ایک عجیب قصہ ہے جس سے حضرات صحابہ کرام اور محدثین رحمہم اللہ میں کی حضور کے ساتھ غایت محبت اور عشق کا پتہ چلتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ غایت فرحت و لذت کے ساتھ کہنے لگے کہ میں نے اپنے ان ہاتھوں سے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ مصافحہ کیا،

لشيء صنعته أي: مما يتعلق بأدب خدمة، لا فيما يتعلق بالتكليف الشرعية، فانه غفاري، وفي المشكوه برواية شيوخ عن عائشة: ما انتقم رسول الله ﷺ نفسه في شيء قط إلا أن ينتهت حرمة لله فينتقم منه، وتقدم في باب كلامه شيء منه. لا ميسست هذا الخبر من الحديث تسلسل بالمصافحة، ذكره لسانه في الله لدهوني في رسالة المسلسلات برواية أبي هريرة عن أنس، وقد ذكره الحفاظ في اللسان بسند برواية ثابت عن أنس.

حراً [نوباؤں کے] میں حریر وغیرہ، و نسیب تعمل من صوف و حریر، و نسیب تعمل من حریر و بریسہ، و فی خبر سمع الدابة، ثم سمي المتخذ من وبرها فيكون فرواً ناعماً. [حريراً: أي: خالصاً لغيرها ما قبله.]

وَلَا شَمَمَتْ مِسْكَ قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. **حدثنا** قتيبة بن سعيد وأحمد بن عتبة - هو الضَّيِّيُّ - والمعنى واحد قالوا: حدثنا حماد بن زيد، عن سَلَمِ الْعَلَوِيِّ، **عن** أنس بن مالك **رضي** الله عنه، عن رسول الله ﷺ أنه كان عنده رجل به أثر صُفْرَةٍ، قال: وكان رسول الله ﷺ لَا يَكَادُ يُوَاجِهْ أَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ،
أي يكره الرجل ذلك الشيء

میں نے بھی کسی قسم کی حریر یا ریشم حضور کے ہاتھوں سے زیادہ نرم نہیں دیکھی۔ شاگرد نے جس کے سامنے یہ حدیث بیان کی اسی شوق سے عرض کیا کہ میں بھی ان ہاتھوں سے مصافحہ کرنا چاہتا ہوں جن ہاتھوں نے حضور سے مصافحہ کیا۔ اُس کے بعد سے یہ سلسلہ ایسا جاری ہوا کہ آج ساڑھے تیرہ سو برس سے زیادہ تک یہ سلسلہ جاری ہے اور مصافحہ کی حدیث سے یہ مشہور ہے کہ اس حدیث میں مسلسل مصافحہ ہوتا آیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب **رحمۃ اللہ علیہ** نے اپنے رسالہ ”مسلمات“ میں بھی اس کو ذکر کیا ہے جس کے ذریعہ سے میرے اُستاذ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب **رحمۃ اللہ علیہ** تک بھی اسی طرح پہنچی۔

(۳) حضرت انس **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ حضور کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا جس پر زرد رنگ کا کپڑا تھا۔ حضور اقدس **ﷺ** کی عادت شریفہ یہ تھی کہ ناگوار بات کو منہ در منہ منع نہ فرماتے تھے، اس لئے سکوت فرمایا اور جب وہ شخص چلا گیا تو حضور نے حاضرین سے ارشاد فرمایا کہ تم لوگ اس کو زرد کپڑے سے منع کر دیتے تو اچھا ہوتا۔

فائدہ: حضور اقدس **ﷺ** کی یہ امت پر غایت شفقت تھی کہ اکثر بالمواجہ ایسے امور کو منع نہ فرماتے تھے اس لئے کہ مبادا وہ شخص انکار کر بیٹھے یا اعتراض کا سبب بن جائے جس سے کفر تک کی نوبت پہنچ جائے۔ اگر ان امور سے اطمینان ہوتا تو منع بھی فرمادیتے، چنانچہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص کو ایسے ہی کپڑوں سے حضور نے خود منع فرمادیا تھا، اسی طرح اور

مِسْكَ [صِب معروف، وأصله: دم يتجمد في خارج سرة الطيبة، ثم يقبض طيباً، وهو طاهر إجماعاً]. **عَرَق** [بفتح عين معروف، وفي نسخة: عرف بفتح عين وسكون راء فقاء، والمعتمد الأول: الضَّيِّيُّ: بفتح الصاد المعجمة واءاء المكسورة المشددة، نسبة إلى بني صفة، وهم جماعة. **سَلَمُ الْعَلَوِيِّ**: سلم بفتح فسكون، قاله القاري، هو سلم بن قيس العلوي المصري، والعلوي نسبة لقبيلة بني عبي بن ثوبان، فانه اسوي، وقار أبو دود في مسه: يس هو علوي، كان يصبر في الهجوم يعني فتنسب إليه. **أثر صُفْرَةٍ**: [أي: عليه بقية صفرة من زعفران.]

فلما قام قال للقوم: لو قُلتُم له: يذع هذه الصُّفرة. **حدثنا محمد بن بشار**، **حدثنا محمد بن جعفر**، **حدثنا شعبة**، عن أبي إسحاق، عن أبي عبد الله الجَدَلِيّ، - واسمه عبد بن عبد - **عن عائشة** رضي الله عنها أنها قالت: لم يكن رسول الله ﷺ **فاحشاً**،

بہت سے واقعات حدیث کی کتابوں میں ہیں۔ نیز یہ تاخیر اور بالموافق منع نہ فرمانا ایسے ہی مواقع میں تھا جہاں خلاف اولیٰ بات ہو یا تاخیر میں کوئی نقصان نہ ہو، ورنہ حرام چیز کے ارتکاب میں یہ صورت نہ تھی، چنانچہ حضور کی گفتگو کے باب میں نمبر ۳ پر جو مفضل روایت گزری ہے اُس میں ہے کہ جب امر حق سے تجاوز کیا جاتا تو اُس وقت آپ کے غضب کی کوئی شخص تاب نہ لا سکتا تھا اور نہ کوئی اُس کو روک سکتا تھا جب تک کہ حضور اُس کا انتقام نہ لے لیں۔ آئندہ حدیث میں بھی اسی قسم کا مضمون آرہا ہے۔

(۵) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ تو طبعاً فحش گو تھے نہ بتکلف فحش بات فرماتے تھے، نہ بازاروں میں چلا کر (خلاف وقار) باتیں کرتے تھے۔ بُرائی کا بدلہ بُرائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ معاف فرما دیتے تھے اور اس کا ذکر تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔ **فائدہ:** بعض آدمی طبعاً فحش اور بیہودہ مذاق کے عادی ہوتے ہیں اور بعض لوگ بتکلف مجلس کے طرز کو نبھانے کے لئے فحش گوئی کیا کرتے ہیں، اس لئے حضرت عائشہ نے دونوں کی نفی فرمادی۔ بازار میں ضرورت جانے میں مضائقہ نہیں ہے لیکن وہاں جا کر شور و شغب کرنا وقار کے خلاف ہے۔ سکون کے ساتھ اپنی ضروریات پوری کر کے چلا آئے۔ بازار میں شور کی نفی سے یہ لازم نہیں ہے کہ اور جگہ شور و شغب کرتے تھے بلکہ مقصد یہ ہے کہ بازار میں عموماً شور و غل ہوتا ہے اور جو شخص وہاں بھی سکون و وقار سے رہے گا اُس کا دوسری جگہ سکون سے رہنا ظاہر ہے۔

للقوم [أصحابه الخاضعين بالحس]. **لو قُلتُم له** **الح** قال المأوي: لأن فيها نوع تشبه بالنساء، ولعله كان مباحاً وإلا لما أحر أمره تركه، وقال القاري: هذا على لشيء المكروه؛ إذ وجود أثر صفة من غير قصد التشبه بالنساء مكروه، وإلا هو كان محرماً. يؤخره إلى معارفه بالحس. **الجدلي** بفتح الخيم والبدل لمهمة، مسوب إلى قيسية حديثة. **فاحشاً** أي: دا فحش في أقواله وأفعاله، وصفاته، وهو: ما حرج عن مقداره حتى يستقبح، إلا أن استعماله في القول أكثر، والمتفحش: المتكلف للفحش، والمعنى: لم يكن التفحش طبعياً له ولا كسبياً.

وَلَا مُتَفَحِّشًا، وَلَا صَخَابًا فِي الْأَسْوَاقِ، وَلَا يَجْزِي بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلَكِنْ يَعْفو وَيَصْفَحُ.

بِالْبَصَادِ وَالسَّيْرِ

حدثنا هارون بن إسحاق الهمداني، حدثنا عبدة، عن هشام بن عروة، عن أبيه،

سكنه الله

بُرَائِي كَابِدَ لَهُ بُرَائِي سَهْدِيْنِ كِي مَتَعَلَقِ حَضْرِي كِي سَارِي سَوَاحِجُ بَهْرِي هُوِي كِي هِي كِي كَفَرِي سِي كِي كِيَا اِزِيْتِي نِيْسِي پَهْنِيْسِي، اَحَدِي لُزَائِي مِي حَضْرِي كِي سَاَتِه كِيَا كِيَا پِيْشِي نِيْسِي آيَا اُوْر جِب صَحِيْبِي نِي اِن حَالَاتِي سِي مَتَاَثَرُ هُو كَر حَضْرِي سِي بِدَعَا كِي دَر خَوَاسْتِي كِي تُو حَضْرِي نِي دَعَا كِي كِي اِي اللّٰه! مِيْرِي قَوْم كُو بِدَايْتِ فَرَمَا كِي يِي نَاوَاقِفِي هِي۔ زِيْد بِن سَعْنِي پَهْلِي سِي يَهُودِي تَحِي، اِيَكِي مَرْتَبِي كِهْنِي لُكِي كِي نُبُوْت كِي مَلَامَتُو مِي سِي كُوِي بِي اِيْسِي نِيْسِي رَهِي جِس كُو مِي نِي حَضْرِي مِي نِي دِكِي لِيَا هُو بِجَزُو مَلَامَتُو كِي جِن كِي تَجْرِبِي كِي اَب تِك نُبُوْت نِيْسِي آيِي: اِيَكِي يِي كِي اُپ كَا حَلْم اُپ كِي غَضَبِي پَر غَاَب هُو كَا، دُوسَرِي يِي كِي اُپ كِي سَاَتِه كُوِي جِن بِي جِهَلَت كَا بِرَتَا ذِكْرِي كَا اِي قَدَر اُپ كَا قَحْل زِيْدِي هُو كَا۔ مِي اِن دُونُو كِي اِمْتَحِن كَا مَوْقِعِ مَتَلَّاش كَر تَارِيَا اُوْر اَمْد و رِفْت بَزْهَاتَارِيَا۔ اِيَكِي دِن اُپ حَجْرِي سِي بَاہِر تَشْرِيْف لَائِي، حَضْرَت عَلِيؑ اُپ كِي سَاَتِه تَحِي كِي اِيَكِي بِدُوِي جِيْسَا شَخْصِ آيَا اُوْر عَرَض كِيَا: يَا رَسُوْلُ اللّٰه! مِيْرِي قَوْمِ مُسْلِمَانِ هُو چُكِي هِي اُوْر مِي نِي اِن سِي يِي كِيَا تَحَا كِي مُسْلِمَانِ هُو جَا ذُكْرِي تُو بَهْرِي پُوْر رَزَقِ تَم كُو مِلِي كَا، اُوْر اَب حَالَتِي يِي هِي كِي قَطْعِي پَزْغِي، مِجھِي يِي ذَرِي هِي كِي وَه اِسْلَام سِي نِي نَكْل جَائِي، اِگَر رَائِي مَبْرَكِ هُو تُو اُپ كِي كُچھ اِعَانَتِ اِن كِي فَرَمَادِي۔ حَضْرِي نِي اِيَكِي شَخْصِ كِي طَرَفِ جُو غَاَبَا حَضْرَتِ عَلِي تَحِي، دِيكِي اَنھُو نِي عَرَض كِيَا كِي حَضْرِي مَوْجُوْد تُو كُچھ نِيْسِي رِيَا۔ زِيْد جُو اُس وَقْتِ تِك يَهُودِي تَحِي اِس مَنظَر كُو دِكِي رِي تَحِي، كِهْنِي لُكِي مُحَمَّد (ﷺ) اِگَر تَم اِيَا كَر سَكُو كِي فِلَاں شَخْصِ كِي بَاغِ كِي اَتْنِي كُجُورِيں وَقْتِ مَعِيْنِ پَر مِجھِي دِي دُو تُو مِي قِيْمَتِ پِيْشِي كِي اَب دِي دُوں اُوْر وَقْتِ مَعِيْنِي پَر كُجُورِيں لِي لُوں كَا۔ حَضْرِي نِي فَرَمَا يِي تُو نِيْسِي هُو سَكْتَا، اَلْبَتِي اِگَر بَاغِ كِي تَعِيْنِ نِي كَرُو تُو مِي مَعَامَدِي كَر سَكْتَا هُوں۔ مِي نِي اِس كُو قَبُوْل كَر لِيَا اُوْر مِي نِي كُجُورُوں كِي قِيْمَتِ اَتْنِي مِثْقَالِ سَوْنَا (اِيَكِي مِثْقَالِ مُشْهُورِ قَوْلِ كِي مَوَافِقِ سَاڑھِي چَار مَاشِي كَا هُو تَا هِي) دِي دِيَا۔

صَخَابًا الْمَقْصُودُ هِيَ الصَّحْبُ لَا هِيَ الْمُبَاعَاةُ، كَأَمَّا نَصَرَتْ إِلَى أَنَّ الْمَعْتَادَ فِيهِ هُوَ الْمُسَالُفَةُ، فَهِنَّ عَلَى صِيغَةِ الْمُبَالَاةِ، وَقِيلَ: مُعَالٍ قَدْ يَكُونُ لِمُسَيِّئَةٍ كَالْتِمَارِ وَاللَّامِ، وَقِيلَ: الْمَقْصُودُ مِنْ أَمْثَالِ هَذَا الْكَلَامِ مُبَالَاةُ الْعَمَلِ لَا هِيَ الْمُسَالُفَةُ، كَمَا فِي قَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ يَفْعَلْ نَفْسًا﴾ [ق: ۲۹] **يَعْفُو** [أَيِ يَغْفِرُ الْحَاجِبِ مُعَامَاةَ الْعَمَلِ]. **وَيَصْفَحُ** أَيِ: يَعْزِضُ بِضَاهِرِهِ، وَأَصْبَحَ الْإِعْرَاضُ بِصَفْحَةِ الْوُجْهِ، وَامْتَرَادَ عَدَمَ الْمَقَاسَاةِ بِذِكْرِهِ وَطَهْوَرِ ثَرِهِ، وَسَعِيَ: يَعْفُوهُ سَاطِطُهُ وَيَعْزِضُ عَنْهُ بَضَاهِرُهُ كَأَنَّهُ مَرِيحٌ.

آپ نے وہ سونا اُس بدوی کے حوالہ کر دیا اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا اور اس سے ان کی ضرورت پوری کر لو۔ زید کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی اداہنگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے، حضور صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ جن میں ابو بکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم بھی تھے، کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہو کر ایک دیوار کے قریب تشریف فرما تھے۔ میں آیا اور آپ کے کرتے اور چادر کے پٹوں کو پکڑ کر نہایت ترش روئی سے کہا کہ اے محمد! تو میرا قرضہ ادا نہیں کرتا، خدا کی قسم! میں تم سب اولادِ عبدالمطلب کو خوب جانتا ہوں کہ بڑے ناہند ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا بک رہا ہے؟ خدا کی قسم اگر مجھے (حضور کا) ڈر نہ ہوتا تو تیری گردن اڑا دیتا۔ لیکن حضور نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے تھے اور قسم کے لہجہ میں عمر سے فرمایا کہ: عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے، وہ یہ کہ مجھے حق کے ادا کرنے میں خوبی برتنے کو کہتے اور اس کو مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ کی نصیحت کرتے۔ جاؤ! اس کو لے جاؤ، اس کا حق ادا کر دو اور تم نے جو اس کو ڈانٹا ہے، اس کے بدلے میں بیس صاع (تقریباً دو من کھجوریں) اس کے مطالبہ سے زیادہ دے دینا۔

حضرت عمر مجھے لے گئے اور پورا مطالبہ اور بیس صاع کھجوریں زیادہ دیں۔ میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضور کا یہی حکم ہے؟ زید نے کہا کہ عمر! تم مجھ کو پہچانتے ہو؟ انھوں نے فرمایا نہیں۔ میں نے کہا کہ میں زید بن سعد ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں وہی ہوں۔ انھوں نے فرمایا کہ اتنا بڑا آدمی ہو کر حضور کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا؟ میں نے کہا کہ علاماتِ نبوت میں سے دو علامتیں ایسی رہ گئیں تھیں جن کا مجھ کو اب تک تجربہ کرنے کی نوبت نہ آئی تھی: ایک یہ کہ آپ کا حلم آپ کے غصہ پر غالب ہوگا۔ دوسری یہ کہ ان کے ساتھ سخت جہالت کا برتاؤ ان کے حلم کو بڑھائے گا، اب ان دونوں کا بھی امتحان کر لیا۔ لہذا تم کو اپنے اسلام کا گواہ بنانا ہوں اور میرا آدھا مال امت محمدیہ پر صدقہ ہے۔ اس کے بعد حضور کی خدمت میں واپس آئے اور اسلام لے آئے، اُس کے بعد بہت سے غزوات میں شریک ہوئے اور تبوک کی لڑائی میں شہید ہوئے رضی اللہ عنہ وارضاه (جمع الفوائد جمع الوسائل)۔

عن عائشة ؓ قالت: ما ضرب رسول الله ﷺ بيده شيئا قط إلا أن يجاهد في سبيل الله، ولا ضرب خادما ولا امرأة. حدثنا أحمد بن عبدة الضبي، حدثنا فضيل بن عياض، عن منصور، عن الزُّهري، عن عروة، عن عائشة ؓ قالت: ما رأيت رسول الله ﷺ منتصرا من مظلمة ظلمها قط، ما لم يُنتَهَك من محارم الله تعالى شيء،

من الإنسان ولا فهو يضرب الموكب
الانتصار دأبهم

(۶) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا، نہ کبھی کسی خادم کو نہ کسی عورت (بیوی باندی وغیرہ) کو۔

فائدہ: اللہ کے راستہ اور جہاد ہی میں حدود بھی داخل ہیں۔ نیز اس مارنے سے غصہ میں قصدِ آمارنا مراد ہے، اُسی کو مارنا عرف میں کہتے ہیں بلا ارادہ یا مزاح میں کسی کے لگ جانا جیسا کہ بعض روایات میں ہے، اس کے منافی نہیں۔

(۷) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنی ذات کے لئے کبھی کسی کے ظلم کا بدلہ لیا ہو، البتہ اللہ جلّ جلالہ کی حرمتوں میں سے کسی حرمت کا ہتک ہوتا (یعنی مثلاً کسی حرام فعل کا کوئی مرتکب ہوتا۔ شراح حدیث نے لکھا ہے کہ اسی میں آدمیوں کے حقوق بھی داخل ہیں) تو حضور سے زیادہ غصہ والا کوئی شخص نہیں ہوتا تھا۔ حضور اقدس ﷺ جب کبھی دوامروں میں اختیار دیے جاتے تھے تو ہمیشہ سہل کو اختیار فرماتے جب تک کہ اُس میں کسی قسم کی معصیت وغیرہ نہ ہو۔

فائدہ: تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جنگِ اُحُد میں جب عقبہ نے آپ پر پتھر چلایا اور آپ کا دندانِ مبارک شہید ہو گیا

خادما ولا امرأة: حصهما بالذكر اهتماما بشأهما، أو بكثرة وقوع الضرب عليهما عادة، فضرهما وإن جار شرطه فالأولى تركه، قالوا: وهذا بخلاف الولد فالأولى تأديبه، والفرق: أن صرته مصلحة تعود عليه فم يدب العفو، خلاف صرهما فإنه لحظ العس مدب العفو عهما **مظلمة**. بكسر اللام، اسم لما تصلبه عن انطاط وهو ما أحد ملك وفتح اللام مصدر ظلمه، وقيل: بالكسر والفتح الظلم وهو وضع الشيء في غير محله.

ظلمها ظمها بصيغة المجهول، والصمير المستتر راجع إلى رسول الله، والظلم متعد إلى مفعول واحد فلا يطهر لتعدي ظلمهما بالصمير منصوب وجه إلا أن يقال بسزع الحافض قاله القاري. محارم: جمع محرم: أي: شيء حرمه الله تعالى. قل القاري: الطاهر أنه مصدر ميمي بمعنى المفعول، أي: ما لم يترك ما حرمه الله على عباده.

فَإِذَا انْتَهَكَ مِنْ مَحَارِمِ اللَّهِ تَعَالَى شَيْءً كَانَ مِنْ أَشَدِّهِمْ فِي ذَلِكَ غَضَبًا، وَمَا خَيْرٌ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ مَأْثَمًا.

اور چہرہ انور فون آلود ہو گیا تو بعض حاضرین نے عرض کیا کہ اُس موذی کے لئے بد دعا فرمادیں۔ حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ یا اللہ! میری قوم کو ہدایت عطا فرما، یہ ناواقف ہیں۔ ایک بدوی ایک مرتبہ آیا اور حضور کی چادر مبارک پکڑ کر اس زور سے کھینچا کہ گردن مبارک پر نشان پڑ گیا اور یہ کہا کہ میرے ان اونٹوں پر غلہ لدوا دو، تم اپنے مال میں سے یا اپنے باپ کے مال میں سے نہیں دیتے ہو (گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے، تمہارا نہیں ہے) حضور نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ نہیں دے گا میں غلہ نہیں دوں گا۔ اُس نے کہا کہ خدا کی قسم! بدلہ نہیں دیتا۔ حضور تبسم فرما رہے تھے اور اس کے اونٹوں پر غلہ لدوا دیے۔ ہم لوگ حضور کے نام لیوا ہیں، اتباع کے دعویدار ہیں، یہاں ذرا سی بات خود داری کے خلاف ہو جاتی ہے، کوئی ذرا سخت لفظ کہہ دے تو وقار کے خلاف بن جاتی ہے۔

حدیث کے اخیر جملہ کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ جلّ ثنا کی طرف سے جب آپ کو بالخصوص امت کے حق میں دوامروں کا اختیار دیا جاتا تو آپ امت کے لئے جو سہل ہوتا اُس کو اختیار فرماتے اور اسی طرح دنیاوی امور میں جہاں دو رائے ہوتیں اُن میں سے سہل کو اختیار فرماتے جب تک کہ اُس میں کسی قسم کا شرعی نقصان نہ ہو۔ بہت سی احادیث میں مختلف عنوانات سے حضور کے ارشادات بھی اس مضمون میں وارد ہوئے ہیں کہ سہولت اختیار نہ کرنا اور خواہ مخواہ اپنے کو مشقتوں میں ڈالنا حضور کو پسند نہ تھا۔

غضباً: قال المناوي: ليس هذا دأخلا فيما قبله حتى يحتاج لاستدراكه؛ لأن انتقامه لله عند انتهاك حرمانه ليس انتقاماً لنفسه فهو كالاستثناء المنقطع. خير: ببناء الجھول وقوله: 'بين أمرين' قال المناوي: أي في الدين كذا قال شارح، وليس بقويم، فقد قال الحافظ ابن حجر أحدًا من كلام ابن السیر: المراد أمور الدنيا فقط؛ بدليل قوله: 'ما لم يكن إثمًا؛ لأن أمور الدين لا إثم فيها، وحكى القاري عن غيره التحيير، إما بأن يحيره الله تعالى فيما فيه عقوبتان فيختار الأحمق، أو في قتال الكفار وأحد الحرية فيختار أحدهما، أو في حق أمته في المجاهدة في العباداة والاقتصاد فيختار الاقتصاد، أو تحيير من الله تعالى في حق أمته بين وجوب الشيء وبدیه، أو حرمة وباحته. ما لم أي: ما لم يكن الأيسر مأثمًا، فإن كان مأثمًا اختار الأشد. وما لَمْ يَكُنْ مَأْثَمًا أي: مفضيا إلى الإثم، فعنه محاز مرسل من إطلاق المسبب على سببه، وبعضهم جعل الاستثناء مقطوعاً إن كان التحيير من الله، ومتصلاً إن كان من غيره. إذ لا يتصور تحيير الله تعالى إلا بين حائرين.

حدثنا ابن أبي عمر، حدثنا سفيان، عن محمد بن المنكدر، عن عروة، **عن** عائشة **رضي** الله عنها قالت: استأذن رجل على رسول الله ﷺ وأنا عنده، فقال: **بنس** ابن العشيرة،

(۸) حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** فرماتی ہیں کہ حضور **ﷺ** سے ایک شخص نے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ شخص اپنے قبیلہ کا کیسا بُرا آدمی ہے! یہ ارشاد فرمانے کے بعد اُس کو حاضری کی اجازت مرحمت فرمادی اور اُس کے اندر آنے پر اُس کے ساتھ نہایت نرمی سے باتیں کیں۔ جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** نے پوچھا کہ حضور نے اُس کے بارے میں حاضر ہونے سے پہلے تو یہ لفظ ارشاد فرمایا تھا پھر اس قدر نرمی سے اس کے ساتھ کلام فرمایا، یہ کیا بات ہے؟ حضور نے ارشاد فرمایا کہ عائشہ! بدترین لوگوں میں سے ہے وہ شخص کہ لوگ اُس کی بدکلامی کی وجہ سے اُس کو چھوڑ دیں۔

فائدہ: اس شخص کا نام اکثر علماء نے ”عینہ“ لکھا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ دل سے اُس وقت تک مسلمان بھی نہ ہوا تھا بلکہ نفاق کے طور پر بظاہر مسلمان تھا، حضور کا معاملہ اُس وقت تک منافقین کے ساتھ مسلمانوں ہی جیسا تھا اس لئے اس کے ساتھ بھی یہی برتاؤ تھا، چنانچہ حضور کے وصال کے بعد جب ارتداد کا زور ہوا تو یہ مرتد ہو گیا تھا اور اپنے مخفی کفر کو ظاہر کر دیا تھا اور جب حضرت ابو بکر **رضی اللہ عنہ** کی خدمت میں پکڑ کر لایا گیا اور مدینہ کے نو عمر لڑکوں نے آوازے کسنے شروع کیے کہ یہ بھی مرتد ہو گیا تھا تو اس نے یہ جواب دیا تھا کہ میں مسلمان ہی کب ہوا تھا جو مرتد ہوتا، لیکن اس کے بعد یہ مسلمان ہوئے اور حضرت عمر **رضی اللہ عنہ** کے زمانہ میں جہاد میں بھی شریک ہوئے۔ حضور اقدس **ﷺ** نے اسی لئے اُس کے آنے سے قبل اُس کی حالت پر تنبیہ فرمادی اور چونکہ یہ بہ نیت اصلاح اور دوسروں کو مضرت سے بچانے کے لئے تھا، اس لئے یہ کلام شرعاً غیبت کی حدود میں داخل نہیں ہے،

رحل. قال اسوي: هو عيبه بن حصص الغراري الذي يقال له: الاحق المطاع، وحاء في رواية عند العيني التصريح عن عائشة بأنه مخزوم بن نوفل، فإن كانت الواقعة تعددت فظاهر وإلا فالذي عليه المعول هو الأول لصحة روايته، ولذا قال الخطيب وعياص: الصحيح أنه عيبه قالوا: ويعد أن يقول المصطفى **ﷺ** في حق محرمة: ما قال؛ لأنه كان من خيار الصحابة. زاد الماوي: وكان عيبه إداك مضمرة النفاق، ويدل على ذلك أنه أظهر الردة بعده **ﷺ**. وحيء به إلى أبي بكر أسيراً، فكان الصبيان يصيحون عليه في أزقة المدينة ويقولون: هذا الذي خرج من الدين فيقول له: عمكم لم يدخل حتى يخرج، فكان قوله **ﷺ** هذا علماً من أعلام البوة حيث أشار لمعيب يقع، لكن أسلم بعد ذلك وحسن إسلامه وحصر بعض الفتوحات في زمن عمر **رضي** الله عنه **نس** ابن العشيرة [أي: بنس هذا الرجل من هذه القبيلة].

-أو أخ العشرة - ثم أذن له، فالآن له القول، فلما خرج قلت: يا رسول الله! قلت، ما قلت ثم آلت له القول؟ فقال: يا عائشة! إن من شر الناس من تركه الناس -أو ودعه الناس- اتقاء فحشه. **حدثنا** سفيان بن وكيع، حدثنا جميع بن عمرو بن عبد الرحمن العجلي، حدثني رجل من بني تميم من ولد أبي هالة زوج حديجة يُكنى أبا عبد الله، عن ابن لأبي هالة،

اس لئے کہ کسی شخص کی بُرائی کو اس وجہ سے ظاہر کرنا کہ لوگ اُس کی بُرائی کا شکار نہ بن جائیں اور کسی نقصان میں نہ پھنس جائیں، غیبت کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ شخص علی الاعلان فاسق تھا اور جو کھلم کھلا فسق و فجور میں مبتلا ہو اُس کی غیبت جائز ہے۔ اس کے حاضر ہونے پر اس کے ساتھ نرم کلامی اس کی تالیف قلب اور اس کے مانوس کرنے کے لئے فرمائی، جیسا کہ حضور کی خصوصی عادت تھی۔

نیز حضور اقدس ﷺ کی عادت شریفہ سب ہی کے ساتھ نرم کلامی کی تھی اور اسی وجہ سے اُس کے آنے سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ کو اس امر پر متنبہ بھی کر دیا کہ حضور کے اس طرز کی وجہ سے اُس کو مخلص نہ سمجھیں، وہ کچھ بھلا آدمی نہیں، ایسا نہ ہو کہ حضور کے اس طرز معاشرت کی وجہ سے اس کو مخلص اور خیر خواہ سمجھیں اور اس دھوکہ کی وجہ سے کسی مضرت میں پڑ جائیں، یا کوئی راز کی بات اُس کے سامنے بہہ دیں کہ ایسے منافق لوگ خصوصیات جتانے کے لئے ایسے ہی خصوصی اور اہم تذکرے چھیڑا کرتے ہیں۔ اخیر جملہ میں حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد ”بدترین شخص“ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کہ اس کا تعلق آنے والے سے ہو یعنی اس کی فحش گوئی سے بچنے کے لئے اس کے ساتھ یہ برتاؤ کیا گیا کہ یہ فحش گو ہے، یا اس کا تعلق حضور کی ذات سے ہے یعنی مجھے فحش گو تو نے سب دیکھا تھا کہ اس کی منتظر تھی۔

أو أح أو لثنت، والظاهر أنه شئت من سفيان، فإن جميع أصحاب ابن مسكّر رَووه بدون لثنت، ولا يعد أن يكون أو متحير أو معي أو أو في اسحاري. [بئس من لعشيرة وبئس أحو لعشيرة بدون لثنت قاله الفاري
فالآن له القول [أي: لظنه أنه ليتألفه، بسنم قومه لأنه كان رئيسهم.] اتقاء بصب عني العلة، والمعنى: أبي إنما تركت الانقاص في وجهه اتقاء فحشه، وفي رواية اسحاري: متى عهدني فحشا، إن شر الناس عبد الله مارة يوم القيامة من تركه الناس اتقاء شره. **عمرو** كد في جميع نسخ الموحدة عدي، وتقدم في مداء الكتاب أن المرحج فيه عمرو بالتصغير.

عن الحسن بن علي رضي الله عنهما قال: قال الحسين بن علي: سألت أبي عن سيرة رسول الله ﷺ في جلسائه؟ فقال: (كان رسول الله ﷺ دائم البشر، سهل الخلق، لين الجانب، ليس بفظاً).

وہ برا شخص ہے جس کی بدکلامی کی وجہ سے لوگ اس کے پاس آنا چھوڑ دیں، میں اگر ایسی گفتگو کروں تو لوگ میرے پاس کی آمد و رفت بھی چھوڑ دیں جس سے اگرچہ ان کو ہی نقصان ہے مگر حضور ان کا نقصان کب گوارا فرما سکتے ہیں۔

(۹) (یہ اس لمبی حدیث کا ایک ٹکڑا ہے جو قریب ہی حضور اقدس ﷺ کی تواضع کے باب میں نمبر ۷ پر گزر چکی ہے۔) حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے (میرے چھوٹے بھائی) حسین نے کہا کہ میں نے اپنے والد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حضور کا اپنے اہل مجلس کے ساتھ کا طرز پوچھا تو انھوں نے فرمایا کہ آپ ہمیشہ خندہ پیستانی اور خوش خلقی کے ساتھ متشغف رہتے تھے، یعنی چہرہ انور پر تبسم اور بشارت کا اثر نمایاں ہوتا تھا، آپ نرم مزاج تھے یعنی کسی بات میں لوگوں کو آپ کی موافقت کی ضرورت ہوتی تھی تو آپ سہولت سے موافق ہو جاتے تھے۔ نہ آپ سخت گوشتے اور نہ سخت دل تھے، نہ آپ چلا کر بولتے تھے نہ فحش گوئی اور بدکلامی فرماتے تھے، نہ عیب گیر تھے کہ دوسروں کے عیوب پکڑیں، نہ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والے، نہ زیادہ مذاق کرنے والے، نہ بخیل (تین لفظ اس جگہ نقل کئے گئے تینوں کا ترجمہ لکھ دیا)

الحسن بن علي رضي الله عنهما: هذا الحديث جزء من الحديث الطويل الذي حرره المصنف عني أئوب، ذكر جزءاً منه في الباب الأول من الكتاب، وجزءاً منه في كلامه ۱۳۰، وجزءاً في نواصحه ۱۳۱، وذكره صاحب جمع الفوائد بصورة بروية الموصلي وشرار والأوسط. الشتر. بكسر أوله طلاقة الوجه وبشاشته، واستشكل ما مر أنه كان متواصل الأحرار، وأجيب بأن حره بسبب أحوال الآخرة، أما بالنسبة لأموال الدنيا فيكون دائم الشتر فكان حره ليس على فوت مطلوب أو حصول مكروه قاله مساوي. الخلق. بضم الخاء، أي: يسر بضعفه أو يسر نفسه، فعلى الأول هو وصف حقيقه بالنسبة إليه ۱۳۲، يعني لم يكن حقيقه نبياً غير منقاد، وعنى الثاني وصف له بالنسبة لغيره، يعني لم يكن حشياً يتأذى به حبيبته.

لين. بكسر التحيمة المشددة، أي: سريع العصف كثير المصغ، وفيل: قبيل الخلاف قاله المقاري، وقال مساوي: أي: سليماً مطيعاً منقاداً لقبيل الخلاف. يهبط. بفتح فاء وتشديد طاء معجمة، وهو من الرحا سبي الخلق قاله الحريري، وقال جوهری: هو اعطيط لكّه لا يلائم قوه: ولا اعطيط، ألهم إلا أن يعمل أحدهم على فضاظة لسان والآخر على فضاظة القلب، قال عر سمه: ۱۳۳. كُتِبَ فَعَطِ عَصَ نَفْسَ لَأَعْفُفَ مِنْ حَوَثٍ ۱۳۴ [ان عمران: ۱۵۹]

ولا غليظ، ولا صخاب، ولا فحاش ولا عيَاب، ولا مُشاح، يتغافل عما لا يشتهي، ولا يؤيس منه، ولا يجيب فيه. قد ترك نفسه من ثلاث: المراء، والإكبار، وما لا يعنيه، وترك الناس من ثلاث: كان لا يذم أحداً، ولا يعيبه، ولا يطلب عورته،

آپ ناپسند بات سے اعراض فرماتے تھے یعنی ادھر التفات نہ فرماتے گویا سنی ہی نہیں۔ دوسرے کی کوئی خواہش اگر آپ کو پسند نہ آتی تو اُس کو مایوس بھی نہ فرماتے تھے اور اُس کا وعدہ بھی نہ فرماتے تھے۔ آپ نے تین باتوں سے اپنے آپ کو بالکل علیحدہ فرما رکھا تھا: جھگڑے سے اور تکبر سے اور بیکار بات سے۔ اور تین باتوں سے لوگوں کو بچار کھا تھا: نہ کسی کی مذمت فرماتے تھے، نہ کسی کو عیب لگاتے تھے، نہ کسی کے عیوب تلاش فرماتے تھے۔ آپ صرف وہی کلام فرماتے تھے جو باعثِ اجر و ثواب ہو۔ جب آپ گفتگو فرماتے تو حاضرین مجلس اس طرح گردن جھکا کر بیٹھتے جیسے اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں (کہ ذرا بھی حرکت اُن میں نہ ہوتی تھی کہ پرند ذرا سی حرکت سے اُڑ جاتا ہے) جب آپ چپ ہو جاتے تب وہ حضرات کلام کرتے (یعنی حضور اقدس ﷺ کی گفتگو کے درمیان میں کوئی شخص نہ بولتا تھا، جو کچھ کہنا ہوتا حضور کے چپ ہونے کے بعد کہتا تھا) آپ کے سامنے کسی بات میں نزاع نہ کرتے تھے۔ آپ سے جب کوئی شخص بات کرتا تو اُس کے خاموش ہونے تک سب ساکت رہتے۔

ولا مشاح بضم الميم وتشديد الحاء اسم فاعل من معايلة الشح، وهو: السحل، وفي نسخة صحيحة بدله "مداح"، أي: لم يكن مبالغاً في المدح، وفي أخرى: "ولا مراح" قاله القاري، وقال الماوي: قال انقسطابي في أكثر السح المصححة بدله "ولا مداح"، وكذا في نسخة الحافظ اس حجر. قلت: وكذا في جمع العوائد. لا يستهي أي يتكلف العجلة والإعراض عما لا يستحسه من القول والفعل. ولا يؤيس بضم ياء فسكون واو ماهرة مكسورة، أي: لا يجعل غيره أيساً مما لا يشتهي، من يس معي. فقط. ولا يجيب ناخيم من الإجابة، أي: لا يجيب أحداً فيما لا يشتهي قاله القاري، وقال الماوي: أي: نودعي إلى مالا يشتهي لا يجيب إليه بل يرد الداعي عيسور من يقول. ترك نفسه [أي: معها من ثلاث حصص مدمومة]. المراء [بكسر الميم وبالمدة أي: الخدال ولو نحق.] والإكبار بكسر فسكون فموحدة، استعظام نفسه في الخلو والشمي وعيره، وفي نسخة: الإكثار. واحتاره القاصي عياص في شفائه، وشراد به إكثار الكلام. وما لا يعيبه [مالا يهमे في ديه ودباه.] وترك الناس [أي: وترك ذكرهم من ثلاث حصص مدمومة.] ولا يعيبه قال الماوي: هذا تأكيد، إذ الدم والعيب متحدان، وقال القاري: أي لا يذمه مواجهة ولا يعيبه عيبة، أو لا يذمه في الأمور الاختيارية ولا يعيبه في الحقيقة، فانأسس أو من التأكيد. ولا يطلب عورته [أي: لا يطلب الاطلاع على عورة أحد، وهي: ما يستحي منه إذا ظهر.]

وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيمَا رَجَا ثَوَابَهُ، وَإِذَا تَكَلَّمَ أَطْرَقَ جُلُوسَاهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُؤُوسِهِمُ الطَّيْرُ، فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوا، لَا يَتَنَازَعُونَ عِنْدَهُ الْحَدِيثَ، وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ أَنْصَتُوا لَهُ حَتَّى يَفْرَغَ، حَدِيثُهُمْ عِنْدَهُ: حَدِيثٌ أَوَّلُهُمْ، يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُونَ مِنْهُ، وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُونَ مِنْهُ، وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِي مَنْطِقِهِ وَمَسْأَلَتِهِ، حَتَّى إِنْ كَانَ أَصْحَابُهُ لَيَسْتَجْلِبُونَهُمْ.

ہر شخص کی بات (توجہ سے سننے میں) ایسی ہوتی جیسے پہلے شخص کی گفتگو (یعنی بے قدری سے کسی کی بات نہیں سنی جاتی تھی، ورنہ عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ مجلس کی ابتدا میں تو توجہ تام ہوتی ہے پھر کچھ دیر ہونے سے اکتاناً شروع کر دیتے ہیں اور کچھ بے توجہی سے ہو جایا کرتی ہے) جس بات سے سب ہنستے آپ بھی تبسم فرماتے اور جس سے سب لوگ تعجب کرتے تو آپ بھی تعجب میں شریک رہتے، یہ نہیں کہ سب سے الگ چپ چاپ بیٹھے رہیں، بلکہ معاشرت اور طرزِ کلام میں شرکاء مجلس کے شریک حال رہتے۔ اجنبی مسافر آدمی کی سخت گفتگو اور بے تمیزی کے سوال پر صبر فرماتے یعنی گاودی لوگ چاہیچا سوالات کرتے، آداب کی رعایت نہ کر کے ہر قسم کے سوالات کرتے۔ حضور ان پر گرفت نہ فرماتے، ان پر صبر فرماتے اور اس وجہ سے کہ وہ لوگ ہر قسم کے سوالات کر لیتے تھے، بعض صحابہ آپ کی مجلس اقدس تک مسافروں کو لے کر آیا کرتے تھے (تاکہ اُن کے ہر قسم کے سوالات سے خود بھی منتفع ہوں اور ایسی باتیں جن کو ادب کی وجہ سے یہ حضرات خود نہ پوچھ سکتے تھے وہ بھی معلوم ہو جائیں) آپ یہ بھی تاکید فرماتے رہتے تھے کہ جب کسی طالب حاجت کو دیکھو تو اُس کی امداد کیا کرو (اگر آپ کی کوئی تعریف کرتا تو آپ اُس کو گوارا نہ فرماتے) البتہ اگر بطور شکریہ اور ادائے احسان کے کوئی آپ کی تعریف کرتا تو آپ سکوت فرماتے کہ احسان کا شکر اُس پر ضروری تھا

حدیث اَوَّلُهُمْ. أَيْ: كَحَدِيثِ أَوَّلِهِمْ فِي عَدَمِ الْمَلَالِ مِنْهُ، أَوْ فِي الْإِصْغَاءِ إِلَيْهِ؛ إِذِ الْعَادَةُ جَارِيَةٌ بِالْمَلَالِ إِذَا كَثُرَ الْمَقَالُ قَالَهُ الْقَارِي، وَقِيلَ: لَا يَتَحَدَّثُ أَوَّلًا إِلَّا مِنْ جَاءَ أَوَّلًا عَلَى التَّرْتِيبِ، وَقِيلَ: أَمْرًا نَأْوُهُمْ: أَفْضَلُهُمْ، أَيْ: يَصْعَقُ حَدِيثُ كُلِّهِمْ كَمَا يَصْعَقُ حَدِيثُ أَفْضَلِهِمْ. الْجَفْوَةُ نَفْثُ الْحَيْمِ وَقَدْ يَكْسَرُ. أَيْ: عَنِ الْجَعَاءِ وَالْغَنَظَةِ وَسُوءِ الْأَدَبِ مِمَّا كَانَ يَصْدُرُ مِنْ حِفَاةِ الْأَعْرَابِ، وَقَدْ وَرَدَ: مَنْ نَدَا حَمًّا. لَيَسْتَجْلِبُونَهُمْ أَيْ. يَتَمَوَّنُونَ مَأْتِي الْغَرَبَاءِ إِلَى مَحَلِّهِ لِيَسْتَفِيدُوا بِسَبَبِ أَسْئَلَتِهِمْ مَا لَا يَسْتَمِيلُونَهُ فِي غَيْبَتِهِمْ؛ لِأَنَّهُمْ يَهَابُونَ سُؤَالَ، وَقِيلَ: مَعَهُ يَسْتَجْلِبُونَ حَوَاطِرَهُمْ مِمَّا رَأَوْهُ مِنْ صَبْرِهِ لَهُمْ، وَقِيلَ: أَمْرًا جَدُّهُمْ عَنْ مَحْسَبِهِ وَمَعَهُمْ عَنِ الْحَمَاءِ.

ويقول: إذا رأيتم طالب حاجة يطلبها فأرفدوه، ولا يقبل الثناء إلا من مكافئ، ولا يقطع على أحد حديثه حتى يجوز فيقطعه بنهي أو قيام. **حدثنا** محمد بن بشر، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا سفيان، عن محمد بن المنكدر قال: **سمعت** جابر بن عبد الله يقول: ما سئل رسول الله ﷺ شيئاً قط فقال: لا. **حدثنا** عبد الله بن عمران أبو القاسم القرشي المكي، حدثنا إبراهيم بن سعيد، عن ابن شهاب،

اس لئے وہ گویا اپنا فرض منصبی ادا کر رہا ہے۔ بعض علماء نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ تعریف حدود کے اندر کرتا تو سکوت کرتے یعنی حد سے تجاوز کرتا تو روک دیتے۔ کسی کی گفتگو کو قطع نہ فرماتے تھے کہ دوسرے کی بات کاٹ کر اپنی شروع فرمادیں، البتہ اگر کوئی حد سے تجاوز کرنے لگتا تو اس کو روک دیتے تھے یا مجلس سے کھڑے ہو جاتے۔ تاکہ وہ خود روک جائے۔
فائدہ: یہ حدیث گذشتہ باب کی ساتویں حدیث کا ٹکڑا ہے۔ مفضل روایت جس میں حضرت ام حسین رضی اللہ عنہا کے تمام سوالات یکجا ہیں، جمع الفوائد اور شفاء فی غیاض میں موجود ہے۔ ام ترمذی **مسند** نے مختلف بابوں کی مناسبت سے اس حدیث کو کئی بابوں میں تھوڑی تھوڑی ذکر کی ہے۔

(۱۰) حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے کبھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں فرمایا۔
فائدہ: اگر اس وقت موجود ہوتی تو عطا فرمادیتے ورنہ دوسرے وقت کا وعدہ فرمالیتے، یا اس کے حق میں دعا فرماتے کہ حق تعالیٰ جل جلالہ اس کو کسی اور طریقہ سے عطا فرمادیں۔

مکافئ یعنی ہدایہ صانع فائز علیہ سبیل شکر و خیر و قہ و بد سبب شدہ کرہ، ذکرہ المرحشری، وقیل: معاہ مقارب ومماثل، فی مدحہ غیر محاور نہ عن حد، ألا یری نہ قل۔ لا تصروہی کما صرت لبصری، **یحجور**: بالحیہ ولری، أي: یتجاوز عن الحد، وفي نسخة بالحیہ وراء من الحور و امیر **أو قید** [أي: فيقطع عليه الصلاة والسلام حديثه] الأحد إذا جاور الحد إما سبباً به عن الحديث أو أحد، بأن يكس معاهد، أو قيام من المحسن إن كان معاهداً.]

فقال: بينه الحديث السابق بأنه لم يردّه إلا بها أو بميسور من القول، ولنعم ما قيل:

ما قال لا قط إلا في تشهده لولا التشهد كانت لاؤه نعم

عن عبید اللہ، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: کان رسول اللہ ﷺ

(۱۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اول تو تمام لوگوں سے زیادہ ہر وقت ہی سختی تھے (کہ کوئی بھی حضور کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا کہ خود فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے اور عطاؤں میں بادشاہوں کو شرمندہ کرتے تھے۔ نہایت سخت احتیاج کی حالت میں ایک عورت نے چادر پیش کی اور سخت ضرورت کے درجہ میں پہنی، جب ہی ایک شخص نے مانگ لی اُس کو مرحمت فرمادی۔ قرض لے کر ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا اور قرض خواہ کے سخت تقاضے کے وقت کہیں سے اگر کچھ آگیا اور ادائے قرض کے بعد بچ گیا تو اتنے وہ تقسیم نہ ہو جائے گھر نہ جانا۔ ایسے مشہور واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ ہو ہی نہیں سکتا) بالخصوص رمضان المبارک میں تمام مہینہ اخیر تک بہت ہی فیض رہتے (کہ خود حضور کی گیرہ مہینہ کی فیضی بھی اس مہینہ کی فیضی کے برابر نہ ہوتی تھی) اور اس مہینہ میں بھی جس وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لا کر آپ کو کلام اللہ شریف سناتے اُس وقت آپ بھلائی اور نفع پہنچانے میں تیز بارش لانے والی ہوا سے بھی زیادہ سخاوت فرماتے تھے۔

فائدہ: اس ہوا کے ساتھ تشبیہ تیزی اور سرعت میں ہے کہ ہوا اس قدر تیز نہیں چلتی جتنی تیز حضور کی سخاوت چلتی تھی یا نفع کے عام ہونے میں ہے کہ بارش کا نفع اس قدر عام اور سب کو شامل نہیں ہوتا جتنی عام حضور کی سخاوت تھی۔ بارش کے ساتھ تشبیہ صورت کے اعتبار سے ہے ورنہ حضور کی سخاوت کو بارش سے کیا نسبت! کہ یہ صرف مادی چیزوں کو اگانے والی ہے اور حضور کی بارش ظاہر و باطن ضروریات دنیویہ اور دینیہ کو پوری کرنے والی تھی، یہ زمین کو زندہ کرتی ہے وہ دلوں کو بھی زندہ کرتی تھی۔ ترمذی کی روایت سے نقل کیا گیا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس ایک مرتبہ نوے ہزار درہم جس کے تقریباً بیس ہزار روپیہ سے زیادہ ہوتے ہیں، کہیں سے آئے۔ حضور اقدس ﷺ نے ایک بورے پر ڈلوادیے

عبید اللہ قال المناوي: یحتمل أنه عبید اللہ بن عباس، ویحتمل عبید اللہ بن أبي رافع کتاب عی، وهما یرویان عن ابن عباس وعنهما الزهري. مختصراً، وقال القاري: إنه ابن عبد الله بن عتبة بن مسعود، وأخطأ من قال: إنه ابن أبي مليكة. وقال البيهقي: إنه ابن عبد الله بن عتبة، خلافاً لما قال المناوي. قلت: و ابن عبد الله بن عتبة حرم الحفاظ: بن حجر والعيني في شرحي البخاري، فإن البخاري أخرجه في صحيحه في خمسة مواضع.

أجود الناس بالخير، وكان أجود ما يكون في شهر رمضان، حتى ينسلخ، فيأتيه جبريل، فيعرض عليه القرآن، فإذا لقيه جبريل كان رسول الله ﷺ أجود بالخير من الريح المرسلة.

اور وہیں پڑے پڑے سب تقسیم کرادیے۔ ختم ہو جانے کے بعد ایک سائل آیا جس کا تھقہ تیسری حدیث میں حدیث نمبر ۱۳ کے ذیل میں آ رہا ہے۔ حضور نے ارشاد فرمادیا کہ میرے پاس تو کچھ رہا نہیں ہے، تو کسی سے میرے نام سے قرض لے لے، جب میرے پاس ہوگا ادا کر دوں گا۔ یہ تو حضور کی عام عادت تھی اور رمضان المبارک کے اس وقت کا تو کیا پوچھنا کہ وہ مالک الملک کی طرف سے افضل البشر کے پاس افضل الکلام افضل ترین اوقات میں فرشتوں کے لے کر آنے کا وقت تھا،

أجود: بالنصب على أنه اسم "كان"، أفعل تفضيل من الجود، وهو: إعطاء ما ينبغي لمن ينبغي على ما ينبغي، و"الخير" شامل لجميع أنواعه حالا ومآلا من العلم والخلق والمال واجبا، فكان يسمح بالموجود؛ لكونه ﷺ مطبوعاً على الجود، فكان إذا وجد حاد، وإن لم يجد وعد، ولا يخلف الميعاد. وكان أجود: قال المناوي: برفع "أجود" وذكروا له عشرة أوجه، وقال القاري: الرفع في "أجود" أجود، على ما روي في أكثر الروايات، كما صرح به العسقلاني على أنه اسم "كان" وبغيره محذوف حذفاً واجبا و"ما" مصدرية، ومعناه: أجود أكوانه، و"في رمضان" في محل الحال، واقع موقع الخير الذي هو "حاصل"، فمعناه: أجود أكوانه حاصلًا في رمضان.

حتى ينسلخ: [والمعنى: أن غايه جوده كانت تستمر في جميع رمضان إلى أن يعرغ؛ لأنه موسم الخيرات، فإن الله يتفضل على عباده في هذا الشهر مالا يتفضل عليهم في غيره، فهو متخلق بأخلاق ربه.] فيعرض: قال ميرك: فاعل "يعرض" يحتمل أن يكون جبريل، وضمير "عليه" لنبي ﷺ، كما هو ظاهر السياق، ويحتمل العكس؛ لما في البخاري: عرض عليه النبي ﷺ. وترجم عليه في فضائل القرآن: كان جبريل يعرض القرآن، قال العسقلاني: هذا عكس الحديث، وكأنه أشار إلى بعض طرقه فأشار إلى أن كلا منهما كان يعرض على الآخر، ويؤيده ما في رواية لبخاري بلفظ: 'فيدارسه القرآن'؛ إذ المداينة مفعلة من اجانبين.

بالخير أجود بالخير، أي: أسخى سذل الخير من الريح المرسلة -فتح السين- فإنها يشأ عنها جود كثير؛ لأنها تنشر السحاب وتمدها ماء، ثم تسطها، لتعم الأرض فيحيي به الموت ويخرج النّات، وتعيّره به -أفعل نص في كونه أعظم جوداً منها؛ لأنها قد تحلو عن المطر، وهو غلة لا يفت عن مطر الخود والسحاب، والتشبيه في تعميم العطاء أو السرعة. والحاصل أنه فصل جوده على جود الناس، ثم فصل جوده في رمضان على جوده في غيره، ثم فصل جوده في رمضان على جوده في رمضان. ولقاء جبريل على جوده في غيره، فإنه وقت إتيان الملائكة إلى أفضل خلق بأفضل كلام من أفضل متكلم في أفضل أوقات.

حدثنا قتیبہ بن سعید، حدثنا جعفر بن سلیمان، عن ثابت، عن **عَنْ** أنس بن مالك **رضی اللہ عنہ** قال: كان النبي **ﷺ** لا يدخر شيئا لغد. **حدثنا** هارون بن موسى بن أبي علقمة الفروي المدني. حدثني أبي، عن هشام بن سعد، عن زيد بن أسلم، عن أبيه،

اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی تھی کہ حضور اقدس **ﷺ** حق تعالیٰ جل جلالہ کے اخلاق کے ساتھ کمال درجہ میں متصف تھے کہ اصل کمال عاداتِ انبیاء کے ساتھ متصف ہونا ہے اور حق تعالیٰ جل جلالہ کے یہاں سے اس ماہِ مبارک میں جس قدر رحمت و انعام کے دروازے کھلتے ہیں اُس کا کچھ نمونہ دیکھنا ہو تو بندہ کا رسالہ ”فضائل رمضان“ دیکھو۔

(۱۲) حضرت انس **رضی اللہ عنہ** فرماتے ہیں کہ حضور اقدس **ﷺ** دوسرے دن کے واسطے کسی چیز کو ذخیرہ بنا کر نہیں رکھتے تھے۔ **فائدہ:** یعنی جو چیز ہوتی کھلا پلا کر ختم فرما دیتے۔ اس خیال سے کہ کل کو ضرورت ہوگی، اُس کو محفوظ نہ رکھتے تھے۔ یہ حضور کا غایت توکل تھا کہ جس مالک نے آج دیا ہے وہ کل بھی عطا کرے گا، یہ اپنی ذات کے لئے تھا۔ پیسوں کا نفقہ ان کے حوالہ کر دیا جاتا، وہ جس طرح چاہیں تصرف کریں، چاہے رکھیں یا تقسیم کر دیں۔ مگر وہ بھی تو حضور ہی کی پیبیاں تھیں، حضرت عائشہ **رضی اللہ عنہا** کی خدمت میں ایک مرتبہ دو گونیس درہموں کی نذرانہ کے طور پر پیش کی گئیں جن میں ایک لاکھ سے زیادہ درہم تھے، انھوں نے طباق منگایا اور بھر بھر کر تقسیم فرما دیا، روزہ دار تھیں، افطار کے وقت ایک روٹی اور زیتون کا تیل تھا جس سے افطار فرمایا۔ باندی نے عرض کیا: ایک درہم کا اگر آج گوشت منگالیتیں تو آج ہم اُسی سے افطار کر لیتے۔ ارشاد فرمایا کہ اب طعن دینے سے کیا ہو، اُس وقت یاد دلا دیتی تو میں منگا دیتی ”حکایات صحابہ“ میں ان سچے اتباع کرنے والوں کے کچھ نمونے دکھائے گئے ہیں، اس لئے اگر حدیث کا مطلب یہ ہو کہ نہ اپنے لئے نہ گھر والوں کے لئے دوسرے دن کا ذخیرہ نہ ہوتا تھا تب بھی بے عمل نہ ہوگا۔

لا يدخر. أي: لخاصة نفسه، فلا يبالي ما في الصحيحين: أنه كان يدخر لأهله قوت سنة، وقيل: عدم الادخار غالب أحواله أو في أوائل أمره؛ إذ قد ثبت في البحاري عن أنس يقول: ما أمسى عند آل محمد صاع بر ولا صاع حب، وإن عنده تسع سنوة، والأولى أن يجمع: بأنه كان يدخر لهم قوت سنة، ثم من جوده وكرمه على الوافدين كان يفرع ردهم قبل تمام السنة. **الفروی:** بفتح الفاء وسكون الراء، نسبة إلى فرو اسم جده.

عن (۱۳) عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، أن رجلاً جاء إلى رسول الله ﷺ فسأله أن يعطيه، فقال النبي ﷺ: ما عندي شيء، ولكن ابتع عليّ فإذا جاعني شيء قضيته، فقال عمر: يا رسول الله! قد أعطيته، فما كفّك الله ما لا تقدر عليه، فكره النبي ﷺ قول عمر، فقال رجل من الأنصار: يا رسول الله! أنفق ولا تخف من ذي العرش إقلالاً فتبسّم رسول الله ﷺ وعُرف البشر في وجهه لقول الأنصاريّ.

(۱۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ کسی ضرورت مند نے حضور اقدس ﷺ سے کچھ سوال کیا۔ آپ نے ارشاد فرما دیا کہ میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے۔ تم میرے نام سے خریدو، جب کچھ آجائے گا تو میں ادا کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کے پاس جو کچھ تھا آپ دے چکے ہیں اور جو چیز آپ کی قدرت میں نہیں ہے اُس کا حق تعالیٰ شانہ نے آپ کو مکلف نہیں بنایا ہے۔ حضور کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ مقولہ گوار گزارا تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! جس قدر جی چاہے خرچ کیجئے، عرش کے مالک سے کی کا اندیشہ نہ کیجئے (کہ جو ذات پاک عرش بریں کی مالک ہے اُس کے یہاں آپ کو دینے میں کیا کمی ہو سکتی ہے) حضور کو انصاری کا یہ کہنا بہت پسند آیا اور حضور نے تبسم فرمایا جس کا اثر چہرہ مبارک پر ظاہر ہوتا تھا اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہ نے مجھے اسی کا حکم فرمایا ہے۔

فائدہ: خود نبی کریم ﷺ کا حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ

أتبع بتقديم الموحدة على المشقة عوفية، أي: شتر وأعدد واحسب شمن عني، وروي بتقديم مشاة على الموحدة، أي: أحل عبداً بدينك الذي عيبت. قال ربحشري: أتعت فلاناً عن فلان. **قد أعطته** أي: سأل فلاناً، أو أعطيت الميسور من القول، وهو قولك: "ما عندي شيء" قاله المناوي. قلت: وحمل أن يكون الخصم إلى المال. والنقصة مختصرة، وفي بشر الطيب عن ترمذي: أنه في سنة تسعون ألف درهم فوضع عني حصير، فما رد سائلاً حتى فرح منها، فجاءه رجل فسأله فقال: ما عندي شيء ولكن ابتع عني، الحديث. فيحتمل أن يكون المرجع دلت ما عندي قسمه ﷺ. لكن طاهر الشفاء أهما قصتان متعثران، وهو طاهر شروح لشفاء، وهو طاهر عدي

قول عمر [أي: من حيث استناده حرمان السائل، لا محابته لشرع] **إقلالاً** قال اعاري: هو مصدر، قلّ الشيء، يقلّ وأقبحه غيره، وراد في نتاج أن معناه الافتقار، وقال المناوي: من قلّ معنى فقتر، وهو في الأصل بمعنى: صار دافلاً. البشر: بكسر الموحدة، أي ظهر في وجهه البشاشة.

ثم قال: بهذا أمرت. حدثنا علي بن حجر، حدثنا شريك، عن عبد الله بن محمد بن عقيل،

حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے پاس کھجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی دیکھی۔ حضور نے دریافت فرمایا یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ آئندہ کی ضروریات کے لئے روک لیا ہے۔ حضور نے فرمایا تجھے اس کا ڈر نہیں ہے کہ اس کی بدولت کل قیمت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے اُس کے بعد ارشاد فرمایا: انفق بلال! ولا تخش من ذي العرش إقلالا۔ اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا انیشہ نہ کر۔ حضور کی سخاوت اور کرم کے واقعات جس کثرت سے ہیں ان کے احاطہ کی کس کو طاقت ہے، اس کرم کے لئے یہ بھی ضروری نہ تھا کہ حضور کے پاس موجود ہی ہو، ضرورت مندوں کے لئے قرض لے کر اُن پر خرچ کرنا حضور کا عام معمول تھا جیسا کہ اوپر کی حدیث میں خود موجود ہے۔

ایک شخص نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ حضور کے اخراجات کی کیا صورت تھی؟ انھوں نے فرمایا کہ حضور کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا، میں ہی اخیر تک اس کا منتظم رہا۔ عادت شریفہ یہ تھی کہ جب کوئی مسلمان ہو کر حاضر خدمت ہوتا اور آپ اُس کو ننگا دیکھتے تو مجھے اس کے انتظام کا حکم فرماتے۔ میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بنواتا اور کھانے کا انتظام کرتا۔ ایک دن مشرکین میں سے ایک شخص میرے پاس آیا اور آکر کہنے لگا کہ مجھے بڑی وسعت حاصل ہے تمہیں جو کچھ قرض لینا ہو مجھ سے لے لیا کرو اور کسی سے قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اُس سے قرض لینے لگا۔ ایک دن میں وضو کر کے اذان کہنے ہی کو تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لئے ہوئے آیا اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ اوجھٹی! میں نے کہا: حاضر ہوں۔ وہ نہایت ترش روئی سے مجھ کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ اس مہینہ کے ختم میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا کہ مہینہ تو ختم کے قریب ہے۔ کہنے لگا کہ چار دن باقی ہیں، اگر اُس وقت تک قرضہ ادا نہ کیا تو تجھے قرضہ میں غلام بنالوں گا اور جیسا کہ پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا وہی صورت پھر ہو جائے گی۔

هذا أمرت. قال القاري: أي: بالإتيان وعدم الخوف، أو بالعطاء في الموجود وبالقول ليسور في المفقود، لا عما قاله عمر رضي الله عنه، قال السدي: قال تعالى: ﴿يَوْمَ نَخِفُّهُ مِنَ النَّارِ﴾ [سج: ۳۹]، وفيه: أن الإتيان مأمور به في كل حال دعت المصلحة إليه ولو سحو استدانة. علي بن حجر الحديث بسنده ومتنه مكرر، تقدم في آخر باب فاكهة النبي ﷺ: إلا أن الرواية هناك بالشك، وههنا بلفظ: "حلبا وذهبا" بالجزم.

عن الرُّبَيْعِ بنتِ معوذ بنِ عَفْرَاءَ قالت: أَتَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطْبٍ وَأَجْرُ زُغْبٍ، فَأَعْطَانِي مِلًّا كَفَّهُ حُلْيًا وَذَهَبًا. **حدثنا** علي بن خَشْرَمٍ وغير واحد قالوا: أَخْبَرَنَا عِيسَى بْنُ يُونُسَ،

حضرت بلال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُس کی یہ باتیں سن کر جو لوگوں پر گزرتی ہے مجھ پر بھی گزری۔ میں عشا کی نماز کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا قصہ سنا کر عرض کیا کہ حضور اتنی جلدی انتظام کیا ہو سکتا ہے، ادائیگی کے لئے نہ آپ کے پاس کچھ ہے نہ میرے پاس۔ میں روپوش ہو جاؤں، جب آپ ادائیگی فرمادیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا ورنہ وہ مجھے سخت ذلیل کرے گا۔ صبح کی نماز سے قبل ایک شخص دوڑا ہوا آیا کہ حضور بلا رہے ہیں، میں حاضر ہوا تو حضور نے فرمایا اللہ جل شانہ نے میرے قرضہ کا انتظام کر دیا، یہ چار اونٹیاں جو سامان سے لدی ہوئی کھڑی ہیں یہ فدک کے حاکم نے ہدیہ بھیجا ہے۔ میں نے صبح کو وہ سب قرضہ بے باق کیا اور حضور کو اطلاع دی کہ اللہ جل شانہ نے قرضہ سے آپ کو سبکدوش کر دیا۔ حضور نے فرمایا کہ اُس سامان میں سے کچھ بچایا نہیں؟ میں نے عرض کیا کہ کچھ بچ گیا۔ حضور نے فرمایا کہ اس کو تقسیم کر دے کہ مجھے راحت ملے۔ شام ہو گئی کچھ پھر بھی بچ گیا۔ عشا کے بعد حضور نے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ مستحقین آئے ہی نہیں، ابھی کچھ باقی ہے تو حضور نے وہ رات مسجد میں گزاری، مکان پر تشریف نہیں لے گئے۔ دوسرے دن عشا کے بعد پھر دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے اُس کے بارے آپ کو سبکدوش فرمادیا، وہ سب تقسیم ہو گیا۔ تب حضور نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے مکانوں پر تشریف لے گئے۔ (ابوداؤد)

(۱۳) ربیع کہتی ہیں کہ میں ایک طباق کھجوروں کا اور کچھ چھوٹی چھوٹی تلی تلی ککڑیاں لے کر حاضر خدمت ہوئی تو حضور اقدس ﷺ نے مجھے اپنا دست مبارک بھر کر سونا اور زیور مرحمت فرمایا۔ **فائدہ:** یہ حدیث حضور کے میوہ کے ذکر میں نمبر ۶۷ پر گزر چکی ہے۔

زُغْبٍ [وہو صِغَرُ الشعرِ ولبه، والمراد صغر ريشه.] **عِيسَى بْنُ يُونُسَ** قال الترمذي والرازي: لا يعرف هذا الحديث موصولاً إلا من حديث عِيسَى بْنِ يُونُسَ، وهو عند الناس مرسل، وقال البخاري بعد إيراد هذا الحديث: لم يذكر وكيع ومحاصر عن هشام عن أبيه عن عائشة، وأشار بهذا أن عِيسَى تفرّد بوصله. قال الحافظ العسقلاني: رواية وكيع وصنها ابن أبي شيبة عنه بلفظ: "ويثيب ما هو خير منها"، ورواية محاضر لم أقف عليها.

عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها أن النبي ﷺ كان يقبل الهدية ويثيب عليها.
 أي: يعطي في مقابلتها شيئاً

(۱۵) حضرت عائشہ رضي الله عنها کہتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اُس پر بدلہ بھی دیا کرتے۔

فائدہ: کمال خلق ہے کہ ہدیہ واپس کرنے میں دوسرے کی دل شکنی کا خیال ہے اور بدلہ نہ دینے میں اُس کو کوئی نفع نہیں۔ بلکہ بسا اوقات غلبہ محبت میں آدمی خود مشقت اٹھا کر ہدیہ دیا کرتا ہے، بدلہ کی صورت میں اس کی دلداری بھی ہو گئی اور اس کو کوئی نقصان بھی نہ ہوا بلکہ نفع ہوا۔ اس لئے کہ بعض حدیثوں میں وَيُثِيبُ مِنْهَا کی جگہ وَيُثِيبُ خَيْرًا مِنْهَا وارد ہے جس کے معنی یہ ہوئے کہ اُس سے بہتر بدلہ دیتے تھے اور دوسری روایات سے بھی حضور کا یہ معمول معلوم ہوتا ہے کہ ہدیہ سے زیادہ بدلہ دیتے تھے۔

باب ما جاء في حياء رسول الله ﷺ

حدثنا محمود بن غيلان، حدثنا أبو داود، حدثنا شعبة،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کی حیا کا ذکر

فائدہ: یہ مضمون اگرچہ عادات کا جزو ہے اور اس لحاظ سے گذشتہ باب میں داخل ہو سکتا تھا مگر غایت اہتمام کی وجہ سے اس کو مستقل ذکر کیا کہ خالق اور مخلوق دونوں کے ساتھ کے معاملات میں حیا پر ایک مستقل مدار ہے، حدیث میں وارد ہے کہ جب تجھ سے حیا جاتی رہے پھر جو چاہے کر گذر۔ حضور اقدس ﷺ کا ہر کمال درجہ منتہی پر تھا، جس باب کو شروع کیا جائے اُس میں آپ کے اوصاف بیان کرنے کے لئے الفاظ کا حقہ میسر نہیں ہوتے، آپ کی حیا کے دو چار واقعات نہیں ہیں سیکڑوں واقعات اس کے شاہد ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آپ کثرتِ حیا کی وجہ سے کسی شخص کے چہرہ پر نگاہ نہیں جراتے تھے جتنی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کسی سے بالمقابل نہ ہوتے تھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی نمونے کے طور پر اس باب میں دو حدیثیں ذکر فرمائی ہیں۔ عمار نے لکھا ہے کہ حیا کئی قسم کی ہوتی ہے ایک کرم کی حیا کہلاتی ہے، جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت زینب کا ویمہ کیا تو کھانے سے فارغ ہونے کے بعد چند لوگ بیٹھے رہے اور باتوں میں مشغول رہے۔ نبی اکرم ﷺ پر ان کا بیٹھنا بار تھا اور بار بار کبھی باہر تشریف لے جاتے تھے کبھی اندر تشریف لاتے تھے مگر شرم کی وجہ سے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں فرمایا۔ قرآن پاک میں بھی سورۃ احزاب کے اخیر کے قریب س قسطہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ دوسری قسم عاشق کی اپنے محبوب سے شرم ہوتی ہے کہ بولنا بھی دشوار ہوتا ہے:

شوق افزوں مانع عرضِ تمنا داب حسن بار ہاول نے اٹھائے ایسی لذت کے مزے

حیاء: حیاء ہما بالمد، وأما بالقصر فهو معنى لظن، وكلاهما مأخوذ من حيوة، فإن أحدهما حيوة الأرض والآخر حيوة قلب، وهو في لغة: تعير وكسار يعنري الإنسان من خوف ما يعاب به، وفي لشرع: حُتْق يبعث على حذب لقيح، وهو أفسد: مهذ حیاء بكرم، كاستحيائه ﷺ أن يقول من صول القيام في ويمة ريب ﷺ انصرف، وحیاء الخج من محوبة حتى د حطر بقسه هج لحیاء، وحیاء العودية بأن يشهد تقصيره فيها فيرداد حجة، وحیاء المرء من نفسه بأن تشرف همته فيستحيي من رضى نفسه بسفص بعد نفسه مستحيا من نفسه حتى كان له عسین، وهذا كمثل أنواع الحیاء.

عن قتادة قال: سمعت عبد الله بن أبي عتبة يحدث عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: كان رسول الله ﷺ أشد حياء من العذراء في خدرها، وكان إذا كره شيئا عرفناه في وجهه.

تیسری قسم بندگی کی شرم ہوتی ہے کہ بندگی میں اپنے آپ کو قاصر پائے اور مولا سے شرم میں بڑھتا جائے۔ چوتھی خود اپنی ذات سے شرم ہوتی ہے کہ آدمی ہمت سے کسی کام کو شروع کرے اور اُس میں کوئی نقص رہ جائے تو خود اپنے سے شرم آنے لگتی ہے کہ ذرا سا کام بھی نہ ہوا۔ کہتے ہیں کہ یہ شرم کا اعلیٰ درجہ ہے۔ جو شخص خود اپنے سے شرماتا ہے وہ دوسرے سے بطریق اولیٰ شرمایا کرتا ہے۔

(۱) ابو سعید خدری رضي الله عنه کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ شرم و حیا میں کنواری لڑکی سے جو اپنے پردہ میں ہو، کہیں زائد بڑھے ہوئے تھے، جب حضور کو کوئی بات ناگوار ہوتی تو ہم آپ کے چہرہ سے پہچان لیتے۔ (حضور غایت شرم کی وجہ سے اظہارِ ناپسندیدگی بھی نہ فرماتے تھے)۔

فائدہ: کنواری جو اپنے پردہ میں ہو، کے دو مطلب علماء نے لکھے ہیں: ایک جماعت علماء نے یہ فرمایا ہے کہ اس سے پردہ نشین کنواری مراد ہے کہ وہ اُس کنواری لڑکی سے جو باہر پھرتی ہو، بہت زیادہ شرمیلی ہوتی ہے گو کنواری ہر ایک ہی شرم دار ہوتی ہے، اسی لئے شریعت نے کنواری لڑکی کے نکاح کی اجازت کے لئے اُس کے سکوت کو کافی بتایا ہے کہ کنواری کے لئے شرم طبعی چیز ہے اور بالخصوص پردہ نشین لڑکی۔ اور بعض علماء نے پردہ نشین سے وہ لڑکی مراد لی ہے جو پردہ میں تربیت دی گئی ہو کہ اُس کو عورتوں سے بھی پردہ کرایا گیا ہو، چنانچہ باہر کی پھر نے والی عورتوں سے پردہ بہت سے خاندانوں میں مروج ہے

عبد الله: [وهو عبد الله بن أبي عتبة البصري ائمه الاثني عشر، أحد عن أم المؤمنين عائشة رضي الله عنها وأبي هريرة رضي الله عنه والكمثرى الصحابية، وهو معلم عمر بن عبد العزيز، وكان من بخار النعم، حُرِّحَ له الجماعة، مات سنة ثمان وتسعين. حذرهما: بكسر الحاء المعجمة وسكون ادال المهملة، ستر يجعل للبكر في ناحية البيت، والظرف حال من العذراء أو صفة لها، وهو تميم لعائدة، فإن العذراء إذا كانت متربة في سترها تكون أشد حياء لسترها حتى عن النساء، بخلافها إذا كانت في غير بيتها، أو كانت داخلة حارحة فإنها كان مانعا منه، وجاء في رواية عنها: ما رأيت منه ولا رأي مي يعني العرج. في وجهه: لأنه ما كان يتكلم بالشئ الذي يكرهه حياء، بل يتعير وجهه فيهم كراهته له، وكذا الست المنحدره عالما لم تتكلم في حضور الناس بل يرى أثر رصاها وكراهتها في وجهها، وهذا يظهر وجه الارتباط بين الحملتين.

حدثنا محمود بن غیلان، حدثنا وکیع: أخبرنا سفیان، عن منصور، عن موسى بن عبد الله بن یزید الخطمی، عن مولى لعائشة رضی اللہ عنہا **قال:** **قالت** عائشة: ما نظرت إلى فرج رسول الله ﷺ، أو قالت: ما رأيت فرج رسول الله ﷺ قط.

کہ یہ لڑکی جس قدر شرمیلی ہوگی ظاہر ہے۔ دوسرا مطلب بعض علماء نے اپنے پردہ میں ہونے سے کنایہ بتایا ہے شبِ عروس کا کہ کنواری لڑکی پہلی شب میں جس قدر شرمیلی ہوتی ہے وہ ظاہر ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حضور کی حیا اور تستر کی وجہ سے) مجھے کبھی آپ کے محلِ شرم دیکھنے کی ہمت نہیں پڑی اور کبھی نہیں دیکھا۔

فائدہ: جب حضور کی شرم کی وجہ سے ہمت نہیں پڑی تو خود حضور تو کیہ دیکھتے، اور اصولی بات ہے کہ شرمیلے آدمی کے سامنے دوسرے کو مجبوراً شرم کرنا پڑتی ہے اور ایک دوسری روایت میں بالتصریح اس کی بھی نفی ہے کہ نہ حضور نے کبھی میرے ستر کو دیکھا نہ میں نے حضور کے ستر کو دیکھا اور جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا باوجود یکہ تمام بیبیوں میں سب سے زیادہ بے تکلف تھیں، سب سے زیادہ محبوب تھیں، اُن کا یہ حال ہے تو اوروں کا کیا ذکر، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور بیوی سے صحبت کرتے تو آنکھیں بند کر لیتے اور سر جھکا لیتے اور بیوی کو بھی سکون و وقار کی تاکید فرماتے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حجروں کے پیچھے جا کر غسل کیا کرتے، حضور کے محلِ ستر کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ نبوت سے قبل جب کہ کعبہ کی تعمیر ہو رہی تھی، حضور بھی پتھر اٹھا رہے تھے، عرب کے دستور کے موافق کہ ستر کے چھپانے کا کچھ ایسا اہتمام نہ تھا، حضور نے لنگی کو پتھر کے نیچے رکھ لیا، اُسی وقت بیہوش ہو کر گر گئے، حالانکہ شرعی احکام اُس وقت تک نازل بھی نہ ہوئے تھے۔

الخطمی. يفتح معجمة وسكون مهمة، سمة إلى حطم قبية من العرب كذا قاله انفاري وغيره، وسطه اسوي بكسر أوله. **ما نظرت** [والمراد أنه كان من شدة حيائه رضی اللہ عنہ لا يمكنها النظر إلى فرجه، مع احتياطة بفعل ما يوجب امتناعها من رؤيته، وروی ابن الحوری عن أم سمة رضی اللہ عنہا كان إذا أتت امرأة من سائمه: عض عيبه، ووقع رأسه، وقار لتي تحته: عليك بالسكينة والوقار] قال الحنفی: فإن حيائه رضی اللہ عنہ حينئذ تكون قليلة الحياء، وأغرب ابن حجر، حيث قال تبعاً لميرك: إذ الخلوة مظنة وقوع الفعل به، ووجه غرابته لا يحصى، فإنه لو كان المراد هذا المعنى لقليل: أشد حياء من العنداء عند رعاها.

باب ما جاء في حجامه رسول الله ﷺ

حدثنا علي بن حجر، حدثنا إسماعيل بن جعفر،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے سینگ پچھنے لگوانے کا ذکر

فائدہ: اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، جن میں سینگ کے استعمال کے مختلف واقعات ذکر فرمائے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ معمولاتِ نبویہ میں علاجِ بدن اور دوا کا استعمال کرنا بھی تھا، علاج کا کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ سے بڑھ کر متوکل کون ہوگا، مگر اس کے باوجود حضور سے علاج کے طور پر سینگ کا استعمال متعدد احادیث میں نقل کیا گیا ہے اور حق یہ ہے کہ توکل اسباب کے منافی نہیں ہے۔ ہمارے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اُس رسالہ میں جس میں اپنے مہشرات کو جمع کیا ہے اور اپنے بہت سے مکاشفات اور حضور اقدس ﷺ سے خوابوں میں جو سوالات کئے ہیں، ذکر کئے ہیں۔ لکھا ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے روحانی سوال کیا کہ اسباب کے اختیار کرنے میں اور اسباب کے ترک کرنے میں کونسی چیز افضل ہے؟ تو مجھ پر حضور اقدس ﷺ کی طرف سے ایک روحانی فیض ہوا جس کی وجہ سے اسباب و اولاد غرض ہر چیز سے طبیعت سرد پڑ گئی، اُس کے بعد میری طبیعت پر ایک انکشاف ہوا جس کا اثر یہ ہوا کہ طبیعت تو اسباب کی طرف متوجہ ہے اور روح تسلیم و تقویٰ کی طرف مائل ہے فقط۔ حق یہ ہے کہ یہی اصل توکل ہے کہ اسباب کو بالکل غیر مؤثر سمجھیں، اسباب میں تاثیر بھی اللہ تعالیٰ شانہ کی طرف سے ہے، اُس کی مشیت کے بغیر اسباب بھی کچھ نہیں بنا سکتے۔

روغن بادام خشکی سے ممو

از قضا سر کنگیں صفا فرو

حجامہ: هو بالكسر اسم من الحجم على ما ذكره الجوهري، وفي القاموس: الحجم: المص، المحجم والمحممة بكسرهما: ما يحجم به، وحرفته الحجامه ككتابة، قال القاري: ولعلها مشتركة بينهما، وإلا فالمناسب للمقام المعنى الأول، وقال المناوي: وجه مناسبة هذا الباب بالشمائل أن من أحبها التوكل، وقضيته أن يكل حفظ بدنه إليه سبحانه وتعالى، ولا يتداوى بحجم ولا بعيره، فأزال دلث بيان: أن تدبير الدن مشروع غير مضاف للتوكل؛ لأنه إسداد الأمر إليه تعالى واعتقاد استغناؤه في التأثير.

عن حميد قال: سئل أنس بن مالك عن كسب الحجام، فقال أنس: احتجم رسول الله ﷺ. ^[هو يحترف الحجمة]
 حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَجِهِ، وَقَالَ: إِنَّ
 أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةَ، أَوْ إِنْ مِنْ أَمْثَلِ مَا دَوَّائِكُمُ الْحِجَامَةَ. ^[أي: كَلَّمَ صَاحِبَهُ فِي تَخْفِيفِ خَرَجِهِ]
 بکسر الحاء المهملة

مقدّرات اہیہ کے سامنے کسی کا بھی بس نہیں ہے۔ سرکہ کے استعمال سے صفرا بڑھ جائے اور بادام روغن کے استعمال سے خشکی ہونے لگے۔ حضرت اقدس شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ایک دوسرے رسالہ میں ہے کہ یہ اسباب کا مسد منجملہ اُن تین وصیتوں کے ہے جن کی حضور اقدس ﷺ نے وصیت فرمائی اور شاہ صاحب کے طبعی رجحان کے خلاف پر مجبور کیا گیا۔ دوسرا تفصیل شیخین کا ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر۔ اور تیسرا مسد تقلید نہ چھوڑنے کا ہے کہ شاہ صاحب کا میلان تقلید کے چھوڑنے پر تھا مگر مجبور کیا گیا کہ کسی ایک امام کی تقلید ضرور کریں۔ تفصیل کا یہاں محل نہیں ہے۔ شاہ صاحب کے رسائل ”فضل مبین“ اور ”فیوض الحرمین“ میں ہر دو کی تفصیلات ہیں۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے کسی نے سینگ لگوانے کی اجرت کا مسد پوچھا کہ جائز ہے یا نہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ ابو طیبہ نے حضور کے سینگ لگائی تھی، آپ نے دو صاع کھانا (ایک روایت میں کھجور بھی آیا ہے) مرحمت فرمایا اور اُن کے آقوں سے سفارش فرما کر اُن کے ذمہ جو محصول تھا، اُس میں کمی کرا دی اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ سینگ لگانا بہترین دوا ہے۔

أَبُو طَيْبَةَ يَفْتَحُ صَاءَ مَهْمَةً وَسَكُونًا تَحْتَهُ مَعْدَهَا مَوْحِدَةً، فَمِنْ لَيْلِي حَارَّةٍ أَوْ لَيْلِي مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِي أَوْ غَيْرِهِ، وَحِطًّا
 بِحَافِظِ ابْنِ حَجَرٍ مِنْ قَالٍ. كَانَتْ لِي بِيَاضَةٍ، اسْمُهُ نَافِعٌ عَلَى الصَّحِيحِ، وَقَوَى لِعَوِي: مَيْسَرَةٌ، رَدَّ بَأَنَّهُ اشْتَبَهَ عَلَيْهِ
 اسْمُ أَبِي هَيْبَةَ لِرَاوِي حَدِيثِ حِجَامَةٍ، وَقَوَى ابْنُ عَبْدِ بَرٍّ: اسْمُهُ دَيْبَارٌ، وَهُوَ فِيهِ: لِأَنَّ دَيْبَارَ الْحِجَامِ تَابَعِي، رَوَى عَنْ
 أَبِي صَبَةَ لَا أَبُو طَيْبَةَ مَسَمَهُ. [نَشَبَةُ صَاعٍ، وَالصَّاعُ أَرْبَعَةُ أُمْدَادٍ، وَالْمُدُّ عِدَّةُ أَبِي حَبِيبَةَ رَضَلَانِ فَيَكُونُ الصَّاعُ ثَمَانِيَةَ
 أَرْضَالٍ فَالْحَاصِلُ أَنَّهُ مَكِّيٌّ نَكَالٌ بِهِ الْخُبُوبُ وَحَوْه.] وَكَلَّمَ أَهْلَهُ [أَي: وَكَلَّمَ مَوَالِيَهُ، وَهُوَ بِمَوْحِدَةٍ عَلَى الصَّحِيحِ.]
 خَرَجَهُ: يَفْتَحُ الْحَاءَ بِمَعْمَةِ، مَا يُوَضَّفُ عَلَى الْمَمْنُوثِ كُلِّ يَوْمٍ، وَيُعْطَى كَسْمٌ مُشْعِرٌ بِالشَّمَاعَةِ دُونَ الْأَمْرِ. الْحِجَامَةُ [قَالَ أَهْلُ
 الْمَعْرِفَةِ نَاطِقٌ: ذَلِكَ لِأَهْلِ حَجَرَ وَمِنْ كَانَ فِي مَعْنَاهُمْ مِنْ أَهْلِ الْبِلَادِ الْحَرَّةِ، أَمَّا الْبِلَادُ السَّارِدَةُ فَالْقَصْدُ هُمُ الْوُزْنُ، وَهُوَ: خَرَجُ
 مَقْدَارِ دَمٍ مِنْ وَرِيدِ الْمَرِيضِ يَقْصَدُ الْعِلَاجَ.] أَفْضَلُ الْخَطَابُ لِلشَّبَابِ مِنْ أَهْلِ الْخُرَمِيْنَ كَكُلِّ دُمُويِّ يَقْطُرُ حَارًا كَالْحِجَارِ.
 الْحِجَامَةُ شَيْءٌ مِنْ إِرَاوِي، قَالَ نَقِيسُطَلَابِي: وَأُضْهِ بِسَمَاعِلٍ، وَكَذَا حَكَاهُ الْقَارِي عَنْ مِيرْثِ شَاهٍ، ثُمَّ قَالَ: فَإِنَّ السَّحَارِي
 أَخْرَجَهُ مِنْ طَرِيقِ ابْنِ الْمُبَارَكِ، عَنْ حَمِيدٍ، عَنْ أَنَسٍ بَلَفْظًا: إِنَّ مِنْ أَمْثَلِ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةَ.

حدثنا عمرو بن عليّ، حدثنا أبو داود، حدثنا ورقاء بن عمر، عن عبد الأعلى، عن أبي جميلة، **عن عليّ** رضي الله عنه أن النبي ﷺ احتجم وأمرني فأعطيت الحجام أجره. **حدثنا** هارون بن إسحاق الهمداني، حدثنا عبدة، عن سفیان الثوري، عن جابر،

فائدہ: جب حضور نے خود قیمت ادا فرمائی تو مسہ کا جواب ظاہر ہو گیا۔ غالباً سوال کا منشا یہ ہو گا کہ بعض حدیثوں میں اس پیشہ کی مذمت آئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ اس میں چونکہ خون پھوسنا پڑتا ہے جو ایک ناپاک چیز ہے اس لئے اس میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے کہ منہ کو پاک کرنے کا اہتمام کیا جائے اور اس کی احتیاط رکھی جائے۔ اسی طرح بعض دوسرے پیشوں کے متعلق بھی بعض احادیث میں کچھ تنبیہات وارد ہوئی ہیں جس سے بعض لوگوں کو اشکالات اور اشتباہات پیدا ہو گئے، حالانکہ روایات کا مفہوم صاف اور واضح ہے کہ جس پیشہ کے متعلق بھی ارشادِ عالی وارد ہوا ہے اُس میں کوئی خاص اہم بات قابلِ لحاظ اور قابلِ اصلاح تھی جس پر تنبیہ مقصود ہے۔

حدیث بالا میں محصل سے یہ مراد ہے کہ غلام کو اس شرط پر چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اتنی مقدار روزانہ ہمارے حوالہ کر دیا کرو، بقیہ سے ہمیں کچھ کام نہیں وہ تمہارا۔ اس طرح کا غلام ”عبدِ ماذون“ کہلاتا ہے۔ ان کا روزانہ تین صاع مقرر تھا، حضور کی سفارش سے ایک صاع کم ہو کر دو صاع رہ گیا تھا۔ صاع میں علماء کا اختلاف ہے، فقہائے حنفیہ کے نزدیک تقریباً چار سیر وزن کا ایک صاع ہوتا ہے۔ حضور کا یہ ارشاد کہ سیگی لگانا بہترین دوا ہے، بالکل صحیح ہے مگر اس کے مخاطب حرمین کے نوجوان ہیں اور ایسے ہی ہر گرم ملک کے رہنے والے کہ ان کا خون رقیق ہونے کی وجہ سے بدن کے سطحِ ظاہر کی طرف زیادہ مائل ہوتا ہے اور ملکی حرارت اس کو ظاہر کے زیادہ قریب کر دیتی ہے۔ اسی وجہ سے علماء چالیس سال سے زیادہ عمر والے کے لئے سیگی کو مفید نہیں بتاتے۔

(۲) حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک مرتبہ سیگی لگوائی اور مجھے اُس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا، میں نے اُس کو ادا کیا۔ **فائدہ:** اس حدیث میں بھی دو فائدے ہیں سیگی کے استعمال اور اُس کی اجرت ادا کرنے کا جواز۔

عن الشعبي، عن ابن عباس رضي الله عنه أظنّه قال: إن النبي احتجم في الأخدعين، وبين الكتفين، وأعطى الحجام أجره، ولو كان حراماً لم يُعطه. **حدثنا** هارون بن إسحاق، حدثنا عبدة، عن ابن أبي ليلى، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنه: أن النبي ﷺ دعا حجّاماً، فحجمه، هو أبو طيبة

(۳) ابن عباس رضي الله عنه کہتے ہیں کہ حضور نے گردن کی دونوں جانب پہننے لگوائے اور دونوں شانوں کے درمیان اور اُس کی اجرت بھی مرحمت فرمائی، اگر ناجائز ہوتی تو حضور کیسے مرحمت فرماتے۔

فائدہ: چونکہ سیٹگی لگانے میں منہ سے خون کھینچنا پڑتا ہے، اس وجہ سے بعض احادیث میں اس کمائی اور اس پیشہ کی بُرائی آئی ہے، جیسے کہ شروع میں گزرا ہے۔ بعض روایتوں میں اس کی کمائی کو خبیث فرمایا ہے، جس کی بنا پر بعض علماء اس کی اجرت کو ناجائز فرماتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ دونوں روایتوں میں اس طرح جمع کرتے ہیں کہ ممانعت کی روایت کو آزاد لوگوں کے حق میں بتاتے ہیں اور اجازت کی روایت کو غلاموں کے حق میں، اور چونکہ ابو طیبہ بھی غلام تھے اس لئے اجرت دینے میں کوئی اشکال نہیں۔ ابن جوزی فرماتے ہیں کہ خبیث اس لئے فرمایا کہ یہ ایک مسلمان کی ضرورت ہے جس کی اعانت دوسرے مسلمانوں پر واجب ہے، اس لئے بلا اجرت سیٹگی لگانا چاہئے تھا۔ غرض علماء اس بارے میں مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباس رضي الله عنه حضور کے اس فعل سے جواز پر استدلال کرتے ہیں کہ اگر یہ ناجائز ہوتی تو حضور کیوں مرحمت فرماتے۔

(۴) ابن عمر رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ حضور نے ایک سیٹگی لگانے والے کو بلایا جس نے آپ کے سیٹگی لگائی، حضور نے اُن سے ان کا روزانہ کا محصول دریافت فرمایا تو انھوں نے تین صاع بتلایا۔ حضور نے ایک صاع کم کر دیا اور سیٹگی لگانے کی اجرت مرحمت فرمائی۔

الشَّعْبِيُّ يَفْتَحُ شَيْئَ مَعْجَمَةٍ وَسُكُونٍ مِهْمَلَةٍ، عَامِرُ بْنُ شَرَاهِيلَ، سَبْعَةُ لَشَعْبٍ بَطْنٌ مِنْ هَمْدَانَ. [من أكاثر التابعين وأحد الأعلام، وُلِدَ فِي حُلَاةِ عَمْرِ رضي الله عنه، قَالَ: أَدْرَكْتُ خَمْسَانَةَ مِنَ الصَّحَابَةِ أَوْ أَكْثَرَ، وَقَدْ مَرَّ بِهِ ابْنُ عَمْرِ رضي الله عنه، وَهُوَ يُحَدِّثُ بِالْمَعَارِي فَقَدْ: شَهِدْتُ الْقَوْمَ وَهُوَ أَعْمَى مَا مَيَّ، وَقَالَ ابْنُ سِيرِينَ لِأَبِي بَكْرٍ: أَلَزِمَ الشَّعْبِيُّ، فَقَدْ رَأَيْتَهُ يَسْتَفْتِي وَأَصْحَابُ النَّبِيِّ ﷺ بِالْكُوفَةِ، وَقَالَ الرَّهْرِيُّ: الْعُلَمَاءُ أَرْبَعَةٌ: ابْنُ الْمُسَيَّبِ بِالْمَدِينَةِ، وَالشَّعْبِيُّ بِالْكُوفَةِ، وَالْحَمَّاسُ بِالبَصْرَةِ، وَمَكْحُولٌ بِالشَّامِ، وَلَا حَدَّثَتْ تَحْدِيثَ إِلَّا حِفْظُهُ، تَوَفَّى رحمہ اللہ سَنَةَ ثَلَاثٍ أَوْ أَرْبَعٍ وَمِائَةٍ.] **الأخدعين** [هما عرقان في جاني العنق، والحجامة على الأخدعين تجمع من أمراض الرأس والوجه والأذنين والأسنان والأف. **وبين الكتفين**: أي: عنى كاهله، وهو أعلى طهره، والحجامة على الكاهل تجمع من وجع المكين والحلق] **ابن أبي ليلى** [اسمه عبد الرحمن الأنصاري المدني ثم الكوفي]

وسأله: كم خراجك؟ فقال: ثلاثة أصع، فوضع عنه صاعاً، وأعطاه أجره. **حدثنا** عبد القلوس بن محمد العطار البصري، حدثنا عمر بن عاصم، حدثنا همام وجريد بن حازم قالوا: حدثنا قتادة **عن** أنس بن مالك **رضي الله عنه** قال: كان رسول الله ﷺ يحتجم في الأخدعين والكاهل، وكان يحتجم لسبع عشرة،

فائدہ: بظاہر یہ وہی ابو طیبہ ہیں جن کا قصہ باب کی پہلی حدیث میں گزر چکا ہے کہ ابتدا میں ان کا روزانہ محصول تین صاع یومیہ تھا، حضور کی سفارش پر ایک صاع کم کر دیا گیا اور دو صاع رہ گیا۔

(۵) حضرت انس **رضی اللہ عنہ** فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ گردن کی دونوں جانبوں میں اور ہر دو شانوں کے درمیان سیٹگی لگواتے تھے اور عموماً ۱۹ یا ۲۱ تاریخ میں اس کا استعمال فرماتے تھے۔

فائدہ: ان تاریخوں کی اور بھی بعض روایتوں میں خصوصیت آئی ہے، اطباء کا قول بھی اس کے موافق ہے۔ ابن سینا سے نقل کیا گیا ہے کہ سیٹگی لگانا مہینے کے شروع اور ختم میں اچھا نہیں ہے، بلکہ مہینے کے وسط میں ہونا چاہئے۔ اس روایت سے حضور اقدس ﷺ کا کثرت سے بار بار مختلف ایام میں سیٹگی لگوانا معلوم ہوتا ہے اور بھی جو روایات اس باب میں ذکر کی جارہی ہیں ان سے مختلف مقامات پر سیٹگی کا لگانا معلوم ہوتا ہے، جس کی وجہ یہ ہے کہ یہود نے خیبر میں حضور کو زہر قاتل کھلا دیا تھا جو نہایت سخت تھا اور مقصد یہ تھا کہ حضور کے وصال سے یہ مخالفت کا قصہ ہی ختم ہو جائے، اگرچہ اُس گوشت کو جس میں زہر تھا حضور نے پورا نوش نہ فرمایا تھا مگر جس قدر حصہ بھی کھایا گیا تھا اُس کا اثر یہ تھا کہ وہ سمیت مختلف اوقات

أصع اعترض على هذا الجمع: بأنه ليس في القاموس ولا في الصحاح، وإنما فيهما "أصوع" بالواو أو "أصوع" بالهمزة، وأجيب: بأن "أصع" مقلوب "أصوع" بالهمز، فصار "أصع" همزتين، ثم قست الثانية ألفاً. **والكاهل** بكسر الهماء، ما بين الكتفين، وقال ميرك: هو مقدم الظهر مما يلي العنق وهو الكند. قالوا: والحجامة على الأخدعين تمنع من أمراض الرأس والوجه والأذنين والعينين والأسنان، وعلى الكاهل تنفع من وجع المكب والحلق، وعلى ظهر القدم من قروح الفخذين والساقين وانقطاع اللبس والحكة العارضة في الأثنين.

لسبع: وأحرج أبو داود من حديث أبي هريرة مرفوعاً: من احتجم لسبع عشرة وتسع عشرة وإحدى وعشرين كان شفاءً من كل داء، وهو من رواية سعيد بن عبد الله الحمصي، وثقه الأكثرون ولبه بعضهم، وله شاهد من حديث ابن عباس عن أحمد والنيرمدی، رجاله ثقات لكنه معلول، وشاهد آخر من حديث أنس عن ابن ماجة وسنده ضعيف.

وتسع عشرة، وإحدى وعشرين. **حدثنا** إسحاق بن منصور، أخبرنا عبد الرزاق، عن معمر، عن قتادة، **عن** أنس بن مالك **رضي الله عنه** أن رسول الله ﷺ احتجم وهو مُحْرِمٌ بِمَلٍّ عَلَى ظَهْرِ الْقَدَمِ.

میں بالخصوص گرمی کے زمانہ میں بار بار عود کرتی تھی اور جس جانب مادہ کا زور ہوتا تھا اسی جانب حضور کو سینگ کے استعمال کی ضرورت ہوتی تھی اور یہی مادہ چونکہ خون میں حل کرنا ہے اور وہ سارے بدن میں سرایت کرتا ہے اس لئے مختلف مقامات پر اُس کا زور ہوتا تھا۔

(۶) حضرت انس **رضی اللہ عنہ** فرماتے ہیں کہ حضور اقدس **ﷺ** نے موضع غل میں (جو مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ ہے) حالت احرام میں پشت پر سینگ لگوائی۔

فائدہ: حالت احرام میں سینگ لگوانا بعض ائمہ کے نزدیک مکروہ ہے لیکن حنفیہ کے نزدیک جائز ہے بشرطیکہ بال نہ اکھڑے۔ ان روایات میں سینگ کا استعمال کثرت سے نقل کیا گیا ہے اور بھی احادیث کی کتابوں میں سینگ کا استعمال حضور کے قول اور فعل دونوں سے نقل کیا گیا ہے اور قصد کا استعمال نقل نہیں کیا گیا، حالانکہ اطباء کے نزدیک قصد بہ نسبت سینگ کے زیادہ نافع ہے اور بہت سے امراض میں اسیر ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں چیزیں علی الاطلاق نافع نہیں ہیں بلکہ ان میں تفصیل ہے۔ جاز کا ملک گرم ہے اور جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ اس ملک کے سینگ زیادہ مناسب ہے، اس لئے کہ موسم کے گرم اور سرد ہونے سے مزاجوں میں بے حد تفاوت ہو جاتا ہے۔ گرم ملکوں میں اور اسی طرح دوسرے ملکوں میں گرمی کے زمانہ میں حرارت بدن کے ظاہری حصہ پر آ جاتی ہے اور باطنی حصہ میں برودت کا اثر ہوتا ہے،

واحدی وعشیرین. [لأنَّ اللَّحْمَ فِي أَوَّلِ الشَّهْرِ وَآخِرِهِ يَسْكُنُ، وَبَعْدَ وَسْطِهِ يَنْتَفِذُ وَيَهْجُ، وَقَدْ وَرَدَ حَدِيثُ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْكَافَرِ أَحْمَسَ، وَالثَّلَاثَاءُ، وَالْأَثْنَيْنِ، وَاجْتَمَعُوا يَوْمَ الْأَرْبَعَاءِ وَالْخَمِيسَةِ وَالسَّبْتِ وَالْأَحَدِ، وَرَوَى أَنَّهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ: الْحَجَامَةُ عَلَى الرَّبِيقِ دَوَاءٌ، وَعَلَى الشَّعْبِ دَاءٌ، وَفِي سَعَةِ عَشْرَةٍ مِنَ الشَّهْرِ شِفَاءٌ، وَيَوْمَ الثَّلَاثَاءِ صَحَّةُ الْبَدَنِ، وَقَدْ أَوْصَانِي حَبِيبِي جَبْرِيلُ بِالْحَجَامَةِ، حَتَّى طُسْتُ أَنَّهُ لَا يَدَّ مِنْهَا.] **مُحْرِمٌ** كَرِهَهُ مَالِكٌ **رضي الله عنه**، وَالحديث حجة عليه، وقالت الحنفية: لَا بَأْسَ فِي احْتِجَامِ الْمُحْرِمِ مَا مِمَّا يَفْقَسُ شَعْرًا. **بِمَلٍّ** كَحَمَلٍ، مَوْضِعٌ بَيْنَ مَكَّةَ وَمَدِينَةٍ عَلَى سَعَةِ عَشْرِ مِيلًا مِنَ الْمَدِينَةِ، ظَرْفٌ لـ "احتجم".

یہی وجہ ہے کہ گرمی کے زمانہ میں پسینہ کی کثرت ہوتی ہے اور باطنی برودت کی وجہ سے کھانے کے ہضم میں دیر لگتی ہے اور مختلف امراض پیدا ہوتے ہیں، بخلاف سرد ملکوں کے۔ اور اسی طرح سے سردی کے زمانہ میں دوسرے ملکوں میں آدمی کی حرارت، حول کی سردی کی وجہ سے اندرون بدن میں چلی جاتی ہے جس کی وجہ سے ہضم میں قوت پیدا ہوتی ہے، پیشاب میں بھاپ لگتی ہے، امراض میں کمی ہوتی ہے، اسی لئے بقراط کا مقولہ ہے کہ سردی کے موسم میں اندرون بدن گرم زیادہ ہوتا ہے اور نیند زیادہ آتی ہے اور کھانا بسولت ہضم ہوتا ہے، اسی وجہ سے ثقیل غذائیں سردی میں بسولت ہضم ہو جاتی ہیں اور گرمی میں بدقت، اسی وجہ سے الہی حجاز کو شہد کجور وغیرہ گرم چیزوں کے استعمال سے نقصان نہیں ہوتا۔ سینگے میں چونکہ خون ظاہر بدن سے نکلتا ہے اور حجاز میں ظاہر بدن پر حرارت زیادہ ہوتی ہے اس لئے سینگے وہاں کے زیادہ مناسب ہے اور فصد میں اندرون بدن سے اور رگوں سے خون کھینچتا ہے اس لئے فصد وہاں کے مناسب نہیں ہے، اسی لئے حضور کے استعمال میں یہ منقول نہیں ہے۔

باب ما جاء في أسماء رسول الله ﷺ

حدثنا سعيد بن عبد الرحمن المخزومي وغير واحد قالوا: حدثنا سفيان، عن الزهري، عن محمد بن جبير بن مطعم رضي الله عنه، عن أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: إن لي أسماء،

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے بعض نام اور بعض القاب کا ذکر

فائدہ: حضور اقدس ﷺ پر بہت سے القاب معنی کے لحاظ سے تقظیم اور تعریفاً استعمال کیے گئے ہیں، چنانچہ ترمذی کی شرح میں ابن العربی سے ایک ہزار نام نقل کیے جاتے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک رسالہ مستقل حضور اقدس ﷺ کے ناموں میں تصنیف فرمایا ہے جس میں تقریباً پانچ سو نام ذکر کیے ہیں۔ احادیث میں خاص خاص مواقع میں خاص خاص ناموں کا ذکر کیا ہے، سب ناموں کا احصا کسی ایک روایت میں نہیں ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ میرے قرآن شریف میں سات نام ہیں۔ محمد، احمد، یس، ط، مزمل، مدثر، عبد اللہ۔ ناموں کی کثرت شرافت اور عزت پر عموماً دلالت کیا کرتی ہے۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے ہر باب میں مختصر مختصر نمونہ کے طور پر چند احادیث وارد کی ہیں، اس لئے اس باب میں بھی صرف دو حدیثیں ذکر فرمائی جن میں نو نام آگئے ہیں۔

(۱) جبیر بن مطعم رضي الله عنه کہتے ہیں کہ حضور نے یہ ارشاد فرمایا کہ میرے بہت سے نام ہیں، منجملہ اُن کے ”محمد“ ہے اور ”احمد“ ہے اور ”ماجی“ ہے، جس کے معنی مٹانے والے کے ہیں، حق تعالیٰ جل جلالہ نے میرے ذریعہ سے کفر کو مٹایا ہے۔ ایک نام ”حاشر“ ہے

أسماء جمع اسم، وهي: كلمة وصفت بإراء شيء، متى أصقلت فهم منها، وهي إما معرفة أو محصية، وفي كون الاسم عين المسمى أو غيره خلاف طويل الدليل. قال القاري: المراد بالأسماء ههنا: الألفاظ تطلق على رسول الله ﷺ، أعم من كونه عمداً أو وصفاً، وقد نقل ابن العربي في شرح الترمذي عن بعضهم: إن لله ألف اسم وللنبي ﷺ ألف اسم، ثم ذكر منها على سبيل التفصيل بصعاً وستين، والمصنف ذكر منها تسعة، وقد أورد السيوطي رسالة في الأسماء السوية، سماها — السبعة السوية، وقد قارنت الحماسة. [واقعة: أن كثرة الأسماء تدل على شرف المسمى]

إِن لِي أَسْمَاءٍ فِي رِوَايَةِ لِلْحَارِثِيِّ فِي خَمْسَةِ أَسْمَاءٍ أَيْ: أُحْتَصِرُ بِهَا، بِمِثْلِ أَحَدٍ قَسِيٍّ، أَوْ هِيَ مُعْطَمُهَا، أَوْ هِيَ مُشْهُورُهَا فِي الْأُمَمِ الْمَاضِيَةِ، فَالْحَصْرُ الَّذِي أَفَادَهُ تَقْلِيمُ الْجَارِ إِضَافِي.

أنا محمد، وأنا أحمد، وأنا الماحي الذي يمحو الله بي الكفر، وأنا الحاشر الذي يحشر الناس على قدمي، وأنا العاقب، والعاقب الذي ليس بعده نبي. **حدثنا** محمد بن طريف الكوفي، حدثنا أبو بكر بن عياش، عن عاصم، عن أبي وائل،

بفتح الطاء وكسر الراء المهملتين

کہ حق تعالیٰ شانہ قیامت میں حشر کے لئے سب سے پہلے آپ کو اٹھائیں گے اور تمام امت آپ کے بعد حشر کی جائے گی، اور اٹھائی جائے گی تو گویا حضور اقدس ﷺ تمام امت کے حشر کا سبب بنے۔ اور ایک نام میرا ”عاقب“ ہے جس کے معنی پیچھے آنے والے کے ہیں، حضور اقدس ﷺ سب انبیاء سے پیچھے تشریف لائے ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

فائدہ: اخیر کے تین نام مع وجہ تسمیہ کے ذکر کیے گئے لیکن اول کے دو ناموں کی وجہ روایت میں نہیں ہے، بظاہر اس وجہ سے کہ پہلے دو نام ہیں اور باقی صفات ہیں، یا اس وجہ سے کہ ان ناموں کی بہت سی وجوہ ہو سکتی ہیں، یا اس وجہ سے کہ ان کی وجوہ ظاہر تھیں۔ علامہ نے لکھا ہے کہ محمد حمد کا مبالغہ ہے، جس کے معنی ہیں بہت حمد کیا گیا۔ یا تو اس وجہ سے حضور کا نام ہے کہ آپ کی خصال حمیدہ بہت زیادہ ہیں، یا اس وجہ سے کہ آپ کی تعریف مرتبہ بعد مرتبہ کی گئی، یا اس وجہ سے کہ اللہ نے آپ کی کثرت سے حمد کی ہے اور اسی طرح ملائکہ نے، سابقین انبیاء نے، اولیاء نے، یا تقاؤل کے طور پر ہے کہ بہت زیادہ حمد کی جائے یا اس وجہ سے کہ اولین و آخرین سب ہی آپ کے شاخوواں ہیں اور قیامت میں سب ہی آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے جس کا نام ”حمد کا جھنڈا“ ہے اور احمد کے معنی ”زیادہ تعریف کرنے والا“ ہیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کے

محمد. [سمي بذلك إماماً من الله تعالى ورجاء لكثرة الحمد له، ولذلك قال جده لما قيل له: لم سميت ابنك محمدًا وليس في أسماء آبائك ولا من قومك؟ رجوت أن يُحمد في السماء والأرض، وقد حقق الله رجاءه، فإن الله حمده، وكذلك الملائكة والأنبياء والأولياء، وكما جاء: أن اسم محمد مكتوب على ساق العرش، وفي السموات السبع وفي قصور الجنة.]

أحمد: [سمي بذلك؛ لأنه ﷺ أحمد الحامدين لربه.] **يحشر:** بساء المجهول، والمعنى أنه يحشر قبل الناس، كما جاء في حديث آخر: أنا أول من تنشق عنه الأرض، فالمعنى أنهم يحشرون بعدي أو يتبعوني، وقيل: يحشرون على أثر زمان نبوتي، ليس بعدي بي. ثم كل من الماحي والحاشر في الحقيقة هو الله، فإطلاقهما عليه لكونه سببا لهما.

ليس بعده: قيل: هذا قول الزهري، قال الحافظ العسقلاني: ظاهره أنه مدرج، لكن في رواية سفيان بن عيينة عند الترمذي أي. في الجامع بمعظ: "الذي ليس بعدي نبي". **عياش:** بفتح عين مهملة وتشديد مثناة تحته آخره معجمة.

عن حذيفة رضی اللہ عنہ قال: لقيت النبي ﷺ في بعض طُرُق المدينة فقال: أنا محمد، وأنا أحمد، وأنا نبي الرحمة، ونبي التوبة، وأنا المقفي، وأنا الحاشر،

معنی بھی "زیادہ تعریف کیے گئے" ہوں، اس صورت میں یہ لفظ پہلے لفظ کے ہم معنی ہے، لیکن پہلے معنی زیادہ مشہور ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے آپ سب سے زیادہ اللہ ﷻ کی تعریف کرنے والے ہیں جو دنیا کے اعتبار سے بھی ظاہر ہے اور آخرت میں ہے ہی کہ قیامت میں حمد کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں ہوگا۔ مقام محمود آپ کے لئے ہے، شفاعت کے وقت آپ اللہ ﷻ کی ایسی حمد کریں گے جو کبھی بھی کسی نے نہ کی ہو۔ حضور خود ارشاد فرماتے ہیں کہ اُس وقت اللہ ﷻ کی وہ تعریفیں مجھے القا ہوں گی جو اس وقت متحضر نہیں ہیں۔ علماء نے لکھا ہے کہ "محمد" حضور کا مخصوص نام ہے جو پہلے لوگوں میں سے کسی نے نہیں رکھا، البتہ جب حضور کی ولادت کا زمانہ قریب تھا تو بہت سے لوگوں نے اس امید پر کہ شاید ہماری ہی اولاد ان بشارتوں کی مستحق بن جائے جو پہلی کتابوں میں ہیں اور یہی بن جائے، محمد نام رکھا، لیکن ﷺ نے ان سے منع کیا۔

(۲) حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ سے راستہ میں ملا۔ حضور تشریف لے جا رہے تھے تذکرۃ حضور نے ارشاد فرمایا کہ میرا نام "محمد" ہے اور "احمد" ہے اور "نبی الرحمة" ہے اور "نبی التوبہ" ہے اور میں "مقفی" ہوں اور "حاشر" ہوں اور "نبی لما حم" ہوں۔ **فائدہ:** ان اسماء کو خاص طور سے اس لئے ذکر کیا کہ یہ نام پہلی کتابوں میں پیشین گوئی کے طرز پر لکھے ہوئے تھے۔

نبی الرحمة. [قال تعالى: ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَن يَرْسُلَ بِالنُّفُوسِ الْمُنْتَهِيَةِ﴾ (الأنبياء: ۱۰۷) فقد رحم الله جميع محبوفات لأسمه به من الخسف والمسح وعذاب الاستيصال.] **ونبي التوبة:** [أي: نبي يخرج عن الله عز وجل بقوله بالتوبة بشرطها، أو نبي يأمر بالتوبة، أو نبي كثير التوبة، فقد ورد: أنه كان يستعير الله ويوب إليه في ليوم سبعين مرة أو مائة مرة.] **المقفي:** مفتاح القاف وكسر الغاء الشددة، أي: الذي قفى آثار من سبقه من الأنبياء ونوع أصورهم، قال تعالى ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَن يَرْسُلَ بِالنُّفُوسِ الْمُنْتَهِيَةِ﴾ (الأنبياء: ۹۰) يعني أنه متبع للأنبياء في أصل التوحيد ومكارم الأخلاق وإن كان مخالفاً بعضهم في بعض الفروع، وروي بصيغة المفعول، أي: الذي قفى آثار من سبقه من الأنبياء، أي: رُسُل من سبقه بعدهم وعظم في الرسالة، يقال: قفوت أثر فلان، أي: تبعته، وقفت على أثره فلا، أي: تبعته إليه، قال تعالى ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَن يَرْسُلَ بِالنُّفُوسِ الْمُنْتَهِيَةِ﴾ (المائدة: ۴۶) فحذف حرف الصلة في الحديث تخفيفاً.

وَنَبِيِّ الْمَلَا حِم. **حدثنا** إسحاق بن منصور، حدثنا التضر بن شميل، أخبرنا حماد بن سلمة، عن عاصم، عن زِرِّ، عن حذيفة، عن النبي ﷺ نحوه بمعناه. **هكذا قال حماد** بن سلمة عن عاصم، عن زِرِّ، عن حذيفة رضي الله عنه.

اہل کتاب ان اسماء و صفات سے آپ کو پہچانتے تھے۔ ان میں پہلا نام "نبی الرحمہ" ہے، جس کا ترجمہ ہے رحمت کا نبی یعنی حق تعالیٰ جس نے آپ کی ذات و صفات کو مسلمان اور کافر سب کے لئے باعثِ رحمت بنایا ہے، چنانچہ خود قرآن شریف میں ہے ﴿... نَسْتَبْرَأُ خَشِيَ الْمَلِئِكَةَ﴾ [الانبیاء: ۱۰۷] ہم نے تم کو تمام عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجی ہے۔

مسلمانوں کے لئے آپ کا رحمت ہونا تو ظاہر ہے کہ دنیا و آخرت میں آپ ہی کا وسیلہ ہے، کفار کے لئے اس لئے کہ حضور کے الطاف و شفقت کی وجہ سے پہلی امتوں کی طرح اس امت پر عذاب عامہ نازل نہ ہوا بلکہ قرآن پاک میں یہ وعدہ ہو گیا کہ آپ کے ہوتے ہوئے ان کافروں کو ہر گز عذاب نہ کریں گے۔ اور نیز اتنے آپ کے دین کا بقا رہے گا اتنے تمام عالم کا نظام باقی رہے گا، جس وقت تمام دنیا میں ایک بھی اللہ کا نام لینے والا باقی نہ رہے گا نظام عالم درہم برہم ہو کر قیامت قائم ہو جائے گی۔ نیز آپ کی بعثت تمام عالم کے لئے ہے، کسی امت یا جماعت کی خصوصیت نہیں ہے، اس لحاظ سے بھی آپ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں کہ جس کا دل چاہے اس رحمت میں داخل ہو جائے۔ نیز آپ لوگوں کے آپس میں تراحم اور ایک دوسرے کے ساتھ رحمت اور شفقت کی تعلیم لے کر آئے ہیں، اس لحاظ سے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز اللہ کی رحمت کے دروازے آپ کی وجہ سے کھلے ہوئے ہیں۔ نیز آپ اللہ کی رحمتوں کی خبریں اور بشارتیں دینے والے ہیں،

الملاحم بفتح الميم وكسر الحاء المهملة، جمع ملحمة، وهي: الحرب دات القتل الشديد، سمي بها لاشتراك الناس فيها كالسدى والنحمة في الثوب، وقيل: لكثرة لحوم القتلى فيها، سمي بها لكثرة الجهاد مع الكفار في أيام دولته، وكذا بعده مستمر في أمته إلى أن يقتل آخرهم الدجال، وفي القاموس: سمي به لأنه سب لاتبائهم واجتماعهم، وقال شارح: الملحمة: الواقعة العظيمة في الفتنة. **هكذا قال حماد** ذكر المصنف هذا السد الثاني لمكان الاختلاف بين السديين، ثم سب هذا الكلام عني محل اختلاف بأن حماد بن سلمة م يقل: عن عاصم، عن أبي وائل كما قاله أبو بكر بن عياش، بل ذكر بدل أبي وائل زراً. [واختلاف الإسنادين من راويين محمول على تعدد الطرق]

ان معافی کے اعتبار سے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں۔ نیز آپ کا دین سراسر رحمت ہے۔ اس لئے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں، نیز آپ کی امت کی صفت قرآن شریف میں ﴿رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ﴾ [الفتح: ۲۹] وارد ہوئی ہے، یعنی آپس میں رحمت کا برتاؤ کرنے والے، اس لحاظ سے بھی آپ رحمت کے نبی ہیں۔ دوسرا نام آپ کا ”نبی التوبہ“ ہے جس کا ترجمہ ہے توبہ کا نبی کہ آپ کی امت کے لئے صرف توبہ اپنے شرائط کے ساتھ گناہوں کی معافی کے لئے کافی کر دی گئی، بخلاف بعض پہلی امتوں کے کہ ان کی توبہ قبول ہونے کے لئے قتل نفس وغیرہ شرط تھا۔ نیز آپ امت کو کثرت سے توبہ کا حکم کرنے والے ہیں۔

نیز آپ خود نہایت کثرت سے توبہ کرنے والے ہیں، ان وجوہ میں سے ہر وجہ ایسی ہے جس کی بناء پر حضور کو توبہ کا نبی کہا جاسکتا ہے۔ ایسے ہی ایک نام ”مقتی“ ہے یعنی سب سے پیچھے آنے والا، جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو، یا پہلے انبیاء کا اتباع کرنے والا۔ علماء نے دونوں معنی لکھے ہیں۔ دوسرے معنی کا حاصل یہ ہے کہ اصل توحید اور اصول دین میں آپ جملہ انبیاء علیہ السلام کے موافق تھے اور تمام انبیاء ایک دوسرے کے اصل دین، توحید اور مکارم اخلاق میں موافق رہے، فروعات مذہب میں اختلاف رہا۔ ایک نام ”حاشر“ ہے جس کا مطلب گذشتہ حدیث میں گزر چکا ہے۔

ایک لقب آپ کا ”نبی الملاحم“ ہے (یعنی لمحوں کا نبی) طعمہ اُس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں بہت کثرت سے قتل و قتل ہو۔ حضور کے اس نام کی وجہ ظاہر ہے کہ جہاد جس قدر حضور کے زمانہ میں اور حضور کی امت میں ہوا اتنا کسی نبی کی امت میں نہیں ہوا، نیز اس امت میں ہمیشہ رہے گا، چنانچہ آپ کی مہین گوئی ہے کہ میری امت میں جہاد قیامت تک رہے گا حتیٰ کہ اخیر حصہ امت و دجال سے قتال کرے گا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس لفظ کے معنی اجتماع اور التیام کے ہیں اور حضور کی امت میں جو اجتماعی صورت گزر چکی ہے اور باوجود اختلافات اس گئے گزرے دور میں بھی پائی جاتی ہے، کسی نبی کی امت میں ایسی مسلسل نہیں پائی جاتی۔ نیز طعمہ کے معنی فتنہ عظیم کے بھی ہیں، اس معنی کے اعتبار سے بھی حضور کا نام صحیح ہے، اس لئے کہ اس امت میں قیامت کے قریب ایسے بڑے بڑے اور سخت سخت فتنے پیدا ہوں گے جن کی نظیر کسی نبی کی امت میں نہیں ہے، ایک دجال ہی کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ حد نہیں ہے۔ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر ہر نبی نے دجال کے فتنے سے لوگوں کو ڈرایا ہے۔ ایسے ہی یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ وغیرہ سخت حوادث آنے والے ہیں جن کے آثار شروع ہیں۔ اللّٰهُمَّ احفظنا منها بمتنك وفضلك وجاه نبيك وحبیبك۔

باب ما جاء في عيش النبي ﷺ

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا أبو الأحوص، عن سيماء بن حرب،

باب - حضور اقدس ﷺ کے گزر اوقات کا ذکر

فائدہ: یہ باب پہلے بھی گذر چکا ہے۔ بعض نسخوں میں سب روایات ایک ہی جگہ ذکر کی ہیں، مقام کے مناسب بھی یہی بات ہے، لیکن جو نسخے ہمارے پاس موجود ہیں ان میں یہ باب مکرر پایا جاتا ہے۔ اگر نقل کرنے والوں کی غلطی سے ایسا نہیں ہوا تو بہت ممکن ہے کہ خود امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے کسی مصلحت سے اس کو مکرر لکھا ہو۔ غور سے متفرق مصالح اس کی سمجھ میں آتی ہیں، ممکن ہے کہ امام ترمذی نے ایک لطیف اشارہ اس طرف کیا ہو کہ حضور کا اس فقر اور تنگی کو اختیار فرمانا ابتدا سے لے کر اخیر تک رہا، اس لئے ابتدائی زمانہ کی طرف اول اشارہ فرمایا اور وفات کے قریب اس باب کو ذکر فرما کر اخیر زمانہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ باوجود خیر اور حنین وغیرہ کی غنیمتوں کے اپنا حال وہی فقر و فاقہ تھا اور حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ جل جلالہ حرص و طمع دور فرمائے تو فقر و فاقہ میں بھی لذت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حق تعالیٰ جل جلالہ نے فرمایا کہ میرے لئے مکہ کی زمین کو سونے کی بنادے۔ میں نے عرض کیا: یا اللہ! یہ نہیں بلکہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں تاکہ تیرا شکر کروں اور ایک دن بھوکا رہوں کہ تیرے سامنے عاجزی کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں تم لوگوں پر فقر و فاقہ سے نہیں ڈرتا بلکہ اس سے ڈرتا ہوں کہ تم پر دنیا اس طرح پھیل جائے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر پھیل گئی تھی اور تم اس میں اس طرح دل لگانے لگو جس طرح ان لوگوں نے دل لگایا اور یہ تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسا کہ ان کو ہلاک کر دیا۔ اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جگہ دعا فرمائی ہے کہ اے اللہ! محمد کی اولاد کی روزی بقدر کفایت تجویز فرما (مشکوٰۃ)۔ مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے اس موجودہ باب میں نو حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں سے بعض مکرر ہیں جو پہلے ابواب میں گزر چکی ہیں۔

باب الخ هذه الترجمة مكررة، تقدمت في أول الكتاب، ولا شك أن زيادة بعض الأحاديث في باب لا توجب تكرار العنوان، وبعضهم ذكروا هناك توجيهات متكيفة. **في عيش النبي ﷺ**. [أي: باب بيان ما ورد من الأحاديث في كيفية معيشته ﷺ] حال حياته، وقد ذكر هذا الباب سابقاً، وأعادته بزيادات أخرجته عن التكرار، وهذا الباب مما يدل على ضيق عيش في آخر أمره، وذلك مما يدل على أول أمره إشارة إلى استواء حاله. [حدثنا قتيبة الخ الحديث بسنده ومثله مكرراً، تقدم في باب صفة إدام النبي ﷺ].

قال: **سمعت** النعمان بن بشير يقول: **أَلَسْتُ** في طعام وشراب ما شتتم؟ لقد رأيت نبيكم ﷺ وما يجد من الدَّقَل ما يملأ بطنه. **حدثنا** هارون بن إسحاق، حدثنا عبدة، عن هشام بن عروة، عن أبيه، **عن** عائشة رضي الله عنها قالت: إن كنا - آل محمد - نمكثُ شهراً ما نستوقد بنار، إن هو إلا التمر والماء. **حدثنا** عبد الله بن أبي زياد، حدثنا سيار، حدثنا سهل بن أسلم، عن يزيد بن أبي منصور، عن أنس،

(۱) نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کیا تم لوگ کھانے پینے میں اپنی مرضی کے موافق منہک نہیں ہو؟ (اور جتنا دل چاہے تم لوگ نہیں کھاتے ہو؟) حالانکہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو دیکھا ہے کہ آپ کے یہاں ردی کھجوریں بھی پیٹ بھر نہیں تھیں۔ **فائدہ:** یہ حدیث سالن کے باب میں دوسرے نمبر پر گزر چکی ہے۔

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی حضور کے اہل و عیال ایک ایک ماہ تک ٹھہرے رہتے ہمارے یہاں آگ نہیں جلتی تھی، صرف کھجور اور پانی پر گزارا تھا۔ **فائدہ:** آگ نہ جلنے کا مطلب یہ ہے کہ پکانے کے لئے کوئی چیز ہوتی ہی نہ تھی جس کے لئے آگ جلائی جاتی۔ علماء نے لکھا ہے کہ پانی کا تذکرہ اس لئے فرمایا کہ کھجور بھی اتنی نہ تھی کہ بغیر پانی کی مدد کے پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہوتی، بلکہ چند کھجوریں کھانے کے بعد پانی پینے سے پیٹ بھرنے کی مقدار ہوتی تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ دو مہینے کامل گزر جانے کے بعد تیسرے مہینے کا چاند نظر آ جاتا تھا اور حضور کے گھروں میں مطلقاً آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک چاند پھر دوسرا چاند ہو جاتا تھا، حضور کے گھروں میں سے کسی گھر میں بھی آگ جلنے کی نوبت نہ آتی تھی۔

الستم: [أي: أَلَسْتُ متعمين في طعام وشراب الذي شتتموه من التوسعة والإفراط.] ما شتتم 'ما شتتم' صفة مصدر محذوف، أي: أَلَسْتُ متعمين في طعام وشراب مقدار ما شتتم، فـ'ما' موصولة، ويحور أن يكون مصدرية. **ال محمد** بدل من ضمير الماعل وبالنصب على المدح، أو بتقدير 'أعني'، وجعله خبر 'كنا' بعيد؛ لأن مقصود بالإفادة ليس كونهم آل محمد، بل قولها: 'نمكثُ' ما نستوقد حال، وجعله خبر 'بعد حير بعيد' [أي ما نوقد نار الطبخ أو الحير.] عبد الله بن أبي زياد بالإضافة إلى لفظة الخلالة، فما في بعض النسخ بدونه تصحيف من اساع، وبلفظ الخلالة أخرجه المصنف في جامعه.

عن أبي طلحة ؓ قال: شكونا إلى رسول الله ﷺ الجوع، ورفعنا عن بطوننا عن حَجَرٍ حَجَرٍ،

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عروہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ خالہ جان! پھر کس چیز پر گزارہ تھا؟ فرمایا کہ کھجور اور پانی، البتہ حضور ﷺ کے کچھ پڑوسی انصار میں ایسے تھے جن کے یہاں دودھ کے جانور تھے، ان میں سے کوئی ہدیہ کے طور پر دودھ پیش کر دیتا تو وہ ہم کو بھی پلایا جاتا تھا۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ ڈیزھ مہینہ مسلسل ایسا گزر جاتا کہ حضور کے گھر میں روشنی کے لئے یا کسی اور چیز کے لئے آگ نہ جلتی تھی۔ روشنی کے لئے آگ جبنے سے مراد چراغ کا جلنا ہے (جمع الوسائل) ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بکری کی ایک ٹانگ پیش کی، رات کا وقت تھا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اندھیرے ہی میں اُس کے ٹکڑے کرنے لگیں، کسی نے کہا کہ گھر میں چراغ نہیں ہے؟ فرمانے لگیں کہ اگر چراغ میں جلانے کے لئے تیل ہوتا تو اُس کو کھانے ہی میں نہ استعمال کرتے۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضور نے اپنے اور اپنے گھر کے لوگوں کے لئے اس حالت کو پسند فرمایا، حالانکہ خزانوں کی کھیاں حضور پر پیش کی گئیں، اس کے بعد امت چار حصوں پر منقسم ہو گئی: ایک وہ جماعت جنہوں نے نہ تو خود دنیا کی طرف رُخ کیا نہ دنیا ہی نے ان کا ارادہ کیا، جیسا کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ۔ دوسری وہ جماعت جنہوں نے دنیا کا رُخ نہ کیا لیکن دنیا نے ان کا ارادہ کیا، جیسے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ۔ تیسرے وہ لوگ جنہوں نے دنیا کی طرف رُخ کیا، اور دنیا نے بھی ان کی طرف رُخ کیا جیسے بنو امیہ کے بادشاہ عمر بن عبدالعزیز کے علاوہ۔ چوتھے وہ لوگ جنہوں نے دنیا کا ارادہ کیا، مگر دنیا نے ادھر کا رُخ نہ کیا جیسے وہ لوگ جن کو اللہ نے فقیر بنایا اور دنیا کی محبت ان کے دل میں ہو گئی۔ (مناوی)۔

(۳) ابو طلحہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اقدس ﷺ سے شدتِ بھوک کی شکایت کی اور اپنے پیٹ پر بندھے ہوئے پتھر دکھائے کہ ہر شخص کے پیٹ پر بھوک کی شدت کی وجہ سے ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور اقدس ﷺ نے اپنے پیٹ پر دو پتھر بندھے ہوئے دکھائے کہ حضور کو شدتِ بھوک ہم سے زیادہ تھی اور ہم سے زیادہ وقت بدون کھائے گزر چکا تھا۔

عن بطوسا حکمی عن الطیعی: أن "عن" الأولى متعلق بـ "رفعنا" بتصميم معنى الكشف، والثانية صفة مصدر محذوف، أي: كشفنا ثيابا عن بطوسا كشفا صادراً عن حجر حجر، وقال ريس العرب: "عن حجر" بدن اشتغال عما فقه.

فرفع رسول الله ﷺ عن بطنه عن حجرين. قال أبو عيسى: هذا حديث غريب من حديث أبي طلحة لا نعرفه إلا من هذا الوجه.

فائدہ: اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ شدت بھوک کے وقت جب عاجز ہو جاتے تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے تاکہ اُس کی سختی کی وجہ سے چلنے پھرنے میں ضعف لاحق نہ ہو۔ بعض علماء کی رائے ہے کہ یہ مدینہ کے ایک پتھر کے ساتھ خاص ہے جس کا نام ”مشبع“ ہے، اُس پتھر میں اللہ جل جلالہ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ اُس کے باندھ لینے سے بھوک میں کسی قدر تسکین ہو جاتی ہے لیکن ظاہر پہلا ہی قول ہے، اس لئے کہ اب بھی اکثر ایسا کیا جاتا ہے کہ شدت بھوک کے وقت پیٹ سے کسی کپڑے کا سخت باندھ لینا ضعف اور بھوک کی بے چینی میں مفید ہوتا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ خالی پیٹ میں لٹخ پیدا ہونے کا احتمال ہوتا ہے اور پتھر کو یا کسی سخت چیز کو باندھ لینے سے اس سے امن رہتا ہے۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ جب پیٹ بالکل خالی ہو جائے تو انتڑیوں کے اتر جانے کا خدشہ ہوتا ہے، بالخصوص چنے پھرنے میں اور پیٹ کو باندھ لینے سے یہ خدشہ نہیں رہتا، نیز پیٹ کے بالکل خالی ہو جانے سے کمر بھی جھک جاتی ہے، کبڑا ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس حدیث پر ایک قوی اشکال ہے،

فرفع إلخ: أشكل على الحديث بروايات الوصال وقوله عليه الصلوة والسلام: يطعمني ربي ويسقيني، ولذا اضطر ابن حبان إلى إنكار أحاديث "وضع الحجر" رأساً، وليس كذلك، وإنما ثابتة بوجوه، فلا بد من الجمع: بأن الإطعام منه تعالى مخصوص بالوصل، أو يجمع بشيء آخر. يمثل الاختلاف الأحوال باختلاف الأوقات، أو بحمل ذلك على أول الأمر، وقال المناوي: فعل ذلك؛ ليعلم صحبه أن ليس عنده ما يستأثر به عيهم، لا أنه فعله من شدة الجوع، فإنه كان يبيت عند ربه ليطعمه ويسقيه، ويدل لذلك ما جاء عن جمع: أنه كان مع ذلك لا يتبين عليه أثر الجوع أصلاً، وهذا يعلم أن لا ضرورة إلى ما سلكه أبو حاتم ابن حبان من إنكار أحاديث "وضع الحجر" رأساً في قوله: إنما باطلة لخبر الوصال، وإن الرواية إنما هي "الحجر" بالزاي فتصحف، قال الحافظ ابن حجر: وقد أكثر الناس في الرد عليه.

هذا الوجه قال القاري: يعني غرابته ناشئة من طريق أبي طلحة لأمس سائر الطرق، وقال ميرك: ورواياته ثقافت، يعني فلا يصبره العرابية، وإنما لا تنافي الصحة والحسن، فإن العريب ما يتعمد برواية عدل صابط من رجال النقل، فإن كان التعمد برواية منه فهو غريب متنا، وإن كان برواية عن غير المعروف عنه، كأن يعرف عن صحابي فيرويه عدل وحده عن صحابي آخر فهو غريب إسناداً، وهذا هو الذي يقول فيه الترمذي: غريب من هذا الوجه، نحوه جرم المناوي إذ قال: غرابته ناشئة من طريق أبي طلحة لا من سائر الطرق، وقال السيحوري: غريب من حديث أبي طلحة، أي: حال كونه من حديث أبي طلحة.

ومعنی قوله: "ورفعنا عن حَجَرٍ حَجَرٍ" کان أحدہم یشدُّ فی بطنہ الحجر من الجہدِ والضَّعفِ الَّذی بہ من الجُوعِ.

وہ یہ کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون وارد ہوا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھا کرتے تھے اور جب صحابہ کرام نے حضور کے اتباع میں روزوں کے تسلسل کا ارادہ کیا تو حضور نے منع فرما دیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ میری خصوصیت ہے کہ بغیر افطار کے کئی دن کا مسلسل روزہ رکھوں، اس لئے کہ حق تعالیٰ بَلِّغْنَا مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیں۔ یہ کھلانا پلانا کس طرح ہوتا تھا، یہ اپنی جگہ پر ہے، لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر کھانا پینا چھوڑنے سے حضور پر بھوک کا اثر محسوس نہ ہوتا تھا، ایسی صورت میں پیٹ سے پتھر باندھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور چونکہ روزے والی روایات کثیرہ ہیں اس لئے بعض علماء نے محدثین کے قواعد کے ماتحت ان پتھر والی روایتوں کو ضعیف قرار دیا۔ لیکن اکثر محدثین کی تحقیق یہ ہے کہ اس مضمون کی روایت بھی کئی ہیں، نیز روزے والی روایتوں سے کوئی ایسی مخالفت بھی نہیں ہے کہ دونوں کا مختلف حالات پر حمل نہ ہو سکتا ہو، اس لئے ان روایات کے ضعیف قرار دینے کی ضرورت نہیں اس کے بعد پھر مختلف اقوال ان دونوں روایتوں کے متعلق وارد ہوئے ہیں۔

نمبر ۱: پتھر والی روایات ابتدائے زمانہ کی ہوں اور یقیناً حضور اکرم ﷺ کی ترقیات روز افزوں تھیں اس لئے کھلانے پلانے والی روایات بعد کی ہوں۔

نمبر ۲: کھلانا پلانا روزے کی حالت کے ساتھ مخصوص ہو اور عام مؤمنین میں بھی یہ بات مشاہدہ میں آتی ہے کہ روزے کی حالت میں فاقہ کا اثر اور تعب اتنا نہیں ہوتا جتنا بغیر روزے کے فاقہ سے مشقت اور بار ہوتا ہے، تو پھر حضور کا کیا کہنا جہاں روزہ حقیقی اور کمال کے درجہ پر تھا۔

ومعنی: هذا أحد الوجوه الواردة فيه، قال المناوي: كعادة أهل الرياضة أو العرب أو أهل المدينة إذا خلت أجوافهم لئلا تسرخي، أو لأن البطن الخالي يضعف صاحبه عن القيام لتقوُّس ظهره، ولأنه يسكن أو يدفع النفخ أو ألم الجوع؛ لأن مجلب الجوع من شدة حرارة المعدة الحريية، فإذا انضمت على المعدة الأحشاء حمدت نارها بعض الحمود فسكن الألم بعض السكون.

الجهد: بضم الجيم، وفي نسخة بفتحها، فقيل: بالصم: الوسع والطاقة، وبالفتح: المشقة، وقيل: بالمبالغة والغاية، وقيل: هما لعتان في الوسع والطاقة، فأما في المشقة والغاية فالفتح لا غير، و"من" تعليلة. الذي. بإفراد الموصول، و"من" بيانية للموصول أو ابتدائية.

حدثنا محمد بن إسماعيل، حدثنا آدم بن أبي إياس، حدثنا شيبان أبو معاوية، حدثنا عبد الملك بن عمير، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن، عن **ع** أبي هريرة **ر** قال: **خ**رج النبي **ص** في ساعة لا يخرج فيها، **[أي من بيته]**

نمبر ۳: مختلف حالات کے اعتبار سے دونوں حالات حضور کے بھی ہوتے ہوں، جیسا کہ مشائخ سلوک کے مختلف احوال ہوا کرتے ہیں۔ اس قول کے موافق ان روایات کو ابتدائے زمانہ پر محسوس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اخیر زمانہ میں بھی مختلف اوقات کے اعتبار سے مختلف احوال ہو سکتے ہیں۔

نمبر ۴: حضور پر بھوک کا اثر یقیناً نہیں ہوتا تھا، اس کے باوجود پتھروں کا باندھنا فقراء اور مسکین کے ساتھ اشتراک عمل کی غرض سے تھا اور عام دستور ہے کہ جس مشقت اور تکلیف میں اپنے بڑے بھی مبتلا ہو جاتے ہیں اُس میں سعادت مند چھوٹوں کے لئے ان کے مقابلہ میں اپنی تکلیف کا التفات بھی نہیں رہتا۔ پھر صحابہ کرام جیسے سعید عشق کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

نمبر ۵: حق تعالیٰ کی طرف سے کھانا پلانا اعزاز و اکرام ہی تو تھا، کوئی وجوہی امر نہ تھا، تو کسی وقت جب کہ صحابہ کرام پر تنگی و غمِرت کا غلبہ ہو، فقر و فاقہ اس حالت پر پہنچ گیا ہو کہ پیٹ سے پتھر باندھنا پڑ جائیں، حضور خود اُس اکرام سے مستفید نہ ہوتے ہوں کہ بچہ اگر بھوک میں تڑپتا ہو تو ماں کے حلق میں ٹکڑا اٹکا کرتا ہے، پھر حضور کی امت پر شفقت کا کیا پوچھنا! جہاں ہزاروں ماؤں کی شفقتیں قربان۔

(۶) حضرت ابو ہریرہ **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ ایسے وقت دولت خانہ سے باہر تشریف لائے کہ اُس وقت نہ تو حضور کی عادت شریفہ باہر تشریف لانے کی تھی نہ کوئی شخص حضور کی خدمت میں اُس وقت دولت خانہ پر حاضر ہوتا تھا۔ حضور کی باہر تشریف آوری پر حضرت ابو بکر صدیق **رضی اللہ عنہ** حاضر ہوئے۔ حضور نے ابو بکر **رضی اللہ عنہ** سے خلاف معمول بے وقت آنے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے عرض کیا: جمالِ جہاں آرا کی زیارت اور سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں (یہ حضرت ابو بکر صدیق **رضی اللہ عنہ** کے کمالِ تناسب کی وجہ سے تھا کہ حضور اقدس ﷺ کو اگر خلاف عادت باہر تشریف آوری کی نوبت آئی تو اُس یکجاں و وقالب پر بھی اس کا اثر ہوا۔ بندہ کے نزدیک یہی وجہ اولیٰ ہے اور یہی کمالِ تناسب بڑی وجہ ہے نبوی دور کے ساتھ

ولا يلقاه فيها أحد، فأتاه أبو بكر فقال: ما جاء بك يا أبا بكر؟ فقال: خرجت ألقى رسول الله ﷺ، وأنظر في وجهه، والتسلیم عليه، فلم يلبث أن جاء عمر،
 منع بوجهه

خلافتِ صدیقیہ کے اتصال کی کہ حضور کے وصال کے بعد اگر کوئی دوسرا خلیفہ ہوتا تو مناسبت تامہ نہ ہونے کی وجہ سے وقتی احکام میں کچھ تغیر ضرور ہوتا اور صحابہ کرام کے لئے حضور کے فراق کے ساتھ یہ دوسرا مرحلہ مل کر رنج و ملال کو ناقابل برداشت بنانے والا ہوتا، بخلاف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے کہ حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس درجہ اتصال اور قلبی یک جہتی تھی کہ جن مواقع پر جو حضور کا طرزِ عمل تھا وہی اکثر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا بھی تھا، چنانچہ حدیبیہ کا قصہ مشہور ہے جس کا ذکر حکایاتِ صحابہ میں بھی گزر چکا ہے۔ مسلمانوں نے نہایت دہک کر ایسی شرائط پر کفار سے صلح کی تھی کہ بعض صحابہ اس کا تحمل بھی نہ کر سکے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت جوش میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے برحق نبی نہیں ہیں؟ حضور نے ارشاد فرمایا: بے شک۔ حضرت عمر: کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضور: بے شک۔ حضرت عمر: پھر ہم کو دین کے بارے میں یہ ذلت کیوں دی جا رہی ہے؟ حضور: میں اللہ کا رسول ہوں اور اس کی نافرمانی نہیں کر سکتا، وہی میرا مددگار ہے۔ حضرت عمر: کیا آپ نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضور: بے شک، لیکن کیا میں نے یہ بھی کہا تھا کہ اسی سال مکہ میں جائیں گے؟ حضرت عمر: نہیں، یہ تو نہیں کہا تھا۔ حضور: بس تو مکہ میں ضرور جائے گا اور طواف کرے گا۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسی جوش میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اے ابو بکر! کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر: بے شک۔ حضرت عمر: کیا ہم حق پر اور دشمن باطل پر نہیں ہے؟ حضرت ابو بکر: بے شک۔ حضرت عمر: پھر دین کے بارے میں ہم ذلت کیوں دیے جا رہے ہیں، حضرت ابو بکر: او آدی! یہ بلا تردد سچے رسول ہیں اور اللہ کی ذرا بھی نافرمانی کرنے والے نہیں ہیں، وہی ان کا مددگار ہے

ما جاء من الماء لتعدية، أي: ما الذي أحضر في هذا الوقت؟ والتسليم بالنصب على أنه معمول فعل مقدر معطوف على الفعلين، أي: ألقى وأنظر وأريد التسليم، وبالجر، أي: أشرف بالتسليم عليه، أو عطف على "ألقى" بحسب المعنى، أي: لبقائه ﷺ والتسليم عليه.

فقال: ما جاء بك يا عمر؟ قال: الجوع يا رسول الله! فقال النبي ﷺ: وأنا قد وجدت بعض ذلك،

توان کی رکاب کو مضبوط پکڑے رہ۔ حضرت عمر: کیا انھوں نے ہم سے یہ نہیں کہا تھا کہ ہم مکہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟ حضرت ابو بکر: کیا تجھ سے یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ اسی سال جائیں گے؟ حضرت عمر: نہیں، یہ تو نہیں کہا تھا۔ حضرت ابو بکر: تو مکہ میں جائے گا اور طواف کرے گا۔ (بخاری شریف میں یہ فقرہ مفصل مذکور ہے اور بھی اس قسم کے متعدد واقعات حیرت انگیز ہیں۔ حتیٰ کہ اگر حضور سے اجتہادی خطا ہوئی تو اُس میں بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ شریک ہیں، جیسا کہ بدر کے قیدیوں کے معاملہ میں جس کا فقرہ سورۃ انفال کے اخیر میں ہے۔ اس صورت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا اس وقت خلاف معمول باہر آنا ”دل را بدل رہیست“ حضور کے قلب اطہر کا اثر تھا، گو بھوک بھی لگی ہوئی ہو۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا آنا بھی بھوک کے تقاضے کی وجہ سے تھا، لیکن حضور کے چہرہ انور کو دیکھ کر اُس کا خیال بھی جاتا رہا، اسی لئے حضور کے استفسار پر اُس کا ذکر نہیں کیا۔

یاد سب کچھ ہیں مجھے ہجر کے صدے ظالم بھول جاتا ہوں مگر دیکھ کے صورت تیری

بعض علماء نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی تشریف آوری بھوک ہی کی وجہ سے تھی، مگر اس کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ حضور کو گرانی نہ ہو کہ دوست کی تکلیف اپنی تکلیف پر غالب ہو جایا کرتی ہے) تھوڑی ہی دیر گزری تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے، حضور نے اُن سے بھی بے وقت حاضری کا سبب پوچھا، انھوں نے عرض کیا کہ حضور! بھوک کی وجہ سے حاضر ہوا ہوں۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ بھوک تو کچھ میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔ اس کے بعد تینوں حضرت ابو الہیثم انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے۔ وہ اہل ثروت لوگوں میں تھے، کھجوروں کا بڑا باغ تھا، بکریاں بھی بہت سی تھیں، البتہ خادم اُن کے پاس کوئی نہیں تھا، اس لئے گھر کا کام سب خود ہی کرنا پڑتا تھا۔ یہ حضرات جب اُن کے مکان پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ گھروالوں کے لئے میٹھا پانی لینے گئے ہیں جو خادم نہ ہونے کی وجہ سے خود ہی لانا پڑتا تھا۔

بعض ذلك وفي رواية مسم عن أبي هريرة أيضاً، فإذا هو بأبي بكر وعمر فقال: ما أخرجكما من بيوتكما هده الساعة؟ قالوا: الجوع يا رسول الله! قال أما والدي نفسي بيده لأخرجني الذي أخرجكما، فقيل: هما قضيتان، أو لما جاء عمر وذكر الجوع ذكره أبو بكر أيضاً، وروي في معنى الباب عن جابر، قال القاري. وبعض الريادات في بعض الروايات محدوفة من بعض الرواة.

فَانْطَلَقُوا إِلَى مَنْزِلِ أَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيْهَانِ الْأَنْصَارِيِّ، وَكَانَ رَجُلًا كَثِيرَ النَّخْلِ وَالشَّاءِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خَدَمٌ، فَلَمْ يَجِدُوهُ فَقَالُوا لَامْرَأَتِهِ: أَيْنَ صَاحِبُكِ؟ فَقَالَتْ: انْطَلِقْ يَسْتَعِذُّ لَنَا الْمَاءَ، فَلَمْ يَلْبَثُوا أَنْ

آئی: بھیء لنا بالماء العذب

جاء أبو الهيثم بقربة يزعجها،

أي إلا أن جاء أو لأن جاء

لیکن ان حضرات کے پہنچنے پر تھوڑی دیر گزری تھی کہ وہ بھی مشکیزہ کو جو مشکل سے اٹھاتا تھا، بدقت اٹھاتے ہوئے واپس آگئے اور حضور کی زیارت سے مشرف ہو کر (اپنی خوش قسمتی پر ناز کرتے اور زبان حال سے:

ہم نہیں جب میرے ایام بھٹے آئیں گے بن بلائے میرے گھر آپ چے آئیں گے

پڑھتے ہوئے) حضور سے لپٹ گئے اور حضور پر اپنے ماں باپ کو نثار کرنے لگے، یعنی عرض کرتے تھے کہ میرے ماں باپ آپ پر قربان! اس کے بعد باغ میں چلنے کی درخواست کی، وہاں پہنچ کر فرش بچھایا اور دین و دنیا کے سردار، مایہ فخر مہمان کو بٹھا کر ایک خوشہ (جس میں ہر طرح کی کچی پکی اور کچری کھجوریں تھیں) سامنے حاضر کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ سارا خوشہ توڑنے کی کیا ضرورت تھی اس میں ابھی کچھ کچی بھی ہیں جو ضائع ہوں گی، پکی پکی چھانت کر کیوں نہ توڑ لیں۔ میزبان نے عرض کیا تاکہ اپنی پسند سے پکی اور گدڑی ہر نوع کی حسب رغبت نوش فرمائیں، تینوں حضرات نے کھجوریں کھائیں اور پانی پیا۔ اس کے بعد حضور اقدس ﷺ نے جن کا ہر لحظہ تعلیم امت تھا، ارشاد فرمایا کہ اُس ذات پاک کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے،

أبي الهيثم قال القاري في رواية عبد الطرابي واس حبان في صحيحه أبي أيوب الأنصاري، فالقضية متعددة، وفي رواية لمسلم: رجل من الأنصار، وهو محتمل لهما، قال الماوي: واطلاقهم إلى مـرله لا يباي كمال شرفهم، فقد استطعم موسى واحصر قـلهم، وكان للنبي ﷺ مدوحة عن ذلك، ولو شاء لكانت جبال ثمامة تمشي معه دهباً، لكن الله سبحانه أراد أن يعري اخلائقهم، وأن يستنهم السس، ففعلوا ذلك تشريفاً للأمة. وهل حرج ﷺ قاصداً من أول خروجه إلى إنسان معين أو إنما جاء التعيين بالاتفاق؟ الظاهر الثاني.

السَّهْلان يفتح التاء الفوقاية وكسر التحتانية المشددة، وهو لقب، واسمه عامر، وقيل: عتيك، واسم أبي الهيثم مالك. خدم يفتحون، جمع خدام أعم من الذكر والأنثى، وليس المراد نفى الجمع، بل هي الأفراد، وهذا توطئة لقوله الآتي: 'فلم يجدوه'. يستعذب الخ: [أي: يأتي لنا ماء عذب من ثمر، وكان أكثر مياه المدينة مالحاً] يرعها شحنية مفتوحة فراي ساكة فعين مهملة مفتوحة، من رعب القربة: ملأها، وقيل: يدفعها لنقلها، يقال: جاءنا سيل يربع زعماً، أي: يتدافع

فوضعها، ثم جاء يلتزم النبي ﷺ. وَيُفَدِّيهِ بِأُيِّهِ وَأُمِّهِ، ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ إِلَى حَدِيقَتِهِ، فَبَسَطَ لَهُمْ ^{مِنْهُ عَرِشٌ} بِسَاطًا، ثُمَّ انْطَلَقَ إِلَى بَحْلَةٍ، فَجَاءَ بِقَنُوءٍ، فَوَضَعَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: أَفَلَا تَنْقِيتُ لَنَا مِنْ رُطْبِهِ؟ ^{بِحَبِّهِ مِنْ رَوَّاحِي}

یہ بھی اُس نعیم میں داخل ہے جن کا سوال قیامت میں ہوگا اور سورۃ المہاکم التکاثر کے ختم پر حق تعالیٰ بس پٹانے اس کا ذکر فرمایا ہے، اُن کے شکر کے متعلق سوال ہوگا کہ ہماری نعمتوں کا کس درجہ شکر ادا کیا۔ اللّٰهُمَّ لَا أُخْصِيْ فَنَاءَ عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اُثْنَيْتَ عَلٰی نَفْسِكَ۔ پھر اس وقت کی نعمتوں کے اظہارِ شکر کے طور پر فرمایا کہ ٹھنڈا سایہ، ٹھنڈا پانی اور تروتازہ کھجوریں۔ اس کے بعد میزبان کھانے کی تیاری کے لئے جانے لگے تو حضور نے ارشاد فرمایا کہ فرطِ محبت میں کیسا اتفاق مت ذبح کر دینا، بلکہ ایسا جانور ذبح کرنا جو دودھ کا نہ ہو، میزبان نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور بھجرت تمام کھانا تیار کر کے حاضر خدمت کیا اور مہمانوں نے تناول فرمایا۔ حضور نے اُس وقت یہ ملاحظہ فرما کر کہ مشتاق میزبان سب کام خود ہی کر رہا ہے اور شروع میں بیٹھ پانی بھی خود ہی لاتے دیکھ تھ، دریافت فرمایا کہ تمہارے پاس کوئی خادم نہیں؟ نفی میں جواب ملنے پر حضور نے فرمایا کہ اگر کہیں سے غلام آئیں تو تم یہ دولا نا، اُس وقت تمہاری ضرورت کا لحاظ رکھ جائے گا۔ اتفاقاً ایک جگہ سے صرف دو غلام آئے تو ابوالہیثم نے حاضر ہو کر وعدہ عالیجاہ کی یاد دہانی کی۔ حضور نے فرمایا کہ ان دونوں غلاموں میں سے جو نسا دل چاہے پسند کر لو جو تمہاری ضرورت کے مناسب ہو۔ (یہ جاں نثار حضور کی موجودگی میں اپنی کیا رائے رکھتے، اس لئے درخواست کی کہ حضور ہی میرے لئے پسند فرمائیں) وہاں بجز دینداری کے اور کوئی وجہ ترجیح اور پسندیدگی ہو ہی نہیں سکتی تھی، اس لئے حضور نے ارشاد فرمایا کہ مشورہ دینے والا امین ہوتا ہے، اس لئے میں امین ہونے کی حیثیت سے فلاں غلام کو پسند کرتا ہوں،

يُتَسَرَّه: [أي: يُلْصِقُ صدره به ويعانقه تبركاً به] [وَيُفَدِّيهِ: بتشديد الدال من التفدية، وفي نسخة كبريه، وفي أخرى من الإهداء، وكلاهما بعيد؛ لأنَّ الإهداء إيقاد الأسير بإعطاء شيء، والإهداء قول فدائه بهم الناء للتعدية أو المنصاحه، أي: ذهب معهم، وأنكر انقاري الأول؛ لعدمه ملائمته مقام الإكرام. فلو بكسر القاف وسكون الون بور حمل، أي: عَذَّق كما في رواية مسهم، وهو: ألصق فيه سر وغير ورض فوضعه [أي: بين أيديهم؛ ليتفكحوه منه قبل الصعام]. أَفَلَا تَنْقِيتُ لَنَا: [أفلا تحيرت لنا من رطبه وتركت باقيه يترطب منتفعون به، فاشقي: تحير، والتقية: التطيف، والترطب: ثم الحس إذا أدرك وصح]

فقال: يا رسول الله! إني أردت أن تحتاروا - أو تحيروا - من رطبه وبُسره، فأكلوا وشربوا من ذلك الماء، فقال النبي ﷺ: هذا والذي نفسي بيده من النعيم الذي تُسألون عنه يوم القيامة، ظلٌّ باردٌ، ورطْبٌ طيبٌ، وماءٌ باردٌ،

اس لئے کہ میں نے اُس کو نماز پڑھتے دیکھا، لیکن میری ایک وصیت اس کے بارے میں یاد رکھو کہ اس کے ساتھ بھلائی کا معاملہ کیجیو! (اول حضور نے مشورہ کے ضابطہ کو ذکر فرما کر گویا اس پر تنبیہ فرمائی کہ میری جو پسندیدگی ہے وہ ذمہ دارانہ اور امانت داری کی ہے، پھر ایک کو پسند فرما کر وجہ ترجیح بھی ظاہر فرمائی کہ وہ نمازی ہے۔ یہ وجہ ہے اُس کو رائج قرار دینے کی۔ ہمارے زمانہ میں ملازم کا نمازی ہونا گویا عیب ہے کہ آقا کے کام کا حرج ہوتا ہے) ابو الہیثم خوش خوش اپنی ضرورتوں کے لئے ایک مددگار ساتھ لے کر گھر گئے اور حضور کا فرمانِ عالی شان بھی بیوی کو سن دیا۔ بیوی نے کہا کہ حضور کے ارشاد کی کماحقہ تعمیل نہ ہو سکے گی اور اُس درجہ بھلائی کا معاملہ کہ ارشادِ عیاجاہ کا امتثال ہو جائے، ہم سے نہ ہو سکے گا اس لئے اس کو آزاد ہی کر دو کہ اسی سے امتثالِ ارشاد ممکن ہے۔ سراپا شجاع اور مجتہم اخلاص خوند نے فوراً آزاد کر دیا اور اپنی دقتوں اور تکالیف کی ذرا بھی پرواہ نہ کی۔ حضور اقدس ﷺ کو جب واقعہ اور جاں نثار صحابی کے ایثار کا حال معلوم ہوا تو اظہارِ مسرت اور بیوی کی مدح کے طور پر ارشاد فرمایا کہ ہر نبی اور اُس کے جانشینوں کے لئے حق تعالیٰ بنیاد و باطنی مشیر اور صلاح کار پیدا فرماتے ہیں، جن میں سے ایک مشیر تو بھلائی کی ترغیب دیتا ہے اور ہر بُرائی سے روکتا ہے، دوسرا مشیر تباہ و برباد کرنے میں ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔ جو شخص اُس کی بُرائی سے بچا دیا جائے وہ ہر قسم کی بُرائی سے روک دیا گیا۔

وَحَبْرُهُ نَحْدَفُ إِحْدَى الثَّانِيَيْنِ، أَي: تَحْيِرُوا، شَكَّ مِنَ الرَّاوي، فَإِنَّ الْإِحْتِيَارَ وَالتَّحْيِيرَ مَعْنَى لِسْتَقِيَّةٍ، وَمَنْ قَالَ 'أَوْ' لِلتَّوْبِيعِ وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا فَتَكَلَّفَ حَتَّى صَارَ تَعْسُفًا. سَمِعْتُ إِشَارَةً إِلَى قَوْلِهِ تَعَالَى: [التَّكَاثُرُ].
[۸] والمراد السؤال عن القيم بشكره على ما قاله القاضي عياض، وقال النووي: الذي يعتقده أن السؤال ههنا سؤال تعداد النعم، وعلامه بالامتنان، وبصهار كرمه بإساعها، لا سؤال بحاسة. قال الماوي: والخبر صريح في رد رعه جمع مفسرين كالواحد في أن السؤال عن النعم يختص بالكفار، وليس في اللفظ ولا في السنة ما يقتضي الاحتصاص بل عدمه، وما يقنه عن الحسن أنه لا يسأل أهل النار فاطل قصعا إما عليه أو منه. رطب قوله: رطب طيب، تذكير الوصف بدن على أن الرطب ليس بجمع، بل هو اسم جنس يطلق على القليل والكثير.

فانطلق أبو الهيثم ليصنع لهم طعاماً فقال النبي ﷺ: لا تَذْبَحَنَّ لَنَا ذَاتَ دَرٍّ، فذبح لهم عناقاً أو جدياً، فأناهم بها، فأكلوا، فقال النبي ﷺ: هل لك خادِمٌ؟ قال: لا، قال: فإذا أتانا سَيِّ فأتنا، فأتي النبي ﷺ برأسين ليس معهما ثالث، فأناه أبو الهيثم، فقال النبي ﷺ: اختر منهما، فقال: يا نبي الله! اختري، فقال النبي ﷺ: إن المستشار مؤثَمٌ، خذ هذا فأبي رأيتَه يُصَلِّي، واستوص به معروفاً، فانطلق أبو الهيثم إلى امرأته، فأخبرها بقول رسول الله ﷺ، فقالت امرأته: ما أنت ببالغ ما قال فيه النبي ﷺ، إلا أن تعتقه، قال: فهو عتيق،

فائدہ: ابو الہیثم کی بیوی بمنزلہ بہترین مشیر کار کے تھیں، جنہوں نے مشورہ دے کر ایک کار خیر یعنی ایک نمازی غلام کو آزاد کرا دیا اور اپنی ضروریات کی ذرا بھی پرواہ نہ کی اور نہ اس کی پرواہ کی کہ کس قدر مشقتیں اٹھانے کے بعد خادم ملے ہے، کچھ دن تو اس کی وجہ سے آرام اٹھالیں، بعد میں آزاد کر دیں گے۔

طعام: الخبر من مستدلات الشافعي على أن الرطب فاكهة لا طعام، وقال أبو حيفة: إن الرطب والرمان سما بفاكهة، بن الرطب عداء والرمان دواء؛ بقوله تعالى: **الرَّحْمَنُ** [الرحم: ٦٨] ساء على أن الأصل في لعصف المعايرة، والفاكهة: ما يتفكه به تندد. **عاقفا** بفتح العين المهمة وتقفيف لبوب، هي: لأشي من أولاد امرئ. **أو حداً** شئت من الراوي، والعاق بفتح العين: أشي المعر لها أربعة أشهر، واحدي بفتح الحيم وسكون الدال: ذكر معر ما لم يبلغ سنة. **مؤتمن** بصيغة المفعول، وهو حديث صحيح كذا أن يكون متواتراً، ففي الجامع الصغير: المستشار مؤتمن، رواه الأربعة عن أبي هريرة، وائرمدي عن أم سلمة، وابن ماجة عن أس مسعود، وائصري في الكبير عن سمرة، وراذ: إن شاء أشار وإن شاء م يشر، وفي الأوسط عن عبي، وراذ: إذا استشير فيشر مما هو صانع لنفسه، والمعنى: أن الذي طلب منه المشورة جعله أمياً، فبرمه رعاية حال المستشير، ولا يخل له كتم أمر فيه صلاحه، فإن فعل حرج عن كونه أمياً، وصار حائناً، قال ذلك إعلماً أو تعيماً لأبي الهيثم، أو إحصاراً أنه من نفسه ليعمل به

واستوص بفتح أي: افعل به معروفاً وصية مني، فـ معروفاً مصوب بـ "استوص"؛ لتصميمه معنى افعل، وقيل: مصوب سرع الحافض، أو على أنه صفة مصدر محذوف، أي: استصاء معروفاً، وقيل: مأخوذ من استوصى بمعنى أوصى إذا أمر أحد بشيء، ويعدى بالياء أي: مره بالمعروف، وعطه معروفاً. **سالع** أي: ما أنت ببالغ حق المعروف الذي وصاك به النبي ﷺ، إلا تعتقه.

فقال النبي ﷺ: إن الله تعالى لم يعث نبياً ولا خليفة إلا وله بطانتان: بطانة تأمره بالمعروف، وتنهيه عن المنكر، وبطانة لاتألوه خبالاً، ومن يؤق^{فصلاً عن عمر ما} بطانة السوء فقد وقى^{السوء والسوء كالكره والكره}. حدثنا عمر بن إسماعيل بن مُجالد بن سعيد، حدثني أبي، عن بيان بن بشر، حدثني قيس بن أبي حازم قال: سمعت^{١٥} سعد بن أبي وقاص يقول: إني لأوّل رجل أهرق دماً في سبيل الله،

(۵) سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اُمّت محمدیہ میں سب سے پہلا شخص جس نے کسی کافر کا خون بہایا ہو، میں ہی ہوں اور ایسے ہی پہلا وہ شخص جس نے جہاد میں تیر پھینکا ہو، میں ہوں۔ ہم لوگ (یعنی صحابہ کی جماعت ابتدائے اسلام میں) ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے کہ ہمارے پاس کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی، درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں ہم لوگ کھایا کرتے تھے جس کی وجہ سے منہ کے جڑے زخمی ہو گئے تھے اور پتے کھانے کی وجہ سے پانخانہ میں بھی اونٹ اور بکری کی طرح میٹگنیاں نکلا کرتی تھیں، اس کے بعد بھی قبیلہ بنو اسد کے لوگ اسلام کے بارے میں مجھ کو دھمکاتے ہیں۔ اگر میرے دین سے ناواقفیت کا یہی حال ہے جیسا یہ لوگ بتاتے ہیں تو **بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ** [الحج: ۱۱] دنیا اس تنگی و عسرت میں گئی اور دین کی یہ حالت کہ نماز سے بھی واقفیت نہ ہوئی۔

فائدہ: اس حدیث میں چونکہ امام ترمذی **رَحِمَهُ اللہُ** کو صرف اس وقت کی تنگی دکھانا مقصود تھی اس لئے تمام قصہ کو مختصر کر دیا

حلیفہ: [العساء والأمرء والولاء والقصة]. **بطانتان.** [المَلَك والشيطان، أو النفس الأمّارة والنّوامة، أو وزيرین: أحدهما صالح والآخر طالح، أو لكل إنسان قوّة مدکیّة تحمّہ علی الخیر، وقوّة حیوانیة تحمّہ علی الشرّ]. **بطانة** الخ بکسر الباء الموحدة: صاحب سره الذي يطلعه علی حفايا أمورہ يستشيرہ فیہا، تشبیہا لہ ببطانة الثوب. **حالا** بمعجمة مفتوحة فموحدة، أي: لا تقصر فی إفساد حاله، فالحبال: الإفساد، والألو: التقصیر، وعبر ههنا هذا، وفي بطانة الخیر بما سبق تشبیاً علی أنه یکفي فی کون الشر السکوت علی الفساد، وفي الخیر لا یکفي إلا الأمر به.

وقی [أي: حفظ من الفساد ومن جميع الأسواء والمکاره فی المبدأ والمعاد] **مجالد** بضم میم فحیم فکسر لام، فما فی بعض النسخ: بالهاء بدل اللام، تصحیف من الناسخ. **بیان:** بموحدة مفتوحة فتحتیة، ابن بشر بکسر موحدة فسکون معجمة. **أهرق** [أراق وصبّ، أي: أوّل رجل سفک دماً فی سبیل الله، أي: من شحّة شحّتها المشرک فی شعب من شعاب مکة.]

وإني لأول رجل رمى بسهم في سبيل الله. لقد رأيتني أغزو في العصابة من أصحاب محمد . . ما نأكل إلا ورق الشجر والحَبْلَة، حتى تفرحتُ أشدافنا، حتى أن أحدنا ليضع كما تضع الشاة والبعير. وأصبحت بنو أسدٍ يُعزّروني في الدين! لقد خِبتُ إذا وضِلَ عملي.

کہ مقصد صرف یہ بتانا تھا کہ تنگی اور عسرت کی وجہ سے مجاہدین کو غذا بھی نہ ملتی تھی، یہ اسلامی فوج درختوں کے پتے کھا کر جہاد کرتی تھی، لیکن حضرت سعد نے اس حدیث میں اپنے کارنامے اور اپنی مساعی جمیہ اور قدیم الاسلام ہونا بیان کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں کوفہ کے امیر تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں نے حضرت عمرؓ سے ان کی بہت سی شکایت کیں، حتیٰ کہ یہ بھی شکایت کی کہ یہ نماز تک بھی اچھی طرح سے نہیں پڑھتے۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بلوایا اور بلا کر ارشاد فرمایا کہ لوگ تمہاری بہت سی شکایات کرتے ہیں، حتیٰ کہ نماز تک کی بھی شکایت کرتے ہیں۔ اس پر انھوں نے اپنی صفائی میں اپنا قدیم الاسلام ہونا، اسلام کے بارے میں مشقتوں کا برداشت کرنا وغیرہ بیان کر کے عرض کیا کہ اس پر یہ لوگ مجھے نماز پر دھمکیاں دیتے ہیں۔ میں نے جس طرح حضور اقدس ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا اُس سے ذرا بھی کوتاہی نہیں کرتا۔ اس پر حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ کوفہ میں دو آدمی بھیجے کہ وہ وہاں گشت کر کے ان کے متعلقہ شکایات کی تحقیق کر کے آئیں۔ انھوں نے کوئی مسجد کوفہ کی ایسی نہیں چھوڑی جس میں جائز نمازیوں سے حالات کی تحقیق نہ کی ہو۔

رمى بسهم [أي: في سرية عبدة بن حارث، وهي الثانية من سرية بن حص ربيع، في شوب عى رأس ثمانية أشهر من الفجرة.] ر حمة. احلة صم مهممة وسكون موحدة: ثمرة نسمة، شمة الموب، وقيل لمر العصابة، والعصابة: كل شجرة عظم وبه شوث. اسد شام جمع شديق، في القاموس شديق بالكسر وفتح، وبن مهممة: طعيفة لهم من بنس الحدين، جمعه أشديق، أي: صارت أطرافهم ذات قروح والبعر [يعني أن فئسنتهم تشبه فئسة شاة وسعير في نسس؛ لعدم الغذاء المألوف للمعدة، وكان ذلك في سرية الخط سنة ثمان، وأمرهم أبو عبيدة بن جندب].

بنو أسد [أي: بنو حزيمة بن مدركة بن إلياس بن مصر، قال خنوص: وسو أسد كانوا فيمن ارتد بعد أسى وتبعوا طليحة بن حوييد الأسدي لما ادعى النبوة، ثم قاتلهم خالد بن الوليد في عهد أبي بكر وكسبهم، ورجع بقيةهم إلى الإسلام، وتاب طليحة وحسن إسلامه، وسكن معظمهم الكوفة.] عزروني [أي: يعينون عني ويومسوني في لا أحسن الصلاة.] لقد خبت [أي: والله لقد خبت، من الخيبة، وهي: حرمان، أي: حرمت خير]

حدثنا محمد بن بشر، حدثنا صفوان بن عيسى، حدثنا عمرو بن عيسى أبو نَعَامَةَ العدوي،

سب نے ان کی تعریف کی، البتہ ایک شخص نے یہ کہا کہ جب قسم دے کر پوچھتے ہو تو سچ بتاؤں کہ سعد جہاد کے لئے نہیں نکلتے گویا اپنی جان پیاری ہے، دوسرے یہ کہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے اور فیصد میں انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعد نے فرمایا کہ تین شکایات کی ہیں اس لئے تین بد دعائیں کرتا ہوں ہر ایک کے مناسب۔ اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے، محض شہرت اور دنیا کو دکھلانے کی غرض سے کھڑا ہوا ہے کہ بڑے آدمی پر تنقید کرنے سے شہرت ہوا کرتی ہے، تو اس کی عمر بڑھا دے اور فقر میں اضافہ کر اور فتنوں میں مبتلا فرما۔ اس کے بعد دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس شخص کو دیکھا کہ بڑھاپے کی وجہ سے پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں اور فقیر ہو گیا تھا، گلی کوچوں میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا اور کوئی پوچھتا کہ یہ کیا حال ہو گیا؟ تو کہتا کہ سعد کی بد دعا لگ گئی۔ اللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَغَضَبِ رَسُوْلِكَ وَغَضَبِ اَوْلِيَاءِكَ۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں تین قصوں کی طرف اشارہ فرمایا۔

نمبر ۱: یہ کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے کسی کافر کا خون گرایا۔ یہ ہجرت سے قبل کا واقعہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں لوگ نہایت پریشان اور مصائب میں مبتلا تھے، کفار سے چھپ کر نماز وغیرہ عبادات کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چند حضرات جن میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی تھے، ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے کہ مشرکین کی ایک جماعت وہاں پہنچ گئی، ان لوگوں کو برا بھلا کہا اور لڑائی پر اتر آئی تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے اونٹ کا ایک جہازہ وہاں پڑا تھا، اُس کو اٹھا کر ایک کافر کے مارا جس سے اُس کے خون جاری ہو گیا۔ یہی مراد ہے اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے خون گرانے سے۔

نمبر ۲: یہ کہ میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستہ میں تیر چلایا۔ یہ ہجرت کے بعد سنہ ۱ ہجری کا واقعہ ہے اور اسلام میں سب سے پہلا سر یہ ہے، یعنی سب سے پہلی فوج ہے جس کو حضور نے ہجرت کے بعد حضرت عبیدہ بن حارث کی ماتحتی میں ”راغب“ بھیجے۔ اس میں کفار سے مقابلہ ہوا دونوں جانب سے تیر چلائے گئے، مسلمانوں میں سب سے پہلا تیر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے چلایا تھا۔

قال: سمعت^۱ خالد بن عُمیر وشوَيْسا أبا الرُقَاد قالَا: بعث عمر بن الخطاب عتبة بن غزوان

نمبر ۳: تیسرا حصہ اُس جنگ کا ہے جس کا ذکر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے درختوں کے پتے کھانے سے فرمایا، یہ حصہ ”سریہ خُطّ“ کہلاتا ہے جو باختلافِ اقوال سنہ ۵ ہجری یا جب سنہ ۸ ہجری میں ہوا ہے۔ اس کا مختصر حصہ یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے تین سو مہاجرین اور انصار کو حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کی ماتحتی میں مدینہ منورہ سے پانچ روز کی منزل پر سمندر کے کنارے قبیلہ جہینہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا۔ اُس لشکر میں اول تین اونٹ یومیہ ذبح ہوتے تھے اور جب اونٹوں کی قلت کے خوف سے امیر نے ذبح کی ممانعت فرمادی تو کچھ مقدار کھجوریں تقسیم ہوتی تھیں اور وہ بھی کم ہوتے ہوتے یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ ایک کھجور یومیہ فی آدمی ملتی تھی کہ اُس کو چوستے رہتے اور پانی پیتے رہتے، لیکن جب وہ بھی ختم ہو چکیں تو درختوں کے پتے جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔ خُطّ کے معنی پتے جھاڑنے کے ہیں اسی لئے اس کا نام ”سریہ خُطّ“ مشہور ہو گیا۔ اس کا طویل حصہ ابتداءً سخت پریشانی اور عسرت کا اور انتہاءً لطف کا ہے جس کو تاریخ اسلام کی طویل کتابوں میں دیکھا جائے۔ مختصر طور پر حکایاتِ صحابہ کے تیسرے باب میں بندہ نے بھی لکھ دیا ہے۔

(۶) خالد بن عمیر اور شولیس کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوٰان کو حکم فرمایا کہ تم اپنے رفقاء کے ساتھ (جو تین سو مجاہد تھے، عجم کی طرف) چلے جاؤ اور جب منتائے سرزمینِ عرب پر پہنچو جہاں کہ سرزمینِ عجم بہت قریب رہ جائے تو وہاں قیام کرنا (مقصد اُن کی روانگی کا یہ تھا کہ دربارِ عمری میں یہ اطلاع پہنچی تھی کہ عجم کا ارادہ عرب پر حملہ کرنے کا ہے اور بروایت دیگر یزدجر نے عجم سے امداد منگائی ہے جس کا یہ راستہ تھا، اس لئے حضرت عمرؓ نے اس لشکر کو ناکہ بندی کے لئے ارسال فرمایا تھا) وہ لشکر چلا اور جب مرہہ بصرہ پر پہنچے تو وہاں عجب طرح کے سفید سفید پتھر نظر پڑے، لوگوں نے اول تعجب سے آپس میں پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ یہ بصرہ ہیں (بصرہ اصل لغت میں سفیدی مائل پتھروں کو کہتے ہیں،

وشوَيْسا: مصغراً معجمة أوله ومهملة آخره، هو شويس بن حياش. "أبو الرقاد" بضم الراء بعدها قاف حميفة. عتبة بن عروان: [وكان سابع سبعة أسلموا على ظهر الأرض، قال عنه عمر: "إن لعنة بن عروان من الإسلام مكانا، كان قائد الجيوش، وعلى يده فتح الأبلّة (مدينة في جوار البصرة ألحقت بها، وغدت جزءاً منها)، وهو أول من سزل البصرة، وهو الذي احتطها، وكان أول من بناه مسجدها العظيم.] بفتح عين وسكون راي معجمتين، وعنة من أكابر الصحابة، أسلم قديماً، وهاجر المحدثين، أول من سزل البصرة، وهو الذي احتطها.

وقال: انطلق أنت ومن معك! حتى إذا كنتم في أقصى أرض العرب وأدنى بلاد العجم، فأقبلوا حتى إذا كانوا بالمربد وجدوا هذا الكذّان،

اس کے بعد پھر شہر کا نام پڑ گیا تو گویا انھوں نے جواب دیا کہ یہ بھی ایک قسم کے پتھر ہیں) اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ہدایت کے موافق آگے بڑھے اور جب دجلہ کے چھوٹے پل کے قریب پہنچے تو لوگوں نے تجویز کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی متعینہ جگہ یہی موقع ہے، اس لئے وہاں پڑاؤ ڈال دیا۔ راوی نے اس جگہ تمام قصہ (یعنی خراسان کے لشکر کے آنے کا اور عتبہ کے فتح کرنے کا پورا قصہ) مفصل ذکر کیا (مگر امام ترمذی کو چونکہ اس جگہ ذکر کرنے سے مقصود اُس وقت کی تنگ حالی کا بیان کرنا تھا جس کا ذکر اس حدیث کے اخیر میں ہے، اس لئے تمام حدیث کو مختصر کر کے اس جملہ کو ذکر کر دیا)

حضرت عتبہ نے فتح کے بعد ایک خطبہ بھی پڑھا تھا جو عربی حاشیہ میں نقل کیا گیا، اُس میں دنیا کی بے ثباتی، آخرت کا دائمی گھر ہونا وغیرہ امور ارشاد فرمائے تھے۔ چنانچہ حمد و صلوة کے بعد فرماتے ہیں کہ دنیا ختم ہو رہی ہے اور منہ پھیر کر جا رہی ہے، دنیا کا حصہ اتنا ہی باقی رہ گیا جیسا کہ کسی برتن کا پانی ختم ہو جائے اور اخیر میں ذرا سا قطرہ اُس میں رہ جائے۔ تم لوگ اس دنیا سے ایک ایسے عالم کی طرف جا رہے ہو جو ہمیشہ رہنے والا ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے، لہذا ضروری ہے کہ بہترین ماحضر کے ساتھ اس عالم سے جاؤ۔ اس لئے کہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ جہنم (جو اللہ کے نافرمان لوگوں کا گھر ہے) اتنی گہری ہے کہ اگر اُس کے اوپر کے کنارہ سے ایک ڈھیلا پھینکا جائے تو ستر برس تک بھی وہ جہنم کے نیچے کے حصہ میں نہیں پہنچتا اور آدمیوں سے اس مکان کو بھرا جائے گا۔ کس قدر عبرت کا مقام ہے، نیز ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنت (جو اللہ کے فرماں بردار بندوں کا مکان ہے)

انطلق إحد [وسب بعثهم إلى ذلك الموضع: أن عمر ٢٠٠ بلعه أن العجم قصدوا حرب العرب، فأرسل هذا الجيش ليزول بين أرضي العرب والعجم، ويرابطوا هناك، ويمسوا العجم عن بلاد العرب.] فأقبلوا. قال القاري: فعل ماض من الإقبال، بمعنى توجهوا، قال الماوي: أي: توجهوا إلى محل الذي أمرهم عمر بالانطلاق إليه، وسبب أمرهم بذلك السير ومكثهم بذلك الموضع: أنه كان محل حروح الهد من الجزائر إلى أرض فارس، وكان يردجر الشمس منهم الإعانة لقتال العرب، فأراد عمر أن يرابطوا بذلك الثغر ليصطوا ذلك الحية. بالمراد بكسر ميم فسكون ففتح موحدة، موضع بالبصرة، وأصلها من: 'ربد بالمكان' إذا أقام به، وهو موضع حس الإبل، أو تحفيف الرطب. الكذّان بفتح الكاف وتشديد الدال: حجارة رخوة مائنة إلى البياض، والبصرة أبيضاً: حجارة رخوة مائنة إلى البياض.

فقالوا: ما هذه؟ قالوا: هذه البصرة، فساروا حتى إذا بلغوا حَيْالَ الجسر الصغير فقالوا: ههنا أمرتم.

أي: في هذا المكان بالإقامة والسكون

اس قدر وسیع ہے کہ اس کے دروازہ کی چوڑائی میں ایک جانب سے دوسری جانب تک چالیس برس کی مسافت ہے اور آدمیوں ہی سے وہ بھی پُر کی جائے گی (اس لئے ایسے اعمال اختیار کرو جن کی وجہ سے پہلے مکان سے نجات ملے اور اس مکان میں جو اللہ کی رضا کا مکان ہے، داخلہ نصیب ہو۔ اس کے بعد اپنا گزشتہ حال) بیان کیا کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اپنی یہ حالت دیکھی ہے کہ میں اُن سات آدمیوں میں سے ایک ہوں جو اُس وقت حضور اقدس ﷺ کے ہمراہ تھے، ہمارے پاس کھانے کے لئے درختوں کے پتوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا، اُن کے کھانے سے ہمارے منہ پھل گئے تھے۔ مجھے اتفاقاً ایک چادر مل گئی تھی جس کو میں نے اپنے اور سعد کے درمیان نصف نصف تقسیم کر لی (حق تعالیٰ بی ﷻ نے اُس تک حالی اور تکالیف کا دنیا میں بھی یہ اجر مرحمت فرمایا کہ) ہم سات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی جگہ کا امیر نہ ہو (چونکہ یہ جماعت بڑی تکالیف برداشت کرنے اور مجاہدات کے بعد امیر ہوئی ہے اس لئے اس کا معاملہ اپنی جماعتوں کے ساتھ بہترین معاملہ ہے جو تم کو بعد میں آنے والے امراء کے تجربہ حال سے معلوم ہوگا اس لئے کہ) تم اُن امراء کا عنقریب تجربہ کرنے والے ہو جو بعد میں آنے والے ہیں۔

قصة: أي: استمهم بعضهم بعضاً، أي أحاب بعضهم، فالحكمة لأولى استمهم، والثانية جواب البعض، وليس في بعض نسخ ههنا لفظ: 'قالوا' فلا يعد أن يكون همة الاستمهم مقدرة، وفي معجم السداد: أن المسلمين حين وافوا مكان البصرة بطروا إليها من بعيد، وأبصروا الحصا عليها فقالوا: إن هذه أرض بصرة، يعنون حصّة قسميت بدلت، ثم ذكر أقوالاً أخر في وجه تسميتها بذلك.

قصة: قال القاري: بناها عتبة بن عروا في خلافة عمر سنة سبع عشر، وسكنها ساس سنة ثمان عشر. قيل: لم يعد بأرضها صوم. وفي فتوح السداد: لما نزل عتبة بن عروا الخريبة كتب بن عمر يعلمه سروله بإياها، وبه لا بد للمسلمين من منزل يشنون به إذا شتو، ويكسبون فيه إذا انصرفوا من عروهم، فكتب إليه: أن اجمع أصحابك في موضع واحد، وليكن قريباً من الماء والمرعى، فكتب إليه: إي وجدت أرضاً كذا وكذا، فكتب إليه: أن أُنزلها الناس، فأُنزلهم بإياها، فسوا مساكن بالقصب، وبني عتبة مسجداً من قصب، ودنّت في سنة أربع عشر، إلى آخر ما سطره.

احسن شعير: كان ذلك لخسر على الدحية في عرضها، يسر عليه المشاة والركبان، واحترق به عن احسن الكبر، وهو عند بغداد، بينهما عشرة أيام. ههنا [أي: في هذا المكان] مكرم أمير المؤمنين عمر بالإقامة لأجل حفظ بلاد العرب من العجم.

فَنَزَلُوا - فَذَكَرُوا الْحَدِيثَ بِطَوْلِهِ - قَالَ: فَقَالَ عْتَبَةُ بْنُ غَزْوَانَ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَسَابِعُ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ مَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ، حَتَّى تَقَرَّحْتَ أَشْدَّاقَنَا، فَالْتَقَطْتُ بُرْدَةً

فائدہ: بظہر حضرت سعد کا مقصد اپنی اس حالت کے بیان کرنے سے دو امر ہیں: اول یہ کہ دین کے بارے میں جو مشقت اٹھائی جاتی ہے اس کا ثمرہ دنیا میں بھی اکثر ملتا ہے، بت واس لئے تم لوگ جو مشقت برداشت کرو گے انشاء اللہ اُس کا ثمرہ پڑے گا۔ دوسرے یہ کہ اس وقت کے امراء سے اگر کوئی ناگواری کی بات تم کو پیش آئے اُس کو برداشت کرو کہ یہ بہت غنیمت ہے اُن حالات کے اعتبار سے جو عنقریب آنے والے ہیں۔

فَذَكَرُوا بِمَرْدٍ بِالْجَمْعِ مَا فَوْقَ الْوَاحِدِ، وَفِي سَبْعَةٍ فَذَكَرُوا وَهُوَ الطَّاهِرُ؛ لِأَنَّ الصَّمِيرَ رَاجِعٌ إِلَى حَالِدٍ وَشَوَيْسٍ، وَفِي سَبْعَةٍ: فَذَكَرُوا بِالْإِفْرَادِ، أَيْ: اس بشار، عَنِ مَا ذَكَرَهُ اس حَجَرُ وَالْمَاوِي، أَوْ أَبُو عَامَرٍ، كَمَا احْتَارَهُ الْقَارِي.

احديث ذكره الطبري في تاريخه بهذا الإسناد إلى حماد وشويس قالا: بعث عمر بن الخطاب عتبة بن عروان، فقال له: انصق أنت ومن معك، حتى إذا كنتم في أقصى أرض العرب وأدى العجم فأقيموا، فأقيموا حتى إذا كانوا بأمرئ وجدا هدا الكدان، قالوا: ما هذه البصرة؟ فساروا حتى بلغوا حبال الحسر الصغير، فإذا فيه حفاء وقصب نائفة، فقالوا: ههنا أمرنا، فسرنا دون صاحب الفرات، فأبوه فقالوا: إن ههنا قوماً معهم رأية وهم يريدونك، فأقبل في أربعة آلاف أسوار فقال: ما هم إلا ما رأى، اجعلوا في أعناقهم الحبال، وأتواهم، فجعل عتبة يرحل وقال: إن شهدنا الحرب مع النبي ﷺ حتى إذا رآنا الشمس قال: احملا، فحملا عليهم فقتلوهم فلم يبق أحد إلا صاحب الفرات، أحمده أسيراً، فقال عتبة بن عروان: ابعوا ما منكم من هذا، وكان يوم عكاك ودمد، فرموا له مسراً، فقام يخطب فقال: إن الدنيا قد نصرمت وولت حذاء، وم يبق منها إلا صباية كصباية الإماء، ألا وإنيكم مقتولون منها إلى دار القرار، فانتقموا خير ما حصرتمكم، وقد ذكرني: لو أن صحرة أنفتحت من شمر جهنم هوت سبعين حريفاً، ولتملئت أوعاجهم، ولقد ذكرني: إنما بين مصرعين من مصارع الجنة ميسرة أربعين عاماً، ويأتيان عليه يوم وهو كطييط، ولقد رأيته وأنا سابع سبعة، الحديث وقد ذكر الحطبة الحاكم في المستدرک بسنده إلى حميد بن هلال، عن خالد بن عمير بنحو هذا، وقال: صحيح عن شرط مسلم، وأقره عليه ابدهي.

سبعة [أي: في الإسلام فإنه أسلم بعد ستة نمر، قاله القاري.] تفرحت أشداً [أي: طهر في جوابها قروح من حثونة ذلك الورق وحرارته] فالتقطت. [أي: أخذت من الأرض، وقال ميرث: الانقطاع: أن يعثر على الشيء من غير قصد وطلب.]

نردذ بصم الماء الموحدة وسكون الماء المهمة، الشمنة المخطط، وقيل كساء أسود مربع.

قسمتها بيني وبين سعد، فما منا من أولئك السبعة أحد إلا وهو أمير مصر من الأمصار،
 وستجربون الأمراء بعدنا. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، حدثنا روح بن أسلم أبو حاتم
 البصري، حدثنا حماد بن سلمة، حدثنا ثابت، **عن** أنس قال: قال رسول الله ﷺ: لقد
أُخِفْتُ في الله، وما يُخاف أحد، ولقد أوديتُ في الله، وما يُؤذى أحد،
 في ابتداء الإسلام

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں اللہ کے راستے میں اُس وقت خوف دلایا گیا
 ہوں جس وقت کوئی بھی نہیں ڈرایا گیا اور اس قدر ستایا گیا ہوں کہ کوئی شخص بھی نہیں ستایا گیا۔ مجھ پر تیس شب و روز
 ایسے گزرے ہیں کہ میرے اور بلال کے کھانے کے لئے کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے بجز اُس تھوڑی
 سی مقدار کے جو بلال کی بغل میں چھپی ہوئی تھی۔

فائدہ: یہ قصہ جیسا کہ مصنف **رحمہ اللہ** نے اپنی جامع میں لکھا ہے، کسی وقت مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے جانے کے زمانہ کا
 ہے جو ہجرت کا زمانہ نہیں، اس لئے کہ ہجرت کے سفر میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے ساتھ نہ تھے بلکہ اُس کے علاوہ کسی
 اور موقع پر یہ قصہ پیش آیا۔ حضور کے ارشاد میں ”اُس وقت خوف دلایا گیا ہوں“ کا یہ مطلب ہے کہ ابتدائی زمانہ میں جب
 میں اکیلا تھا، کوئی رفیق اور ساتھی نہ تھا، اُس وقت مجھے اللہ کے راستہ میں اذیت و تکالیف پہنچائی گئیں اور ڈرایا گیا اور قاعدہ
 کی بات ہے کہ مجمع میں مصیبت ہلکی بن جاتی ہے اور تنہا شخص کو اذیت زیادہ پہنچتی ہے۔

سعد أي: اس أبي وقاص على ما في الأصول المصححة، وفي بعض السح: سعة، وهو سهو؛ لما في رواية مسلم:
 قسمتها بيني وبين سعد بن مالك، فأنزرت نصفها وأترر سعد نصفها، فانه القاري. قلت: ولقط الحاكم في
 المستدرک: فشقتها بيني وبين سعد بن أبي وقاص فارس الإسلام. **وسجرون** [أي: ستحدوهم ليسوا مثلنا في الديانة
 والإعراض عن الدنيا، وكان الأمر كذلك.] **روح** بفتح الراء وسكون الواو وآخره حاء مهملة، و”اسم“ على وزن
 أكرم. **أخفت في الله** [أي: أحافني المشركون بالتهديد والإيذاء الشديد بسبب إطهاري لدين الله وتبليعه.]

وما يخاف بضم أوله، أي: والحال أنه لا يخاف أحد عيرى، لأني كنت وحيداً في ابتداء إظهار ديني، أو ما يخاف مثل
 ما أخفت، وكذا الكلام في قوله: ”ولقد أوديت“، وقال الماوي: أو هو دعاء، أي: حفظ الله المسلمين عن الإحافة، أو
 مبالغة في الإحافة، وذلك متعارف في اللغة، يقال: لي بلية لا يبلى بها أحد.

ولقد أتت عليّ ثلاثون من بين ليلة ويوم، ومالي ولبلال طعام يأكله ذو كبد إلا شيء يواريه إبط بلال. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أنبأنا عفان بن مسلم، حدثنا أبان بن يزيد العطار، حدثنا قتادة، **عن** أنس بن مالك **رضي** الله عنه، أن النبي ﷺ لم يجتمع عنده غداء ولا عشاء من خبز ولحم إلا على صفف. قال عبد الله: قال بعضهم: هو كثرة الأيدي. **حدثنا** عبد بن حميد، حدثنا محمد بن إسماعيل بن أبي فديك، حدثنا ابن أبي ذئب، عن مسلم بن جندب، **عن** نوفل بن إياس الهذلي ^[كثرة أيدي الأصابع] قال: كان عبد الرحمن بن عوف لنا جليساً،

(۸) حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ کبھی حضور اقدس ﷺ کے دسترخوان پر صبح کے کھانے میں یا شام کے کھانے میں روٹی اور گوشت دونوں چیزیں جمع نہیں ہوتی تھیں مگر حالت صفف میں۔ **فائدہ:** صفف کے متعلق علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ چنانچہ حضور کے گزر اوقات کے بارے میں جو باب پہلے ذکر ہو چکا ہے، اُس کی اخیر حدیث کے ذیل میں اس کی مفصل تقریر گزر چکی ہے۔ اگرچہ اس حدیث کا مضمون اُس سے مختلف ہے جو وہاں گزری ہے۔ اس کا بظاہر مطلب یہ ہے کہ جب حضور تنہا ہوتے تھے جب تو جو میسر ہوتا وہی نوش فرما لیتے خواہ خالی روٹی ہو یا تنہا گوشت ہو، البتہ جب مہمان ہوتے تو اس کا اہتمام فرماتے کہ دونوں چیزوں کو مینا کیا جائے اس لئے دونوں کا اجتماع جمع ہی کے وقت ہوتا تھا۔

(۹) نوفل بن ایاس کہتے ہیں کہ عبد الرحمن بن عوف جو عشرہ مبشرہ میں سے ایک صحابی ہیں، ہمارے ہم نشین تھے اور حقیقت میں بہترین ہم نشین تھے۔ ایک مرتبہ ہم ان کے ساتھ کسی جگہ سے لوٹے، واپسی میں ان کے ساتھ ہی ان کے مکان پر چلے گئے۔

من بين ليلة تأكيد للشمول أي: ثلاثون يوماً وليلة متواترات ولا ينقص منها شيء. **دو کد** أي حيوان، أي: ما معاً طعام، سواء يأكله الدواب أو الإنسان. **إبط** لال [أي: إلا شيء يسير، فكتي بالموارة تحت الإبط عن كونه يسيراً جداً. ويعلم من ذلك أنه لم يكن إذا ذاك ظرف يصع الطعام فيه من منديل ونحوه] يعني كان إذا ذاك رفيعي، قال المصنف في جامعه: كان هذا لما خرج من مكة هارباً، واعترضه العصام: بأن بلالاً لم يكن معه حين الهجرة، وقال الماوي: الظاهر أن المصنف لم يرد خروجه مهاجراً فإنه قد قدم أنه خرج قبل الهجرة إلى الطائف وغيره.

صفف قوله: صفف، تقدم الكلام على هذا اللفظ في حديث مالك بن دينار في آخر باب المعيشة المتقدم.

عبد الله: أي: عبد الله بن عبد الرحمن شيخ المصنف.

وكان نعم الجليس، وإنه انقلب بنا ذات يوم، حتى إذا دخلنا بيته دخل فاغتسل، ثم خرج، وأتينا بصحفة فيها خبز ولحم، فلما وُضعت بكى عبد الرحمن، فقلت له: يا أبا محمد! ما يُكيك؟ قال: هلك رسول الله ﷺ، ولم يشبع هو وأهل بيته من خبز الشعير، فلا أرانا أخرنا لما هو خير لنا.

۱۔ صحفہ، صحفہ کتبہ، صحفہ جمع
۲۔ معناه: فارق الديق

انھوں نے گھر جا کر اول غسل کیا، جب وہ غسل سے فارغ ہو چکے تو ایک بڑے برتن میں روٹی اور گوشت لایا گیا۔ عبد الرحمن نے اس کو دیکھ کر رونے لگے۔ میں نے پوچھا کیا بات ہوئی کیوں روئے؟ کہنے لگے کہ حضور اقدس ﷺ کو وصال تک کبھی بھی اس کی نوبت نہیں آئی کہ آپ نے یا آپ کے گھر والوں نے جو کی روٹی ہی سے شکم سیری فرمائی ہو۔ اب حضور کے بعد جہاں تک میرا خیال ہے ہم لوگوں کی یہ ثروت کی حالت کسی بہتری کے لئے نہیں ہے۔

فائدہ: حضرات صحابہ کرامؓ کو ایسی حالتوں میں اس کا خوف ہوتا تھا کہ خدا نخواستہ اس وعید میں داخل نہ ہو جائیں کہ تم اپنی خوبیوں کا بدلہ دنیا میں پا چکے ہو۔ جس کا قرآن شریف کی اس آیت میں ذکر ہے: **ادھنم طبتکم فی حیاتکم الدنیا**۔

قلب سا الباء معنی مع أو المصححة، أي: انقلب معنا أو مصححاً مع سوق، ويحتمل أن يكون للتعدي، أي: ردنا من الطريق، قاله لفاري، وختار السوي لأحير. و سا بساء مجهول من لآتيان، قاله تقاري و مساوي

فلا ر ب بضم همزة على ساء مجهول، أي: فلا أطل إيانا. آخر ب ح [أي: أقيب مؤسداً عينا لما هو خير سا؛ لأن من وسّع عليه يخاف أنه ربما عجزت له طبيباته في الحياة الدنيا.]

باب ما جاء في سن رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا روح بن عبادة، حدثنا زكريا بن إسحاق، حدثنا عمرو بن دينار، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: مكث النبي ﷺ بمكة ثلاث عشرة سنة يوحى إليه، وبالمدينة عشراً وتوفي وهو ابن ثلاث وستين.

باب حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف کا ذکر

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف کے بارے میں تین روایتیں وارد ہوئی ہیں، سب سے زیادہ صحیح جو جمہور محدثین اور مؤرخین کے نزدیک رائج ہے وہ یہ ہے کہ حضور کی عمر شریف تریسٹھ سال کی ہوئی ہے، دوسری روایت ساٹھ برس کی بھی وارد ہوئی ہے جس کے متعلق خیال ہے کہ گننے میں بسا اوقات کسر کو چھوڑ دیا جاتا ہے، اس لئے ساٹھ کہہ دیا، اور تیسری روایت پینسٹھ کی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اُس میں سن ولادت اور سن وفات دونوں کو مستقل سال شمار کر لیا گیا۔ اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے چھ حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) ابن عباس رضي الله عنهما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نبوت کے بعد تیرہ سال مکہ مکرمہ میں رونق افروز رہے، ان تیرہ برس میں وحی نازل ہوتی رہی، اُس کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام رہا اور تریسٹھ سال کی عمر میں وصال ہوا۔ فائدہ: حضور اقدس ﷺ کی عمر شریف میں مختلف روایات وارد ہوئی ہیں جن کا مختصر تذکرہ کتب کے شروع میں بھی گزر چکا ہے، محدثین اور اہل تاریخ کے نزدیک یہی روایت زیادہ صحیح ہے۔

سن رسول الله ﷺ أي: مقدار عمره الشريف، وسُميت الحارحة ساء؛ لأنه يستدلُّ بها على طول عمره، وقال في المصباح: الس إذا عبت لها العمر مؤنثة؛ لأنها معنى المدة. يوحى إليه أي باعتبار مجموعها؛ لأن مدة فترة الوحي وهي ستان ونصف من حملتها. وبالمدينة عشراً [أي: عشر سنين باتفاق، فإنهم اتفقوا على أنه أقام بالمدينة بعد الهجرة عشر سنين كما اتفقوا على أنه أقام بمكة قبل الهجرة أربعين سنة، وإنما الخلاف في قدر إقامته بمكة بعد الهجرة، والصحيح أنه ثلاث عشر سنة، فيكون عمره الشريف ثلاثاً وستين سنة] اس رتب قال اسحاري: هذا أكثر، ورجح أحمد أيضاً هذه الرواية. قال ميرك: في قدر عمره ﷺ ثلاث روایات، وهي أصحها وأشهرها.

حدثنا محمد بن بشار، حدثنا محمد بن جعفر، عن شعبة، عن أبي إسحاق، عن عامر بن سعد، عن جرير، **عن** معاوية رضي الله عنه أنه سمعه يخطب قال: مات رسول الله ﷺ وهو ابن ثلاث وستين، وأبو بكر وعمر، وأنا ابن ثلاث وستين. **حدثنا** حسين بن مهدي البصري، حدثنا عبد الرزاق، عن ابن جريج عن الزهري، عن عروة، **عن** عائشة رضي الله عنها أن النبي ﷺ مات وهو ابن ثلاث وستين سنة.

(۲) امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ خطبہ میں یہ فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما یعنی حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا وصال بھی تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا، میری بھی اس وقت تریسٹھ سال کی عمر ہے۔ **فائدہ:** یعنی کیا بعید ہے کہ مجھے بھی یہ طبعی اتباع نصیب ہو جائے۔ محدثین نے لکھا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی یہ تمنا پوری نہیں ہوئی اس لئے کہ اُن کا وصال تقریباً اسی سال کی عمر میں ہوا ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذکر اس حدیث میں نہیں کیا، حالانکہ ان سے بہت خصوصیت تھی، اس کی وجہ ظاہر ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتقال اسی سال سے زیادہ عمر میں ہوا امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کی غرض اس روایت کے ذکر کرنے سے پہلی روایت کی تائید اور تقویت ہے کہ حضور کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا اور اس بارے میں طبعی اتباع حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو بھی نصیب ہوا۔

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی یہی مروی ہے کہ حضور کا وصال تریسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ **فائدہ:** اس روایت سے بھی اُس پہلے مضمون کی تقویت مقصود ہے یعنی حضور کا تریسٹھ سال کی عمر میں وصال متعدد روایات سے ثابت ہے، لہذا اس کے خلاف جو روایتیں ہیں وہ صحیح نہیں ہیں یا اپنے ظاہر پر نہیں ہیں۔

انہ سمعہ یعنی أن جريراً سمع معاوية حال كونه خطيباً. ثلاث وستين [أحسن العمر ثلاث وستون كعمره وصاحبه، وهذا لما بلغ عمر بعض العارفين هذا السن هياً له أسباب مماته لماء أن أنه لم يبق له لذة في بقية حياته]. وأنا ابن ثلاث وستين: فاما متوقع أن أموت في هذا السن موافقة لهم. قال ميرك: لكن م ينل مطلوبه، بل مات وهو قريب من ثمانين، فقيل بلغ ثمان وسبعين، وقيل ثمانين، وقيل: ستا وثمانين. اس حرج [عبد الملك بن عبد العزيز بن جريج].

حدثنا أحمد بن منيع ويعقوب بن إبراهيم الدورقي قالوا: حدثنا إسماعيل بن علية، عن خالد الحذاء، حدثني عمار مولى بني هاشم، قال: **سمعت** ابن عباس يقول: توفي رسول الله ﷺ وهو ابن خمس وستين. **حدثنا** محمد بن بشار ومحمد بن أبيان قالوا: حدثنا معاذ بن هشام، حدثني أبي، عن قتادة، عن الحسن، **عن** دغفل بن حنظلة أن النبي ﷺ قبض وهو ابن خمس وستين. **قال** أبو عيسى: ودغفل لا نعرف له سماعاً من النبي ﷺ. وكان في زمن النبي ﷺ رجلاً. **حدثنا** إسحاق بن موسى الأنصاري، حدثنا معن، حدثنا مالك بن أنس، عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن،

(۴) ابن عباس رضی اللہ عنہ سے یہ منقول ہے کہ حضور کا وصال پینسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔ **فائدہ:** یہ روایت پہلی سب روایتوں کے خلاف ہے۔ باب کے ختم پر بھی اس کی کچھ گفتگو آئے گی اور پہلے بھی گزر چکی ہے۔

(۵) دغفل بن حنظلة سدوسی سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ کا وصال پینسٹھ سال کی عمر میں ہوا۔

فائدہ: امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کے بعد فرماتے ہیں کہ دغفل حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے اور بڑی عمر کے تھے، مگر حضور سے اُن کی ملاقات ثابت نہیں۔ گویا یہ بھی اشارہ ہے اس طرف کہ ان کی یہ روایت بھی کسی دوسرے سے سنی ہوئی ہے۔

إسماعيل ابن إبراهيم، وعلية بن ميمون، وفتح لام وتشديد تحتية، اسم أمه، وكان يكره أن يقال له: ابن علية، لكن علب عليه بالشيعة. **عمار** بفتح وتشديد، ابن أبي عمار مولى بني هاشم، وفي نسخة: عمار، وهو سهو من الكاتب، فإنه ليس من مولى بني هاشم من اسمه عمار، وأيضاً ليس فيمن روى عن ابن عباس ولا في من روى عنه خالد عمار. **ابن خمس وستين** قال الماوي: نسبت هذه الرواية إلى الغلط: وقال القاري: هي متأولة بإدخال سني الولادة والوفاة، أو حصل فيها اشتباه، وقد أنكر عروة على ابن عباس، ونسبه إلى الغلط، وقال: إنه لم يدرك أول السنة ولا كثرت صحته، بخلاف الباقي. **دغفل** بفتح الدال المهملة أول الحروف، ثم معجمة ساكنة ففاء مفتوحة كجعفر. **لا نعرف له سماعاً** قال القاري: ويؤيده ما في التقريب: أن دغفل السدوسي مخضرم، وقيل له صحبة ولم يصح، وقال الحميدي: ذكر أبو عبد الرحمن تقي بن مخلد في سننه أن دغفلاً له صحبة.

عن أنس بن مالك رضي الله عنه أنه سمعه يقول: كان رسول الله ﷺ ليس بالطويل البائن، ولا بالقصير، أي قصير نسبي ولا بالأبيض الأمهق، أي شديد البهرة ولا بالآدم، ولا بالجعد القَطَط، أي شديد السوطة ولا بالسَّبَط. بعثه الله تعالى على رأس أربعين سنة، فأقام مكة عشر سنين، وبالمدينة عشر سنين، وتوفاه الله على رأس ستين سنة، وليس في رأسه ولحيته عشرون شعرة بيضاء. **حدثنا** قتيبة بن سعيد، عن مالك بن أنس، عن ربيعة بن أبي عبد الرحمن، عن أنس بن مالك، نحوه.

(۶) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نہ زیادہ لمبے قد تھے نہ پستہ قد، (نیز رنگ کے لحاظ سے) نہ بالکل سفید تھے نہ بالکل گندمی رنگ۔ آپ کے ہاں نہ بالکل پیچیدہ تھے نہ بالکل سیدھے (بلکہ ہلکی سی پیچیدگی اور گھوگریدہ پن لئے ہوئے) چالیس سال کی عمر میں آپ کو نبوت ملی، اُس کے بعد دس سال حضور نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا اور دس سال مدینہ منورہ میں، ساٹھ سال کی عمر میں حضور کا وصال ہوا، اُس وقت آپ کے سر مہرک اور داڑھی میں تقریباً بیس بال بھی سفید نہیں ہوں گے۔ **فائدہ:** حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث کتاب کے بالکل شروع میں گزر چکی ہے، اُس کے فائدہ میں بھی ان تینوں روایتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور مختلف روایات میں توجیہ بھی ذکر کر دی گئی۔ علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ عمر شریف کے بارے میں تریسٹھ سال کی روایت صحیح ہے، باقی روایتیں اُس کی طرف راجع کی جاسکتی ہیں، یا اُن میں نیچے کے راویوں سے کسی قسم کی غلطی ہوئی۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی اس روایت کے متعلق یہ توجیہ کی جاتی ہے کہ گنتی میں بسا اوقات صرف وہائیاں ذکر کر دی جاتی ہیں، اوپر کی اکائیوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے عروہ بن الزبیر نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی پینسٹھ برس والی روایت کو غلط بتلایا ہے۔ مد علی قاری رحمہ اللہ نے اُس کو وضاحت سے تحریر فرمایا ہے۔

أنه سمعه يعني أن عبد الرحمن سمع عن أنس أنه كان يقول **ولا بالأبيض الأمهق** [أي: واسع في البياض كما في الخص، حيث لا حمرة فيه أصلاً، فلا يباي أنه ٢٠ كان أبيضاً مشرباً حمرة]. **عشر سنين** [أي: بعد فترة بوحى، فلا يباي أنه أقام في ثلاث عشر سنة، اتفقوا على أنه أقام بالمدينة بعد هجرة عشر سنين، ومكة قبل السنة أربعين سنة وبكى خلاف في مدة إقامته بمكة بعد لسوة وقبل هجرة، ولصحيح أنه ثلاث عشر سنة، ووجه الخلاف في مدة البعث والبعثة، لأن دعوته بمكة بعد ثلاث وأربعين بعد سبعون سنة]. **الحجر ٩٤**

باب ما جاء في وفاة رسول الله ﷺ

حدثنا أبو عمّار الحسين بن حريث وقتيبة بن سعيد وغير واحد، قالوا: حدثنا سفيان بن عيينة،
مصر

باب۔ حضور اقدس ﷺ کے وصال کا ذکر

فائدہ: حضور اقدس ﷺ کا وصال باتفاق اہل تاریخ دو شنبہ کے روز ہوا ہے لیکن تاریخ میں اختلاف ہے۔ اکثر مؤرخین کا قول بارہ ربیع الاول کا ہے۔ مگر اُس میں ایک نہایت قوی اشکال ہے، وہ یہ کہ سنہ ۱۰ھ کی نو ذی الحجہ جس میں حضور اقدس ﷺ حج کے موقع پر عرفات میں تشریف فرما تھے، وہ جمعہ کا دن تھا، اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، نہ محدثین کا نہ مؤرخین کا۔ حدیث کی روایات میں بھی کثرت سے اس کی تصریح ہے کہ حضور کا حج یعنی نو ذی الحجہ جمعہ کو ہوا، اس کے بعد خواہ ذی الحجہ، محرم اور صفر تینوں مہینوں ۳۰ دن کے ہوں یا ۲۹ دن کے یا بعض مہینے ۲۹ کے اور بعض ۳۰ کے، غرض کسی صورت سے بھی بارہ ربیع الاول دو شنبہ کی نہیں ہو سکتی، اسی لئے بعض محدثین نے دوسرے قول کو ترجیح دی کہ حضور کا وصال دو ربیع الاول کو ہوا۔ حضور کے مرض کی ابتدا سر کے درد سے ہوئی، اُس روز حضور اقدس ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تھے، اُس کے بعد حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کے دن میں مرض میں شدت پیدا ہوئی، اسی حالت میں حضور بیبیوں کی باری کی تقسیم پوری فرماتے رہے، مگر جب مرض میں زیادہ شدت ہو گئی تو حضور کے ایماء پر تمام بیبیوں نے حضرت عائشہ کے مکان پر بیماری کے ایام گزارنے کو اختیار کر لیا تھا، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے دولت کدہ پر حضور کا وصال ہوا۔

باب [أي: باب بيان الأحاديث التي وردت في تمام أجدع الشريف] وفاة قال القاري: الوفاة بفتح الواو: الموت، من وف بالتحفيف بمعنى: تم أجدعه، وتوفي ١٠ يوم الاثنين صبحى من ربيع الأول في السنة الحادية عشرة من الهجرة، قيل: لثنتين حنا مه، وقيل: لثنتي عشرة حلت منه وهو الأكثر، ورجح جمع من المحدثين الرواية؛ لورود إشكال على الثانية، وهو أن جمهور أرباب السير على أن وفاته في يوم الاثنين، واتفق أئمة التفسير وأحدith وأسير على أن عرفة في تلك السنة كانت يوم الجمعة، فلا يمكن أن يكون يوم الاثنين الثاني عشر من ربيع الأول، سواء كانت الشهور ثلاثين يوماً أو تسعاً وعشرين. وحله أن يقال: يحتمل اختلاف أهل مكة والمدينة في رؤية هلال ذي الحجة، فيكون عرقاً عند أهل مكة الخميس، وعند أهل المدينة الجمعة، وكان الوقوف برؤية أهل مكة، فلما رجع إلى المدينة اعتبر برؤيتها، وكان الشهور الثلاثة كواحد، فيكون أول ربيع الأول يوم الخميس ويوم الاثنين الثاني عشر منه.

عن الزهري عن أنس بن مالك قال: آخر نظرة نظرُها إلى رسول الله ﷺ. كشف الستارة يوم الاثنين،

کل مدتِ مرض بارہ یا چودہ یوم ہے، اور دو شنبہ کے روز چاشت کے وقت وصال ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ وصال دو شنبہ کے روز ہوا اور چاشت کے وقت ہوا۔ اس کے خلاف جو روایت ہوگی اُس کی توجیہ کی ضرورت ہوگی۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جس وقت حضور ﷺ کا آخری دیدار نصیب ہوا وہ وقت تھا جب کہ حضور نے مرض الوفا میں دو شنبہ کے روز صبح کی نماز کے وقت دولت کدہ پر پردہ اٹھایا کہ امتیوں کی نماز کا آخری معائنہ فرمائیں۔ اس وقت آپ کا چہرہ مبارک صفائی اور انوار اور چمک میں گویا مصحف شریف کا ایک پاک صاف ورق تھا، لوگ اُس وقت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں صبح کی نماز ادا کر رہے تھے (صحابہ رضی اللہ عنہم آپ کو دیکھ کر فرطِ خوشی میں پیچھے ہٹنے لگے اس خیال سے کہ شاید آپ تشریف لاتے ہوں، اس لئے کہ اس سے پہلے بھی بیماری کے ایام میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے اور جس وقت حضور کو افاقت ہوتا تھا، تشریف لا کر جماعت میں شرکت فرماتے تھے) حضور نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور اُسی دن وصال ہو گیا۔

فائدہ: یہ وہی دو شنبہ کے روز کا آخری نظارہ ہے جس پر حضور ﷺ نے یہ انداز فرمایا کہ نظامِ شرعی قائم ہو گیا اور قدیمی رفیق ابو بکر نیابت کا حق ادا کر دے گا اور امت کا بوجھ سنبھال لے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس کو دنیا کی آنکھوں نے دیکھ لیا کہ حضور کے انتقال کا حادثہ جس کے سامنے دنیا کے سارے ہی حوادث کا عدم اور لامتی ہیں اور اس کے ساتھ ہی ارتداد کا فتنہ اور ساری دنیا کا مقابلہ۔ لیکن اُس کو استقلال نے سب ہی کو برداشت کیا اور پتھر کی چٹان سے زیادہ سخت بن کر ہر ٹکراؤ کو پاش پاش کر دیا، حق یہ ہے کہ نیابت کا حق ادا کر دیا۔ حضرت عمر جیسا اسلامی ستون کہ دوست و دشمن سب ہی اُن کی بہادری، شجاعت، قوت کی دھاگے مانتے ہیں، وہ بھی نرمی کی درخواست کریں اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ان کو بزدلی کا طعنہ دیں۔

آخر نظرة [یعنی آخر نظرة نظرُها إلى رسول الله ﷺ. كشف الستارة، أو رمى آخر نظرة نظرُها إلى رسول الله ﷺ. هو يوم الاثنين]. كشف الستارة أي: أمر بكشف الستارة المعلقة على باب البيت، وكانوا يعلقون الستور على البيوت. يوم الاثنين مصوب على الظرفية، فلفظ 'كشف الستارة' ساد مسدودا، أي: آخر نظرة نظرُها إلى وجهه حين كشف الستارة يوم الاثنين، وقيل: مرفوع على أنه حبره، وقوله: 'كشف' بصيغة الماصي المعلوم، حال من رسول الله ﷺ. بتقدير 'قد' كما قاله بعضهم، أو بدوها كما حوَّره آخرون.

فَنظَرْتُ إِلَى وَجْهِهِ كَأَنَّهُ وَرَقَةٌ مُّصْحَفٍ، وَالنَّاسُ يَصْلَوْنَ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ، فَكَادَ النَّاسُ أَنْ يَضْطَرُّوْا، فَأَشَارَ إِلَى النَّاسِ أَنْ الثَّبُوتُ، وَأَبُو بَكْرٍ يُؤْمُهُمْ، وَأَلْقَى السَّجْفَ، وَتَوَفَّى رَسُولُ اللَّهِ ﷺ مِنْ آخِرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ. **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ مَسْعُودَةَ الْبَصْرِيُّ، حَدَّثَنَا سُلَيْمُ بْنُ أَحْمَرَ، عَنْ ابْنِ عَوْنٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ الْأَسْوَدِ، **عَنْ** عَائِشَةَ **رَضِيَ** عَنْهَا قَالَتْ: كُنْتُ مَسْنَدَةَ النَّبِيِّ ﷺ إِلَى صَدْرِي، أَوْ قَالَتْ: إِلَى حِجْرِي، فَدَعَا بِطَسْتٍ لِيَبُولَ فِيهِ، ثُمَّ بَالَ فَمَاتَ ﷺ.

(۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت میں نے حضورِ عالی کو اپنے سینہ پر سہارا دے رکھا تھا کہ آپ نے پیشاب کیلئے طست منگایا اور پیشاب سے فراغت حاصل کی، اُس کے بعد پھر وصال ہو گیا۔ **فائدہ:** حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے یہ مفاخر میں ہے کہ آخری تلبس ان کو حاصل ہوا۔ حضور دنیا سے جب تشریف لے گئے اور وصالِ ربّی حاصل ہوا تو سر مبارک ان کی گود میں تھا۔

فصحف بتثلیث المیم من أصحف بالصم، أي: جعلت فيه الصحف، قال العصام: وجه الفتح والكسر غير ظاهر؛ لأن اسم المحل من الإفعال كمفعوله، ولم يأت اسم الآلة منهما فهو على غير القياس، ثم وجه الشبه هو حسن البشرة وصفاء الوجه واستارته وهما النظر، وأعرب الحنفي في قوله: الوجه هو الإهداء والهداية، ولا يظهر أن يكون أمراً متعلقاً بظاهر الصورة، ووجه غرابته لا يخفى. **حلف** أي بكر [أي: قد اقتدوا به في صلاة الصبح بأمره ﷺ]

السجف بفتح السين المهملة، وقيل: بكسر وسكون الجيم: الستر. [هو الستارة نفسها، وهذا هو الذي عبر عنه أولاً بالستارة.] **آخر ذلك اليوم** وهذا بما في جرم أهل السير، وحكي عنه الاتفاق بأنه توفي حين اشتد الضحى، قال العسقلاني: ويجمع بينهما بأن إطلاق الآخر بمعنى ابتداء الدخول في أول النصف الثاني، وقال ميرك: يجمع بينهما بأن يحمل هذا على تحقق وفاته عند الناس. **مسده** على باء الفاعل، أي: جعلت ظهره مسداً إلى صدري. **حجري** [أي: حضني، وهو: مادون الإبط إلى الكشح.]

بطست هو الطس في الأصل، والثاء فيه بدل من السين، ولذا يجمع على طساس، ويصغر على طسيس، وفي المغرب: الطست مؤنثة أعجمية والطس تعريبها، وأشكل بتذكير ضمير "ليبول فيه" ووجه بأنه باعتبار معناه من الظرف وغيره. ثم نال لعل تراخي البول عن إحصار الطست لضعفه، وفي نسخة: "ثم مال" بالميم، والظاهر أنه تصحيف.

فمات ظاهره أنه مات في حجرها، ويوافقه ما في البحاري عنها: توفي في بيتي في يومي بين سحري وحجري، ولا يعارضه ما للحاكم وابن سعد من طرق: أن رأسه المكرم كان في حجر علي ﷺ لأن كل طريق منها لا يخلو عن شيء، كما ذكره الحافظ العسقلاني، وعلى تقدير صحته يحمل على أنهما تناوبا. قلت: وحالة البول تؤيد حضور الروجة لا غيرها.

حدثنا قتيبة، حدثنا الليث، عن ابن الهاد، عن موسى بن سرجس، عن القاسم بن محمد، **عن** عائشة ابن أبي بكر **رضي الله عنها** أنها قالت: رأيت رسول الله ﷺ وهو بالموت، وعنده قدح فيه ماء، وهو يدخل يده في القدح، ثم يمسح وجهه بالماء، ثم يقول: اللهم أعني على منكرات الموت، أو قال: على سكرات الموت. **حدثنا** الحسن بن صباح البزار، حدثنا ميثم بن إسماعيل، عن عبد الرحمن بن العلاء، عن أبيه، عن ابن عمر، **عن** عائشة رضي الله عنها،

(۳) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ وصال کے وقت حضور اقدس ﷺ کے قریب ایک پیالہ میں پانی رکھ ہوا تھا کہ اس میں حضور بار بار ہاتھ ڈالتے تھے اور چہرہ مبارک پر پھیرتے تھے (کہ یہ شدت حرارت اور گھبراہٹ کے وقت سکون کا سبب ہوتا ہے) اس وقت حضور بارگاہ الہی میں یہ دعا فرما رہے تھے کہ یا اللہ! موت کی شدائد پر میری مدد فرما۔ **فائدہ:** یہ ایک جانب امت کو تعلیم ہے تو دوسری جانب نزع کے وقت جب کہ روح بدن سے نکل رہی ہو، نہایت ثبات و استقلال اور اللہ جل جلالہ کی طرف غایت توجہ کا مظہر ہے کہ نزع کے وقت جب کہ روح بدن سے جدا ہو رہی ہو، تکلیف کا ہونا طبعی اور فطری امر ہے، اس وقت اللہ ہی سے استمداد اور سہولت کی طلب تھی۔

(۴) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی شدت تکلیف کے بعد مجھے کسی شخص کے مرض الموت میں تکلیف نہ ہونے پر رشک نہیں ہوتا۔ **فائدہ:** اس لئے کہ شدت مرض گناہوں کے سقوط اور مراتب کے بلند ہونے کا سبب ہوتا ہے اور مرض کی شدت پیام اجل ہونے کی وجہ سے استغفار کی کثرت اور موت کی تیاری کا ذریعہ ہے۔

سرجس كجعمر مہملات وحیہ قالہ المناوی، وقال القاري: بفتح فسكون ففتح مصرفا، وفي نسخة كسر حیم غير مصروف وهو بالموت [أي: مشغول به، أو متنس به]. [مسح وجهه] لأنه كان يعمى عيه من شدة المرض، فيفعل ذلك ليعيق، ويسر فعل ذلك عن حصره الموت. [مكرات] المكسر ضد المعروف، والمراد شدائده ومكروهاته، ولا شك أنها أمور مسكرة لا يابسه طبع. [سكرات الموت] [أي: استغفاته، وهدئها كان حسب ما يصهر للناس مما يتعق بحاله انصاهر لأجل زيادة رفع الدرجات والترقي في أعلى المقامات والكرامات، أما حانه بفتح مع الملائكة، فإن جبريل جاءه ثلاثة أيام، كل يوم يقول له: إن الله أرسني إليك بكرما وعظما وتقبلا، يسألك عما هو أعظم به منك: كيف تحبك؟ وفي يوم لثالث جاءه منك نبوت فاستأذنه في قصص روحه الشريعة فأذن له، ففعل. [مشر] بفتح موحده وكسر الشين المعجمة الثقبة.

قالت: لا أعبط أحداً بهون موتٍ بعد الذي رأيت من شدة موت رسول الله ﷺ. قال أبو عيسى: سألت أبا زرعة، فقلت له: من عبد الرحمن بن العلاء هذا؟ فقال: هو عبد الرحمن بن العلاء بن اللجلاج. حدثنا أبو كريب محمد بن العلاء، حدثنا أبو معاوية، عن عبد الرحمن بن أبي بكر - هو ابن المليكي - عن ابن أبي مليكة، عن عائشة ؓ قالت: لما قبض رسول الله ﷺ اختلفوا في دفنه، فقال أبو بكر: سمعت من رسول الله ﷺ شيئاً ما نسيته،

(د) حضرت عائشہ ؓ فرماتی ہیں کہ حضور کے وصال کے وقت آپ کے دفن میں صحابہ کرام کا اختلاف ہوا (کسی نے مسجد نبوی کو پسند کیا اور کسی نے آپ کے صحابہ کے قرب کی وجہ سے بقیع کو، کسی کا خیال جذا علی حضرت ابراہیم ؑ کے مدفن پر پہنچنے کا ہوا تو کسی کا وطن اصری مکہ مکرمہ واپس لانے کا۔ غرض مختلف رائیں ہو رہی تھیں) کہ حضرت ابو بکر ؓ نے فرمایا کہ میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے ایک بات سنی ہے جو مجھے خوب محفوظ ہے کہ انبیاء کا وصال اسی جگہ ہوتا ہے جہاں ان کا دفن پسندیدہ ہو، اس لئے حضور کو آپ کے وصال ہی کی جگہ دفن کرنا چاہئے۔

فائدہ: چونکہ حضور اقدس ﷺ کے بعد صدیق اکبر ؓ کے ہاتھ سے یہ سب امور انجام پانے مقدر ہو چکے تھے اس لئے

لا أعبط بكسر الموحدة، أي: لا أعار، وفيه إشعار بأنه لو كان كرامة كان أولى به، والتحقيق أن الشدة كانت في مقدمات الموت لا في نفس سكراته، كما يتوهم، فمراد عائشة ؓ: أي لا تمني من غير سق مرض.

بھون موت: أي: برفقہ، من إصافة الصفة إلى الموصوف، أي: بالموت اسهل، والھون مصدر، ھاد عنہ الشيء، أي: حفف. [أي: سھوته، ومرادھا بذلك: إرادة ما تقرر في النفوس من تمني سھولة الموت، لأنها لما رت شدة موته ؓ علمت أنها ليست علامة رديئة، بل مرضية، فليست شدة الموت علامة عني سوء حال الميت، كما يتوهم، وليست سھولته علامة على حسن حاله. وإحاصل: أن الشدة ليست أماره عني سوء ولا صده، والسهولة ليست أماره عني خير ولا صده.]

من عبد الرحمن قال القاري: وإنما استفهم عنه؛ لأن عبد الرحمن بن العلاء متعدد بين الرواة اللجلاج نخيمير وفتح اللام الأولى، كذا في هامش التهذيب عن المعني. هو ابن أبي كريب المصمري ابن عبد الرحمن؛ لأن المشهور هذه النسبة هو عبد الرحمن بمسح لا أبو بكر. والمليكي بضم الميم مصعراً. اختلفوا فقيل: في مسجده، وقيل: بالبقيع، وقيل: عند جده إبراهيم ؑ، وقيل: بمكة.

قال: ما قبض الله نبيّاً إلا في الموضع الذي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فيه، إِذْفَنُوهُ فِي مَوْضِعِ فَرَاشِهِ.

ای: البعير أو الله

اس نوع کے مسائل بھی خصوصیت سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی کو معلوم تھے۔ نمونہ کے طور پر چند حدیثیں مختصر طور پر نقل کرتا ہوں:

نمبر ۱: کسی نبی کی وفات اُس وقت تک نہیں ہوتی کہ اُمت میں سے کسی کا مقتدی بن کر نماز نہ پڑھے۔

نمبر ۲: زکوٰۃ وصول کرنے کی حدیثیں اور اس کے نصاب۔

نمبر ۳: میرے گھر یعنی قبر اور منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

نمبر ۴: انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔

نمبر ۵: حق تعالیٰ جب کسی نبی کو کوئی رزق عطا فرماتے ہیں تو اُس کا متولی وہ شخص ہوتا ہے جو نبی کا خلیفہ ہو۔

نمبر ۶: جو شخص خلیفہ اور بادشاہ بنے اور وہ لا پر وائی سے کسی کو نائب بنائے اُس پر اللہ جلّ جلالہ کی لعنت ہے۔ لا پر وائی کا مطلب یہ ہے کہ حق کی رعایت نہ کرے۔

نمبر ۷: حدّ زنا کی حدیث۔

نمبر ۸: جہاد میں مشورہ کی حدیث۔

نمبر ۹: دین کا مدار لا الہ الا اللہ پر ہے۔

نمبر ۱۰: خلافت کا قریش میں ہونا۔

نمبر ۱۱: انصار کے فضائل اور ان کے بارے میں خلیفہ کو خیر خواہی کی وصیت۔

نمبر ۱۲: چوری کی سزا۔

نمبر ۱۳: مُنصف متواضع بادشاہ زمین پر اللہ کا سایہ ہے۔

نمبر ۱۴: جو یہ چاہے کہ جہنم کی سختی سے محفوظ رہے اور اللہ کے سایہ میں رہے، مومنین پر سختی نہ کرے، ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ کرے۔

الموضع الخ أشكل عليه بقل موسى ۱۰ يوسف ۱۰ من مصر إلى فلسطين، وأشكل أيضاً أن مقتضى الحديث أن وفاة عيسى ۱۰ تكون في الحجرة الشريفة، والتوجيه في كليهما متسع.

حدثنا محمد بن بشّار، وعباس العنبري، وسوّار بن عبد الله، وغير واحد قالوا: أخبرنا يحيى بن سعيد، عن سفیان الثوري، عن موسى بن أبي عائشة، عن عبيد الله بن عبد الله، **عن** ابن عباس وعائشة **رضي** عنهما، أن أبا بكر **قَبْلَ النَّبِيِّ** بعد ما مات. **حدثنا** نصر بن عليّ الجهضمي، حدثنا مرحوم بن عبد العزيز العطار، عن أبي عمران الجوني، عن يزيد بن بابتوس، **عن** عائشة **رضي** عنها، أن أبا بكر دخل على النبي **ﷺ** بعد وفاته، فوضع فمه بين عينيه، ووضع يديه على ساعديه، وقال: **وَأَنْبِيَاءُ! وَأَصْفِيَاءُ! وَاحْلِيلَاهُ!**

نمبر ۱۵: جو قوم جہاد چھوڑ دیتی ہے عذاب عامہ میں مبتلا ہوتی ہے (تاریخ الخلفاء) ان کے علاوہ اور بھی ایسی روایات ہیں جن کا تعلق حضور کے وصال اور وصال کے بعد کے انتظامات سے ہے۔

(۶) حضرت ابن عباس **رضی** عنہما اور حضرت عائشہ **رضی** عنہا فرماتی ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق **رضی** عنہ حضور کے وصال کے بعد تشریف لائے اور آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا۔

فائدہ: یہ حدیث مختصر ہے، آئندہ مفصل قصہ آرہا ہے۔ یہ بوسہ دینا تبرک اور تین کا تھا جیسا کہ شراح حدیث نے لکھا ہے، اور بندہ کے ناقص خیال میں الوداع کا تھا کہ محبوب کی دائمی مفارقت ہو رہی تھی۔

(۷) حضرت عائشہ **رضی** عنہا فرماتی ہیں کہ حضور **ﷺ** کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر **رضی** عنہ تشریف لائے، آپ کی پیشانی پر بوسہ دیا اور آپ کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر یہ فرمایا: ہائے نبی! ہائے صفی! اور ہائے غلیل! **فائدہ:** یہ الفاظ نوحہ کے طور پر نہیں تھے،

العنبري سبعة لمني العنبر، صائفة من تميم. عبد الله مصعرا، ابن عبد الله بن عتبة بن مسعود. فل بتشديد الموحدة. قال القاري: بين عبيد كما سيأتي، أو جهته كما رواه أحمد، قال المناوي: فعله تيمنا وتبركا واقتداء بتقبيبه **رضي** عنهما عثمان بن مظعون، الحواري بفتح الحميم، سبعة إلى دون بطن من أرد. [اسم عبد الملك ابن حبيب المصري الأردني، من علماء البصرة، ثقة، توفي سنة ثمان وعشرون ومائة، خرج له الجماعة.] **باسوس**. موحدة فألف فموحدة ساكنة فون مصمومة فمهملة، بصريّ كذا في المناوي. واساه هماء ساكنة للسكت، تراد وقعا لإرادة ظهور الألف، قال المناوي: فيه حلّ عد أوصاف الميت من غير نوح ولا ندب، أصله. يا نبي الحق، آخره ألف المدّة ليحتد بها الصوت ليمتاز المندوب عن المادي.

حدثنا بشر بن هلال الصَّوَّاف البصريُّ، حدثنا جعفر بن سليمان، عن ثابت، عن أنس . قال: لما كان اليوم الذي دخل فيه رسول الله ﷺ المدينة أضواء منها كلُّ شيء، فلما كان اليوم الذي مات فيه، أظلم منها كلُّ شيء. وما نَفَضْنَا أَيْدِينَا مِنَ التُّرَابِ وَإِنَّا لَفِي دَفْنِهِ،

اس نئے کوئی اشکال نہیں ہے، منہ احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور کے سر ہانے کی طرف تشریف لائے اور چہرہ انور پر سر جھکایا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: وانبیاء! ہائے نبی، اُس کے بعد سر اٹھایا، پھر سر جھکایا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا: واحلیلاہ!۔

(۱) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس روز حضور اقدس ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تھے، مدینہ کی ہر چیز منور اور روشن بن گئی تھی (اور جب انوار کی کثرت ہوتی ہے تو اس قسم کی روشنی محسوس بھی ہو جاتی ہے، رمضان المبارک کی اندھیری راتوں میں بسا اوقات انوار کی کثرت سے روشنی ہو جاتی ہے) اور جس دن حضور کا وصال ہوا ہے مدینہ کی ہر چیز تاریک بن گئی تھی۔ ہم لوگ حضور کے وصال کے بعد مٹی سے ہاتھ جھانسنے نہ پائے تھے کہ ہم نے اپنے قلوب میں تغیر پایا۔

فائدہ یہ مطلب نہیں کہ کسی قسم کا اعمال و عقائد میں تغیر ہو گیا تھا بلکہ فیض صحبت اور مشاہدہ ذات کے انوار جو ہر وقت مشاہدہ ہوتے تھے، وہ حاصل نہ رہے تھے، چنانچہ اب بھی سالکین کو مشائخ کے یہاں کی حاضری اور غیبت میں انوار کا بہت فرق محسوس ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اُن انوار کے حاصل کرنے کے لئے اب مجاہدات ذکر کی کثرت اور مراقبہ کا اہتمام کرایا جاتا ہے اور اُس وقت کسی چیز کی بھی ضرورت نہ تھی، جمال جہاں آرا کی زیارت ہی سیکڑوں جنموں سے زیادہ تھی اور ایمان و احسان کی اُس انتہائی نسبت کو پیدا کرنے والی تھی جو سیکڑوں مجاہدوں سے بھی پیدا نہیں ہوتی کہ صحابی بننے کے بعد

اصء صاءت وأنصاءت معنی: استنصاءت وصارت مصیئة. قال المناوي: طاهره أن الإصاءة والإطلام محسوسان معجزة، وأن الإصاءة دامت إلى موته، فعقبها الإصلاص من غير مهلة، كما يدل عليه قوله: فلما كان يوم وفيل: هما معويان كناية عن صلاح المعاش والمعاد وكمال السرور والسعادة، وعكسه القاري نعت لمصطفى، إذ قال: الأصهر أنهما معويان، خلافاً لأن حجر، حيث قال: الصاهر أنهما محسوسان معجزة. [وفيل: إصاءة كناية عن الفرح التام لسكان المدينة | التراب: [أي: تراب قبره ﷺ الشريف. ونفض الشيء: تحريكه ليروى عنه الغبار.]

حتى أنكرنا قلوبنا. **حدثنا** محمد بن حاتم، حدثنا عامر بن صالح، عن هشام بن عروة، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: توفي رسول الله ﷺ يوم الاثنين. **حدثنا** محمد بن أبي عمر، حدثنا سفيان بن عيينة، عن جعفر بن محمد، عن **عن** أبيه قال: قبض رسول الله ﷺ يوم الاثنين، فمكث ذلك اليوم وليلة الثلاثاء، ودُفن من الليل.

اللہ اور اُس کے رسول کی محبت کے مقابلہ میں تن من، جان و مال سب بے حقیقت چیزیں بن جاتی تھیں۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی پوری زندگی اس کی شاہدِ عدل ہے۔

(۹) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور کا وصال دو شنبہ کے روز ہوا۔

فائدہ: یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ دو شنبہ کے دن حضور کا وصال ہونا محدثین و مؤرخین کا اجماعی مسئلہ ہے۔

(۱۰) امام باقر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور کا وصال دو شنبہ کے روز ہوا، یہ روز اور سہ شنبہ کا روز انتظام میں گزرا اور منگل بدھ کی درمیان شب میں حضور والا کو قبر شریف میں اتارا۔ سفيان جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام باقر کی حدیث میں تو یہی ہے جو گزری، لیکن اور روایت میں یہ بھی ہے کہ اخیر حصہ شب میں پھاڑوں کی آواز آتی تھی۔

حتى أنكرنا قلوبنا [أي: تعيرت حالها بوفاة النبي ﷺ عما كانت عليه من الرقة والصفاء لاقطاع الوحي وبركة الصحة وفقدان ما كان يحصل لهم من فعل الرسول ﷺ من التأييد والتعليم، ويحتمل أن يراد: إنكار القنوب باعتباره لها لا تمنع من الإقدام على بعض التراب عليه ﷺ، ويؤيد هذا الاحتمال ما روي عن أسس بن مالث قال: قالت فاصمه يا أسس! أطأت أنفسكم أن تحثوا التراب على رسول الله ﷺ | نصيحة المتكلمة للماضي: أي: تعيرت قلوبنا لوفاة ﷺ] وم تق على ما كانت من الرقة والصفاء، وفي الحديث حجة لمشائخ الصوفية، وردّ على من أنكر مجاهدات المشائخ مستدلاً بأن الصحابة رضي الله عنهم لم يفعلوه. يوم الاثنين [كما هو متفق عليه عند أرباب النقل].

عن ابنه [أي: محمد الباقر بن علي بن العابد بن الحسين بن علي، توفي سنة ثمان وأربعين ومائة عن خمس وستين سنة، ودفن بالقبع مع أبيه وجده، وهو من التابعين، والحديث مرسل]. وليلة الثلاثاء، قال المناوي: وفي مسح بدل ليلة الثلاثاء "يوم الثلاثاء"، وقال القاري: قوله: "ليلة الثلاثاء" بالمد، ويرد في بعض المسح بعده: "ويوم الثلاثاء". من الليل أي: ليلة الأربعاء على ما عليه الأكثر، وفيه أقوال آخر من ليلة الثلاثاء، ويوم الثلاثاء، وغير ذلك قاله المناوي، وقال القاري: قال في جامع الأصول: دفن ليلة الأربعاء وسط الليل، وقيل: ليلة الثلاثاء، وقيل: يوم الثلاثاء، والأول أكثر.

قال سفیان: وقال غيره: يُسمع صوت المساحي من آخر الليل.

فائدہ: گویا آخر حصہ شب میں قبر کھودی گئی۔ اس حدیث میں یہ غلجان کیا جاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے دفن میں اس قدر تاخیر کیوں کی گئی؟ حالانکہ دفن کی تعمیل میں متعدد روایات وارد ہوئی ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس موقع پر جس قدر مراحل درپیش تھے ان کے لحاظ سے یہ بھی کچھ تاخیر نہیں ہوئی بلکہ تعمیل ہی تھی کہ اول تو اس حادثہ ہائلہ کی وجہ سے ہوش و حواس ہی ابو بکر کے علاوہ کس کے رہ گئے تھے۔ کوئی مد ہوش تھا، کوئی حیرت زدہ کہ زبان سے بات نہ نکلتی تھی، کوئی صدمہ کی شدت سے حضور کے وصال کا یقین ہی نہ کرتا تھا، حضرت عمر جیسا بہادر اور استقلال و شجاعت کا مجسمہ بے قابو تھا، اس کے بعد جو مراحل انتظامیہ درپیش تھے وہ ایک سے ایک بڑھ کر۔ اس لئے کہ سب سے اہم کام اس وقت خلافت کا مسئلہ تھا کہ تجہیز و تکفین کے ہر جزو میں اس کی ضرورت تھی کہ ہر جزو میں اختلاف ہو رہا تھا، نیز نبی ہونے کی وجہ سے ہر جزو میں حکم معلوم کرنے کی بھی ضرورت تھی۔

چنانچہ گزشتہ اختلاف سے معلوم ہو گیا کہ کوئی مکہ مکرمہ واپس لے جانے پر مصر تھا اور کوئی مدفن ابراہیمی پر لے جانا چاہتا تھا وغیرہ وغیرہ، ایسے ہی تجہیز و تکفین اور صلوٰۃ الجنازہ میں اشکالات تھے کہ عام لوگوں کی تجہیز و تکفین ہمیشہ دیکھنے میں آئی مگر کسی نبی کو اس سے قبل دفنانے کی نوبت نہ آئی تھی، کس طرح غسل دیا جائے، کس طرح نماز پڑھی جائے، ہر مسئلہ میں احادیث کے معلوم کرنے کی ضرورت تھی، چنانچہ کپڑوں ہی میں حضور کو غسل دیا گیا اور بغیر جماعت کے علیحدہ علیحدہ نماز پڑھی گئی، جیسا کہ آئندہ آ رہا ہے اور تمام مسلمانوں کی علیحدہ علیحدہ نماز کے لئے جتنا وقت چاہئے تھا وہ بھی ظاہر ہے۔

المساحي: يفتح الميہ وكسر احاء المهمة جمع مسحاة، وهي كالمحرفة ولا ألها من حديد عني ما في الصحاح، وفي النهاية: ميمه رائدة؛ لأنه من المسح بمعنى الإزالة والكشف. من آخر الليل قال القاري: هذا لا ينافي ما في الجمع من أنه وسط الليل، لأن المراد بالوسط: الخوف، أو كان الاندلاء من الوسط، وانتهى إلى آخر الليل [وأي آخر دفعه ﷺ مع أنه يسرّ تعجيله؛ لعدم اتفاقهم على محل دفعه، ووقوع الاضطراب بين الأصحاب، ودعشتهم من ذلك الأمر اهاتل الذي لم يقع فيه ولا بعده مثله، وكأنهم أحساد بلا أرواح، وأجساد بلا عقول، حتى أن منهم من صار عاجزا عن النطق، ولا شئعه من صب الإمام الذي يتولى مصالح المسلمين.]

حدثنا قتيبة بن سعيد، حدثنا عبد العزيز بن محمد، عن شريك بن عبد الله بن أبي نمر، **عن** (١١)
 أبي سلمة بن عبد الرحمن بن عوف **رضي** الله عنه قال: **توفي** رسول الله ﷺ يوم الاثنين، ودفن يوم
 الثلاثاء. قال أبو عيسى: هذا حديث غريب. **حدثنا** نصر بن علي الجهضمي، أخبرنا عبد الله بن
 داود، حدثنا سلمة بن لبیط، أخبرنا عن نعيم بن أبي هند، عن سبط بن شريط،

اس کے علاوہ انصار میں بیعت کا مسئلہ بحث میں آ جانے سے یہ مهم اور بھی زیادہ سخت بن گئی تھی کہ اگر کوئی نا اہل امیر بن گیا
 تو دین کا سنبھالنا مشکل پڑ جائے گا اور اس کو امارت سے ہٹانا ایک مستقل فتنہ کا دروازہ ہوگا، اس لئے اس وقت دین کا تحفظ
 صرف امارت ہی کے مسئلہ پر موقوف بن گیا تھا۔ چنانچہ شرم تک بیعت کا مسئلہ طے ہوا اور دوسرے دن بیعت عامہ ہو جانے
 کے بعد پھر حضرت صدیق اکبر **رضی** اللہ عنہ کے ارشاد کے موافق ہر ہر مرحلہ سہولت سے طے ہوتا گیا۔

(۱۱) ابو سلمہ **رضی** اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس **ﷺ** کا وصال دو شنبہ کے روز ہوا اور سہ شنبہ کو دفن کیے گئے۔

فائدہ: منگل بدھ کی درمیانی شب میں حضور اقدس **ﷺ** دفن فرمائے گئے جس کو عرفاً منگل کا دن بھی کہا جاسکتا ہے اور
 بدھ کا دن بھی، اس لئے یہ روایت پہلی روایت کے کچھ خلاف نہیں۔ بعض علماء نے یہ بھی کہا کہ خلافت کے مسئلہ سے
 فراغت کے بعد سہ شنبہ کے دن میں تجہیز و تکفین کی ابتدا ہوئی اور چہر شنبہ کی شب میں فراغت ہوئی۔

يوم الثلاثاء قيل: هذا سهو من شريك، وقيل: يجمع بينهما بأن الحديث الأول باعتار الانتهاء، وهذا باعتار الابتداء،
 يعني: الابتداء بنحوه في يوم الثلاثاء، وفراغ الدفن من آخر ليلة الأربعاء. **سبط** بنون وموحدة تحتية ومهمدة مصعراً،
 وسلمة هدا ولد سبط بن شريط الأتي، قال الحافظ في ترحمته: سلمة بن سبط بن شريط بن أنس الأشجعي أبو فرس
 الكوفي، روى عن أبيه، وقيل: عن رجل، عن أبيه، وعن نعيم بن أبي هند إلى آخر ما قاله.

أحمرًا ساء المجهول علي ما عليه الأكثر من شارح الشمائل، وقبل ساء الماعل، فلفظ 'أحمرًا' قبل سمة رائد، ويؤيده
 فقده في بعض النسخ. قال القاري في نسخة صحيحة بخط ميرث: أنشأ عبد الله بن داود، قال سلمة بن سبط: أحمرًا
 بصيغة الماعل عن نعيم بن أبي هند، قال ميرث: ويؤيده أيضاً ما وقع في بعض النسخ: حدثنا سلمة بن سبط أن نعيم بن أبي
 هند. **بن شريط**. شريط، قال الجزري: بفتح الشين المعجمة صحيح، وبضمها غلط فاحش.

عن "سالم بن عیید" - وكانت له صحبة - قال: أغمرني على رسول الله ﷺ في مرضه، فأفاق، فقال: حضرت الصلوة؟ فقالوا: نعم،

(۱۲) سالم بن عیید صحابی کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو مرض الوفات میں بار بار غشی ہوتی تھی اور جب افاتہ ہوتا تو زبان سے یہ نکلتا کہ نماز کا وقت ہو گیا یا نہیں؟ اور نماز کا وقت ہو جانے کا حال معلوم ہونے پر چونکہ مسجد تک تشریف لے جانے کی طاقت نہ تھی اس لئے ارشاد عالی ہوتا کہ بلال سے کہو کہ نماز کی تیاری کریں اور صدیق اکبر نماز پڑھائیں، متعدد مرتبہ ایسا ہی ہوا (لیکن ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ طبعی طور پر نرم دس پیدا ہوئے تھے، رقت اکثر طاری ہو جاتی تھی اور پھر حضور کے ساتھ کا تعلق، ان کی بیٹی حضرت عائشہ بھی جانتی تھیں کہ میرے باپ سے آپ کی خالی جگہ نہ دیکھی جائے گی اس لئے) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے درخواست کی کہ میرے باپ ابو بکر رقیق القلب ہیں، جب حضور کی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھائیں گے تو رونے لگیں گے اور نماز پڑھانے کی طاقت نہیں رکھیں گے، اس لئے کسی اور کو فرما دیجئے کہ نماز پڑھائے۔

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے متعدد مرتبہ سوال و جواب پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ تم یوسف علیہ السلام کے قصہ والی عورتیں بننا چاہتی ہو۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔

فائدہ: اس قول کی شرح میں کہ "تم یوسف علیہ السلام والی عورتیں ہو" علماء کے چند اقوال ہیں اول یہ کہ تم سے مراد صرف عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں اور ان عورتوں سے مراد صرف زینب ہیں اور جمع کا لفظ تعظیمی محاورہ کے اعتبار سے فرما دیا۔ اس قول کے موافق (الف) تشبیہ بجا بات پر اصرار کرنے میں ہے کہ جیسا زینب نے ایک ناحق اور نامناسب بات پر حضرت یوسف پر بہت زیادہ اصرار کیا، ایسے ہی تم بھی ایک بے جا بات پر اصرار کر رہی ہو۔ (ب) یہ کہ تشبیہ اس بات میں ہے کہ جیسے زینب نے اپنی

اعمری صبغہ جھول لی: عشی، وفي الحديث حور لإعلاء على الأسياء، بخلاف الخسوف، فإنه نقص ينافي مقامهم، وفيد الشيع أبو حماد من لشافعية يعبر بصويين، وبه جرم السقي، وفان السكي يسس عثمانهم كبرياء غيرهم، لأنه يمد بستر حواسهم الطاهرة دون قلوبهم وقوتهم الناصية؛ لأنها إذا عصمت من سوء لأحف فالإعلاء بالألوان، وأما الخسوف فيمنع عنهم قلبه وكثيره، قال القاري: لأنه مما لم يالله عنهم مطلقاً في مواضع حضور الصلوة [أي: أحضرت صلاة العشاء الأخيرة؟ كما ثبت عند البخاري، أي: أحضر وقتها.]

فقال: مُروا بلالا فليؤذن، ومُروا أبا بكر فليُصلّ للناس -أو قال: بالناس- ثم أغمي عليه، فأفاق، فقال: حضرت الصلوة؟ قالوا: نعم، فقال: مُروا بلالا فليؤذن، ومُروا أبا بكر فليُصل بالناس، فقالت عائشة: إن أبي رجل أسيف، إذا قام ذلك المقام بكى، فلا يستطيع، فلو أمرت غيره، قال: ثم أغمي عليه، فأفاق، فقال: مُروا بلالا فليؤذن، ومُروا أبا بكر فليُصل بالناس، فإلكن صواحب -أو صواحبات- يوسف.

ملامت کرنے والیوں کو دعوت کے نام سے بلایا اور ظاہر یہ کیا کہ دعوت مقصود ہے، لیکن اصل مقصد یہ تھا کہ وہ حضرت یوسف کے حسن و جمال کو دیکھ کر زلیخا کو معذور سمجھیں، ایسے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی ظاہر تو یہ فرماتی ہیں کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ رقیق القلب ہیں، وہ آپ کی جگہ پر کھڑے ہونے کی عاقبت نہیں رکھتے، لیکن دل میں یہ ہے جیسا کہ خود حضرت عائشہ سے دوسری جگہ منقول ہے کہ مجھے حضور سے بار بار مراجعت کرنے کا تقاضا اس وجہ سے ہو رہا تھا کہ میرے نزدیک لوگ اُس شخص کو کبھی بھی پسند نہ کریں گے جو حضور کی جگہ کھڑا ہو اور اُس کو منحوس سمجھیں گے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ تم سے مراد حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں اور حضرت یوسف علیہ السلام والی عورتوں سے مراد وہ عورتیں ہیں جن کو زلیخا نے دعوت کے نام سے بلایا تھا۔ اس قول کے موافق بھی: (الف) تشبیہ بے جا بات پر اصرار میں ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما بے جا بات پر اصرار فرما رہی تھیں، چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ حضرت حفصہ نے بھی اس چیز پر اصرار کیا۔

فليؤذن: بتشديد الذال من التأذين، أي: فينبذ بالصلوة، وهو يحتمل كلاً من الأذان والإقامة، والثاني أقرب قاله القرطبي، وقيل بسكون الهمزة وتخفيف الذال، بمعنى: فيعلم. أسيف: فاعيل، بمعنى فاعل من الأسف، وهو شدة الحزن، أي: يغلب عليه الحزن والبكاء. صواحبات يوسف: [أي، مثلهن في إظهار خلاف ما يظن، حيث إن زليخا استدعت السموة، وأطهرت هن الإكرام بالصياغة، وأضمرت أنهن يظنن أن حسن يوسف فيعدها في حبه، وعائشة رضي الله عنها أطهرت أن سب محبتها صرف الإمامة عن أيها: أنه رجل أسيف، وأنه لا يستطيع ذلك، وأضمرت أن لا يتشأم الناس به، لأنها طلت أنه لا يقوم أحد مقامه إلا تشأم الناس به، والخطاب وإن كان بمعنى الجمع، لكن المراد به واحدة، وهي عائشة. وكذا الجمع في قوله: 'صواحب' الذي هو جمع صاحبة. وصواحات الذي هو جمع صواحب، فهو جمع الجمع، والمراد به: امرأة العرير.]

قال: فامر بلال فأذن، وأمر أبو بكر فصلى بالناس، ثم إن رسول الله ﷺ وجد خيفة، فقال: انظروا لي من أتكنى عليه، فجاءت بريرة ورجل آخر، فاتكأ عليهما، فلما رآه أبو بكر،
[أي. اعتمد عليه عند خروج]

(ب) یہ کہ تشبیہ وہی دل کے خلاف بات ظاہر کر کے اصرار کرنے میں ہے کہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ذہن میں تو یہ مضمون تھا کہ لوگ حضور کی جگہ حضرت صدیق کو کھڑا ہوا دیکھیں گے تو نوحست کا دوسرہ کریں گے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے بھی موافقت پر اصرار کرایا، اور ان کے دل میں اپنے والد کی بڑھوتری ہو کہ نبی کی نیابت کا حق ادا کرنے کا واہمہ ہو، اس لئے حضور نے ان کو یوسف علیہ السلام کے قہرے وایوں کے ساتھ تشبیہ دی کہ وہ ظاہر میں تو حضرت یوسف علیہ السلام پر زلیخا کی موافقت کا اصرار کر رہی تھیں لیکن درحقیقت ہر ایک اپنی طرف مائل کرنے کا انداز برت رہی تھی۔

بعض علماء نے وجوہ تشبیہ اور بھی بتلائی ہیں۔ چونکہ حدیث طویل تھی اس لئے اس فائدہ کو مختصر طور پر درمیان میں لکھ دیا۔ آگے بقیہ حدیث کا ترجمہ آتا ہے اور کچھ فوائد بھی مختصر درمیان میں آگئے۔ بعض روایات میں اس جگہ حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد بھی منقول ہے کہ اللہ جل ثناؤ اور مسلمان ابو بکر کے سوا اور کسی کو نہیں مانیں گے) امثال حکم پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی (اور حضور کے وصال تک سترہ نمازیں ادا فرمائیں، اس لئے کہ یہ قہرے جس کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے، پنج شنبہ کی شام کا ہے، پنج شنبہ کے روز حضور اقدس ﷺ کی طبیعت مبارک زیادہ ناساز رہی اور جمعہ کی شب میں عشاء کی نماز کے وقت کی یہ تمام گفتگو ہے اور عشاء کی نماز سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھنا شروع کی اور دو شنبہ کے روز

فصلی بالناس: [أي: تلت الصلوة، وجموع ما صلى هم سبع عشرة صلاة، كما نقله الدمشقي، أولها عشاء ليلة الجمعة، وآخرها صبح يوم الاثنين الذي توفي فيه رسول الله ﷺ] فجاءت بريرة. وهي بريرة بنت صفوان، قبطية وحشية، مولاة عائشة رضي الله عنها. والمراد أنها أرادت توصله إلى الباب، ثم الأصحاب يوصلونه إلى المحراب.

ورجل آخر قال ميرك: اسمه بوبة بضم الباء والموحدة المحققة، كما جاء في بعض الروايات، ووهم من رعم أنه امرأة. قال القاري: في رواية ابن حبان بريرة وبوبة، وصطحه ابن حجر بضم فسكون ثم قل: إنه أمة هذا، وجاء في رواية الشيعيين في سيق آخر رجلا: عباس وعبي، وفي طريق آخر: ويده على الفصل بن عباس ويده على رجل آخر، وجاء في رواية: أحدهما أسامة، وعبد الدارقضي أسامة والفصل، وعبد ابن سعد الفصل وثوبان، وجمعوا بين هذه الروايات على تقدير ثبوت جميعها نعتدّ الخروج، أو تأمّه تدويع.

ذهب لِيُنْكَصَ، فَأَوْماً إِلَيْهِ أَنْ يَثْبِتَ مَكَانَهُ، حَتَّى قَضَى أَبُو بَكْرٍ صَلَوَتَهُ. ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قُبِضَ، فَقَالَ عُمَرُ: وَاللَّهِ لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قُبِضَ إِلَّا ضَرْبَتَهُ بِسَيْفِي هَذَا! - قَالَ: كَانَ النَّاسُ أَقْيَمِينَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ نَبِيٌّ قَبْلَهُ-

چاشت کے وقت حضور کا وصال ہوا، اس لئے کل سترہ نمازیں ہوئیں جو مسلسل حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور کے شدتِ مرض کے ایام میں پڑھائیں۔ بندۂ ناکارہ کے نزدیک چونکہ مرض کی ابتدا اس سے بہت پہلے سے تھی اس لئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ان ایام میں بھی کبھی کبھی نماز پڑھائی۔ دورانِ مرض میں ایک مرتبہ حضور کو کچھ افاقہ ہوا تو فرمایا: دیکھو کوئی سہارا دیکر مسجد تک لے جانے والا ہے؟ اس ارشاد پر دو شخصوں نے حضور کا ہاتھ پکڑا اور حضور اُن کے سہارے مسجد تک تشریف لے گئے، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے کا ارادہ فرمایا تو حضور نے اشارہ سے منع فرمادیا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے نماز پوری کر دی (بالآخر دو شنبہ کے روز) حضور کا وصال ہو گیا (صحابہ رضی اللہ عنہم کے اوپر یہ سخت وقت جس قدر بھی مشکل اور کٹھن تھا وہ ظاہر ہے، منافقین اور مخالفین کے فتنے اور حضور کے ۲۳ سالہ باغ کی حفاظت اور ان سب کے ساتھ حضور جیسی قدسی ذات کی مفارقت اور اُس محبوب کی جدائی جس کی بدولت گھربار، خویش و اقارب،

لِيُنْكَصَ: قَالَ الْحَنَفِيُّ: بِضَمِّ الْكَافِ، وَقَالَ الْقَارِي: الْأَوَّلُ أَنْ يَضْبُطَ بِكَسْرِ الْكَافِ طَبَقَ مَا فِي الْقُرْآنِ: ﴿عَنِ أَغْقَابِكُمْ تَنْكَبُونَ﴾ [المؤمنون: ۶۶] بِالْكَسْرِ عَلَى مَا أَجْمَعَ عَلَيْهِ الْقَرَاءُ السَّبْعَةُ وَالْعَشْرَةُ وَمَا فَوْقَهُمْ، نَعَمْ قَالَ الزَّجَّاجُ: يَجُوزُ ضَمُّ الْكَافِ، وَكَذَا جَوْرُهُ صَاحِبُ الصَّحَاحِ، أَيْ: لِتَأْخُرَ وَالنَّكُوصُ: الرَّجُوعُ قَهْقَرَى. فَأَوْماً: بِالْهَمْزِ عَلَى الصَّحِيحِ، وَفِي نَسْخَةِ: فَأَوْمِي، وَلَعَلَّهُ مَبْنِيٌّ عَلَى التَّخْفِيفِ، أَيْ: أَشَارَ النَّبِيُّ ﷺ. أَنْ يَثْبِتَ مَكَانَهُ: [أَيْ: لِيَبْقَى عَلَى إِمَامَتِهِ وَلَا يَتَأَخَّرَ عَنْ مَكَانِهِ].

حَقِّ قَضَى: قَالَ الْمَنَازِيُّ: ظَاهِرُهُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ اقْتَدَى بِهِ، وَبِهِ صَرَّحَتْ رِوَايَةُ الْبَيْهَقِيِّ، وَقَالَ الْقَارِي: ظَاهِرُهُ أَنَّهُ ﷺ رَجَعَ، خِلَافًا لِأَسْحَرَ حَبِثَ قَالَ: ظَاهِرُهُ أَنَّهُ ﷺ اقْتَدَى بِهِ، وَالْمُعْتَمَدُ عِنْدَ أَنْ اقْتِدَاءَهُ بِهِ كَانَ قَبْلَ ذَلِكَ. قُبِضَ: [أَيْ: قَصَصَ اللَّهُ رُوحَهُ إِشْرِيقَةً، وَأَبُو بَكْرٍ عَائِبٌ بِالْعَالِيَةِ عِنْدَ رُوحَتِهِ حَارِجَةً عِنْدَ إِدْنِهِ ﷺ لِحِكْمَةِ إِنْهَاءِ]. قَالَ عُمَرُ [أَيْ: وَالْحَالُ أَنَّهُ سَلَّ سَبْعَةً، وَالْحَامِلُ لَهُ عَنِ ذَلِكَ: صَدَقَ مَوْتُهُ، وَأَنَّ الَّذِي عَرَّضَ لَهُ عَشِي تَامَ]. لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ: وَكَانَ يَقُولُ: إِنَّمَا أُرْسِلُ إِلَيْهِ كَمَا أُرْسِلُ إِلَى مُوسَى. فَلَمَّا عَنِ قَوْمِهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً، أَوْ يَصُ أَنْ مِنَ الْعَشِيَّاتِ الْمَعْتَادَةِ لَهُ ﷺ

أَقْيَمِينَ: [أَيْ: وَكَانَ الْعَرَبُ لَا يَقْرَأُونَ وَلَا يَكْتُبُونَ. هَذَا هُوَ مَعْنَى الْأَقْيَمِينَ فِي الْأَصْلِ. وَالْمُرَادُ هُنَا بِهِمْ: مَنْ لَمْ يَحْصُرْ مَوْتَ نَبِيِّ قَبْلَهُ، فَقَوْلُهُ: لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ نَبِيٌّ قَبْلَهُ تَفْسِيرٌ وَبَيَانٌ لِمُرَادِ بِالْأَقْيَمِينَ.]

فَأَمْسَكَ النَّاسُ، قَالُوا: يَا سَالِمُ! انْطَلِقْ إِلَى صَاحِبِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَادْعُهُ، فَأَتَيْتَ أَبَا بَكْرٍ، وَهُوَ

فِي الْمَسْجِدِ، فَأَتَيْتُهُ أَبْكَى دَهْشًا،

فتح لسان وكسر شاي، أي، متحير

مال و متاع سب لٹا دیا تھا اور چونکہ آج صبح سے افاقہ کے آثار معلوم ہو رہے تھے جو در حقیقت سنبھلا تھا نہ کہ افاقہ، اس لئے حضور کے وصال کی خبر کے باوجود بہت جلد خبر مشہور ہو جانے کے بہت سے حضرات کو یقین نہیں آیا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (جیسے با عظمت اور قوی القلب آدمی بھی بایں فضل و کمال اور بدیں شجاعت و ہمت، تحمل نہ فرما سکے اور از خود رفته ہو کر برہنہ تلوار لے کر کھڑے ہو گئے اور یہ) فرمانے لگے کہ واللہ! (حضور کا وصال نہیں ہوا) جو شخص یہ کہے گا کہ حضور کا وصال ہو گیا ہے اُس کی گردن اُڑا دوں گا۔ چونکہ صحابہ کو کسی نبی کی وفات کا پہلے تجربہ نہیں تھا کہ اس سے پہلے کوئی نبی ان میں نہیں ہوا تھا اور عام طور سے امی تھے کہ پہلے انبیاء کی کتب اور حالات بھی نہ پڑھ سکتے تھے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ارشاد پر سب ساکت ہو گئے کہ ممکن ہے ایسا ہی ہو۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہ نے سالم سے کہا کہ حضور کے ساتھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کو بد کر لاؤ (وہ ہی اس طغیانی کے وقت اس کشتی کو کنارے لگائیں گے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ افاقہ کی صورت دیکھ کر

فَأَمْسَكَ النَّاسُ: [أي: أَمْسَكُوا أَلَسْتُمْ عَنْ النُّطْقِ بِمَوْتِهِ خَوْفًا مِنْ عَمْرِو بْنِ أَبِي بَكْرٍ: | صَاحِبِ: | الَّذِي هُوَ أَبُو بَكْرٍ، فَإِنَّهُ مَنِ أَطْلَقَ أَنْصَرَفَ إِلَيْهِ؛ لَكُنْهُ كَانَ مَشْهُورًا بِهِ بَيْنَهُمْ.] فَادْعُهُ [أي: لِيَحْضُرَ، فَيُبَيِّنَ الْحَالِ وَيَسْكُنَ الْفِتْنَةَ، فَإِنَّهُ قَوِي الْقَلْبِ عِنْدَ الشَّدَائِدِ، وَرَاسِخُ الْقَلْبِ عِنْدَ الزَّلَازِلِ.] فِي الْمَسْجِدِ: قَالَ الْقَارِي: الظَّاهِرُ مَسْجِدُ مَحَلَّتِهِ، وَبِهِ حِزْمُ الْوُجُوهِ وَغَيْرِهِ، وَالظَّاهِرُ عِنْدِي أَنْ الْمُرَادَ: الْمَسْجِدَ النَّبَوِيَّ؛ لَمَّا فِي جَمْعِ الْوَسَائِلِ مِنْ رِوَايَةٍ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ أَرْسَلَ غَلَامَهُ لِيَأْتِيَهُ بِخَبَرِ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، فَجَاءَهُ الْغَلَامُ فَقَالَ: سَمِعْتُ أَهْلَهُ يَقُولُونَ: مَاتَ مُحَمَّدٌ ﷺ، فَرَكِبَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى الْعُورِ، وَقَالَ: وَابْحَمْدِهِ! وَانْقَطَعَ ظَهْرَاهُ! وَبَكَى فِي الطَّرِيقِ، حَتَّى أَتَى مَسْجِدَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ، وَأَخْرَجَ الْبَحَارِيُّ بِرِوَايَةِ عَائِشَةَ: أَنَّ أَبَا بَكْرٍ ﷺ أَقْبَلَ عَلَى فَرَسٍ مِنْ مَسْكَنِهِ بِالسَّنَحِ حَتَّى سَرَّ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَلَمَّا يَكُنُهُ نَاسٌ حَتَّى دَخَلَ عَلَى عَائِشَةَ، فَنِيَّمَتْ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ وَهُوَ مَعْشِي بِثَوْبٍ حَرَّةً، الْحَدِيثُ وَفِي الْمَوَاهِبِ الْمُنْدِيَةِ عَنْ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ قَالَ: لَمَّا مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ كَانَ أَجْرَعُ النَّاسِ كُلِّهِمْ عَمْرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَأَحْدَ بَقَائِهِ سَيْمَهُ وَقَالَ: لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَقُولُ: "مَاتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ" إِلَّا صَرْتَهُ سَيْمِي هَذَا، قَالَ: فَقَالَ النَّاسُ: يَا سَالِمُ! اطْلُبْ صَاحِبَ رَسُولِ اللَّهِ ﷺ. قَالَ: فَحَرَحْتُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَإِذَا نَأْيُ بَكْرٍ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُ أَجْهَشْتُ بِالنَّكَاءِ، فَقَالَ: يَا سَالِمُ! أَمَاتَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ؟ الْحَدِيثُ. وَالظَّاهِرُ مِنْ هَذِهِ الرِّوَايَاتِ أَنَّ الْمُرَادَ: الْمَسْجِدَ الْمَسْكُونِ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ لَمَّا اسْتَحْيَرَ مِنَ الْعِلَامِ، وَأَجَابَ أَنَّهُ سَمِعَ ذَلِكَ، رَجَعَ أَبُو بَكْرٍ مِنَ السَّحَرِ عَلَى فَرَسٍ، وَدَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَلَاقَى سَالِمًا وَسَأَلَهُ تَصْدِيقَ الْخَبَرِ

فلما رأي قال لي: أقبض رسول الله ﷺ؟ قلت: إن عمر يقول: لا أسمع أحداً يذكر "أن رسول الله ﷺ قبض" إلا ضربته بسيفي هذا، فقال لي: انطلق، فانطلقت معه، فجاء هو والناس قد دخلوا على رسول الله ﷺ، فقال: يا أيها الناس! أفرجوا لي، فجاء حتى أكبَّ عليه، ومسه، فقال: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾ [الزمر: ٣٠] ثم قالوا: يا صاحب رسول الله ﷺ! أقبض رسول الله ﷺ؟ قال: نعم، فعلموا أن قد صدق. قالوا: يا صاحب رسول الله! أنصلي على رسول الله ﷺ؟

حضور کی اجازت سے گھر والوں کی خبر لینے کے لئے اپنے مکان تشریف لے گئے تھے، جو تقریباً ایک میل تھا) سالم کہتے ہیں کہ میں روتا ہوا متیترانہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا، وہ اُس وقت مسجد میں تھے، میری مضطربانہ حالت دیکھ کر دریافت فرمایا: کیا حضور کا وصال ہو گیا؟ میں نے اُس کی اطلاع کی اور یہ بھی عرض کیا کہ عمر رضی اللہ عنہ یہ کہتے ہیں کہ میں جس کو یہ کہتے ہوئے سُنوں گا کہ حضور کا وصال ہو گیا اُس کی گردن اڑا دوں گا۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ میرے ساتھ تشریف لائے اور مجمع کو ہٹا کر حضور کے پاس تشریف لے گئے اور حضور کے چہرہ مبارک پر گہری نظر ڈال کر آپ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور یہ آیت پڑھی: ﴿إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ﴾۔ [الزمر: ٣٠] اے محمد رضی اللہ عنہ! بے شک تم بھی وفات پانے والے ہو اور وہ سب دشمن بھی مرنے والے ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے حضور کے رفیق! کیا آپ کی وفات ہو گئی؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بے شک آپ وار البقا کو روانہ ہو چکے ہیں، اُس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کو یقین ہو گیا۔ پھر انھوں نے آپ سے دیگر امور دریافت کئے، اس لئے کہ ہر ہر جز میں احتمالِ خصوصیت تھا، اس لئے اول نماز جنازہ کو پوچھا کہ حضور پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی یا نہیں؟

قال: قال المناوي: وفي نسخ: وقال لي، فاجواب "لما" قوله: "قلت: إن عمر". وقال القاري: بالواو قبل "قال" عيسى ما في الأصول المصححة، والظاهر تركها، وقال ميرك: يحتمل أن يقال: جملة حالية أو اعتراضية، وجواب "لما" قوله: "قلت إن عمر" إلخ. "أفرجوا لي [أي: أوسعوا لي لأجل أن أدخل]. أكبَّ عليه [موجده مسجتي برد حيرة، فكشف عن وجهه الشريف ﷺ وقبله، ثم بكى وقال: بأبي أنت وأمي! لا يجمع الله عليك موتين].

فقال [أي: قرأ استدلالاً على موته ﷺ]. أن قد صدق محقة من الثقيلة، يعني صدق في إخباره موته ﷺ لاستدلاله بالآية. أنصلي. [وإنما سألوه؛ لتوهم أنه معذور له فلا حاجة له إلى الصلاة؛ لأن المقصود منها الدعاء والشفاعة للميت.]

قال: نعم، قالوا: وكيف؟ قال: يدخل قوم، فيكبرون ويدعون ويصلون ثم يخرجون، ثم يدخل قوم فيكبرون ويصلون ويدعون ثم يخرجون حتى يدخل الناس.

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پڑھی جائے گی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ کس طرح پڑھیں؟ (تمام اہل مدینہ مشتاق ہیں) آپ نے فرمایا کہ ایک ایک جماعت حجرہ کے اندر جائے اور بلا جماعت نماز پڑھ کر چلی آئے، اسی طرح سب لوگ نماز پڑھیں۔ پھر صحابہ نے پوچھا: کیا حضور دفن کیے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا کہ یقیناً دفن کیے جائیں گے۔ انھوں نے پوچھا کہ کس جگہ قبر شریف بنائی جائے گی؟ آپ نے فرمایا کہ جس جگہ آپ کا وصال ہوا ہے وہی جگہ مدفن ہے، اس لئے کہ حق تعالیٰ جلّ و علا نے آپ کا وصال اُسی جگہ فرمایا جو جگہ حق تعالیٰ کو پسندیدہ ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہر بات پر اطمینان ہوتا رہا اور ”بے شک سچ فرمایا“ کہتے رہے۔ پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اہل بیت اور حضور کے قریب رشتہ داروں کو تجھیز و تکفین کے انتظام کا حکم فرمایا (اور حفاظت اسلام اور رفع اختلافات کے لئے کسی شخص کو مدار رائے بنانے کی تجویز شروع ہوئی۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تلوار سوتے ہوئے کھڑے تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ جو شخص یہ کہے گا

نعم: [أي: يصلى عليه لمشاركته لأمنه في الأحكام، إلا ما خرج من الخصوصيات للدليل]. | يدخل إلخ: قيل: إن فوجاً فوجاً دحوا عليه ﷺ، وكل واحد منهم صتى عليه على حدة، وروي أن علياً عليه السلام قال: لا يوم أحدكم عليه؛ لأنه إمامكم حال حياته وحال مماته، وقد ورد في بعض الروايات: أنه ﷺ أوصى عبي الأوجه المذكور؛ ولذا وقع التأخير في دفنه. فيكبرون. أي: أربع تكبيرات، و"الواو" لمطلق الجمع، إذ الصلوة مقدمة على الدعاء، وقدم الدعاء؛ لما تقرر أن الاستفتاء للتردد في أنه ﷺ هل يحتاج إلى دعاء؟ فإنه مغفور له لا محالة، فلا حاجة إلى الدعاء، قال القاري: ولم يذكر التسبيح لما هو معلوم من وقوعه بعد التكبير الأول. حتى يدخل: أي: وهكذا حتى يصلي الناس جميعاً، وروي ابن مسعود: أنهم ما فرغوا من جهازة يوم الثلاثاء وضع على سريرته في بيته، ثم دخل الناس إرسالاً أي: قوماً بعد قوم، يصلون عليه، حتى إذا فرغوا دخلت النساء، حتى إذا فرغ من الصبيان، وما يوم إمامكم عليه أحد، وروي عن عبي بن جراح: أنه قال لا يوم أحدكم عليه؛ لأنه إمامكم حال حياته وحال مماته، وورد في بعض الروايات أنه ﷺ أوصى علي الأوجه المذكور، وروي الحاكم في المستدرک والبراء: أن المصممي حين جمع أهله في بيت عائشة عليه السلام قالوا: فمن يصلي عليه؟ قال: إذا غسلتموني وكفتموني فصعولي عني سريري، ثم أخرجوا عني ساعة، فإن أول من يصلي عني جبرئيل، ثم ميكائيل، ثم إسرافيل، ثم ملئ الموت مع حدوده من ملائكة بأجمعهم، ثم ادحوا عني فوجاً بعد فوج، فصعوا علي وسلموا تسليماً.

قالوا: يا صاحب رسول الله! أيدفن رسول الله ﷺ؟ قال: نعم قالوا: أين؟ قال: في المكان الذي قبض الله فيه روحه، فإن الله لم يقبض روحه إلا في مكان طيب، فعلموا أن قد صدق، ثم أمرهم أن يغسله بنو أبيه. واجتمع المهاجرون يتشاورون، فقالوا: انطلق بنا إلى إخواننا من الأنصار ^(في أمر الخلافة) ^{ومن جهة القائلين عمر} ندخلهم معنا في هذا الأمر، فقالت الأنصار: مينا أمير ومنكم أمير، ^{أي: في أمر نصب الخلافة لا في أمر الخلافة}

کہ حضور کا وصال ہو گیا، اُس کی گردن اڑا دوں گا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کے اس مقولہ پر تنبیہ فرمائی اور ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں کلام پاک کی آیت ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَدْعُو لَاحِقًا﴾ [آل عمران: ۱۴۴] تلاوت فرمائی، اُس کے بعد ارشاد فرمایا کہ جو شخص محمد ﷺ کی پرستش کرتا ہو تو حضور کا تو وصال ہو چکا، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کی پرستش کرتا ہو تو اللہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ لوگ سب کے سب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے خطبہ کی آوازیں کر ممبر کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے اسی خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ دین کی حفاظت کے لئے ایک شخص کی ضرورت ہے جو اس کی نگرانی کرے اور اس کی حفاظت کرے۔ تم لوگ اپنی اپنی رائے اس بارے میں بتاؤ۔ مہاجرین نے آپس میں مشورہ کیا، پھر یہ تجویز ہوا کہ انصار کی شرکت بھی اس مشورہ میں ضروری ہے، ان کی شرکت سے کوئی امر قرار پانا چاہئے، اس لئے ان کی مجلس میں یہ حضرات گئے، وہاں یہ مسئلہ پہلے سے چھڑا ہوا تھا۔ انصار نے یہ تجویز کی کہ انصار میں ایک امیر مستقل ہو اور مہاجرین میں علیحدہ امیر ہو (اس پر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے حضور کا ارشاد: "الائمة من قریش"

أيدفن: [يعني: يدفن أو يترك بلا دفن عني وجه الأرض لسلامته من التغير، أو لانتظار رفعه إلى السماء].
نعم: [لأن الدفن من سنن سائر الأنبياء والمرسلين]. [في المكان إلخ]. [ورد أنه استدلل على ذلك بقوله: سمعت رسول الله ﷺ يقول: "ما فارق الدنيا نبي قط إلا يدفن حيث قصَّ روحه"، قال علي رضي الله عنه: أنا سمعته أيضًا]. [قد صدق] [وبهذا تبيّن كمال عظمه وفصله وإحاطته بكتاب الله وسنة سيده]. [هو أبيه وهم علي والعباس واساه فصل وقتهم وأسامة بن زيد وصباح الحشني، والمراد بني أبيه: مباشرتهم لعسله، وهو لا يباي مساعدته غيرهم].

فقالت الأنصار [يعني: فاطماتوا إليهم، وهم مجتمعون في سقيفة بني ساعدة، فتكلموا معهم في شأن الخلافة، فقال قائلهم: أصحاب بن المدر : منا أمير ومنكم أمير.]

فقال عمر بن الخطاب جثمة: من له مثل هذه الثلاث: **ثُمَّ تَأْتِي اثْنَيْنِ إِدْهُمَا فِي الْعَارِ إِذْ يَقُولُ صَاحِبُهُ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَاكُمْ** [التوبة: ٤٠] من هما؟ قال: ثم بسط يده فبايعه، وبايعه الناس بيعة حسنة جميلة.

امیر قریش میں سے ہو، نقل کیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: کون ہے وہ شخص جس کے لئے ایک ہی واقعہ میں تین فضیلتیں ہوں چہ جائیکہ اور فضائل، اور پھر یہ تین بھی ایسی کہ جن میں ہر ایک کمالِ فضل پر وال ہو: اول حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اتحاد و ارتباط اور تنہائی کے وقت ساتھ دینا جس کو حق تعالیٰ جلّ جلالہٗ **ثُمَّ تَأْتِي اثْنَيْنِ إِدْهُمَا فِي الْعَارِ** [التوبة: ٤٠] سے ارشاد فرما رہے ہیں۔ دوسرے حق تعالیٰ جلّ جلالہٗ ان کو حضور کا ساتھی اور رفیق فرما رہے ہیں۔ تیسرے اللہ کی معیت کہ حضور اقدس ﷺ نے **إِنَّ اللَّهَ مَعَاكُمْ** ہمارے ساتھ ہے، اُس وقت حضور اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ دو ہی حضرات وہاں تھے جن کے متعلق حضور نے ”ہمارے ساتھ“ فرمایا۔ تم ہی بتاؤ کہ وہ دو کون تھے جن کا آیت میں ذکر ہے؟ کس قدر بڑی ذات ہے ان دونوں حضرات کی (یعنی حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے برابر کوئی ہستی ہو سکتی ہے)۔ اس کے علاوہ اور بھی گفتگو درمیان میں ہوتی رہی جو مختلف روایات میں وارد ہوئی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے انصار کی جماعت! تمہیں معلوم ہے کہ حضور نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کو مصلے پر کھڑا کیا اور بیماری کے زمانہ میں حکماً نماز پڑھوائی۔ تم میں سے کون گوارا کر سکتا ہے کہ ایسے شخص کو امامت سے ہٹائے جس کو حضور نے امام بنایا ہو؟ انصار نے کہا اللہ کی پناہ! ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیعت کے لئے ہاتھ پھیلا دیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اُس کے بعد سقیفہ کے سب لوگوں نے برضا و رغبت بیعت کی۔

من له مثل هذه الفصائل الثلاثة التي لأبي بكر، فهو استفهام إنكاري على الأنصار، حيث توهموا أن لهم حقاً في الخلافة؛ إذ جعل رسوله ثلثي اثنين، والثانية إثبات الصحة، والثالثة إثبات المنع. من هما الاستفهام للتقرير والتصحيح، أي من الأشخاص المذكورين في هذه الآية، أي: هل هما إلا النبي وأبو بكر، والاستفهام للتقرير والتصحيح، أو لتهويل، وأبعد الحمي إذ قال: يجوز أن يرجع الصمير إلى الأميرين، فحينئذ يكون الاستفهام للإسكار والتحقير. حسنة جميلة لوقوعها عن صهور واتفاق من أهل الخلق والعقد، ولذا أكد بقوله "جميلة" قله المدوي، قال القاري لا يكرها ولا يجاراً ولا ترعباً ولا ترهباً.

حدثنا نصر بن عليّ، حدثنا عبد الله بن الزبير - شيخ باهليّ قديم بصريّ -، حدثنا ثابت البنانيّ، **عن** أنس بن مالك رضي الله عنه قال: لما وجد رسول الله ﷺ من كَرْب الموت ما وجد، قالت فاطمة رضي الله عنها: **واكرّياه!** فقال النبي ﷺ: **لا كَرْب على أبيك بعد اليوم،** إنه قد حضر من أبيك ما ليس بتارك منه أحد، -الوفاة- **يوم القيامة.** **حدثنا** أبو الخطاب زياد بن يحيى البصريّ ونصر بن عليّ قالوا: حدثنا عبد ربّه بن بَارِق الحنفيّ قال: سمعت جدّي -أبا أمي-

بهاه للحد

فائدہ: یہ ابتدائی بیعت تھی جو انصار کی مجلس میں ہوئی، اُس کے بعد دوسرے دن مسجد نبوی میں بیعت عامہ ہوئی، جس میں اول حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ دیا جس میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے فضائل بھی تھے اور دیگر امور ارشاد فرمائے، اُس کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک طویل خطبہ ارشاد فرمایا جس میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں کبھی بھی خلیفہ بننے کا خواہشمند نہیں ہوا، نہ مجھے کبھی اس کی ترغیب ہوئی، نہ کبھی بھی پوشیدگی میں یا علانیہ اس کے حصول کی دعا کی، اپنے انکار پر امت میں فتنہ پیدا ہو جانے کے ڈر سے میں نے اس کو قبول کیا ہے، مجھے اس میں کوئی راحت نہیں ہے اور جو کام مجھ پر ڈال دیا گیا میری طاقت سے باہر ہے۔ اللہ ہی کی مدد سے کچھ کام چل سکتا ہے۔

(۱۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ جب مرض الوفا کی سخت تکلیف برداشت فرما رہے تھے تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ہائے ابا کی تکلیف! حضور نے ارشاد فرمایا کہ آج کے بعد تیرے باپ پر کچھ تکلیف نہیں رہے گی، بے شک آج تیرے باپ پر وہ اٹل چیز اتری ہے یعنی موت جو قیامت تک کبھی کسی سے ٹلنے والی نہیں۔

فائدہ: ”ہائے“ کا لفظ عربی میں اظہارِ افسوس کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ مقصود رنج کا اظہار ہے۔

واكرّياه بفتح الكاف وسكون الراء وهاء ساكنة في آخره، عم ياخذ بانفسه، اشتد عليه. لا كرب الخ [لانتقال حبيبه إلى الحضرة القدسية، فكره سريع روال، ينتقل بعده إلى أحسن العيم.] ما ليس سارك أي: أمر عظيم، ليس الله عروجل سارك من ذلك الأمر أحدًا، والوفاة بيان لـ'ما'، وفي نسخة: الوفاة بدل الوفاة، وهو معني: الإتيان والملاقاة، وقيل: يفسر الوفاة ههنا بالوفاة. **يوم القامة** مصوب سرح الحافض، وهو كلمة 'إلى'، وجوز أن يكون مفعولا فيه، ويراد به يوم الوفاة؛ لأن يوم موت كل أحد يوم قيامته كما ورد.

سَمَّاكَ بْنِ الْوَلِيدِ يُحَدِّثُ: أَنَّهُ سَمِعَ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا يُحَدِّثُ: أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ: مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانٌ مِنْ أُمَّتِي أَدْخَلَهُ اللَّهُ تَعَالَىٰ بَهَمَا الْجَنَّةِ. فَقَالَتْ لَهُ عَائِشَةُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا: فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: وَلَمْ يَنْوَكَ لَهُ فَرَطٌ، يَا مُؤَفَّفَةً! قَالَتْ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: فَأَنَا فَرَطٌ لِأُمَّتِي، لَنْ يُصَابُوا بِمِثْلِي.

(۱۰) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس کے دو بچے ذخیرہ آخرت بن جائیں تو حق تعالیٰ ان کی بدولت اُس کو ضرور جنت میں داخل فرمائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جس کا ایک ہی بچہ ذخیرہ بنا ہو اُس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا کہ جس کا ایک ہی بچہ چل دیا ہو وہ بھی بخش دیا جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ جس کا ایک بھی بچہ نہ مرا ہو؟ تو آپ نے فرمایا کہ اُن کے لئے میں ذخیرہ بنوں گا اس لئے کہ میری وفات کا رنج آل و اولاد سب سے زیادہ ہوگا۔ **فائدہ:** یقیناً حضور کی جدائی ایسی ہی چیز ہے کہ ماں باپ، اعزہ احباب، بیوی، اولاد ہر شخص کی جدائی اور موت حضور کی جدائی اور وفات کے مقابلہ میں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتی۔ اسی لئے ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو میری جدائی کی مصیبت سے تسلی حاصل کرے۔ یعنی یہ سوچے کہ جب حضور کی مفارقت پر صبر کر لیا تو اُس کے مقابلہ میں یہ کیا حقیقت رکھتی ہے۔

فَرَطَانٌ يَفْتَحُ الْبَابَ وَالرَّاءِ ثَبَاتُ فَرَطٍ، وَهُوَ الْمُتَقَدِّمُ فِي طَبَقِ الْمَاءِ، فَيَهَيِّئُ لَهُ الْأَرْشَاءَ وَالْدَلَاءَ، وَيَمْدُدُ الْحَبِيصَ، وَيَسْقِي لَهُ، فَعَلَّ مَعِيَ فاعِلٌ كَتَبَ مَعِيَ تَابِعٌ. [أي: الولدان صغيران يموتان قبته، فإلهما يوم القيامة يهيئان لهما سبلاً وممرلاً في الجنة.]
موقع: لتعلم شرائع الدين أو في الحيريات، أو الأسئلة الواقعة موقعها، أو المعنى: وفقت الله لما يحصل سبب السؤال عنه، وهذا تحريض لها على السؤال. [كما ورد في مسلم: إذا أراد لله نامة حير، فقص سببها قبلها فجعله ها فَرَطًا وسلفاً بين يديها، وإذا أراد هلاك أمة عدّها، وسببها حيّ فأهسكها وهو يضر، فأقر عينه بهلاكها حين كذبوه وعصوا أمره.]

باب ما جاء في ميراث رسول الله ﷺ

حدثنا أحمد بن منيع، حدثنا حسين بن محمد، حدثنا إسرائيل، عن أبي إسحاق،

باب حضور اقدس ﷺ کی میراث کا ذکر

فائدہ: اس باب میں مصنف رحمۃ اللہ علیہ نے سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں، سب کا حاصل یہی ہے کہ آپ کا جملہ متروکہ مال صدقہ ہے، وہ وارثوں پر تقسیم نہیں ہوگا۔ یہ علماء کا اجماعی مسئلہ ہے اس میں کسی عالم کا بھی اہل سنت والجماعت میں سے خلاف نہیں ہے کہ حضور کے ترکہ میں وراثت نہ تھی، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ حکم حضور اقدس رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ خاص تھا یا تمام انبیاء کا یہی حکم ہے؟ جمہور علماء کی یہی رائے ہے کہ تمام انبیاء کا یہی حکم ہے کہ ان کے متروکہ مال کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ میں علماء کے متعدد اقوال ہیں اور متعدد وجوہ ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔ مختصر اچند وجوہ لکھی جاتی ہیں:

نمبر ۱: انبیاء رحمۃ اللہ علیہم اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں لہذا ان کی ملک باقی رہتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم رحمۃ اللہ علیہ کی بیبیوں سے کسی کے نکاح کرنے کی قرآن پاک میں صاف لفظوں میں ممانعت وارد ہوئی ہے۔

نمبر ۲: نبی کی کوئی چیز زندگی میں بھی ملک نہیں ہوتی، وہ متولیانہ تصرف کرتے ہیں۔ صوفیہ میں بھی یہ مقولہ مشہور ہے: الصوفی لا یملک صوفی مالک کسی چیز کا نہیں ہوتا۔ یہ مطلب نہیں کہ شرعاً مالک نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان ناپائیدار چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتا۔

نمبر ۳: دنیا کی ہر چیز اللہ کی ملک ہے اور نبی اللہ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے تصرف کرتا ہے۔

نمبر ۴: اگر انبیاء کے مال میں میراث جاری ہو تو احتمال ہے کہ کوئی بد نصیب وارث مال کی طمع میں نبی کی ہلاکت کا ذریعہ بنے یا تمنا کرے اور دونوں چیزیں اُس کی بربادی کا سبب ہوں گی۔

نمبر ۵: لوگوں کو یہ واہمہ نہ گزرے کہ نبوت کا دعویٰ مال جمع کرنے کے واسطے اور اپنے اہل و عیال کو مالدار چھوڑ کر جانے کے واسطے ہے۔

نمبر ۶: مال کے زنگ اور میل پچیل سے ان کی قدسی ذات کو محفوظ رکھنے کی وجہ سے ہے۔

عن عمرو بن الحارث - أخى جويرية، له صحبة - قال: ما ترك رسول الله ﷺ إلا سلاحه، وبغلته، وأرضا جعلها صدقة.

صحابی فلیل الحديث
فی سبیل اللہ

نمبر ۷: نبی تمام امت کے لئے بمنزلہ باپ کے ہے، لہذا اس کا مال تمام اولاد کا مال ہے وغیرہ وغیرہ۔ اللہ کے احکامات کی حکمتیں بے نہایت ہوتی ہیں آدمی اپنی اپنی سمجھ کے موافق حکمتوں کا بیان کرتے ہیں، ان کے علاوہ نہ معلوم کتنی حکمتیں اللہ کے علم میں ہیں۔

(۱) عمرو بن الحارث رضی اللہ عنہ جو ام المؤمنین جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہیں، یہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے ترکہ میں صرف ہتھیار اور (اپنی سواری کا) فخر اور کچھ حصہ زمین کا چھوڑا تھا اور ان کو بھی صدقہ فرما گئے تھے۔ **فائدہ:** چونکہ یہ چیزیں صدقہ کے حدود میں داخل ہو گئی تھیں اس لئے ان میں میراث جاری نہیں ہوئی۔ حضور اقدس ﷺ کے استعمالی کپڑوں کا ذکر معمولی چیز ہونے کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔

ما ترك الخ | الخصر في الثلاثة التي ذكرها في هذا الخبر إصافي، ولا فقد ترك ثيابه وأمتعة بيته، لكنها لم تذكر، كقولها يسيرة بالنسبة إلى المذكورات. | سلاحه كسرى، أي: مما كان يختص بلبسه من نحو: سيف ورمح ودرع ومعصرة.

وبعته البصاء التي يختص بركوبها هي الدلدل، وكان له بعان آخر، وقد أخرج البحاري بسنده إلى عمرو بن الحارث بلفظ: ما ترك رسول الله ﷺ عند موته درهما، ولا ديناراً، ولا عدلاً، ولا أمة، ولا شيئاً إلا بعته البصاء، وسلاحه، وأرضا جعلها صدقة. قال العيني: كانت له ست بعان: بعة شهباء، يقال لها: الدلدل، أهداها لمقوقس، وبعة يقال لها: فصة، أهداها له فروة الخدمي، فوهبها لأبي بكر، وبعة بعثها صاحب دومة الجندل، وبعة أهداها ميث بيلة، يقال لها: بنية، وقال مسلم: كانت بيصاء، وبعة أهداها الحاشي، وبعة أهداها كسرى، ولم يثبت، ولم يكن فيها بيصاء إلا الإبلية، ولم يذكر أهل السير بعة نقبت بعده ﷺ إلا الدلدل. قالوا: إنما عمرت حتى كانت عند علي ﷺ. وبعده عند عبد الله بن جعفر، وكان يحشها الشعير لتأكله لضعمها، ولتصاهر أمها هي أمي في الحديث؛ لأن أشبهه علة البصاء على السواد، ومنه سمي أشهباء بيصاء، مختصراً.

وارصا | وهي نصف أرض فدث، وثنت أرض ودي القرى، وسهمه من خمس حير، وحصته من أرض بني لصر. | جعلها صدقة قبل: الصمير راجع إلى الثلاثة؛ لقوله ﷺ: نحن معاشر الأنبياء، لا نورث، ما تركناه صدقة، والظاهر أنها للأرض؛ لأن المراد بقوله: "جعلها صدقة" بين كوها من الصدقات حال حيوته، ولم يصف الأرض إليه كالأوليين لاختصاصهما به دونها، إذ نفعها كان عاماً له ولغيره من عياله.

حدثنا محمد بن المثنى، حدثنا أبو الوليد، حدثنا حماد بن سلمة، عن محمد بن عمرو، عن أبي سلمة، عن **أبي هريرة** رضي الله عنه قال: جاءت فاطمة إلى أبي بكر رضي الله عنه فقالت: من يرثك؟ فقال: أهلي وولدي. فقالت: مالي لا أرث أبي؟ فقال أبو بكر: سمعت رسول الله ﷺ يقول: **"لا تُورث"**، ولكني أعمل على من كان رسول الله ﷺ يعمل،

(۲) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائیں اور دریافت فرمایا کہ تمہارا کون وارث ہوگا؟ انھوں نے فرمایا کہ میرے اہل و عیال۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: پھر میں اپنے والد کے متروکہ کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حضور کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ البتہ (میں وقف کا متولی ہونے کی وجہ سے) جن لوگوں کا ورثہ حضور اقدس ﷺ نے مقرر فرما رکھا تھا اُس کو میں بھی ادا کروں گا اور جن لوگوں پر حضور اقدس ﷺ خرچ فرمایا کرتے تھے ان پر میں بھی خرچ کروں گا۔

فائدہ: بظاہر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا یہ خیال فرماتی تھیں کہ بادشاہ ہونے کی وجہ سے حضور کے مال کو ترکہ، میراثی قرار نہیں دیا گیا، اس لئے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ تمہارا بھی کوئی وارث ہوگا یا نہیں؟ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے شرعی مسئلہ کے موافق جواب مرحمت فرمایا ورنہ ان کی اپنی وصیت کے موافق جس میں انھوں نے فرمایا کہ اس مال کو بیت المال

اہلی ادخل أباه أبا قحافة في الأهل تعبياً، فلا صير في حصره الورث في الأهل والوند، ونص على الوند مع دخوله في الأهل؛ لأنه ماط مقصود فاطمة. لا نورث بصم الوند وسكون الواو وفتح الراء، وفي نسخة بكسر الراء، وفي المغرب: كسر الراء خطأ رواية، يعني يصح [راية، إذ المعنى: لا ترك ميراثاً لأحد لمصيره صدقة، حتى رعم بعضهم أنه الأظهر معنى، ففي الصحاح والمغرب: يقال: أورثه مالا: تركه ميراثاً له، ثم قال ميرك: أصل الجھول لا يورث منا، فحذف 'من'، واستتر ضمير المتكلم في الفعل، فانقلب الفعل من العائب إلى المتكلم، ولا يخفى أن هذا معي على أنه لا يتعدى إلى المفعول الثاني بنفسه، على ما ذهب إليه صاحب القاموس وغيره، وأما عنى ما جمعه بعض اللغويين متعدياً إليه نفسه فلا حذف ولا تحويل، ففي انتاح لسيهقي: أنه يتعدى إلى المفعول الثاني بنفسه، وبـ 'من'، فيقال: ورث أباه مالا، فالأب والمال كلاهما موروث، وقول فاطمة في هذا الحديث: "من يرثك"، ومالي لا أرث أبي" موافق له. [واحكمه في عدم الإرث من الأسياء: أن لا يتمي بعض الورثة موقع فيهمك، وأن لا يطل هم أهم راعون في الدنيا وجمعها لورثتهم، وأن لا يرعب الناس في الدنيا وجمعها.]

وَأَنْفَقَ عَلَى مَنْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ يَنْفِقُ عَلَيْهِ. **حدثنا** محمد بن المنثري، حدثنا يحيى بن كثير العنبري أبو غسان، حدثنا شعبة، عن عمرو بن مَرْءَةَ، **عن** أبي البختری،

میں واپس کر دینا، اُس کے موافق حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا بھی کوئی وارث نہیں ہوا۔ حضور کا یہ ارشاد کہ ”ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا“، مشہور حدیث ہے جو مختلف الفاظ سے نقل کی گئی ہے۔ بعض روایات میں اتنا ہی ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، بعض روایات میں ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ”مسویٰ“ میں لکھا ہے۔ یہ مضمون کہ حضور کا کوئی وارث نہیں ہے، دس صحابہ سے زیادہ حضرات سے منقول ہے۔

(۳) ابو البختری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہ دونوں حضرات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں اُن کے پاس تشریف لائے، ہر ایک دوسرے پر اعتراض کر رہا تھا اور اُس کو انتظام کے ناقابل بتا رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ: حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ان سب حضرات کو متوجہ فرما کر یہ کہا کہ تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں! کیا تم سب نے حضور سے نہیں سنا کہ نبی کا تمام مال صدقہ ہوتا ہے، بجز اُس کے جو وہ اپنے اہل کو کھلائے، ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے۔ اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔ **فائدہ:** امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود صرف میراث نہ ہونے کا ذکر تھا وہ حاصل ہو گیا تھا اس لئے پورا قصہ طویل ہونے کی وجہ سے ذکر نہیں فرمایا۔ امام ابو داؤد نے اس کو ذرا تفصیل سے ذکر کیا اور تھوڑا سا ذکر کرنے کے بعد

وافق الظاهر أنه عطف تفسير كما قاله الحمفي، ويمكن أن يفرق بينهما، بأن يخص قوله: "أعور" بأهل بيته كما يشير إليه لفظ العيان، ويراد بقوله: "أنفق" غير أهل بيته، فاندفع ما حرم به ابن حجر من أنه جمع بينهما تأكيداً.

البختری بفتح الموحدة وإسكان الحاء المعجمة وفتح الوقاية، هو سعيد بن فيروز بن أبي عمر بن أبي عمران، مما قيل: الحاء المهملة، منسوب إلى البختر بمعنى: حسن المشي، ليس بشيء، قاله القاري، والحديث أخرجه أبو داود برواية عمرو بن مروق، عن شعبة، عن عمرو بن مرة، عن أبي البختری قال: سمعت حديث من رجل فأعجبني فقلت. اكش لي، فأثنى به مكتوباً مدبراً: دخل العباس وعلي رضي الله عنهما علي رضي الله عنه، الحديث مختصراً، وأحال بعض منته على حديث مالك بن أوس، وقال الحافظ في التقریب: "أبو البختری، عن رجل" لعله مالك بن أوس. وفي الشمائل ترك الوساطة فليحرر، وفي التهذيب: كان كثير الحديث يرسل حديثه، ويروي عن الصحابة، ولم يسمع من كثير أحد، وفيه أيضاً أنه عن عمر مرسل.

أَنَّ الْعَبَّاسَ وَعَلِيًّا جَاءَا إِلَى عُمَرَ يَخْتَصِمَانِ، يَقُولُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِمُصَاحِبِهِ: أَنْتَ كَذَّابٌ، أَنْتَ كَذَّابٌ.
 [في أيام خلافة]
 فَقَالَ عُمَرُ لَطَلْحَةَ وَالزَّيَّيرَ وَعَبْدَ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ وَسَعْدَ بْنَ سُوَيْدٍ **سَعْدٍ**: نَشَدْتُكُمْ بِاللَّهِ، أَسْمَعْتُمْ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ يَقُولُ:
 "كُلُّ مَالِ نَبِيِّ صَدَقَةٍ إِلَّا مَا أَطْعَمَهُ اللَّهُ، إِنَّا لَا نُورِثُ"؟ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ. **حَدَّثَنَا** مُحَمَّدُ بْنُ
 الْمُثَنَّى، حَدَّثَنَا صَفْوَانُ بْنُ عَيْسَى، عَنْ أَسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ الزَّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ،

مالک بن اوس رضی اللہ عنہ کی حدیث پر جو نمبر ۶ پر آ رہی ہے، حوالہ کر دیا، اس لئے کہ مالک بن اوس کی روایت مشہور تھی، حدیث کی سب کتابوں میں کثرت سے ذکر کی گئی۔ بخاری شریف، مسلم شریف اور خود ابو داؤد شریف میں مفصل مذکور تھی اس لئے ایک قلم کو پورا پورا ہر جگہ ذکر کرنا تطویل کا سبب تھا۔

ابو داؤد شریف کی روایت کا ترجمہ یہ ہے کہ ابو البعتری کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے ایک حدیث سنی جو مجھے بہت پسند آئی، میں نے اُن سے درخواست کی کہ یہ حدیث مجھے لکھ دیجئے تو وہ ایک نہایت پختہ تحریر لائے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ شخص غالباً مالک بن اوس ہی ہیں۔ اُس تحریر میں یہ لکھا تھا کہ حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس اُس وقت حضرات طلحہ، زبیر، سعد اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہم پہلے سے موجود تھے، وہ دونوں حضرات یعنی حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما آپس میں جھگڑ رہے تھے یعنی ایک دوسرے کو بد نظمی کا الزام دے رہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ وغیرہ چاروں حضرات کو مخاطب بنا کر یہ دریافت فرمایا۔ کیا تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ حضور نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کا ہر مال صدقہ ہوتا ہے مگر وہ مال جو وہ اپنے اہل و عیال کو کھلائے یا پہنائے اس لئے کہ ہم لوگوں کا (یعنی انبیاء کا) کوئی وارث نہیں ہوتا؟ ان چاروں حضرات نے اقرار کیا کہ بے شک حضور نے ایسا فرمایا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ پس حضور اقدس ﷺ اپنی حیات میں اس میں سے اپنے اہل و عیال پر خرچ کرتے رہے اور جو بچ جاتا تھا اُس کو صدقہ کر دیتے تھے۔ حضور کے وصال کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور اپنی دو سالہ زندگی میں وہی عمل درآمد کرتے رہے جو حضور اقدس ﷺ کا معمول تھا۔ اس کے بعد امام ابو داؤد کہتے ہیں کہ مالک بن اوس کی حدیث کے قریب قریب آگے سارا اٹھتا ہے۔

قصہ [کما سیدکرہ فی الحدیث السادس من الباب أي: فی حدیث مالک بن اوس۔] قصۃ آخر جہا ابو داؤد وغیرہ مفصلاً بطرق.

عن عائشة ؓ، أن رسول الله ﷺ قال: لا تُورث، ما تركنا فهو صدقة. حدثنا محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا سفيان، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة ؓ، عن النبي ﷺ قال: لا يقسم ورثتي ديناراً ولا درهماً، ما تركت بعد نفقة نسائي ومؤنة عاملي، فهو صدقة.

(۱) حضرت عائشہ ؓ سے بھی یہی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم انبیاء کی جماعت جو مال چھوڑتی ہے وہ صدق ہوتا ہے۔ فائدہ: یعنی صدقات کے مواقع میں خرچ کیا جاتا ہے۔

(۲) ابو ہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میرے ورثہ دینار اور درہم تقسیم نہ کریں۔ میرے ترکہ سے اہل و عیال کا نفقہ اور میرے عامل کا نفقہ نکالنے کے بعد جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔ فائدہ: عامل سے مراد وہ شخص بھی بتلایا گیا ہے جو حضور ﷺ کے بعد خلیفہ وقت ہونے والا ہو اور وہ بھی کہا گیا ہے جو زمینوں کی پیداوار جمع کر کے مانے والا ہو، یعنی ان زمینوں کا منتظم اور نگران ہو۔ دونوں محتمل ہیں کہ خلیفہ کی تنخواہ بھی بیت امال کے ذمہ ہے اور ہر وقت کے نگران اور منتظم کو اس وقف سے حق الخدمۃ لینے کا حق ہے، دینار و درہم کی تخصیص مقصود نہیں ہے۔

ما تركنا 'ما' موصولة، والعائد محذوف، أي: ما تركناه، وقوله: 'صدقة' حبر 'ما'، والفاء تنصيص للمبتدأ معني 'مصرف'. الأعرج | هو عبد الرحمن بن هرم كان يكتب لمصاحف. | لا يقسم | فتح لتحتية، وهي نعتي النهي أبع من النهي الصريح. دسرا | الح التقييد هما ساء على الأعلب من احتمالات، أو لأن مرجع الكل في القسمة إليهما، أو المعنى ما يساوي قيمتهما، فهو أولى مما قاله ابن حجر من أن تنقيدهما لثبته على أن موقوفهما بدلت أو فله انقاري، ووافق المناوي ابن حجر. نسائي | أي: روحاني، فمعنهن واحدة في تركته. | مدة حياتهن، لأهن في معنى المعدت خمره نكاحهن أبدأ، ولذلك اختصن بسكنى يوفهن مدة حياتهن.]

ومؤنة: المؤنة: الثقل، فعولة من ماتت القوة احتملت مؤنتهم، وفي الصحاح: المؤنة ثمر ولا ثمر. قال المرء مفعلة من الأين وهو انتعب واشتد، وقيل: مفعلة من الأون، وهي إخراج والعدل؛ لأنها تثقل على الإنسان عملي هو الخليفة بعده أو قائم على نيت الصدقة، واسطر فيها وحادمه في حوائطه ووكيله وأجير، أو كل عامل للمسلمين، وكان عليه السلام يأخذ من صفادها بفقہ أهله، ثم أبو بكر ؓ، ثم عمر ؓ، واسعى عنه عثمان ؓ، فأنقطعها مروان وغيره من أقاربه، فلم تزل في أيديهم حتى رده عمر ؓ بن عبد العزيز.

حدثنا الحسن بن عليّ الخلال، حدثنا بشر بن عمر قال: سمعت مالك بن أنس، عن الزهري، **عن** مالك بن أوس بن الحَدَثَان قال: دخلت على عمر، فدخل عليه عبد الرحمن بن عوف وطلحة وسعد، وجاء علي والعباس يختصمان.

تمثيل کے طور پر ذکر کیا جاتا ہے جیسا کہ یہ کہہ دیا جائے کہ روپیہ پیسہ تقسیم نہ کریں کہ اور چیزیں بطریق اولیٰ داخل ہو گئیں، یا یہ کہا جائے کہ تقسیم ہمیشہ قیمت لگا کر ہوتی ہے جو روپیہ پیسہ ہی کی طرف لوٹ آئے۔

(۶) مالک بن اوس کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اُن کے پاس عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور طلحہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے (اُس کے تھوڑی دیر بعد) حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جھگڑتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب حضرات کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کہ اُس ذات پاک کی قسم دے کر پوچھتا ہوں جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں، کیا تمہیں حضور کے اس ارشاد کا علم ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم ترکہ چھوڑ جاتے ہیں وہ سب صدقہ ہوتا ہے؟ اُن سب حضرات نے فرمایا کہ بے شک یہ حضور نے ارشاد فرمایا ہے۔ اس حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

فائدہ: یہ وہی قصہ ہے جس کی طرف نمبر ۳ پر ابوالختری کی روایت میں بھی اشارہ گزر چکا ہے۔ قصہ طویل ہے اور حدیث کی تقریباً ساری کتب میں مختصر یا مفصل نقل کیا گیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث سے اس کا ترجمہ نقل کیا جاتا ہے اور توضیح کے طور پر فتح الباری وغیرہ سے دوسری روایات میں جو اضافے ہیں وہ بھی بقدر ضرورت ساتھ ہی ذکر کیے جا رہے ہیں۔ مالک بن اوس کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر تھا، دن کچھ چڑھ گیا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قصد مجھے بلانے آیا، میں حاضر خدمت ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک بوریے پر بیٹھے ہوئے تھے جس پر کوئی اور کپڑا بھی بچھا ہوا نہ تھا۔ میں سلام کر کے بیٹھ گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے کچھ ضرورت مند لوگ آئے تھے، میں نے اُن کو کچھ دینے کو کہہ دیا ہے، تم اس کو بیجا کر ان پر تقسیم کر دو۔ میں نے عرض کیا کہ تقسیم کے لئے کسی اور کو تجویز فرمادیتے تو اچھا تھا۔ ارشاد فرمایا کہ نہیں، تم ہی تقسیم کر دو۔

فقال لهم عمر: أنشدكم بالذي يأذنه تقوم السماء والأرض، أتعلمون أن رسول الله ﷺ قال: لا تُورث، ما تركنا صدقة؟ فقالوا: اللهم نعم. وفي الحديث قصة طويلة. **حدثنا** محمد بن بشار، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا سفيان، عن عاصم بن بهدلة عن زر بن حبيش،

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپ کے خادم جن کا نام یر فا تھا، حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرات عثمان، عبد الرحمن بن عوف، زبیر اور سعد بن ابی وقص **رضی اللہ عنہم** حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ بعض روایات میں حضرت طلحہ کا بھی شمار ہے۔ حضرت عمر **رضی اللہ عنہ** نے حاضری کی اجازت دے دی۔ یہ حضرات تشریف لے آئے اور سلام کر کے بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر میں یر فا دوبارہ آئے اور عرض کیا کہ حضرت عباس اور حضرت علی **رضی اللہ عنہما** حاضری کی اجازت چاہتے ہیں۔ حضرت عمر **رضی اللہ عنہ** نے اجازت فرمادی، وہ دونوں تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے اور حضرت عباس **رضی اللہ عنہ** نے فرمایا کہ میرے اور اس ظالم کے درمیان میں فیصلہ کر دیجئے۔ حضرت عباس **رضی اللہ عنہ** نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ”ظالم“ کے علاوہ اور بھی کچھ سخت لفظ کہے، دونوں حضرات میں آپس میں سخت کلامی ہو گئی۔ حضرت عثمان وغیرہ حضرات جو پہلے سے بیٹھے تھے، انھوں نے ان کی تائید اور سفارش کی کہ آپ ان کا فیصلہ ضرور کر دیجئے اور ایک کو دوسرے سے نجات دیجئے۔ مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے۔ مالک بن اوس کہتے ہیں کہ مجھے ان کی سفارش اور تائید کے انداز سے یہ خیال ہوا کہ ان دونوں حضرات نے ان سب حضرات کو اپنی تائید ہی کے لئے آگے بھیجا تھا۔ حضرت عمر **رضی اللہ عنہ** نے فرمایا: ذرا ٹھہرو۔ اس کے بعد اُس جماعت کی طرف خطاب کر کے فرمایا۔ تم کو اُس پاک ذات کی قسم دے کر پوچھتے ہوں جس کے حکم سے آسمان زمین قائم ہیں، کیا تم کو معلوم ہے حضور نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں صدقہ ہوتا ہے؟ اُس جماعت نے اقرار کیا کہ بے شک! حضور نے یہ ارشاد فرمایا۔

أُنشِدُكُمْ بفتح الهمزة وضم المعجمة، أي: أسألكم أو أقسم عليكم قاله القاري. راد المساوي: من أنشد، وهو رفع الصوت. **اللَّهُمَّ**. صدر الكلام به لتأكيد الحكم كما هو المعروف، وللاحتياط والتحرر عن الوقوع في العلط. والميم فيه بدل حرف اسداء، والمقصود من اسداء في حقه سبحانه هو التصبر والتذلل لا حقيقة النداء؛ فإنه ليس بعيد ولا يعالج قاله القاري. **قصة طويلة** [بسطها مسلم في صحيحه في أبواب الفقه]. رز بن حبيش بكسر الزاي وتشديد الراء، وحيش بضم الحاء المهملة تصغير حيش.

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات عباس و علی رضی اللہ عنہما کی طرف متوجہ ہوئے اور اسی طرح ان سے بھی قسم دے کر دریافت کیا۔ ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اُس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شروع سے سُنو! اللہ جل شانہ نے یہ فیئ کا مال (باغ وغیرہ) مخصوص طور پر حضور کو دیا، کسی دوسرے کی اس میں شرکت نہ تھی، لیکن حضور نے اس کو اپنے لئے مخصوص نہیں فرمایا بلکہ تم لوگوں پر تقسیم کر دیا اور بہت تھوڑا سا حصہ زمین کا اپنے اور اپنے عیال کے گزران کے لئے رکھا اور اُس میں بھی گھروں میں تھوڑا سا دینے کے بعد جو بچتا وہ اللہ کے راستہ میں خرچ فرما دیتے تھے۔ میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کیا ایسا ہی تھا یا نہیں؟ اول ان پانچوں کو قسم دے کر ان سے اس کی تصدیق کرائی، اُس کے بعد ان دونوں حضرات سے قسم دے کر تصدیق کرائی۔

پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اس کے بعد حضور کا وصال ہو گیا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اور انھوں نے اس سب پیداوار میں اُسی طرز کو جاری رکھا جو حضور کا معمول تھا اور اللہ پاک کی قسم! ابو بکر اپنے اس رویہ میں نیکی پر تھے، روہ راست پر تھے، حق کا اتباع کرنے والے تھے، لیکن تم لوگوں نے ان کو چٹاں چینی سمجھا، تم (حضرت عباس) اپنے بھتیجے (رضی اللہ عنہ) کی میراث طلب کرنے آئے اور تم (حضرت علی) اپنی بیوی کے حصہ کا مطالبہ کرنے آئے۔

حضرت ابو بکر نے حضور کا ارشاد کہ ”ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا“ سنایا، تم نے ان کی بات کو صحیح نہ سمجھا، اس کے بعد حضرت ابو بکر نے وفات پائی اور میں خلیفہ بنا اور اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے موافق اُس میں عمل کرتا رہا اور اللہ جل شانہ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرز میں سچا ہوں، نیکی پر عمل کرنے والا ہوں، حق کا اتباع کرنے والا ہوں۔ اُس کے بعد تم دونوں میرے پاس آئے اور وہی ایک کلمہ، ایک بات، بھتیجے کی میراث کا مطالبہ اور بیوی کا حصہ۔ میں نے تم سے حضور کا ارشاد کہ ”ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا“ سنا دیا، اُس کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ بطور تولیت کے تمہارے حوالے کر دوں تو میں نے تم سے عہد و پیمان لیا کہ تم اس میں اُسی طرح عمل درآمد کرو گے جس طرح حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دو برس تک میں خود عمل کرتا رہا ہوں۔ تم نے اس کو قبول کیا اور اس طرح میں نے اس کو تمہارے حوالہ کیا۔ تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں! کیا میں نے اسی طرح حوالہ نہیں کیا تھا؟ اُس جماعت نے بھی اس کا اقرار کیا اور ان دونوں حضرات نے بھی اس کا اقرار کیا۔

اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب تم اس کے خلاف مجھ سے فیصلہ کرنا چاہتے ہو، اُس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، اس کے خلاف ہرگز فیصلہ نہ کروں گا۔ اگر تم اس کے انتظام سے عاجز ہو تو مجھے واپس کر دو، میں خود انتظام کر لوں گا۔ یہ ہے وہ طویل قصہ جس کی طرف امام ترمذی رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث میں طویل قصہ ہے۔ اس میں چند امور قابل لحاظ ہیں:

۱: حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ظالم وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا اور دونوں حضرات میں سخت کلامی ہوئی، یہ چیز بظاہر مستبعد معلوم ہوتی ہے، مگر ایک تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے چچا ہیں، اس حیثیت سے ان کو تنبیہ کا حق ہے، دوسرے جب وہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ناحق سمجھ رہے ہیں جس کی تفصیل آگے آرہی ہے تو ان کے فعل کو ظلم سمجھنا ہی چاہئے۔

۲: یہ کہ جب حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کو یہ حدیث معلوم تھی جیسا کہ انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سوال پر اقرار کیا تو پھر کیوں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا اور کیوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مطالبہ کیا؟ اور اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ پہلے سے معلوم نہ تھی، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے کہنے سے معلوم ہوئی تو پھر جب حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اس حدیث کی وجہ سے انکار فرما چکے تھے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے دوبارہ کیوں سوال کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو یقیناً ان کو معلوم تھی مگر بظاہر اس حدیث کو وہ مخصوص سمجھتے تھے، مثلاً: درہم اور دینار ہی کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہوں، جیسا کہ پہلے ایک حدیث میں ان دونوں کا ذکر آچکا ہے، لیکن اور سب حضرات کے نزدیک سب چیزوں کو شامل ہے، جیسا کہ بہت سی حدیثوں میں ”جو کچھ میں چھوڑوں وہ صدقہ ہے“ کا لفظ آیا ہے۔

اس صورت میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اولاً سوال اپنے اُس خیال کے موافق ہو کہ یہ حضرات اُس کو خصوصیت پر سمجھتے تھے اور اُس کے بعد دوبارہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ان سے سوال اس خیال سے ہو کہ شاید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے ان دونوں حضرات کے موافق ہو، یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کو مخصوص خیال فرماتے ہوں، لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی وہی ہے جو اور سب حضرات کی ہے اور حدیث کے الفاظ کا ظاہر بھی یہی ہے کہ یہ ارشاد سب چیزوں کو شامل ہے، کسی چیز کی تخصیص نہیں۔

یہاں ایک نہایت اہم اور ضروری چیز یہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جب حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کے متعلق ہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ حضور اقدس ﷺ کے پاک ارشاد کی وجہ سے میراث تقسیم کرنے سے معذور و مجبور تھے اور باوجود ان حضرات کے اصرار کے تقسیم نہ فرمایا، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ ان اکابر کی شان میں کسی قسم کا سوء ظن کرنا کہ حب مال کی وجہ سے بار بار اصرار کرتے تھے اور حضور کے اس صاف اور صریح ارشاد کے خلاف عمل چاہتے تھے، انتہائی بے ادبی ہے، اُن کا اصرار اس وجہ سے تھا کہ یہ حضرات اس کو ایک شرعی حق سمجھتے تھے اسی وجہ سے اپنی تحقیق کے خلاف ہونے کی وجہ سے مخالفت کرنے والوں پر انکار کرتے تھے، جس کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اس کلام سے ظاہر کیا کہ تم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو چناں چیں سمجھا۔

۳: یہ کہ جب حضرت ابو بکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے انکار پر اور حضور کے اس ارشاد پر کہ ”ہمارا کوئی وارث نہیں بنتا“ ان دونوں حضرات نے متفقہ طور پر اپنی ولایت میں لے لیا تھا تو اب آپس میں جھگڑا پیدا ہو جانے کی کیا وجہ ہے جس کی وجہ سے آپس میں سخت کلامی کی نوبت آئی اور اب تقسیم کی استدعا کس وجہ سے تھی جب کہ پہلے ہی سے تقسیم کا انکار ہوتا چلا آیا؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز تو محقق ہو گئی تھی کہ اس میں میراث جاری نہیں ہوتی اسی وجہ سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما نے انکار بھی کر دیا تھا اور ان حضرات نے قبول بھی کر لیا تھا، اس کے باوجود پھر ان دونوں حضرات کا آپس میں تقسیم کے مطالبہ کی وجہ میرے والد صاحب نے یہ ارشاد فرمائی تھی کہ کیفیت خرچ میں دونوں میں کثرت سے اختلاف ہوتا تھا۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت منتظم اور مدبر تھے، دور اندیش تھے، وہ ہر مال کو نہایت احتیاط سے خرچ فرمانا چاہتے تھے اور ضرورت کے مواقع کے لئے پس انداز اور ذخیرہ فراہم رکھنا چاہتے تھے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نہایت فیاض، نخی، زاہد اور متوکل تھے، حضور کے طرز کے موافق جو آیا فوراً تقسیم کر دینا چاہتے تھے کہ ایک درہم بھی باقی نہ بچے، اس وجہ سے دونوں حضرات میں ہر وقت کشمکش پیش آتی تھی۔

حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں دار قطنی کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ان حضرات کا آپس کا اختلاف میراث کے بارے میں نہیں تھا۔ بلکہ تولیت اور مصارف کے بارے میں تھا کہ اس پیداوار کو کس طرح صرف کیا جائے۔ امام ابو داؤد نے لکھا ہے کہ ان دونوں حضرات کی درخواست یہ تھی کہ اس مال کو دونوں میں نصف نصف تقسیم کر دیا جائے، نہ یہ کہ حضور کے ارشاد کے بعد اب میراث کا مطالبہ تھا۔

عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: ما ترك رسول الله ﷺ ديناراً ولا درهماً ولا شاةً ولا بعيراً.
قال: وأشك في العبد والأمة.

۴: یہ کہ جب یہ حضرات تولیت علیحدہ کرنا چاہتے تھے، میراث نہیں چاہتے تھے تو پھر عمر رضی اللہ عنہ کو کیا مانع تھا؟ اس میں بظاہر کوئی اشکال نہ تھا کہ ہر ایک کا تولیت نامہ علیحدہ ہوتا، وہ اپنی رائے سے اپنی پیداوار کو جلدی یا بدیر تقسیم کرتا۔ اس کی وجہ علماء نے لکھی ہے کہ اس صورت میں بعد میں میراث بن جانے کا احتمال تھا اور اس پر استدلال کی گنجائش تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے فیصلے سے رجوع کر لیا۔ اس لئے کہ دونوں میں نصف نصف تقسیم ہی میراث کی تقسیم تھی کہ آدھا بیٹی کا حصہ ہے اور آدھا عصبہ ہونے کی وجہ سے چچا کا۔ اس لئے اگر یہ فیصلہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ منظور فرما لیتے تو بعد میں آنے والوں کو اس جائیداد کے میراث ہونے کے لئے حضرت عمر کا یہ فیصلہ ہی دلیل اور حجت بن جاتا۔

۵: یہ کہ ابتداءً ان حضرات اہل بیت کا خیال اگرچہ یہی تھا کہ یہ میراث ہے اور اسی لئے اس کا حضرات شیخین سے مطالبہ ہوا مگر اخیر میں ان حضرات کی رائے بھی شیخین کی رائے کے موافق ہو گئی تھی، اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کو اسی طرح باقی رکھا، ورنہ اگر وہ میراث سمجھتے تو اپنی خلافت کے زمانہ میں اس کو تقسیم کر دیتے۔ ابتدا میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مشترک تولیت رہی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اس سے عیحدگی اختیار فرمائی، تب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قبضہ میں رہی، پھر حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے، پھر علی بن حسین کے (فتح الباری)۔ یہ چند ضروری ابحاث مختصر طور پر اس حصہ کے متعلق ذکر کر دی گئیں ہیں، ان کے علاوہ اور بھی ابحاث اس میں ہیں جن کو اختصار کی وجہ سے ترک کر دیا گیا۔

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے نہ دینار چھوڑا، نہ درہم، نہ بکری، نہ اونٹ۔ راوی کہتے ہیں کہ مجھے غلام اور باندی کے ذکر میں شک ہو گیا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی فرمایا تھا کہ ”نہ غلام، نہ باندی“ یا نہیں فرمایا۔ فائدہ: کسی نقل کرنے والے کو اس روایت میں تردد ہو گیا اس لئے انھوں نے اس پر متنبہ کر دیا۔ دوسری روایات میں اس کی تصریح ہے کہ نہ غلام نہ باندی۔

قال أبي: زر الراوي عن عائشة علي ما هو الطاهر، كما قال نه ميرك، وحرم به اس ححر، ويحتمل أن يكون فاعله راو آخر دونه. قال القاري: شك الراوي في أن عائشة ﷺ هل ذكرهما أم لا، ولا ففي البحاري عن جويرية: ولا عبداً ولا أمة.

باب ما جاء في رؤية رسول الله ﷺ في المنام

حدثنا محمد بن بشر، حدثنا عبد الرحمن بن مهدي، حدثنا سفيان، عن أبي إسحاق، عن أبي الأحوص،

باب - حضور اقدس ﷺ کو خواب میں دیکھنے کا تذکرہ

فائدہ: خواب کی حقیقت کیا ہے اور یہ واقعی چیز ہے یا مجرد خیالات ہیں۔ طویل بحثیں ہیں جو اس جگہ کے مناسب نہیں ہیں۔ مثلاً اطباء کا خیال ہے کہ آدمی کے مزاج میں جس خلط کا غلبہ ہوتا ہے اُس کے مناسبات خیال میں آتے ہیں، جیسے کسی کا مزاج بلغمی ہو تو پانی اور اُس کے متعلقات دریا، سمندر، پانی میں تیرنا وغیرہ دیکھے گا اور جس کے اندر صفرا کا غلبہ ہو وہ آگ اور اُس کے متعلقات دیکھے گا یا ہوا میں اڑنا وغیرہ، اسی طرح دوسرے اخلاط دم اور سودا کا حال ہے۔ فلاسفہ کے نزدیک جو واقعات عالم میں رونما ہوتے ہیں ان کی صورت مثالیہ فوٹو کی طرح سے عالم بالا میں منقوش ہے، اس لئے نفس کے سامنے ان میں سے کوئی چیز آتی ہے تو اُس کا انعکاس ہوتا ہے وغیرہ وغیرہ اقوال مختلفہ ہیں۔ اہل سنت کے نزدیک یہ تصورات ہیں

روية اختلما في أن الرؤية والرؤيا متحدتان أو مختلفتان، والأظهر أن الأولى أعم؛ ولذا قبحها المصنف بالمنام، وقال صاحب الكشف: الرؤيا بمعنى الرؤية إلا أنها مختصة بما كان منها في المنام، وقال الواحدي: الرؤيا مصدر كالشئى والسقيا، إلا أنه لما صار اسما هذا التحويل في المنام جرى مجرى الأسماء. قال المناوي: اختلما في الرؤيا، وطال حبطهم فلاطباء والحكماء والمحمين والمعتزلة فيه كلام، كله رجم بالعب، فالطبيعون جعلوها لعبة الأحلاط، وكثير من الحكماء ذكروا أن الصور منقوشة في ظل العرش، بعد زوال الحجب الطلمانية تنقش الصور العيبة في غيب النفس، ومال إليه ابن عربي، وزعم متقدموا المعتزلة أنه تخيلات لا حقيقة لها، والقاصي أبو بكر أمّا خواطر واعتقادات، وقال القاري: حقق البيضاوي في تفسيره أمّا انطباع الصورة المسحورة من أفق التخيلة إلى الحس المشترك، والصادقة منها إماما تكون باتصال النفس بالملكوت؛ لما بينهما من المناسبة عند فراغها عن تدبير البدن، ثم المتخيلة تحاكيه بصورة تاسه فترسلها إلى الحس المشترك فتصير مشاهدة، ثم إن كانت شديدة المناسبة لذلك المعنى بحيث لا يكون التفاوت إلا بالكنية والجزئية استغنت الرؤيا عن التعبير وإلا احتاجت إليه. وقال المناوي: مذهب أهل السنة أن حقيقة الرؤيا خلق الله تعالى في قلب النائم اعتقادات كخلقها في قلب اليقظان، وهو سبحانه وتعالى يفعل ما يشاء، وخلقها علم على أمور أحر يلحقها في ثاني الحال، كالعيم عدما على المطر، وبسط شيء من ذلك في هامش الكوكب الدري.

جن کو حق تعالیٰ شانہ بندہ کے دل میں پیدا کرتے ہیں جو کبھی بواسطہ فرشتے کے پیدا کیے جاتے ہیں اور کبھی شیطان کے ذریعہ سے۔ علماء نے لکھا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے: ایک تو اُس فرشتہ کے تصرف سے ہوتا ہے جو اُس پر مقرر ہے، یہ حق ہوتا ہے اور دوسرا شیطانی اثر سے ہوتا ہے کہ شیطان اپنے تصرف سے کچھ مثالیں اور تصویریں دکھاتا ہے۔ تیسرے نفسانی خطرات بھی اس کا سبب ہوتے ہیں کہ جس قسم کے خیالات جاگتے ہوئے آتے ہیں وہی سوتے ہوئے دل میں گزرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے پاک ارشاد سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ ابو داؤد شریف میں حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ذکر کیا ہے کہ خواب تین طرح کا ہوتا ہے: ایک رؤیا صالحہ یعنی مبارک خواب۔ یہ اللہ کی طرف سے بشارت ہوتی ہے۔ دوسرا ڈرانا خواب جو شیطان کی طرف سے رنج پہنچانا ہوتا ہے۔ تیسرا وہ خواب جو آدمی کے اپنے خیالات اور وساوس ہوتے ہیں۔

علمائے تعبیر نے لکھا ہے کہ جو فرشتہ خواب دکھانے پر متعین ہے اُس کا نام ”صدیقون“ ہے، جو مثالوں سے آدمیوں کو خواب کی شکل میں سمجھاتا ہے۔ یہ عام خواب کے متعلق ہے۔ حضور اقدس ﷺ کی زیارت اگر خواب میں ہو تو وہ تصرفات شیطانی سے خالی ہوتی ہے۔ خود نبی کریم ﷺ کا ارشاد متعدد احادیث میں آ رہا ہے کہ جس نے مجھ کو خواب میں دیکھا اُس نے حقیقتاً مجھ ہی کو خواب میں دیکھا، اس لئے کہ شیطان کو یہ قدرت نہیں ہے کہ وہ میری صورت بنالے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص نبی کریم ﷺ کی خواب میں زیارت ایسی طرح کرے کہ حضور کی شان کے مناسب نہیں ہے، مثلاً: جو حصہ شریف آپ کا شروع کتاب میں گزرا ہے، اُس کے خلاف دیکھے۔ یا کوئی ایسی بات دیکھے جو آقائے نامدار ﷺ کی بیماری یا پریشانی وغیرہ کو ظاہر کرے، یا کسی ایسے کام کا حکم کرتے یا منع کرتے ہوئے دیکھے جو خلاف شرع ہو۔ یا شانِ نبوی کے مناسب نہ ہو تو وہ دیکھنے والے کی غلطی، کوتاہی اور قصور کی بنا پر ہوتا ہے، اس کو شرح و مشائخِ آئینہ سے تشبیہ دیا کرتے ہیں کہ ایک شے کو اگر سُرخ آئینہ میں دیکھو تو سُرخ نظر آتی ہے اور سبز میں سبز ایسے ہی سیاہ سفید اور لمبی چوڑی، غرض مختلف انواع نظر آتی ہے۔ اسی طرح خواب میں ذاتِ تو نبی کریم ﷺ ہی کی نظر آتی ہے لیکن اُس ذاتِ اقدس کے ساتھ جو احوال اور اوصاف نظر آتے ہیں وہ خواب دیکھنے والے کے تخیل اور ادراک کا اثر ہے کہ جس قسم کے احوال دیکھنے والے کے ہونگے ویسی ہی صفات کے ساتھ زیارت نصیب ہوگی، مثلاً: بعض صوفیہ نے لکھا ہے کہ جو شخص خواب میں دیکھے کہ نبی کریم ﷺ اس کو دنیا کمانے کی ترغیب دے رہے ہیں تو اس میں دیکھنے والے کی ظلمت کا شمول ہے کہ وہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب میں بلا ارادہ مبتلا ہے۔

عن عبد الله بن مسعود، عن النبي ﷺ قال: من رآني في المنام فقد رآني، فإن الشيطان لا يتمثل بي. **حدثنا** محمد بن بشار ومحمد بن المنثري قالوا: حدثنا محمد بن جعفر، حدثنا شعبة، عن أبي حصين، عن أبي صالح، **عن** أبي هريرة ربه قال: قال رسول الله ﷺ: من رآني في المنام فقد رآني،

مصنف **الشيعة** نے اس باب میں سات حدیثیں ذکر فرمائی ہیں:

(۱) عبد اللہ بن مسعود **رضی اللہ عنہ** کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے مجھے خواب میں دیکھا اُس نے حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا ہے، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

(۲) ابو ہریرہ **رضی اللہ عنہ** سے بھی آپ کا یہ ارشاد منقول ہے کہ جس نے خواب میں مجھے دیکھا اُس نے حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا ہے، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ **فائدہ:** حق تعالیٰ **جل جلالہ** نے جیسا کہ عالم حیات میں حضور اقدس ﷺ کو شیطان کے اثر سے محفوظ فرمادیا تھا ایسے ہی حضور کے وصال کے بعد بھی شیطان کو یہ قدرت مرحمت نہیں فرمائی کہ وہ آپ کی صورت بنا سکے۔ یہ امر طے شدہ ہے۔ اس کے بعد یہ بحث ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی ذات مبارک بعینہ نظر آتی ہے یعنی یہ کہ دیکھنے والے میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ ذات اقدس ہی کی زیارت اپنی جگہ پر کرے یا صورتِ مثالی کی زیارت ہوتی ہے،

من رأى [أي: من رأى في حالة النوم فقد رأى حقاً، أو فكأنما رأى في اليقظة، فهو على التشبيه والتمثيل] المدة قال المناوي: أي: في حال المنام، وقول العصام: "في وقت النوم" فيه نظر. وفي الدل عن فتح الودود: قيل: هذا مختص بصورة المعهودة، فيعرض على الشمائل الشريفة المعلومة، فإن طابقت الصورة المرئية تلك الشمائل فهي رؤيا حق، وإلا فانه أعلم بذلك، وقيل: بل في أي صورة كانت، وقد رجحه كثير بأن لاختلاف إمامي من أحوال الرائي، كذا في هامش لكوكب. **فقد راي** استشكل في الحديث: بأن لشرط والحزء متحدان، وأجيب: بأن اتعادهما دال على التماهي في المسألة، أي: فقد رأى حقيقي على كمالها لا شبهة ولا ارتياب.

فإن الشيطان [أي: لا يستطيع ذلك؛ لأن الله سبحانه وتعالى جعله محظوظاً من الشيطان في الخارج، فكذلك في المنام، سواء رآه على صفته المعروفة أو غيرها، وإنما ذلك يختلف باختلاف حال الرائي.] **لا يستل** قال بعض شراح المصابيح: ومثله في ذلك جميع الأسماء والملائكة. ومادكره احتمال حرم به المعوي في شرح النسيه، وقار: كذلك حكم القمرين والنجوم والسحاب الذي يسرل فيه العيث، لا يتمثل الشيطان بشيء منها. **أبي حصن** بفتح مهملة أول الحروف، ثم صاد مهملة مكسورة. قال المناوي وتعه الليجوري: هو أحمد بن عبد الله بن يونس التميمي. وليس بصواب عندي، بل الظاهر أنه عثمان بن عاصم الأسدي، فإن أحمد من العاشرة، كيف يروي عن الصحابي.

فإن الشيطان لا يتصور -أو قال: لا يتشبه- بي. **حدثنا** قتيبة، **حدثنا** خَلَف بن خليفة، عن أبي مالك الأشجعي، **عن** أبيه قال: قال رسول الله ﷺ: من رآني في المنام فقد رآني. قال أبو عيسى: وأبو مالك هذا هو سعد بن طارق بن أشيم. وطارق بن أشيم هو من أصحاب النبي ﷺ. وقد روى عن النبي ﷺ أحاديث. وسمعت علي بن حُرير يقول: قال خَلَف بن خليفة: رأيت عمرو بن حُرير صاحب النبي ﷺ وأنا غلام صغير.

جیسے کوئی شخص آڑ میں بیٹھ کر اپنے سامنے ذرا فاصلے سے ایک آئینہ رکھ لے اور دوسرا شخص جو اس آڑ کے پیچھے ہے، جو اس آئینہ کو دیکھے تو اس آئینہ میں اس بیٹھنے والے شخص کی مثال ہوگی، بعینہ اُس کی ذات آئینہ میں نہیں آرہی ہے۔ صوفیہ کا قول ہے کہ دونوں طرح زیارت ہوتی ہے، بعض لوگوں کو بعینہ ذات اقدس کی زیارت ہوتی ہے اور بعض کو آئینہ کی طرح۔ مثال کی یہی وجہ ہے کہ بعض مرتبہ دوسرے لوگوں کی صورت میں حضور کی زیارت ہوتی ہے کہ گویا وہ آئینہ ہے نبی کریم ﷺ کی صورت کا۔

(۳) طارق بن اشیم سے بھی یہ ارشاد نبوی منقول ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ **فائدہ:** ان روایات پر یہ اشکال ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ایک ہی وقت

طارق ای: والد أبي مالك، صحابي قد روى عنه غير هذا الحديث ثبت صحته **اشم** همرة مفتوحة معجمة فتحنية مفتوحة. **وسمعت** ذكره المصنف استطراداً، ولما أنه إن ثبت فيحصل للمصنف علو الإسناد، فإن بين المصنف وبين النبي ﷺ على هذا ثلاثة: علي، وحلف، وعمرو، إلا أنهم اختلفوا في سماع حلف عن عمرو كما سيأتي. عمرو اختلف في سماع حلف عن عمرو. قال الحافظ في تهذيبه: قال عبد الله بن أحمد بن حنبل. سمعت أبي يقول: قال رجل لسفيان بن عيينة: يا أبا محمد! عدنا رجل يقال له. حلف بن خليفة، يرغم أنه رأى عمرو بن حريث، فقال: كذب، لعله رأى جعفر بن عمرو بن حريث. وقال أبو الحسن الميموني. سمعت أبا عبد الله لائل هل رأى حلف عمرواً؟ قال: لا، ولكنه عدي شه عليه، هذا ابن عيسى وشعبة والحجاج لم يروا عمرو بن حريث، ويراہ حلف هدا، وقد روى عن حلف بن خليفة: فرص لي عمر بن عبدالعزيز وأنا ابن ثمان سنين، وعلي هذا فيكون مولده ۹۱ أو ۹۲: لأن ولاية عمر كانت ۹۹ فيبعد إدراكه لعمرو بن حريث بعداً بيماً، فإن عمرواً توفي سنة ۸۵. قال الحافظ في التقریب في ترجمة حلف. ادعى أنه رأى عمرو بن حريث الصحابي فأكره عليه ذلك ابن عيينة وأحمد.

حدثنا قتیبہ بن سعید، حدثنا عبد الواحد بن زیاد، **عن** عاصم بن کلب قال: حدثني أبي، أنه سمع أبا هريرة يقول: قال رسول الله ﷺ: من رآني في المنام فقد رآني، فإن الشيطان لا يتمثلني. قال أبي: فحدثت به ابن عباس، فقلت: قد رأيته، فذكرت الحسن بن علي، فقلت: شبهته به. فقال ابن عباس: إنه كان يُشبهه.

میں مختلف شہروں میں، مختلف ملکوں میں مختلف لوگ زیارت کرتے ہیں، حضور ﷺ بیک وقت کہاں کہاں تشریف لے جاسکتے ہیں، کچھ وقت نہیں رکھتا، اس لئے کہ مختلف لوگوں کی زیارت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ حضور ﷺ سب جگہ تشریف لے جائیں، بلکہ ایک ہی جگہ سب کو زیارت ہو سکتی ہے کہ آفتاب اپنی جگہ قائم ہے اور مختلف لوگ دور دور کے شہروں سے اس کو دیکھتے ہیں اور پھر جس قسم کی عینک سبز، سرخ، سیاہ لگا کر دیکھیں گے آفتاب ویسا ہی نظر آئے گا حالانکہ آفتاب ایک ہی صورت پر ہے۔

(۴) کلب **رحمۃ اللہ علیہ** کہتے ہیں کہ مجھے ابو ہریرہ **رضی اللہ عنہ** نے حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھے وہ حقیقتاً مجھ ہی کو خواب میں دیکھتا ہے، اس لئے کہ شیطان میرا شبیہ نہیں بن سکتا۔ کلب **رحمۃ اللہ علیہ** کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کا ابن عباس **رضی اللہ عنہ** سے تذکرہ کیا اور یہ بھی کہا کہ مجھے خواب میں زیارت اقدس میسر ہوئی ہے، اس وقت مجھے امام حسن **رضی اللہ عنہ** کا خیال آیا، میں نے ابن عباس **رضی اللہ عنہ** سے کہا کہ میں نے اس خواب کی صورت کو حضرت حسن **رضی اللہ عنہ** کی صورت کے بہت مشابہ پایا۔ اس پر ابن عباس **رضی اللہ عنہ** نے اسکی تصدیق فرمائی کہ واقعی حضرت حسن **رضی اللہ عنہ** آپ کے بہت مشابہ تھے۔ **فائدہ:** بعض روایات میں آیا ہے کہ سینہ اور اسکے اوپر کا حصہ بدن کا تو حضرت حسن **رضی اللہ عنہ** کا حضور اقدس ﷺ کے مشابہ تھا اور بدن کا نیچے کا حصہ حضرت امام حسین **رضی اللہ عنہ** کا حضور اقدس ﷺ کے زیادہ مشابہ تھا۔

لا يتمثلني. لأنه تعالى وإن أمكنه في التصور بأي صورة أراد لم يمكنه من التصور بصورة ﷺ قال الماوي: حكي من البارري والياضي والحيلي والشاذلي والمرسي وعبي وفا والقطب القسطلاني وغيرهم أنهم رأوه ﷺ بقطعة، قال ابن أبي حمزة: ومكر ذلك إن كان ممن يكذب بكرامات الأولياء فلا كلام معه، وإن لم يكن فهدده منها؛ إذ يكشف لهم بحرق العادة على أشياء في العالم العلوي والسفلي. **كان يشبهه** قال القاري: أي: أحسن كان يشبه النبي ﷺ، وعكسه الماوي، قال: أي: النبي ﷺ كان يشبه الحسن، وكل منهما رجح بختاره وتعقب عكسه. والأوجه عدي ما قال القاري.

حدثنا محمد بن بشار، حدثنا ابن أبي عديّ ومحمد بن جعفر قالوا: حدثنا عوف بن أبي جميلة، **عن** يزيد الفارسيّ - وكان يكتب المصاحف - قال: رأيت النبي ﷺ في المنام زمن ابن عباس، فقلت لابن عباس: إني رأيت رسول الله ﷺ في النوم، فقال ابن عباس: إن رسول الله ﷺ كان يقول: إن الشيطان لا يستطيع أن يتشبه بي، فمن رآني في النوم فقد رآني، هل تستطيع أن تتعت هذا الرجل الذي رأيته في النوم؟ قال: نعم، أنعت لك: رجلا بين الرجلين جسمه ولحمه، أسمر إلى البياض، أكحل العينين، حسن الصّحك، جميل دوائر الوجه،

سواد العينين خفيف

(۵) یزید فارسی کلام اللہ شریف لکھ کرتے تھے، ایک مرتبہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اس وقت زندہ تھے، ان سے خواب عرض کیا۔ انھوں نے اول ارشاد نبوی سنایا کہ جو مجھے خواب میں دیکھتا ہے وہ حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھتا ہے، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ یہ ارشاد سن کر پوچھا: کیا خواب کی دیکھی ہوئی صورت کا حلیہ بیان کر سکتے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ آپ کا بدن اور آپ کا قامت دونوں چیزیں معتدل اور درمیانی (یعنی جسم نہ زیادہ موٹا نہ زیادہ دلا، ایسے ہی قد نہ زیادہ لمبا نہ زیادہ پست، بلکہ معتدل) آپ کا رنگ گندمی مائل بہ سفیدی، خندہ دہن، خوبصورت گول چہرہ، ڈاڑھی نہایت گنجان جو پورے چہرے کا احاطہ کیے ہوئے تھی اور سینہ کے ابتدائی حصہ پر پھیلی ہوئی تھی۔ عوف جو اس روایت کے ایک راوی ہیں وہ کہتے ہیں کہ مجھے یاد نہیں رہا کہ میرے استاد یزید نے جو اس خواب کے دیکھنے والے ہیں، ان مذکورہ صفات کے ساتھ اور کیا کیا صفات بیان فرمائی تھیں۔

وكان يكتب الح. وكان يكتب المصاحف، إشارة إلى بركة عمله وشرعه، فلذا رأى هذه الرؤيا العظيمة. قال [أي: الرائي، وهو يزيد الفارسيّ] رجلا أي هو رجل بين الرجلين، أي: بين كثير اللحم وقليله، أو بين البائس والقصير، والمعنى: أنه متوسط بينهما، والطرف خير مقدم لقوله. "جسمه وحمة"، أو هو فاعل الطرف قاله القاري، وكذا قال الماوي: إن "جسمه" متدا مؤخر، و"بين رجلين" خير، أو هو فاعل الطرف **أسمر** [أي: أحمر، لأن السمرة تطلق على الحمرة].
أي **السواد** [مثلاً إلى البياض؛ لأنه كان أبيض مشرباً بحمرة]. **حسن الصّحك** [لأنه كان يتبسّم في غالب أحواله].
دوائر الوجه: [أي: حسن أطراف الوجه، فالمراد بالدوائر الأطراف].

قد ملأت لحيته ما بين هذه إلى هذه، قد ملأت نحره - قال عوف: ولا أدري ما كان مع هذا النعت -، فقال ابن عباس: لو رأيته في اليَقْظَةِ ما استطعت أن تنعته فوق هذا. قال أبو عيسى: ويزيد الفارسيّ هو يزيد بن هُرْمُز، وهو أقدم من يزيد الرقاشي، وروى يزيد الفارسيّ عن ابن عباس أحاديث، ويزيد الرقاشيّ لم يُدرك ابن عباس. وهو يزيد بن أبان الرقاشي، وهو يروي عن أنس بن مالك، ويزيد الفارسيّ ويزيد الرقاشي كلاهما من أهل البصرة، وعوف بن أبي جميلة: هو عوف الأعرابي.

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم حضور ﷺ کو عالم حیات میں دیکھتے تو اس سے زیادہ علیہ اقدس نہ بتا سکتے، گویا بالکل ہی صحیح علیہ بیان کر دیا **فائدہ**: چنانچہ اس کتاب شمل کے سب سے پہلے باب میں جو حضور اقدس ﷺ کا علیہ مبارک نقل کیا گیا ہے، وہ ان ہی صفات کے ساتھ ذکر کیا گیا، جیسا کہ مفصل گزر چکا۔

ما بین ہدہ: قال القاري: أي: من الأدن إلى الأدن الأخرى، إشارة إلى عرصها. **ولا أدري** قال القاري: فيه إشعار بأنه ذكر هوتا أحر وإنه سبها، وهذا هو الظاهر المتبادر كما لا يخفى، ثم رأيت شارحاً صرح به، حيث قال: وعن بعضهم أن ما استفهامية، بأن قال الراوي شيئاً آخر فسيه عوف، فقال على طريق الاستفهام: ولا أدري ما كان الخ. قلت: وهو أوجه مما قال السائي، ولفظه: أي: لا أعلم الذي وجد من صفاته في الخارج مع هذا النعت، هل هو مطابق أو لا.

فوق ہدہ: [أي: فما رأيته في النوم موافق لما عني في الواقع.] **قال أبو عيسى الخ** غرض المصنف بيان أن مسمى يزيد رجلاً متقارباً العصر، فهذا الذي رآه عليه السلام في المنام هو يزيد بن هرمز رأى ابن عباس، وروى عنه، ويريد الآخر الرقاشي غير يزيد بن هرمز، لأعمار عليه، وأما كون يزيد الفارسي هو ابن هرمز كما جرم به المصنف، مختلف فيه عند أهل الرجال، قال الحافظ في ترجمة ابن هرمز: قال ابن أبي حاتم: اختلعا هل هو يزيد الفارسي أو غيره؟ فقال ابن مهدي وأحمد: هو ابن هرمز، وأنكر يحيى القطان أن يكونا واحداً، وسمعت أبي يقول: يزيد بن هرمز هذا يسير يزيد الفارسي. ثم ترجم الحافظ ليزيد الفارسي مستقلاً، وقال فيه: قال بعضهم: إنه هو يزيد بن هرمز، والصحيح أنه غيره.

هرمز يضم الهاء والميم، مموع من الصرف. **وعوف** هذا كلام مستأنف، يعني عوف الراوي عن يزيد هو عوف الأعرابي، نه بذلك لشهرته به، قال الحافظ في تذييله: عوف بن أبي جميلة المعروف بالأعرابي.

حدثنا أبو داود سليمان بن سلم البلخي، حدثنا التنضري، حدثنا الثوري، حدثنا الأعرابي: أنا أكبر من قتادة. **حدثنا** عبد الله بن أبي زياد، حدثنا يعقوب بن إبراهيم بن سعد، حدثنا ابن أخي ابن شهاب الزهري، عن عمه قال: قال أبو سلمة: قال أبو قتادة: ^(٦) قال رسول الله ﷺ: من رآني يعني في النوم فقد رأى الحق. **حدثنا** عبد الله بن عبد الرحمن، أخبرنا مَعْلَى بن أسد، حدثنا عبد العزيز بن المختار، حدثنا ثابت، **عن** ^(٧) أنس رضي الله عنه أن رسول الله ﷺ قال: من رآني في المنام فقد رآني،

(٦) ابوقتادہ سے بھی حضور ﷺ کا یہ ارشاد مروی ہے کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے واقعی امر دیکھا۔

فائدہ: یعنی حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا، یہ نہیں کہ شیطان کسی اور چیز کو دکھائے اور مجھے بتائے۔ بعض علماء نے اس کا مطلب لکھا ہے کہ یہ سچا خواب ہے، خیالات کا مجموعہ نہیں ہے۔

(٧) انس رضي الله عنه فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے اس نے حقیقتاً مجھ ہی کو دیکھا، اس لئے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔ حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مومن کا (وہ خواب جو فرشتہ کے اثر سے ہوتا ہے) نبوت کے چھیلے جزو میں سے ایک جزو ہوتا ہے۔

أما أكبر من قتادة، لعل عرص المصنف بذكر هذا القول أن رواية قتادة عن ابن عباس معروفة، ونا كان عوف أكبر منه فروايت عن الراوي عن ابن عباس غير مستعد. **ابن أخي** هو الزهري هو محمد بن مسلم، وابن أخيه هدا هو محمد بن عبد الله بن مسلم، فلاس الأول مرفوع، والابن لثاني محروور **عمه** وهو محمد بن مسلم معروف بابن شهاب الزهري. **يعني** تفسير من أحد الرواة، ونعل الراوي سبي لفظ الشيخ مراد لفظ يعني "كما هو المعروف عند المحدثين".

رأى. أي: الرؤية المتحققة الصحيحة أي: لثلاثة لا أضعاف فيها ولا تحلام، ذكره الكرماني، وقال المناوي: أي: رأى الأمر الثابت لا انهووم، فهو في معنى رأى، و الحق "مفعول به، وفي نسخة رأى الحق، وعنه فـ 'حق مفعول مطلق. **حدثنا عبد الله** **رح** إيراد المصنف هذا الأثر والذي بعده مع عدم ملائمتها لعنوان الباب بمرئاة لوصية مه رحمه الله بالاحتياط في الأحاد، واعتبار من يؤخذ عنه، وبذا التزم أكثر المحدثين بيان تراجمهم في أول مؤلفاتهم أو أواخرها، وتبعاً لصيغهم ذكرت أسماء مشائخي ههنا أولاً، لكن لما ذكرت ذلك بشيء من التفصيل في مقدمة أواخر المسالك حذفها في الطر الثاني من ههنا. من أراد الاطلاع فعليه مقدمة الأواخر. **مَعْلَى** بضم ففتح ومشددة مفتوحة.

فإن الشيطان لا يتخيل بي. قال: و رؤيا المؤمن جزء من ستة وأربعين جزءاً من النبوة. حدثنا محمد بن علي قال: سمعت أبي يقول: قال^(١)

فائدہ: علماء نے اس کے مطلب میں مختلف عنوانات اختیار فرمائے ہیں، بالخصوص حافظِ حدیث ابن حجر نے شرح بخاری میں بہت تفصیل سے اس کے متعلق علماء کے اقوال کو ذکر کیا ہے اور صاحبِ تبریز نے بھی بہت زیادہ تفصیل اس کی ذکر کی ہے۔ لیکن ملا علی قاری وغیرہ حضرات نے لکھا ہے کہ بہتر یہ ہے کہ چونکہ اس کو علم نبوت کا ایک جزو فرمایا ہے اور علوم نبوی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص ہوتے ہیں اس لئے اس کو بھی انبیاء ہی کے ساتھ مخصوص سمجھنا چاہیے۔ مجملًا اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ مبارک اور اچھا خواب ایک بڑی بشارت ہے جو نبوت کے اجزا میں سے ایک جزو ہے، اتنا ہی اس کی شرافت اور عظمت و برکت کے لئے کافی ہے، باقی نبوت کے چھیالیس جزو نبی ہی صحیح طور پر معلوم کر سکتے ہیں، اس لئے وہی اس جزو کو صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں کہ یہ چھیالیسواں جزو کیسے ہوا۔ حضور اکرم ﷺ کے خواب میں دیکھنے کا ذکر ختم ہو چکا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب کو دو اثروں پر ختم کیا ہے، جو حقیقت میں دو نصیحتیں ہیں اور مستم بالشان تنبیہیں ہیں۔ اول یہ کہ کسی چیز پر حکم لگانا نفل سے نہیں ہونا چاہئے بلکہ دین کا مدار حضور کے اتباع پر ہے، لہذا ہر فیصلہ میں حضور ﷺ کا اتباع کرنا چاہئے۔ دوسرے یہ کہ ہر کس و ناکس کی بات نہ سنی چاہئے بلکہ دیندار شخص کی بات ماننا چاہئے، بے دین قابلِ اتباع نہیں ہے، اور حقیقت ہر دو نصیحتیں اہم ہیں۔

(۱) عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ بڑے ائمہ حدیث میں ہیں، فقہاء اور صوفیہ میں بھی ان کا شمار ہے، بڑے شیخ عابد زاہد تھے اور حدیث کے حافظوں میں گنے جاتے ہیں، تاریخ کی کتابوں میں بڑے فضائل ان کے لکھے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ اگر کبھی قاضی اور فیصل کنندہ بننے کی نوبت آئے تو منقولات کا اتباع کیجیو۔

لا يتخيل: قال الماوي: فمعني التحيل يقرب من معني التصور، وقال القاري: أي: فلا تكون رؤياي عن أصغاث. قال: [أي: أس علي ما هو طاهر صنيع المصنف، ولا يبعد أن يكون الضمير له ﷺ، بل هو الأقرب: لأن الأشهر هذا مرفوع.] ستة وأربعين جزءاً [وجه ذلك عن ما قيل: إن رمن الوحي ثلاث وعشرون سة، وأول ما ابتدئ ﷺ بالرؤيا الصالحة، وكان رملها ستة أشهر.] أبي يقول [أي: عني، وهو عني بن الحسن بن شقيق المروزي.]

عبد الله بن المبارك: إذا ابتليت بالقضاء، فعليك بالأثر. **حدثنا محمد بن علي**، حدثنا النصر، **عن** ابن سيرين قال: هذا الحديث دين،

فائدہ: مقصود یہ کہ خود رائی اور اپنی عقل پر گھمنہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اکابر کے کلام، احادیث اور اقوال صحابہ کا اتباع کرنا چاہئے، یہ امام ابن مبارک کی نصیحت ہے جو عام ہے، ہر فیصلہ کے متعلق یہی بات ہے خواہ وہ فیصلہ قضا کے قبیلہ سے ہو یا کوئی اور فیصلہ ہو، جیسا کہ ابھی گذرا۔ امام ترمذی نے ان کا یہ ارشاد نصیحت عامہ کے قبیلہ سے ذکر کیا ہے جیسا کہ عام شرح شامل کی رائے ہے۔ بندہ کے نزدیک اس باب سے بھی اس کو ایک خاص مناسبت ہو سکتی ہے، وہ یہ کہ خواب کی تعبیر بھی ایک فیصلہ ہے اس لئے اس میں بھی اپنی رائے سے غتر بود نہ کرنا چاہئے، بلکہ اسلاف کی تعبیروں کو دیکھنا چاہئے۔ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بکثرت خوابوں کی تعبیریں نقل کی گئی ہیں۔ فن تعبیر کے علماء نے لکھا ہے کہ تعبیر دینے والا شخص ضروری ہے کہ سمجھدار، متقی، پرہیزگار، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا واقف ہو۔ عرب کے لغت اور زبان زد مثالوں کو جانتا ہو وغیرہ وغیرہ، بہت سی شرائط اور آداب علم تعبیر کی کتابوں میں لکھے ہیں۔

(۲) ابن سیرین کہتے ہیں کہ علم حدیث (اور ایسے ہی اور دینی علوم سب) دین میں داخل ہیں، لہذا علم حاصل کرنے سے قبل یہ دیکھو کہ اس دین کو کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔

عبد الله بن المبارك [وهو أبو عبد الرحمن، شيخ الإسلام، ولد سنة ثمان عشر ومائة، ونوفي سنة إحدى وثلاثين ومائة، وقبره بـ "هيت" بئر وبتربة. | ابتليت بصيغة الجھول، والخطاب عام، وعدة مئة؛ لشدة خطره، ولذا احتج به أبو حنيفة وسائر الأئمة. **فعليك** اسم فعل معي أمر، ويراد إساءة في معنوه كثيرا للصعفة في العمل. **الأثر** [أي: الحديث] المنقول عن النبي ﷺ واحكام الراشدين في أحكامهم وأقصيتهم، ولا تعتمد، أيها القاضي! على رأيك، وقال أسوي: **الأثر** عند محدثين يعنى المرفوع والموقوف، والمختار لإطلاقه على المروي، مطلقا.]

ابن سیرین [وهو محمد بن سيرين، وسيرين اسم أمه، وهي مولاة أم سمة أم المؤمنين ﷺ] قال [أي: ابن سيرين، وهذا الأثر مسوق لبيان الاحتياط في الرواية والتثبت في النقل.] **هذا الحديث** وهذا لأثر أخرجه صاحب المشكوة برواية مسنم، وقال صاحب التقيح: أخرجه مرفوعا أحكمه في تاريخه، واس عدي في الكامل عن أس، وأبو نصر السجري في الإبانة، وقال: غريب عن أبي هريرة، لكن في إسناده المرفوع ضعف، والصحيح أنه قول ابن سيرين. وقال الماوي: روى الخطيب وغيره عن آخر: لأتحدثوا الحديث إلا عسى نخبرون شهادته. ورقم عليه في الجامع لصغير بالصعف.

فانظروا عمن تأخذون دينكم.

فائدہ: ابن سیرین رحمہ اللہ بھی اپنے وقت کے امام اور مشہور بڑے تابعی ہیں، بہت سے صحابہ کرام سے علوم حاصل کیے، فن تعبیر کے بھی امام ہیں، خواب کی تعبیر میں ان کے ارشادات حجت ہیں۔ ان کے ارشاد کا مقصود یہ ہے کہ جس سے دین حاصل کرو اس کی دیانت، تقویٰ، مذہب، مسلک اچھی طرح تحقیق کر لو۔ ایسا نہ کرو کہ ہر شخص کے کہنے پر عمل کر لو خواہ وہ کیسا ہی بے دین ہو، اس لئے کہ اس کی بددینی اثر کیے بغیر نہیں رہے گی۔

بعض روایات میں خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ یہ نصیحت عامہ ہے جیسا کہ پہلے نمبر پر گزر چکا ہے اور اس باب کے ساتھ بھی مناسبت ہو سکتی ہے کہ علم تعبیر بھی ایک اہم علم ہے، جبکہ خواب نبوت کے اجزائے ایک جزو ہوتا ہے۔ تو اس کی تعبیر جتنی بھی مستم بالشان ہو، ظاہر ہے۔ اس لئے بغور دیکھ کر وہ کس سے تعبیر لے رہے ہو، وہ اس کا اہل ہے یا نہیں۔ اس مناسبت سے گویا امام ترمذی نے اس کو ذکر کیا، لیکن ابن سیرین کا کلام اور احادیث کا مضمون خواب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ ہر علم کو شامل ہے، اور جتنا مستم بالشان علم ہوگا اتنی ہی زیادہ واقف سے معلوم کرنے کی ضرورت ہوگی۔ اس ہمارے زمانہ میں جو قیامت کے بہت ہی قریب ہے، ایک یہ بھی سخت مضرت کی بات ہو گئی ہے کہ ہر شخص خواہ کتنا ہی جاہل، کتنا ہی بددین ہو، تھوڑی سی صفائی تقریر و تحریر سے علامہ اور مولانا بن جاتا ہے اور رنگین کپڑوں سے صوفی اور مقتدا بن جاتا ہے۔

دیکھ قال ميرك: وقع في أكثر الروايات نلفظ: إن هذا العلم دين أله كما رواه مسلم وغيره. قال القاري: وفي رواية الديلمي عن ابن عمر رضي الله عنهما مرفوعاً بلفظ: العلم دين، والصلوة دين، فانظروا عمن تأخذون هذا العلم، وكيف تصلون هذه الصلوة، فإنكم تسألون يوم القيمة. قال الطبري: التعريف فيه للعهد، وهو ما جاء به الرسل صلوات الله عليهم من أكتتاب وإنسة، وهما أصول الدين وأمراد بالمأخوذ منه العدول للثقات المتقنون، هذا، وأنا معترف بأن مشائخي كلهم ثقات عدول كما ذكرت شيئاً من مآثرهم في مقدمة الأوجز. فإننا انتخنا بحمد الله تعالى بمشائخي العظام، وأقول مختصراً:

أولك أشيائني فحفظي مثلهم إذا جمعنا يا حريز الجامع

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العلمين، والصلوة والسلام على سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه أجمعين، برحمتك يا أرحم الراحمين. الثامن من أخرى الحمادين سنة ٤٤ هـ الجمعة، هذا أول الفراع من ابتداء تليمي هذه التعليقات، ثم كررت النظر عليها في ستة ستين بعد ألف وثلاث مائة، وأضمت بعض الحواشي، ووقع الفراع عنها ليلة الاثنين الرابع والعشرين من ذي الحجة، جمع الله تعالى خالصاً لوجهه الكريم، فإنه بر، جواد، عفور، رحيم.

عام لوگ ابتداءً ایک عام غلط فہمی کی وجہ سے ان کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور پھر اپنی ناواقفیت سے ان کا شکار بن جاتے ہیں، وہ غلط فہمی یہ ہے کہ عامۃً قلوب میں یہ سما گیا ہے کہ انظر والی ماقال، ولا تنظر والی من قال (آدمی کو یہ دیکھنا چاہئے کہ کیا کہا، یہ نہیں دیکھنا چاہئے کہ کس نے کہا) حالانکہ یہ مضمون فی نفسہ اگرچہ صحیح ہے لیکن اس شخص کے لئے ہے جو سمجھ سکتا ہو کہ کیا کہا، جو کہ وہ حق کہا یا باطل اور غلط کہا۔ لیکن جو لوگ اپنی ناواقفیت دینی کی وجہ سے کھرے کھوٹے، صحیح اور غلط میں تمیز نہ کر سکتے ہوں ان کو ہر شخص کی بات سننا منسب نہیں کہ اس کا نتیجہ مآل کار مضرت و نقصان ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں کوئی دعویٰ اگر دلائل، امامت، نبوت رسالت حتیٰ کہ خدائی تک کا بھی نعوذ باللہ دعویٰ کرے تو ایک گروہ فوراً اس کا تابع بن جاتا ہے۔ والی اللہ المشتکی وهو المستعان۔

الحمد لله والنسبة ۸ جمادی الاخریٰ سن ۱۳۴۴ھ شب جمعہ میں اس ترجمہ سے فراغت ہوئی۔ فقط

زکریا عفی عنہ کا ندھلوی

مقیم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

چونکہ اس ناکارہ کو اپنی ناقابلیت کا اعتراف ہے اس لئے اس ترجمہ کو نظر ثانی کے لئے اپنے محترم بزرگ الفاضل العلامہ مولانا عبدالرحمن صاحب صدر المدرسین مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور کے حوالہ کیا، مولانا نے اپنے مشاغل علیہ اور عدیم الفرستی کے باوجود اس کی بالاستیعاب نظر ثانی فرما کر اکثر جگہ اصلاح بھی فرمائی۔ فجزاهم اللہ تعالیٰ عنہم خیر الجزاء۔ اور اخیر میں یہ عبارت بھی تحریر فرمائی: الحمد لله کہ یہ عجز بھی ۲۷ رجب سن ۱۳۴۴ھ بروز پنجشنبہ کو اس کے دیکھنے سے فرغ ہوا۔

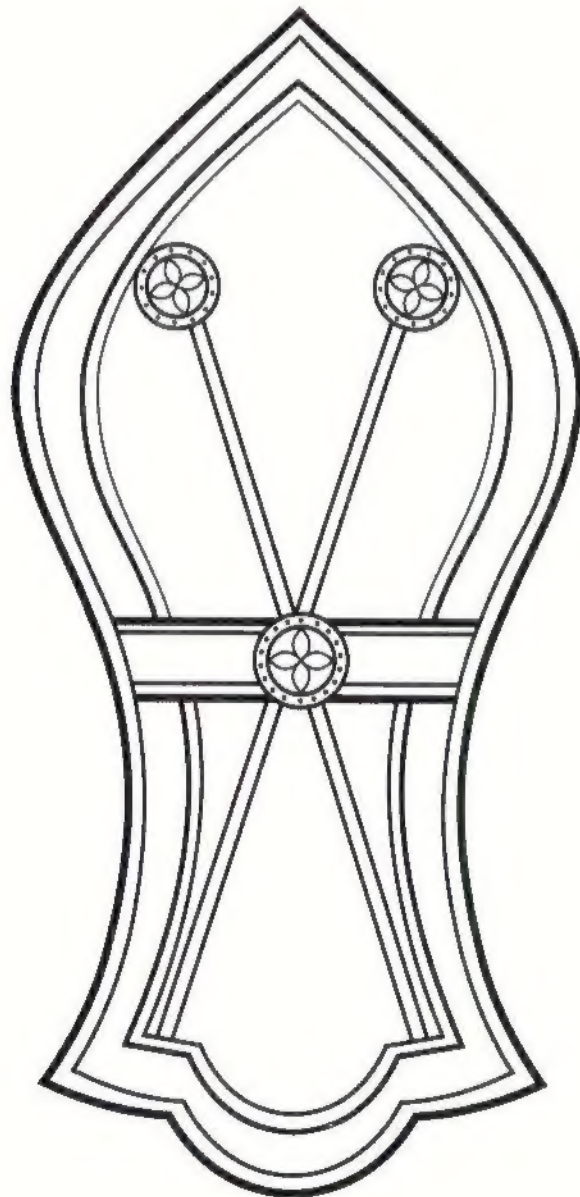
مکرر آنکہ یہ ترجمہ ابتداءً سن ۴۴ھ میں لکھا گیا تھا جیسا کہ عبارت مندرجہ بالا سے معلوم ہوا، اس کے بعد متعدد مرتبہ اس کے طبع ہونے کی نوبت آئی اور ہر مرتبہ طباعت کی غلطیوں میں اضافہ ہوتا رہا۔ اب بھی عرصہ سے کامیاب ہو جانے کی وجہ سے طباعت کا تقاضہ ہوا۔ میرے مخلص محسن مولوی نصیر الدین ناظم کتب خانہ نے کثرتِ اغلاط طباعت کی وجہ سے اس کی نظر ثانی پر اصرار کیا، میں ایک سال تک اپنی مشغولی کے عذر سے انکار کرتا رہا مگر وجہ اصرار قوی تھی کہ واقعی طباعت میں بعض غلطیاں فحش واقع ہو گئی تھیں اس لئے نظر ثانی شروع کی۔ مصنف کی نظر ثانی میں بلا قصد بھی کمی زیادتی ہو ہی جایا کرتی ہے،

اس لئے کہیں کہیں کی اور اکثر جگہ زیادتی ہوتی رہی، ہر چند اختصار کی کوشش کی مگر پھر بھی بہت سی جگہ اضافہ ہو ہی گیا۔ فالحمد للہ ثم الحمد للہ کہ آج ۲۴ ذی الحجہ سن ۱۴۰۰ھ شبِ دو شنبہ میں اس نظر ثانی سے فراغت ہوئی۔ حق تعالیٰ شانہ اپنے حبیب کے اخلاق کا کچھ حصہ اس سہ کار کو بھی ان احادیث کے طفیل نصیب فرمائے تو اس کے کرم اور لطف سے بعید نہیں۔

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على خير خلقه

سیدنا ونبينا ومولانا محمد وآله وصحبه أجمعين

نقشہ نعلین شریف



مكتبة البشيري

شركة النشر
جمعية نشر ودراسات إسلامية (السنة الأولى) باكستان

ملونة كرتون مقوي		مجلدة	
السراجي	شرح عقود رسم المفتي	الصحيح لمسلم	الجامع للترمذي
الفوز الكبير	متن العقيدة الطحاوية	الموطأ للإمام مالك	الموطأ للإمام محمد
تلخيص المفتاح	متن الكافي	الهداية	مشكاة المصابيح
مبادئ الفلسفة	المعلقات السبع	تفسير البيضاوي	التبيان في علوم القرآن
دروس البلاغة	هداية الحكمة	تفسير الجلالين	شرح نخبه الفكر
تعليم المتعلم	كافية	شرح العقائد	المسند للإمام الأعظم
هداية النحو (مع النماذج)	مبادئ الأصول	آثار السنن	ديوان الحماسة
المرفقات	زاد الطالبين	الحسامي	مختصر المعاني
ايساغوجي	هداية النحو (متداول)	ديوان المتنبي	الهدية السعيدية
عوامل النحو	شرح مائة عامل	نور الأنوار	رياض الصالحين
المنهاج في القواعد والإعراب		شرح الجامي	القطبي
ستطيع قريباً بعون الله تعالى ملونة مجلدة		كنز الدقائق	المقامات الحريرية
		نفحة العرب	أصول الشاشي
		مختصر القدوري	شرح تهذيب
		نور الإيضاح	علم الصيغ
Books in English		Other Languages	
Tafsir-e-Uthmani (Vol. 1, 2, 3)		Riyad Us Saliheen (Spanish) (H. Binding)	
Lisaa-ul-Quran (Vol. 1, 2, 3)		Fazail-e-Aamal (German)	
Key Lisaa-ul-Quran (Vol. 1, 2, 3)		Muntakhab Ahadis (German)	
Al-Hizb-ul-Azam (Large) (H. Binding)		To be published Shortly Insha Allah	
Al-Hizb-ul-Azam (Small) (Card Cover)		Al-Hizb-ul-Azam (French) (Coloured)	

مکتبہ التبشیری

شعبہ اشاعت
مردہری محمدی پبلیکیشنز سرسٹ (رجسٹرڈ) کراچی، پاکستان

درس نظامی اردو مطبوعات		سورہ یس	نورانی قاعدہ
خصائل نبوی شرح شامل ترمذی	خیر الاصول (اصول الحدیث)	رحمانی قاعدہ	بغدادی قاعدہ
معین الفلسفہ	الاعتقادات المفیدۃ	ایجاز القرآن	تفسیر عثمانی
آسان اصول فقہ	معین الاصول	بیان القرآن	النبی الخاتم المرسلین
تیسیر المنطق	فوائد مکیمہ	سیرت سید الکونین خاتم النبیین	حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم
فصول اکبری	تاریخ اسلام	خلفائے راشدین	امت مسلمہ کی مائیں
علم الصرف (اولین و آخرین)	علم الخو	نیک ہیماں	رسول اللہ ﷺ کی صحبتیں
عربی صفوۃ المصادر	جوامع الکلم	تبلیغ دین (امام غزالی رحمہ اللہ)	اکرام المسلمین (حقوق العباد کی فکر کیجیے)
جمال القرآن	صرف میر	علامات قیامت	حیلے اور بہانے
نحو میر	تیسیر الابواب	جزاء الاعمال	اسلامی سیاست
میزان و منشعب (الصرف)	بہشتی گوہر	علیک بسنتی	آداب معیشت
تعلیم الاسلام (مکمل)	تسہیل المبتدی	منزل	حصن حصین
عربی زبان کا آسان قاعدہ	فارسی زبان کا آسان قاعدہ	الحزب الاعظم (ماہوار مکمل)	الحزب الاعظم (ہفتوار مکمل)
نام حق	کریما	اعمال قرآنی	زاد السعید
پند نامہ	تیسیر المبتدی	مناجات مقبول	مسنون دعائیں
عربی کا معلم (اول تا چہارم)	کلید جدید عربی کا معلوم (اول تا چہارم)	فضائل اعمال	فضائل صدقات
عوامل الخو (الخو)	آداب المعاشرت	اکرام مسلم	فضائل درود و شریف
حیات المسلمین	تعلیم الدین	فضائل علم	فضائل حج
تعلیم العقائد	لسان القرآن (اول تا سوم)	فضائل امت محمدیہ ﷺ	جواہر الحدیث
مفتاح لسان القرآن (اول تا سوم)	سیر صحابیات	منتخب احادیث	آسان نماز
بہشتی زیور (تین حصے)		نماز خفی	نماز بدل
		آئینہ نماز	معلم الحجاج
		بہشتی زیور (مکمل)	خطبات الاحکام لجمععات العام
		روضۃ الادب	
دیگر اردو مطبوعات			
قرآن مجید پندرہ سطری (ماٹھی)	پنج پارہ		
پنج سورہ	عم پارہ (درسی)		

دائمی نقشہ اوقات نماز: کراچی، سندھ، پنجاب، خیبر پختونخواہ